مذہب کا اسلامی تصور

سلمان احمد ہاشمی

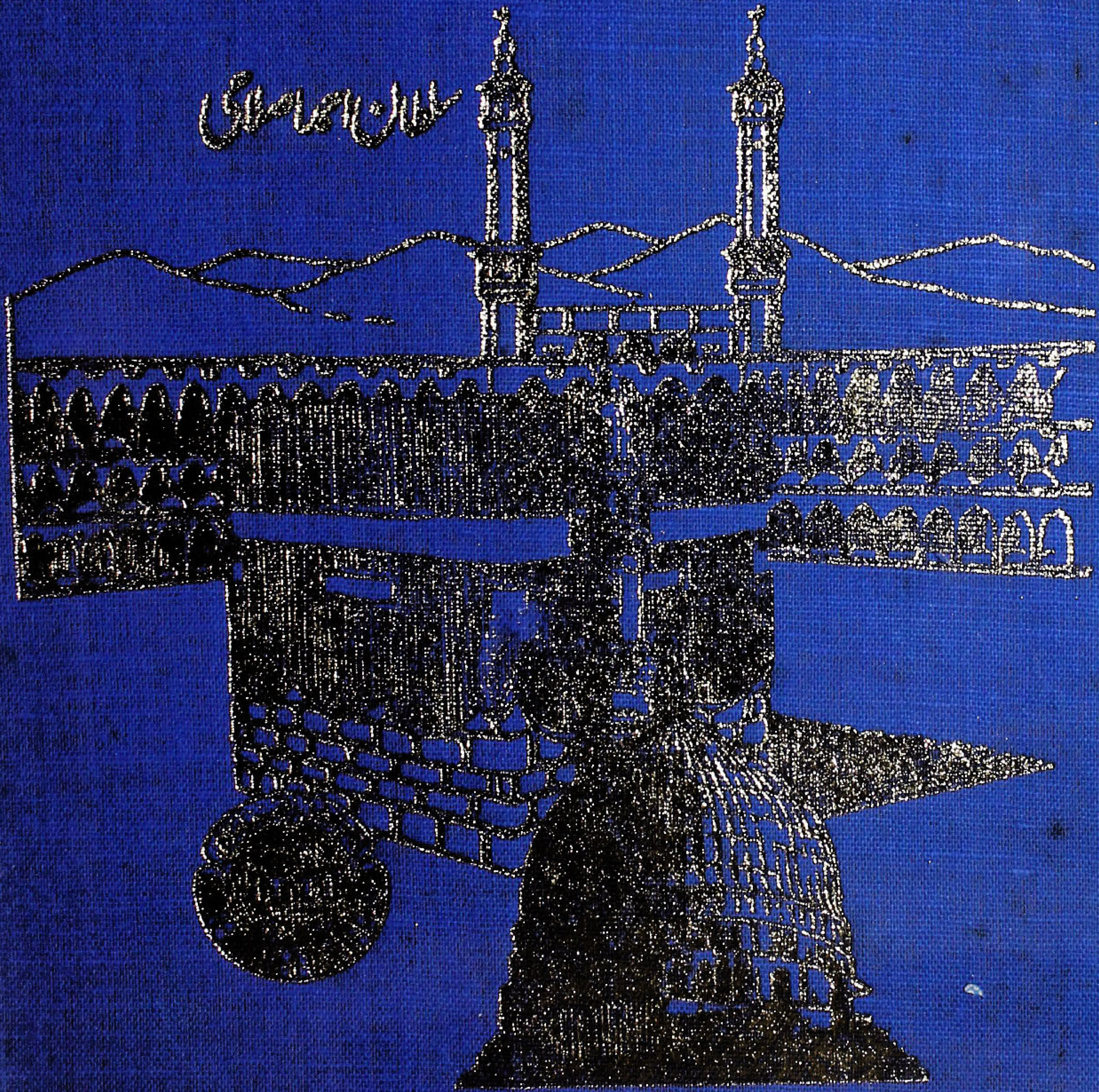

مذہب کا اسلامی تصوّر

سلطان احمد اصلاحی

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی
دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

سلسلہ منشورات ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ (۱۵)

297.01
S18
95692

نام کتاب	مذہب کا اسلامی تصور
مصنف	سلطان احمد اصلاحی
ناشر	ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ
طابع	نازیہ آفسٹ پرنٹرس، دہلی ۶
کتابت	راشد کتابت سینٹر۔ لال باغ مرادآباد
صفحات	۵۹۱
تعداد	۱۱۰۰ (گیارہ سو)
بار اول	۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء
قیمت مجلّد	۱۰۰/: روپے
تصحیح	احرازالحسن جاوید۔ علی گڑھ

Marfat.com

فہرست مضامین

دیباچہ ——— ۱۰

باب اول ——— ۱۳

محدود تصور مذہب کا پس منظر ——— ۱۴

یوروپ کی تاریخ میں مسیحیت کا بدنما کردار ——— ۱۵

قرون وسطیٰ میں کلیسا کے بڑھتے ہوئے اثرات ——— ۱۶

پادریوں کی دنیاداری ——— ۱۹

پادریوں کی عدالت میں رشوت کی گرم بازاری ——— ۲۱

بے دینی کے خلاف کلیسا کی جنگ ——— ۲۲

اس جنگ کی ابتدار ——— ۲۳

محکمۂ احتساب عقائد کا قیام ——— ۲۴

یہ عدالتیں تمام یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں ——— ۲۵

ان کا طریقۂ کار ——— ۲۶

بے دینی کی ٹوہ اور اس کے دائرے کی وسعت ——— ۲۹

جیلوں کی ایذارسانیاں اور اس کے کارندوں کے لامحدود اختیارات ——— ۳۱

ان کارروائیوں کے پیچھے کلیسا کے بنیادی محرکات ——— ۳۵

ان مظالم کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے ——— ۳۷

فکری جکڑبندیاں ——— ۳۹

Marfat.com

مسیحیت کی بنیادی خامی ۴۸
چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی ۵۳
مذاہب کی داخلی شہادت ۶۷
ہندومت ۶۷
یہودیت ۶۸
مسیحیت ۷۴
بودھ مت ۷۹

باب دوم

مذہب کا اسلامی تصوّر ۸۲
پورے قرآن اور پوری شریعت کی پیروی کا حکم ۸۵
دین کے حصے بخرے کرنے کی ممانعت ۹۰
اسلام، دین و دُنیا دونوں کی بھلائی کا جامع ۹۴
ترکِ دُنیا سے اجتناب ۹۸
عبادات میں اعتدال ۱۰۷
دینی زندگی کا وسیع تصوّر ۱۱۲
تخلیق جن و انس کا مقصد ۱۱۹
دعوت انبیاء کی شہادت ۱۴۷
دعوتِ انبیاء کا جامع ترین عنوان ۱۴۹
طاغوت سے اجتناب ۱۵۰
عبادت اور اطاعت ۱۵۳
انبیائؑ کی بیزاری ۱۶۴
بندگیٔ رب کے وسیع تقاضے ۱۶۷

Marfat.com

دعوت انبیاءؑ کا اجتماعی پہلو ـــــــ ۱۷۲

آخری نبیؐ کی وسیع دعوت ـــــــ ۱۸۳

مشرکین عرب ـــــــ ۱۸۳

مشرکانہ شریعت کے مظاہر ـــــــ ۱۸۴

کھیتیوں اور مویشیوں میں بتوں کی شرکت ـــــــ ۱۸۴

قتلِ اولاد ـــــــ ۱۸۵

طریقۂ آباء کی اندھی پیروی ـــــــ ۱۹۰

ہوا پرستی ـــــــ ۱۹۶

انسانوں کی حکمرانی ـــــــ ۱۹۹

اہل کتاب یہود و نصاریٰ ـــــــ ۲۰۳

نورانی شریعت کا وسیع دائرہ ـــــــ ۲۰۴

قوم یہود کے جرائم ـــــــ ۲۰۵

حق پرست اہل کتاب ـــــــ ۲۰۸

نصاریٰ ۔ صاحب شریعت گروہ ـــــــ ۲۰۹

قرآن کا نسخۂ شفا ـــــــ ۲۱۱

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے دو مشترک جرم ـــــــ ۲۱۳

احبار و رہبان کی خدائی ـــــــ ۲۱۳

عبادتِ طاغوت ـــــــ ۲۱۵

وحدتِ دین ۔ دعوت انبیاءؑ کا اہم ترین نکتہ ـــــــ ۲۱۸

وحدتِ دین کا تسلسل اور اس کی حقیقت ـــــــ ۲۱۹

وحدتِ دین کے قیام کے لوازم ـــــــ ۲۲۸

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ستم ظریفی اور ان کی نجات کی صورت ـــــــ ۲۲۹

شرک و بت پرستی کا المیہ ـــــــ ۲۲۳

Marfat.com

تفریق دین کی جملہ صورتوں کی ممانعت اور وحدت دین کے قیام کی عملی صورت ۲۳۴
گروہ انبیاءؑ کی یک زبانی ۲۳۱
اسلام - واحد راہ نجات ۲۴۰
علامہ ابن تیمیہؒ کا بصیرت افروز بیان ۲۴۳
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے ۲۵۶
خصائص انبیاء علیہم السلام ۲۶۳
قوت فیصلہ اور قوت علم ۲۶۴
معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ ۲۶۸
قوت علم و عمل ۲۷۰
نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت ۲۷۳
حکومت و سربراہی ۲۷۷
امامت و سیادت ۲۸۳
انبیاءؑ — خدائی لشکر ۲۸۵
آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ۲۸۹
حکم خدا کی بے لاگ پیروی ۲۸۹
تبیین احکام ۲۹۲
فصل خصومات ۲۹۷
سیاسی رہبر ۳۰۰
نظام کفر و شرک کے لیے آخری چیلنج ۳۰۱
قرآن کے خصائص ۳۱۰
عالمگیر پیغام ۳۱۱
پورے قرآن کی پیروی ۳۱۳
خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ ۳۱۵

Marfat.com

ہمہ گیر تعلیمات ـــــــ ۳۱۵
مکمل ضابطۂ حیات ـــــــ ۳۲۲
پیمانۂ حق و باطل ـــــــ ۳۳۰
اختلافات کا مرجع ـــــــ ۳۳۵
مقدمات کا فیصلہ ـــــــ ۳۴۰
عدل و انصاف کا قیام ـــــــ ۳۴۷
شعائر اسلام کی گواہی ـــــــ ۳۵۴
خانہ کعبہ کی ہمہ جہتی برکات ـــــــ ۳۵۴
حج بیت اللہ کے دنیوی فوائد ـــــــ ۳۵۸
نماز ـــــــ ۳۶۲
روزہ اور زکوٰۃ ـــــــ ۳۶۹
روزہ ـــــــ ۳۷۳
قرآنی دعائیں ـــــــ ۳۷۵
فتح و نصرت کی دُعا ـــــــ ۳۷۶
وعدے کی تکمیل کی دُعا ـــــــ ۳۷۹
حکومت و اقتدار کی دُعا ـــــــ ۳۸۳
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دُعائیں ـــــــ ۳۸۹
اہل ایمان کے اوصاف ـــــــ ۳۹۳
تصور مذہب ـ معروف دینی اصطلاحات کے آئینہ میں ـــــــ ۴۱۷
ایمان اور عمل صالح ـــــــ ۴۱۸
عملِ صالح ـــــــ ۴۲۵
عملِ خیر ـــــــ ۴۴۶
صالحین ـــــــ ۴۵۱

Marfat.com

عبادات اور عابدین ـــــــــــ ۴۵۷
خشوع اور خاشعین ـــــــــــ ۴۶۲
تقویٰ اور احسان ـــــــــــ ۴۶۹
صبر و توکّل ـــــــــــ ۴۸۵
قرآن مجید کی مکّی سورتوں کے مضامین ـــــــــــ ۴۹۹
سورۂ انعام اور سورۂ اعراف ـــــــــــ ۵۰۱
اصولی ہدایات ـــــــــــ ۵۰۶
اللہ کی حاکمیت ـــــــــــ ۵۰۶
جملہ معاملات زندگی میں قرآن کی پیروی ـــــــــــ ۵۰۸
ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب ـــــــــــ ۵۰۹
عدل و قسط کا حکم ـــــــــــ ۵۱۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ـــــــــــ ۵۱۵
عدل و انصاف ـــــــــــ ۵۱۷
ظلم کا مقابلہ ـــــــــــ ۵۱۸
عہد و امانت اور شہادت کا پاس و لحاظ ـــــــــــ ۵۱۹
ناپ تول کی درستگی ـــــــــــ ۵۲۰
غلاموں کی آزادی ـــــــــــ ۵۲۲
قتلِ اولاد کی ممانعت ـــــــــــ ۵۲۳
کمزور طبقات کی رعایت ـــــــــــ ۵۲۴
دعوت الی اللہ ـــــــــــ ۵۲۹
امر بالمعروف و نہی عن المنکر ـــــــــــ ۵۳۲
تواصی بالحق ـــــــــــ ۵۳۳
ہجرت، جہاد و قتال ـــــــــــ ۵۳۴

Marfat.com

شورائیت کی تعلیم ــــــــ ۵۴۲

اسلام کے مقاصد ــــــــ ۵۴۵

اسلام میں اجتماعیت کے باب کی غیر معمولی اہمیت ــــــــ ۵۴۹

نکاح و طلاق ــــــــ ۵۴۹

حُرمتِ سُود ــــــــ ۵۵۳

قرض کی لکھائی اور اس پر گواہی ــــــــ ۵۵۵

وراثت کے احکام ــــــــ ۵۵۶

جان و مال کی حرمت ــــــــ ۵۵۷

زنا کی سخت سزا ــــــــ ۵۶۲

بعض دوسرے اہم اجتماعی مقاصد ــــــــ ۵۶۶

حق و انصاف کی علمبرداری ــــــــ ۵۶۶

امانتوں کا لحاظ ــــــــ ۵۶۸

امارت و خلافت کا قیام ــــــــ ۵۷۴

علماء اُمت کی تصریحات درباب شریعت و مقاصد شریعت ــــــــ ۵۷۷

جُدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی ــــــــ ۵۷۹

دین کا غلبہ و نفاذ ــــــــ ۵۸۲

جہاد و قتال ــــــــ ۵۸۴

مآخذ و مصادر ــــــــ ۵۸۵

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

دیباچہ

مذہب انسانیت کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ لیکن اس کا صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے مذہب کی صحیح پہچان ضروری ہے۔ موجودہ دور میں ایک خاص پس منظر کے تحت مذہب کے خلاف زبردست پروپگنڈا کیا گیا اور اسے سخت ترین اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا، اس کے نتیجے میں اس کی نسبت سے بہت سی ایسی باتیں لوگوں میں مشہور اور زباں زد ہوگئیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ باتیں کسی دلیل و برہان اور کسی تجزیہ و تحلیل کے بغیر محض پروپیگنڈے کے زور پر پھیلائی گئیں۔ انہی بے سروپا باتوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ "مذہب کا تعلق انسان کی پرائیوٹ زندگی سے ہے، دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔ اس کتاب میں ہم نے اس رائج الوقت خیال کے پس منظر کو پوری تفصیل سے بیان کرنے کے ساتھ خود مذاہب کی زبان سے اس بے بنیاد دعوی کی تردید کی ہے۔

عجیب بات ہے کہ مذہب کے خلاف اس پروپیگنڈے میں اسلام کو بھی گھسیٹے بغیر نہیں رہا گیا۔ جبکہ وہ پوری زندگی کا دین اور دین و دنیا کی تقسیم سے یکسر ناآشنا ہے۔ یہ الگ ہے کہ غلط فہمی سے اسلام کے بہت سے نام لیوا بھی اسے "مذہب" کے مروجہ خانے میں رکھنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ آئندہ صفحات میں ہم نے اس خیال کی غلطی کو پوری تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اور قرآن و سنت کے محکم دلائل سے پورے شرح و بسط سے اسلام کے وسیع تصور مذہب کے خط و خیال نمایاں

Marfat.com

کئے ہیں۔ ناظرین محسوس کریں گے کہ اسلام کے وسیع اور انقلابی تصور مذہب پر محض ایک، چند آیات ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ پورا قرآن اس پر ناطق ہے۔ اور بحث نظر کے بہت سے نئے گوشے ہیں جن کی طرف اس کے صفحات سے رہنمائی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں احادیث نبوی سے استدلال ضمناً اور تبعاً اور خال خال ہی کیا گیا ہے۔ دراصل اس موضوع پر کتاب اللہ کا مواد ہی اتنا کافی اور مفصل تھا کہ اسے بمشکل سمیٹا جاسکا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے سلف کی تائید کے ساتھ کہا گیا ہے۔ تمام اہم مواقع پر آیت سے استدلال کرتے ہوئے علمائے تفسیر اور ماہرین شریعت کی تصریحات کا بالالتزام ذکر کیا گیا ہے۔ اور اپنے بس بھر تحقیق و تلاش کا حق ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خامیوں سے پاکی کا دعویٰ انسانی کام میں نہیں ہوسکتا۔ حضرات اہل علم و دانش سے گذارش ہے کہ وہ کتاب پر توجہ کی نظر ڈالیں تاکہ ان کی مفید مشوروں کی روشنی میں آئندہ اسے مزید بہتر بنایا جاسکے۔ کتاب میں متن حدیث کے الفاظ اس کتاب کے ہیں جس کا حوالہ حواشی میں سب سے پہلے درج ہے۔ دیگر کتب حدیث کے حوالے مزید تقویت اور تائید کے لئے ہیں۔

کسی بڑے علمی پس منظر سے عاری ایک بے مایہ و بے بضاعت طالب علم کو اللہ نے دین کی ترجمانی کی یہ توفیق بخشی، اس کے اس احسان عظیم پر دل جذبات شکر سے لبریز اور زبان اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ آئندہ کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راستے کی رکاوٹوں کو دور کرکے دین کی مزید علمی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے حالات کو سازگار بنائے۔

بہت سے لوگ لکھنے پڑھنے کا کام اس لئے کرتے ہیں کہ وہ کچھ بڑی علمی شخصیتوں کے جانشیں اور ان کے علوم و فنون کے وارث ہوتے ہیں، کچھ لوگ بعض خاص حالات میں اپنے کو کسی خاص منصب پر مامور پاتے ہیں۔ یہ بے مایہ اس کوچہ میں اس لئے پڑا ہے کہ اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اس کے علاوہ اپنے اندر کوئی دوسری صلاحیت نہیں پاتا ہے۔ ستائش کی تمنا اور صلہ سے بے پروا

Marfat.com

وہ اسے ایک فرض سمجھتا ہے۔ جسے حسب توفیق بہرصورت ادا ہونا ہے۔ اللہ رب العزۃ سے التجا ہے کہ وہ اپنا جینا اور مرنا اس کام کے ساتھ کردے اور زندگی کی آخری سانس تک اس کا سلسلہ دراز رہے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ○

سلطان احمد اصلاحی

۹ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۸۵ء

باب اوّل

محدود تصوّرِ مذہب کا پس منظر

Marfat.com

محدود تصورِ مذہب کا پس منظر

"مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں"، آج کی پڑھی لکھی دنیا کا یہ وہ مسئلہ ہے جس کے خلاف زبان کھولنا کچھ آسان نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مذہب کے بارے میں یہ فیصلہ کس کا ہے اور کس بنیاد پر اسے سند اعتبار حاصل ہے؟ کیا مذہب کے ماننے والوں نے خود اس بات کا اعلان کیا یا مذاہب عالم کے علمبرداروں اور ان کے بڑے بڑے رہنماؤں کی کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی جس میں مذہب کے کردار کے سلسلے میں یہ فیصلہ پڑھ کر سنایا گیا؟ یا مذاہب عالم کی نمائندہ کتابیں اور ان کا نمائندہ لٹریچر اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے اور ان کی داخلی شہادت اس مقبول عام تصور کے حق میں ہے؟ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ان میں سے کسی چیز کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہے۔ نہ تو مذاہب کی نمائندہ کتابیں اس کی شہادت دے رہی ہیں اور نہ ان کے علمبرداروں ہی نے کبھی اس طرح کا کوئی اعلان کیا۔ پھر سوال یہ ہے کہ اس تصور کو یہ قبولِ عام کس طرح حاصل ہوا اور کس طرح یہ چیز آج کی پڑھی لکھی دنیا کا مسلمہ قرار پا گئی۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ موجودہ دور میں فکر و نظر کے معمار یورپ میں پال کی ایجاد کردہ پامال مسیحیت کی کارگزاری ہے جس کے نتیجے میں مذہب کے سلسلے میں مذکورہ خیال کو سکہ رائج الوقت بننے کا موقع ملا ہے۔ اور بات مسیحیت تک محدود نہ رہ کر تمام مذاہب عالم اس کی لپیٹ میں لے لئے گئے۔ اور معاملات دنیا سے بے دخلی مذہب کے تصور کا ایک لازمی جزء قرار پا گئی۔ مسیحیت کے خلاف

Marfat.com

یورپ کا یہ ردعمل کن اسباب و عوامل کے تحت وجود میں آیا اور کیا حالات تھے۔ جن کی رعایت سے مجبور ہو کر معاملات دنیا سے اپنی بے دخلی کے یورپ کے فیصلے کو اس نے برضا و رغبت قبول کیا اور فرد کی نجی زندگی تک اپنی محدودیت کو بھی لبا غنیمت جانا۔ اور بعد میں اسی سے متاثر ہو کر دیگر مذاہب عالم بلکہ نفس مذہب کے سلسلے میں بھی یہی تصور ایک حقیقت مسلمہ قرار پا گیا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ جس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ہمیں یورپ میں مسیحیت کے کردار پر نظر ڈالنی پڑے گی۔

یورپ کی تاریخ میں مسیحیت کا بدنما کردار

یورپ کی تاریخ میں مسیحیت کا کردار انتہائی بدنما بلکہ گھناؤنا ہے۔ رومن امپائر کے آخری ادوار سے لے کر اٹھارویں صدی کے آخر تک اس کے نمائندے ادارے چرچ اور پاپائیت جاگیرداری اور قومی بادشاہتوں کے دونوں ہی زمانوں میں مختلف انداز اور مختلف روپ میں پینترے بدل بدل کر عوام کی گردن پر سوار رہے۔ اور ہر ممکن طریقے سے ان کا استحصال کرتے رہے۔ اس پاپائیت کے سلسلے میں ٹامس ہابس کا یہ ریمارک بالکل حق بجانب ہے کہ:

یہ وہ بدروح تھی جو بادشاہت کا تاج پہنے رومن امپائر کی قبر سے اٹھنے کا کسی طرح نام نہیں لیتی تھی[1]۔ چوتھی صدی عیسوی میں قسطنطین اعظم کے عیسائیت قبول کرنے اور اس کے رومن امپائر کے سرکاری مذہب قرار پا جانے کے بعد[2] پورے

---

[1] D.R. Bhandari : History of European Political Philosophy p. 90

[2] Carl Stephenson : Mediaeval History Rev. Ed. P. 60.D.R.Bhandari : History of European Political Philosophy P. 68.

Marfat.com

یورپ کی آبادی پر اسے غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل ہو گیا۔ اور اسی وقت سے اس نے اپنے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے اور اپنے مخالفین کے صفایا کی مہم شروع کر دی تھی[1] اور پانچویں صدی عیسوی میں رومن ایمپائر کے زوال کے بعد تو آگے ایک ہزار سال تک وہ یورپ میں بلا شرکت غیرے تمام تر سیاہ و سفید کی مالک رہی۔ خاص طور پر قرن وسطیٰ MIDDLE AGES کا زمانہ، جس کی آخری حد اگرچہ تیرہویں صدی[2] سے لے کر پندرہویں صدی تک بتائی جاتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ جس کا منحوس سایہ ہمیں یورپ میں سترہویں اور اٹھارویں بلکہ انیسویں صدی تک دراز نظر آتا ہے۔ اس میں مسیحیت کے نمائندوں چرچ اور پاپائیت کو باشندگان یورپ پر جو زبردست اقتدار حاصل رہا اور اس کا فائدہ اٹھا کر انھوں نے ان کا جس طرح استحصال کیا اور ان پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

قرون وسطیٰ میں کلیسا کے بڑھے ہوئے اثرات

قرون وسطیٰ میں کلیسا کو باشندگان یورپ پر جو زبردست اقتدار حاصل تھا اور جس طرح وہ پورے یورپ کو اپنے آہنی پنجوں میں کسے ہوئے تھا۔ آج بیسویں صدی میں واقعہ ہے کہ اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ تاہم ڈاکٹر جیمس ہاروی رابن سن کے درج ذیل بیان سے اس کا تھوڑا بہت اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"قرون وسطیٰ کی کلیسا موجودہ زمانہ کی کلیساؤں سے بہت مختلف تھی خواہ وہ کیتھولک ہوں یا پروٹسٹنٹ۔

---

[1] G.R. Scott. The History of Torture through out the ages P. 64.

[2] E.S.P. Haynes : Religious Persecutions P. 35-36.

Marfat.com

(۱) سب سے پہلے ہر شخص کو اس سے تعلق رکھنا ضروری تھا۔ جس طرح سے آج کل ہم کو کسی نہ کسی سلطنت سے ضرور تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کوئی شخص کلیسا کے اندر نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن اس کو معمولی طور پر قبل اس کے کہ وہ اس معاملے میں کوئی رائے قائم کرنے کے قابل ہو اصطباغ دیدیا جاتا تھا۔ تمام مغربی یورپ ایک واحد مذہبی جماعت تھا جس سے بغاوت کرنا جرم تھا۔ کلیسا کی اطاعت سے انکار کرنا یا اس کی تعلیمات اور اس کے حکم پر اعتراض کرنا خدا سے سرکشی کرنا سمجھا جاتا تھا اور اس کو سزائے موت دیدی جاتی تھی۔

(۲) قرون وسطیٰ کی کلیسا آج کل کی کلیساؤں کی طرح اس کے ممبروں کے بخوشی چندوں کی آمدنی پر گذر نہیں کرتی تھی۔ علاوہ اپنی وسیع قطعات آراضی کی مالگذاری اور مختلف قسم کی فیس کے اس کو باقاعدہ ٹیکس کی بھی آمدنی تھی جس کو 'عشر' کہتے تھے۔ جن لوگوں کو یہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ ان سے بہ جبر وصول کیا جاتا تھا جس طرح کہ آج کل ہم سب کو حکومت کے ٹیکسوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ ظاہر ہے کہ قرون وسطیٰ کی کلیسا صرف ایک مذہبی جماعت ہی نہ تھی جیسی کہ آج کل کی کلیسائیں ہیں۔ بے شک یہ گرجاؤں کو وظائف دیتی تھی اور نمازیں پڑھانے کا انتظام کرتی تھی۔ اور روحانی زندگی پیدا کرتی تھی لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کام کرتی تھی۔ ایک لحاظ سے یہ ایک سلطنت کے مانند تھی۔ کیونکہ یہ اپنا مکمل آئین جداگانہ رکھتی تھی۔ اور اس کی عدالتیں بہت سے ایسے مقامات طے کرتی تھیں جو آج کی ہماری معمولی عدالتیں طے کرتی ہیں۔ اس کے زیر نگرانی جیل خانے بھی تھے جہاں کہ یہ مجرموں کو عمر بھر رہنے کی سزا دے سکتی تھی۔"[۱]

کلیسا کی اس طاقت کا اندازہ اسی مصنف کے ایک دوسرے اقتباس سے بھی کیا جا سکتا ہے:

---

[۱] تاریخ مغربی یورپ مترجمہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا۔ صفحات ۲۰۵، ۲۰۶

"قرن وسطیٰ کی کلیسا اپنے اندازِ حکومت کے لحاظ سے بجا طور پر شخصی سلطنت کہی جاسکتی ہے۔ پوپ اس کا طاقتور اور مطلق العنان سردار تھا۔ اور اس کی شخصیت میں تمام روحانی اور انتظامی اختیارات مجتمع تھے۔ وہ اعلیٰ اور فائق مقنن تھا۔ کلیسا کی کوئی کونسل خواہ کیسا ہی کوئی معاملہ اہم اور عظیم ہو اس کی مرضی کے خلاف قانون وضع نہیں کرسکتی تھی۔ کیوں کہ اس کے فرامین پوپ کی منظوری کے بغیر جائز قرار نہیں دیئے جاسکتے۔

علاوہ ازیں پوپ کو اختیار تھا کہ کلیسا کے کسی قانون کو منسوخ کردے یا اس سے بازگشت کرے خواہ وہ کتنا ہی قدیم ہو بشرطیکہ مقدس کتابوں میں اس کا صریح حکم نہ ہو یا قدرت ایسا کرنے کے لئے مجبور نہ کرتی ہو۔ وہ وجوہات مناسب کی بنا پر تمام انسانی قوانین میں مستثنیات کرسکتا تھا"[1]

اسی کتاب کا ایک دوسرا اقتباس ملاحظہ ہو جس سے ہمیں قرونِ وسطیٰ میں کلیسا کے بڑھے ہوئے اثرات کا اندازہ لگانے میں مزید مدد ملتی ہے۔

اس ضابطہ (ضابطہ تھیوڈوسیا جو ۴۳۸ء میں درجۂ تکمیل کو پہونچا جس میں عیسائی کلیسا اور پادریوں سے متعلق تمام شاہی فرامین درج تھے) سے ہم کو اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ پادریوں کو اس بنا پر کہ ان کے سپرد مقدس امور تھے، گراں بار عہدوں کے فرائض انجام دینے اور چند ٹیکسوں کے ادا کرنے سے جو عوام الناس کے ذمہ تھے مستثنیٰ کردیا گیا تھا۔ ان کو وصیتیں قبول کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ خود شہنشاہوں نے کلیسا کے نام بڑے بڑے وقف کردیئے۔ ان کی مثال کو پیش نظر رکھ کر بادشاہوں اور خاص خاص لوگوں نے تمام قرون وسطیٰ میں عمل کیا۔ یہاں تک کہ کلیسا اس قدر مالدار ہوگئی جس کا یقین کرنا مشکل ہے۔ یعنی اس کی آمدنی ہر سلطنت یورپ سے بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ پادریوں کو بعض مقدمات قانونی بھی طے کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور ان کو یہ مراعات بھی حاصل تھیں کہ وہ کلیسا کی ان

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۲

عدالتوں سے ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے مقدمات کو جن میں وہ خود ماخوذ ہوں طے کرالیں[1]

آگے یہی مصنف رقم طراز ہے۔ اس کے ذریعہ بھی قرون وسطیٰ میں کلیسا کی بڑھتی ہوئی طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"کلیسا کے مقدس حقوق اور اس کے بے مثال نظم ونسق اور اس کی وسیع دولت نے اس کے افسران یعنی پادریوں کو قرون وسطیٰ کا نہایت طاقتور معاشرتی طبقہ بنا دیا۔ ان کے پاس جنت کی کنجیاں تھیں اور بغیر ان کی امداد کے کوئی شخص جنت میں داخلہ کی امید نہیں کر سکتا تھا۔"

"خارجہ سے نہ صرف وہ کسی مجرم کو کلیسا سے علیحدہ کر دیتے تھے بلکہ بنی نوع انسان کو اس سے ملنے جلنے کو منع کر دیتے تھے۔ کیوں کہ وہ ملعون تھا اور اس کو شیطان کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ مذہبی رسوم کے ترک کرنے سے وہ کسی شہر میں یا ملک میں مذہب کی تسلیوں کو معطل کر سکتے تھے۔ اس طرح کہ گرجا کے دروازے بند کر دیتے تھے اور تمام عام نمازوں کی ممانعت کر دیتے تھے"[2]

پادریوں کی دنیاداری

باشندگان یورپ پر اپنے اس اختیار کامل کا کلیسا نے انتہائی بے جا فائدہ اٹھایا اور انہیں اپنی ہوس دنیا پرستی کے لئے کھلی چراگاہ تصور کیا۔ اور حضرت مسیحؑ کی ان تعلیمات کے بالکل برعکس کہ :

"میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں" (یوحنا، باب : ۱۸ : ۳۶)

نیز یہ کہ :

"جو لوگ دولت پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کے لئے خدا کی بادشاہی میں داخل

---

[1] حوالہ سابق ص۲۲ [2] کتاب مذکور ص۲۱۷

Marfat.com

ہونا کیا ہی مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (مرقس باب : ۱۰،۲۴،۲۵)

اس نے دنیاداری اور زر پرستی ہی کو اپنا واحد مطمح نظر قرار دے لیا اور دنیا کے سامنے اس کا ایسا بدترین نمونہ پیش کیا جس سے زیادہ بدتر کسی اور چیز کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پادریوں کی یہ دنیا داری کس حد تک بڑھی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھوں وہ کیسے کچھ اسیر ہو چکے تھے۔ اس کی تفصیل ہاردی رابن سن کے لفظوں میں اس طرح ہے :

" جب ہم کسی متمول پادری کی حالت پر غور کرتے ہیں تو یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ اس میں بداعمالی بے انتہا پائی جاتی ہے۔ کلیسا کے عہدے روپیہ پیدا کرنے کے وہی مواقع پیش کرتے تھے جو حکومت کے عہدے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی کے بعض پادریوں کی خصوصیات سے ان کا ایک پیشہ ور سیاسی مدبر ہونا بہ نسبت ایک موجودہ پادری کے خواہ وہ کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ زیادہ ثابت ہوتا ہے"[1]

یہ حال بڑے اور متمول گرجاؤں کے پادریوں کا تھا۔ چھوٹے اور غریب گرجاؤں کے پادریوں کا حال بھی ان سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھا۔ مصنف مذکور فرماتے ہیں:

" رہے غریب گرجاؤں کے پادری، وہ بھی اپنے برتروں کے برے نمونے کی تقلید کرتے تھے۔ کلیسا کی کونسلوں کے قوانین ظاہر کرتے ہیں کہ بعض اوقات پادری اپنی گرجا کو دوکان بنا لیتا تھا۔ اور شراب اور دیگر اشیاء فروخت کرتا تھا۔ وہ اپنی آمدنی میں اس طرح بھی اضافہ کر لیتا تھا کہ اصطباغ، اقرار گناہ، شادی اور مردوں کے دفن کرنے کے وقت جو اس کے فرائض میں سے تھے لوگوں سے فیس وصول کرتا تھا"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۲۲۱ [2] حوالہ سابق ص ۲۲۲

Marfat.com

پادریوں کی عدالت میں رشوت کی گرم بازاری

کسی بھی سماج میں عدالت وہ آخری دروازہ ہے جسے آدمی وقت پڑنے پر کھٹکھٹاتا ہے۔ اور وہاں اس توقع کے ساتھ جاتا ہے کہ اسے اپنا جائز حق ملے گا اور اسے دوسروں کی ظلم وزیادتی سے نجات دلائی جائے گی۔ لیکن افسوس کہ کلیسا اس پاک جگہ کو بھی آلودہ کئے بغیر نہیں رہا۔ جس کی حالت زار کا نقشہ پوپوں کی عظمت کا قائل اور کلیسا سے بھرپور ہمدردی رکھنے والا یہ مصنف ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔ :

"سمونی [1] اور بہت سے پادریوں کی شرمناک زندگی کے علاوہ دیگر قسم کی برائیاں بھی تھیں جن سے کلیسا بدنام ہو گئی۔ اگرچہ پوپ خود بارہویں اور تیرہویں صدی میں عام طور پر اچھے آدمی تھے۔ اور بعض اوقات ممتاز مدبر ثابت ہوئے جنھوں نے نیک نیتی سے اپنے شعبہ کو جس کے وہ اعلیٰ افسر تھے نیک نام بنانے کی کوشش کی لیکن ان کے ماتحت افسران جو ان کی عدالتوں کے بے شمار مقدمات فیصل کرتے تھے۔ سخت رشوت ستانی کے لئے بدنام تھے۔ یہ عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ ہمیشہ فیصلہ اس کے موافق ہوگا جو سب سے زیادہ رشوت دے گا۔ اور یہ کہ غریب آدمی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اسقفوں کی عدالتیں اپنے ظلم و جبر کے لئے یگانۂ روزگار تھیں۔ کیوں کہ اسقف کی آمدنی کا بڑا حصہ ایک فیوڈل رئیس کی طرح اس جرمانے سے آتا تھا جو مجرموں کو دینا پڑتا تھا۔ ایک شخص بعض اوقات مختلف عدالتوں میں ایک ہی وقت میں طلب کیا جاتا تھا اور ایک یا دوسری عدالت کی غیر حاضری پر اس پر جرمانہ کر دیا جاتا تھا" [2]

---

[1] سمونی Simony یعنی کلیسا کے عہدوں کی خرید و فروخت کا انتہائی شرمناک کاروبار ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۶۱ ، نیز: ڈی۔ آر۔ بھنڈاری کی کتاب ہسٹری آف یورپین پولیٹکل فلاسفی ص ۸۷

[2] حوالہ بالا ص ۲۲۲

Marfat.com

بہرحال ان صدیوں میں کلیسا کی لوٹ کھسوٹ اور دنیا پرستی ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت تھی جس پر اس وقت کی پوری عیسائی دنیا متفق اللفظ نظر آتی ہے۔ اور اس کا پورا تحریری سرمایہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ پوپ کے خطوط، مقدس اشخاص کے مواعظ، کونسلوں کے قوانین، شاعروں کی ہجویں اور درباری شاعروں کی نظمیں بلا استثناء یہ تمام تحریریں کلیسا کے ظلم واستحصال کی شاکی ہیں۔ جس کی طرف مصنف مذکور ان لفظوں میں اشارہ کرتا ہے:

"یہ سب تحریرات پادریوں کی ناانصافی، ان کی حرص وطمع اور ان کی اپنے مقدس فرائض سے کم توجہی کو برا کہنے میں متفق اللفظ ہیں۔ سینٹ برناڈ رنج کے ساتھ سوال کرتا ہے:

تم پادریوں میں کسی شخص کو پیش کر سکتے ہو جو اپنے گلہ کی جیبیں خالی کرانے کی فکر نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی برائیوں کو دور کرنے کی فکر کرتا ہے" لہ

بے دینی کے خلاف کلیسا کی جنگ

یہ حال تو کلیسا کے معاشی استحصال کا تھا۔ اس سے آگے سیاسی اور سماجی سطح پر اس نے باشندگان یورپ جو مظالم ڈھائے ہیں۔ اور ان پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے ہیں انسانی تاریخ کا وہ انتہائی عبرت ناک باب ہے۔ اس کا سب سے زیادہ نمایاں مظاہرہ ہمیں بے دینی کے خلاف کلیسا کی جنگ میں نظر آتا ہے جس کے سلسلے میں کلیسائی نظام کا دل سے مداح اور اس کا ہوا خواہ مصنف مذکور اپنے کو ان حقائق کے اعتراف کے لئے مجبور پاتا ہے:

"جو لوگ کلیسا کی تعلیمات پر اعتراض کرتے تھے اور اس کے اختیارات کو اس سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے، اس زمانہ کے مسلمہ خیال کے مطابق وہ بے دینی کے

بڑے جرم کے مرتکب سمجھے جاتے تھے۔ کسی پکے عیسائی کے نزدیک اس شخص کے جرم سے کوئی گناہ زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو خدا کے خلاف بغاوت کرے اور یہ اس مذہب کو ترک کر دے جو رومن کلیسا کے ذریعہ سے اس کے بیٹے کے فوری توابعین نے ہم تک پہنچایا تھا۔ علاوہ ازیں شک اور بے دینی نہ صرف گناہ تھے بلکہ وہ اس زمانہ کے نہایت طاقتور معاشرتی صیغہ کے خلاف بغاوت بھی تھی جو اس کے بعض افسران کی بداعمالیوں کے باوجود عام طور پر تمام مغربی یورپ کے لوگوں کے نزدیک لائق احترام تھا۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں کی بے دینی کا طریقہ، اس کی وسعت اور اس کے اخراج کی کوششیں جو کلیسا نے وعظ، آگ، تلوار اور تحقیق مذہب کی سخت عدالتوں کے ذریعہ سے کیں قرون وسطیٰ کی تاریخ کا دہشت ناک اور عجیب و غریب باب ہے"۔ [1]

اس جنگ کی ابتداء

محکمۂ احتساب عقائد INQUISITION کی صورت میں اس بے دینی کے خلاف باقاعدہ جنگ تو تیرہویں صدی عیسوی کے وسط میں شروع ہوئی جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، لیکن اس کا آغاز بارہویں صدی کے نصف ہی سے ہو چکا تھا۔ جس کی تفصیل مصنف مذکور کے لفظوں میں اس طرح ہے:

"بارہویں صدی کے اختتام سے قبل دنیاوی فرماں رواؤں نے بے دینی کی طرف توجہ مبذول کی۔ ہنری دوئم شاہ انگلستان نے ۱۱۶۶ء میں حکم دیا کہ انگلستان میں کوئی بھی شخص بے دینوں کو پناہ نہ دے۔ اور جس گھر میں ان کا پتہ چلے وہ جلا کر خاک سیاہ کر دیا جائے۔ ایراگان کے بادشاہ (۱۱۹۴ء) نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو شخص والڈینسس کی تعلیمات سنے گا یا انہیں خوراک دے گا وہ بغاوت کی سزاؤں کو برداشت

Marfat.com

کرے گا۔ اور سلطنت اس کی جائداد کو ضبط کرلے گی۔ یہ بے رحمانہ فرمانوں کے سلسلہ کی شرعات ہیں جن کو تیرہویں صدی کے نہایت روشن خیال بادشاہوں نے ان سب کے خلاف جاری کیا۔ جو ایلبی جنسز یا ولڈن سیس سے تعلق رکھتے تھے۔ کلیسا اور شاہی حکومت اس پر متفق ہوگئیں کہ دونوں کی بہتری کے لئے بے دین خطرناک تھے اور وہ ایسے مجرم تھے جو زندہ جلائے جانے کے مستحق تھے"۔ ۱ے

محکمۂ احتساب عقائد کا قیام

The HOLY INQUISITION,

یورپ میں اس محکمہ کے باقاعدہ قیام کے ایک ہزار سال قبل سے ہی بے دینی کے خلاف جنگ کا اصول موجود تھا۔ چنانچہ ۳۸۲ء میں ایک ایسا قانون پاس کردیا گیا تھا جس کی رو سے کوئی بھی شخص جو بے دینی کا مجرم ہو سزائے موت کا مستحق تھا۔ آگے کئی صدیوں تک یورپ میں عیسائیت کے قدم جمالینے کے بعد اکادکا واقعات کی صورت میں بے دینوں کی اگرچہ خبرلی جاتی رہی اور کبھی کبھی یہ چیز ایک مہم کی صورت بھی اختیار کرلیتی تھی۔ پھر بھی معاملہ بہت سخت نہ تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ کلیسا کے خیال کے مطابق ایسے بہت سے بے دین فرقے ابھرنے شروع ہوئے جو قائم شدہ مسیحیت کے مدمقابل اور اس کے لئے ایک طرح سے خطرہ دکھائی دینے لگے خاص طور پر فرقہ ایلبی جینیز ALBIGENESES جس کی سرگرمیاں ان سب میں زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ جس کے خلاف سخت ترین اقدام کو کلیسا نے اپنی بقاء کے لئے ناگزیر تصور کیا۔ یہیں سے یورپ میں بے دینی کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوتا ہے انوسنٹ سوم INNOCENT III نے اپنے دیگر احباب کے مشورے سے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنایا جس کے نتیجے میں تیرہویں صدی کے وسط میں محکمۂ احتساب عقائد THE HOLY INQUISITION کا قیام عمل میں آیا اور سینٹ ڈومنک DOMINIQUE

Marfat.com

اس کا پہلا عہدیدار INQUISITOR, GENERAL منتخب کیا گیا۔ ۱۲۵۲ء میں انوسنٹ چہارم .INNOCENT IV کے ایک فرمان کے ذریعہ اس محکمے کو مزید استحکام ملا۔ اور اس کے نظام کار میں مزید باقاعدگی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں یورپ کے ہر شہر اور ہر ریاست میں مذہبی ایذا رسانی اور مذہبی استبداد وہاں کے سماجی ڈھانچے کا ایک ناگزیر جزبن گیا۔ لوگوں کے افکار و نظریات کو کچلنے اور آزادی فکر و نظر کو پامال کرنے کا یہ وہ طاقتور ترین آلہ تھا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ ؎۲

یہ عدالتیں تمام یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں

معاملہ کسی ایک علاقے یا کسی ایک ملک کا نہیں بلکہ احتساب عقائد کے نام پر پورے یورپ میں ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا۔ پہلی عدالت تو ۱۲۳۳ء میں ٹولوس TOULOUSE میں قائم ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد اراگان ,ARAGON میں اس کا قیام عمل میں آیا لیکن اس کے بعد اس کی لہر کافی تیزی کے ساتھ بڑھی اور جرمنی، ہالینڈ، اسپین، پرتگال اور فرانس ہر جگہ اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ اور مزعومہ بے دینی کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی خاطر سرگرم کار ہوگئیں۔ ؎۳ تمام یورپ میں اس طرح کی عدالتوں کا جال بچھا ہوا تھا جس کے چنگل سے بچ نکلنا کسی بے دین کے لئے آسان نہ تھا۔ مختلف حکومتوں میں اس محکمے کے عہدیداروں کا باہم دیگر گہرا اشتراک تھا۔ اور اس مہم میں ایک دوسرے کی مدد کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ خبر رسانی کا

؎۱ G.R. Scott : History of Torture through the Ages P. 64

؎۲ J.B. Bury : A History of freedom of thought. P. 41, 42

نظام انتہائی موثر طریقے پر کام کرتا تھا۔ اور اس سے متعلق اطلاعات ایک ملک سے دوسرے ملک تک برابر پہنچائی جاتی رہتی تھیں۔ یورپ کے دیگر ملکوں کو تو چھوڑیئے روشن خیالی کے علمبردار انگلینڈ کے اندر بھی بعض ادوار کے استثنار کے ساتھ احتساب عقائد کا یہ محکمہ ۱۶۷۶ء تک قائم تھا۔[1]

ان کا طریقۂ کار

یہ عدالتیں جو قائم تو مذہبی مقدمات کے فیصلے کے لئے کی گئی تھیں۔ لیکن ان کی کارروائیوں میں جس مکر و فریب، دھونس دھاندلی، سنگ دلی و قساوت قلبی اور ظلم و ناانصافی کو روا رکھا جاتا تھا اس کی مثال شائد دنیا کی کسی گئی گذری عدالت میں بھی نہ مل سکے گی۔ اے۔ ایچ جانسن کیتھولک عقیدے کا گہوارہ اسپین میں جہاں پروٹسٹنٹوں کا صفایا کرنے کی غرض سے ۱۴۷۸ء میں "عدالت تحقیقات مقدمات مذہبی" کا قیام عمل میں آیا۔[2] اس کے طریقۂ کار پر ان لفظوں میں روشنی ڈالتا ہے:

"صدر حاکم اس مجلس کا بڑا ہوتا تھا جس کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا اور متعدد ماتحت عدالتیں بھی قائم کی جاتی تھیں جن کی حفاظت مسلح حاضر باشوں سے ہوتی تھی۔ رازمیں تحقیقات عمل میں لاتی تھیں۔ اشخاص کو تحریص و ترغیب دلائی جاتی تھی یا دھمکیاں دے کر مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے دشمن، اپنے دوست بلکہ اپنے عزیز و اقارب

---

[1] J.B. Bury : A History of freedom of thought. P. 43

[2] واضح رہے کہ اسپین میں یہ محکمہ انیسوی صدی عیسوی تک قائم تھا۔ ملاحظہ ہو حوالہ سابق ص۴۳ اس بیچ میں دو یا تین بار اس کا خاتمہ ABOLISH ضرور عمل میں آیا۔ لیکن پھر وہ جلد ہی بحال RESTORE کردی جاتی۔ آخری طور پر اس کا خاتمہ ۱۸۳۴ء میں عمل میں آیا اس کا مطلب ہے کہ اسپین میں یہ محکمہ HOLY OFFICE ساڑھے تین سو سال تک قائم رہا بحوالہ RELIGION AS A BAR TO PROGRESS P.32,33.

Marfat.com

پر بھی لعنت ملامت کرتے رہیں۔ یا اس طرح ایک نظام جاسوسی قائم کیا گیا، ملزمین کو اقرار جرم پر مجبور کرنے کے لئے سخت تکالیف دی جاتی تھیں۔ اور انتہا درجہ بے ضرر الفاظ سے ڈامینکی علماء[1] لطیف باریکیاں پیدا کر کے کھینچ تان کر اکثر الحاد کے معنی نکال لیتے تھے۔ یہ لوگ کئی طرح کی سزا دیتے تھے، مال ضبط کر لیتے تھے، نفس کشی کرتے، کفارہ دلواتے تھے۔ قید کر دیتے تھے۔ اور آخری چارہ جوئی یہ ہوتی تھی کہ:

"مذہبی عدالت سے سزائے موت کا حکم سنایا جاتا تھا اور مجرم کو دنیاوی حکام کے حوالہ کر دیا جاتا تھا کہ اس کو نذر آتش کر دیا جائے"[2]

سزا یافتہ بے دین کی قسمت کا یہی حال ہمیں ایک دوسرے مصنف کے ذریعہ بھی معلوم ہوتا ہے:

---

[1] سینٹ ڈومنی نیک ۱۱۷۰ء میں پیدا ہوا۔ وہ پادری تھا اور اس نے اسپین کی ایک یونیورسیٹی میں دس برس تک باقاعدہ دینیات کا درس لیا تھا۔ ۱۲۰۸ء میں وہ اپنے اسقف کے ہمراہ جنوبی فرانس آیا۔ اس نے اپنی زندگی کو بے دینی کے اخراج کے لئے وقف کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ ۱۲۱۴ء تک یورپ کے مختلف حصوں سے صرف چند اشخاص اس کے ہمدرد اور شریک حال ہو سکے۔ لیکن ۱۲۲۱ء تک ڈومی نیکن فرقہ کامل طور پر مرتب ہو گیا اور اس کی ساٹھ ہزار خانقاہیں مغربی یورپ میں مختلف مقامات پر موجود تھیں۔ یہ ڈومی نیکنس وعظ کہنے والے فقراء کہلاتے تھے۔ اور ان کو دینیات کی عمدہ تعلیم دی جاتی تھی تاکہ بے دینوں کے دلائل عمدہ طور پر رد کر سکیں۔ پوپ نے انکوزیشن کا خاص کام سپرد کر رکھا تھا۔ بحوالہ تاریخ مغرب یورپ صفحات ۲۳۴، ۲۳۵۔ اس مقام پر ڈامنی کی مذہب سے اشارہ اسی فرقے کے علماء کی طرف ہے جن کو تفتیش عقائد کی عدالتوں پر غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب کہ یہی ڈومی نیک، جیسا کہ گذرا اس کا پہلا قاعدہ انکوزیٹر جنرل تھا۔

[2] اے ایچ جانسن ایم اے: یورپ سولہویں صدی میں۔ ترجمہ مولوی رحیم الدین صاحب ایم، اے صفحات ۳۴۰، ۳۴۱۔

Marfat.com

"اگر مشتبہ شخص اپنے قصور کا اعتراف کرتا تھا اور اپنی بے دینی ترک کرنیکا حلف اٹھاتا تھا تو اس کا قصور معاف کر دیا جاتا تھا۔ اور پھر کلیسا میں داخل کر لیا جاتا لیکن عمر بھر کی قید کا کفارہ اس سے ادا کرایا جاتا تھا کیوں کہ اس کے ناگفتہ بہ گناہ کا یہی مناسب علاج تھا۔ اگر وہ بغیر توبہ کے رہتا تھا تو وہ دنیاوی حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یعنی کلیسا جس کا قانون اس کو خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا تھا وہ مجرم کو دنیاوی حکومت کے حوالہ کر دیتی تھی جو اس کو مزید تحقیقات کے بغیر زندہ جلا دیتی تھی[۱]"

ایک دوسرا مصنف ان عدالتوں کے ظالمانہ طریقہ کار کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:

"اسپین میں بے دینی کے ملزموں کے ساتھ مقدمے کی کارروائی میں جو طریقۂ کار اختیار کیا جاتا تھا، صداقت کی یقین دہانی کے قابل فہم ذرائع سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایسے قیدی کے بارے میں پہلے ہی سے یہ خیال قائم کر لیا جاتا تھا کہ وہ مجرم ہے۔ اور اپنی بے گناہی کا ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی تھی اس کے خلاف جتنی بھی گواہیاں ہوتی تھیں، خواہ وہ کتنی ہی غیر معروف کیوں نہ ہوں قبول کر لی جاتی تھیں۔ اس مقدمے کو آگے بڑھانے کے لئے مطلوب گواہیوں کے لئے تو اصول بہت نرم تھے۔ البتہ دفاع کے مقصد سے گواہیوں کو مسترد کرنے کے اصول بہت سخت تھے۔ یہودی، مور، غلام (یعنی ساری بے دین اور پست اقوام) قیدی کے خلاف تو گواہی دے سکتے تھے۔ البتہ اس کے حق میں انہیں گواہی دینے کی اجازت نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ یہ مذہبی عدالت INQUISITION جس اصول پر عمل پیرا تھی وہ یہ کہ چاہے سو بے گناہ سزا کی لپیٹ میں آجائیں لیکن ایک قصوروار بچ کر نہ نکل پائے[۲]"

اور معاملہ صرف اسپین کی عدالت تک محدود نہیں۔ پورے یورپ میں احتساب

---

[۱] تاریخ مغربی یورپ / ۲۲۸، ۲۲۹

[۲] A History of Freedom of thought P. 44

Marfat.com

عقائد کی عدالتوں میں عام طور پر اسی طرح کی ظالمانہ کارروائی ہوتی تھی۔ یہ عدالتیں جن کا مقصد ملک سے بے دینی کا خاتمہ اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ اسکے لئے انھوں نے جاسوسوں کی خدمات وسیع پیمانے پر حاصل کر رکھی تھیں۔ جو ملک کے طول و عرض میں اپنی مہم پر لگے رہتے تھے۔ کسی شخص کی طرف سے معمولی سے معمولی تبصرہ بھی جس سے کسی بھی درجے میں بے دینی کا اشتباہ ہوتا ہو اس بات کے لئے کافی تھا کہ اسے عدالت کے سامنے لا حاضر کیا جائے۔ گواہی دینے والے پورے اطمینان اور روانی کے ساتھ جھوٹ بولتے تھے جس کا سبب مزعومہ بے دینوں کے تئیں ان کی نفرت و عداوت ہی نہیں بلکہ اس کا بڑا مقصد مقدس عدالت HOLY OFFICE کے ذمہ داروں کو خوش کرنا ہوتا تھا[1]۔ متہم افراد کے خلاف ثبوت فراہم کرنے کے لئے انتہائی نامناسب ذرائع استعمال کرائے جاتے تھے۔ اور اس مقصد کے حصول کی خاطر ان کے ساتھ خوفناک قسم کی زیادتیاں روا رکھی جاتی تھیں[2]۔

بے دینی کی ٹوہ اور اس کے دائرے کی وسعت

بے دینی کے خلاف کلیسا کا جوش اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بہت سے افراد کی طرف سے مسلسل اظہار برات کے باوجود انھیں اس جرم میں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ زبان سے اس کا انکار کر رہے ہوں لیکن ان کے کسی عمل سے یہ چیز مترشح ہوتی نظر آتی تھی۔ چنانچہ ہاروی رابن سن کہتے ہیں: "کسی مشتبہ شخص کا یہ کہنا کہ وہ بے دین نہیں ہے قابل توجہ نہ تھا کیوں کہ یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ قدرتاً اپنے قصور سے انکار کرے گا۔ جیسا کہ کوئی دوسرا مجرم کرتا ہے۔ پس ایک شخص کا اعتقاد اس کے ظاہری افعال سے دیکھا جاتا تھا۔ لہذا ایک شخص محکمۂ احتساب عقائد کے

---

[1] History of Torture through out the Ages P. 65

[2] C.T. Gorham Religion, As a Bar to progress P.31

Marfat.com

ہاتھوں میں صرف اس بنا پر بھی پڑ جاتا تھا کہ وہ کسی بے دین سے بلا خیال اس امر کے گفتگو کرتا ہوا پایا جائے کہ وہ کلیسا کی رسوم کی مناسب عزت و احترام نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا اس کے خلاف اس کے ہمسائے حاسدانہ شہادت دیدیں واقعی محکمۂ احتساب عقائد کی اور اس کے ضابطہ کی یہ نہایت خطرناک حالت تھی۔ اس نے قصہ کہانیوں کو یقین کیا اور نہایت بے رحمانہ طریقوں سے کام لیا اور ان لوگوں کو سزائیں دیں جو نہایت سرگرمی کے ساتھ اس بات سے انکار کرتے تھے کہ ان کے خیالات کلیسا کے خیالات سے مختلف ہیں۔[1]

بے دینوں کی تلاش اور ان کی ٹوہ کے سلسلے میں کلیسا کا یہ جوش کبھی کبھی ایک مہم کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ بے دینی کو ڈھونڈ نکالنے کا یہ سب سے کامیاب اور موثر ترین ذریعہ تھا جسے اڈکٹ آف فیتھ (Edictof faith) عقیدے کا فرمان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جس کے تحت لوگوں کو وسیع پیمانے پر انکوزیشن کے کام میں لگایا جاتا تھا اور اس کا مطالبہ ہوتا تھا کہ ہر شخص جاسوسی کے فرائض انجام دے۔ اس مقصد کی خاطر وقتاً فوقتاً کسی ضلع کا انتخاب عمل میں آتا اور وہاں پہنچ کر ایک فرمان جاری کر دیا جاتا تھا کہ جس کسی کو جہاں کہیں کسی بے دینی کا سراغ ہو وہ آئے اور اس کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ جس سے روگردانی کی صورت میں وہ خوفناک قسم کی دینوی اور اخروی سزاؤں کا مستحق قرار پاتا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص ہر وقت شبہے کی حالت میں گرفتار تھا۔ ہمسایوں اور پڑوسیوں کا تو ذکر ہی کیا خود اپنے خاندان کے افراد کی طرف سے بھی وہ محفوظ و مامون نہ تھا۔ اس پر جس قدر بھی آنسو بہایا جائے کم ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نظام کے تحت مخبری کو ایک عظیم مذہبی خدمت قرار دیا گیا تھا۔[2] اور معاملہ صرف تاریک صدیوں اور قرون وسطیٰ ہی کا نہیں بلکہ اصلاح، روشن خیالی

---

[1] تاریخ مغربی یورپ/۲۲۸

[2] A History of Freedom of thought P.44

اورنشاۃ ثانیہ کی علمبردار سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی تک مذہبی جبروتشدد کی یہ وبا مہذب یورپ کے اکثر وبیشتر ممالک کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئی تھی۔ ہر جگہ انتہائی سرگرمی کے ساتھ بے دینوں کی تلاش جاری تھی۔ جس کے نتیجے میں کوئی بھی شخص بے دین HERETIC قرار پا سکتا تھا اگرچہ خود اسے دور دور تک اس کا پتہ نہ ہو۔[1]

جیلوں کی ایذار سانیاں اور اسکے کارندوں کے لامحدود اختیارات

احتساب عقائد کی ان عدالتوں کے اپنے الگ قید خانے بھی تھے جن میں بے دینی کے مجرموں کو اقبال جرم پر مجبور کرنے کے لئے سخت ترین سزائیں دی جاتیں اور طویل ترین ایذار سانیوں کا شکار بنایا جاتا تھا۔ اس محکمے کے ذمہ داروں نے ایذار سانی کو ایک فائن آرٹ کی شکل دے دی تھی جس میں مجرم پر اثر انداز ہونے کے لئے انتہائی طور پر نفسیاتی باریکیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اسے دیکھ کر مضبوط سے مضبوط ذہن و دماغ کے آدمی کی بھی قوت دفاع جواب دے جاتی تھی۔ ایذار رسانی کا ایک خاص کمرہ Torture chamber ہوتا تھا جس میں اس مقصد کے لئے مختلف آلات موجود ہوتے تھے۔ جس کا مشاہدہ کرنے کے بعد کوئی فولادی عزم کا انسان ہی اپنے کو خوف و دہشت اور مایوسی سے بچا سکتا تھا۔ یہ کمرہ Apartment عام طور پر زیر زمیں under Ground ہوتا تھا جس میں روشن دان نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ بس دو موم بتیاں ہوتی تھیں۔ جن پر روشنی کا تمام تر دارومدار تھا۔ اس کا ذمہ دار EXECUTIONER خوف و دہشت کی ننگی تصویر ہوتا۔ سر سے پاؤں تک کالے لباس میں ملبوس جس میں سر کے ساتھ اس کا چہرہ بھی ڈھکا ہوتا صرف دونوں آنکھوں کے لئے سوراخ کھلے ہوئے کالی ٹوپی COWL پہنے وہ

---

[1] A History of Freedom of thought P. 44

انتہائی ہیبت ناک اور بالکل شیطانی مرقع نظر آتا تھا۔[1]

صرف پرتگال کی عدالت کے پاس اس طرح کے تین سو قید خانے DUNGEONS تھے۔ انتہائی تنگ و تاریک اور سیلن سے شرابور۔ قیدیوں کی رہائش کے لئے ان میں جو سہولت میسر تھی وہ اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ سونے کی چارپائی، ایک پیشاب کی جگہ، ایک ہاتھ دھونے کی جگہ، دو مٹی کی صراحیاں ایک لیمپ اور ایک پلیٹ۔ غذا انہیں انتہائی خراب دی جاتی اور وہ بھی بہت تھوڑی مقدار میں۔ انہیں بولنے اور کسی قسم کا شور کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی اور جیل کے ضوابط کی ادنیٰ خلاف ورزی پر انہیں سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں[2] اس سلسلے میں لسبان کی عدالت کا حال بیان کرتے ہوئے ٹورس ڈی کسٹیلا TORES DE CASTILLA لکھتا ہے:

"اگر کسی شخص سے ذرا بھی چوک ہو جاتی اور ضوابط کی ادنیٰ خلاف ورزی عمل میں آجاتی ہے تو اس پر انتہائی بے دردی کے ساتھ کوڑے برساتے ہیں۔ اسے ننگا کر کے زمین پر منہ کے بل لٹا دیتے ہیں۔ اس حال میں کئی آدمی اسے مضبوطی سے پکڑے ہوتے اور دوسرے حد درجہ بے رحمی کے ساتھ کوڑے برسا رہے ہوتے ہیں۔ کوڑے کو پگھلے ہوئے تارکول میں ڈبو کر نکال لیتے ہیں اور جب وہ خوب سخت ہو جاتا ہے تب اس سے مار لگاتے ہیں اس طور پر کہ اس کی ہر ضرب کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں اور پوری پیٹھ ایک رستا ہوا ناسور بن جاتی ہے۔"[3]

ایذا رسانی کی مختلف صورتیں تھیں۔ چرخی Pulley تختے پر لٹا کر شکنجے میں کسنا RACK اور زندہ جلا دینا[4] FIRE ایک مجرم پر ایذا رسانی کے اس عمل کو

---

[1] History of Torture through out the Ages P. 66, 67.

[2] Ibid 65 [3] Ibid P. 67. 68.

[4] History of Torture through out the Ages P. 67
مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں اسی کتاب کے صفحات ۱۶۸/۱۶۹

Marfat.com

بار بار دھرایا جاتا تھا[1] اور اس کا سلسلہ کئی گھنٹے تک جاری رہتا تھا فلپ سوم نے اپنے ایک فرمان کے ذریعہ اس کی آخری حد اگرچہ ایک گھنٹہ مقرر کر دی تھی۔ لیکن بے شمار مثالیں اس کے حق میں ہیں کہ اس کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ایذاء رسانی کا عمل کافی لمبے وقفے تک چلتا رہتا تھا۔ بلکہ لی LEA کے بقول تو اس کا سلسلہ دو گھنٹے سے لے کر تین گھنٹوں تک دراز رہتا تھا۔ اس کے سلسلے میں اس نے ایک مثال بھی بیان کی ہے۔ یہ واقعہ ۱۶۴۸ء کا ہے جبکہ والاڈولڈ ALLADOLID میں انٹونیا لوپز ANTONIA نامی ایک شخص کی آٹھ بجے سے لے کر گیارہ بجے تک مسلسل ایذاء رسانی کی جاتی رہی جس کے نتیجے میں اس کے بازو بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے۔ بیچارے غریب نے اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کی بھی ناکام کوشش کی، بالآخر جیل میں ایک مہینے کے اندر ہی اندر وہ موت کے منہ میں چلا گیا[2]

واقعہ یہ ہے کہ احتساب عقائد کی ان عدالتوں نے ایذاء رسانی کی جو مختلف شکلیں ایجاد کر رکھی تھیں اور جن مختلف طریقوں سے وہ مزعومہ مجرموں کو بہیمیت و درندگی کا مزہ چکھاتی تھیں اسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ان کی دہشت ناکی کا اندازہ بس آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ محض کسی شخص پر بے دینی کا الزام عائد کر دیا جانا اور اسے عدالت میں حاضری کا پروانہ مل جانا اس بات کے لئے کافی تھا کہ مضبوط سے مضبوط مرد یا عورت کے اندر بدترین قسم کی خوف و دہشت کی لہر پیدا کر دے۔ اس لئے کہ یہ شاذ و نادر ہی تھا کہ کوئی شخص ایذاء رسانی کے اس ہال کے دروازوں میں داخل ہوا اور ذہنی اور جسمانی طور پر وہاں سے صحیح سالم نکل سکے۔ اگر وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب بھی ہو جاتا تو، انتہائی شاذ و نادر اور استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر، ذہنی اور جسمانی طور پر ہمیشہ کے لئے بالکل معذور اور اپاہج ہو جاتا تھا[3]

سلہ Ibid P. 69,

سلہ۲ Ibid P. 69, 70

سلہ۳ History of Torture through out the Ages P. 74.

Marfat.com

عدالت کے کارندوں INQUISITORS کو لامحدود اختیارات حاصل تھے ان کے اوپر کسی کی نگرانی نہ تھی نہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ تھے[1] چنانچہ وہ اپنے اس اختیار کا انتہائی ناجائز طور پر فائدہ اٹھاتے تھے۔ ان کو جو وسیع اختیارات حاصل تھے اس کے اندر یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ جس قیدی کے بارے میں چاہیں اس کی ایذاء رسانی کے احکام صادر کریں، اس کا فائدہ اٹھا کر وہ ہر اس شخص سے جس سے انہیں کسی قسم کا بغض اور عداوت ہوتی انتہائی آسانی کے ساتھ اپنے جرم کا اقبال کرالیتے تھے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف وہ لوگ جو ان کے خیال کے مطابق بدعقیدہ اور بے دین HERETIC تھے بلکہ ان کے ہم مذہب افراد یعنی کیتھولک بھی ہمیشہ اپنے کو خطرے میں گھرا ہوا محسوس کرتے تھے[2] یہی نہیں بلکہ اس محکمہ کے بہت سے ذمہ داران INQUISITORS سادیت پسند SADIST تھے جن کی جنسی ہوس کی تسکین ایذاء رسانیوں کے بغیر ہوتی ہی نہ تھی۔ دوسرے وہ تھے جو بدترین قسم کے شہوت پرست تھے۔ چنانچہ یہ لوگ حسب دلخواہ بے دینی کے بالکل من گھڑت الزامات پر جس قدر عورتوں کو چاہتے پکڑ لیتے اور آئندہ زندگی بھر کے لئے انہیں اپنے پاس بطور داشتہ کے رکھتے۔ چنانچہ جب فرانسیسی فوجوں نے شہر آراگان ARAGON پر قبضہ کیا۔ اور لفٹننٹ جنرل ایم، ڈی۔ لیگل M.D. LEGAL نے انکوئزیشن کے دروازوں کو کھولنے اور اس کے قیدیوں کو رہا کرنے کے احکامات جاری کئے جن کی تعداد اس وقت چار سو تھی، "تو ان میں ساٹھ انتہائی حسین عورتیں بھی نکلیں جو غالباً تین بڑے انکوزیٹرس کے لئے بطور حرم سرا کام دیتی تھیں،، ان میں سے ایک عورت نے جو بعد میں مذکورہ فرانسیسی سپہ سالار کی بیوی بن گئی تھی، اپنی داستان کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جسے پڑھ کر نہ صرف یہ کہ آدمی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے بلکہ اس کی منظر کشی سے جسم کے رونگٹے بھی کھڑے

---

[1] A History of Freedom of Thought, P. 42

[2] History of Torture through out the Ages P.74

ہو جاتے ہیں[1] یہ لوگ اکثر و بیشتر انکوزیشن کے جیلوں میں انتہائی پاکباز اور باعصمت خواتین کو بند کر دیتے تھے۔ ان کی ایذا رسانی میں بے حیائی کے وہ طریقے اختیار کرتے تھے جن کی تفصیلات کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے اپنی زبان سے بیان کر سکتا ہے[2]

ان کارروائیوں کے پیچھے کلیسا کے بنیادی محرکات

بے دینی کے جرم میں باشندگان یورپ پر کلیسا کی طرف سے یہ جو مظالم ڈھائے گئے ان کے لئے بھی وجہ جواز شاید مشکل ہی سے فراہم کیا جا سکتا تھا۔ اگر ان کارروائیوں کا مقصد بے آمیز طریقے پر ملک اور سماج میں عقیدے کے احترام کی بحالی اور اس کی ساکھ اور وقار کو گرنے سے محفوظ رکھنا ہوتا اس لئے کہ جس تعذیب اور ایذا رسانی کا مظاہرہ ان تمام کارروائیوں میں بلا استثناء ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے رحم و ترحم کی علمبردار اور اس کی سب سے بڑی نقیب مسیحیت کا تو ذکر ہی کیا دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کا قائل نہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ "بے دینی کے خلاف جنگ کا یہ سارا ڈھونگ، کلیسا نے صرف اس لئے رچایا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی دنیا کو سنوار سکے اور عوام کے اوپر اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کر سکے۔ جے۔ بی۔ بری انتہائی دکھ کے ساتھ کہتا ہے:

"ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ بے دینی کی تلاش میں کلیسا کے محرکات بنیادی طور پر دنیوی جاہ و اقتدار کی بحالی اور دنیوی مفادات و اعتبارات تھے۔ اور وہ سخت تر اقدام کے لئے قدم اسی وقت اٹھاتا تھا جبکہ مزعومہ باطل عقیدے کے

---

[1] Ibid P. 75-81

[2] Ibid P. 67

ان مظالم کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا مضمون "یورپ میں محکمۂ احتساب کے ستم خوردوں پر ایک نظر" مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ۔ جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۲ء۔

Marfat.com

پھیلاؤ سے اس کے اپنے محاصل میں کمی کا اندیشہ ہوتا یا کسی دوسرے انداز سے یہ چیز سماج کے لئے خطرہ دکھائی دیتی[1]

اسی طرح خاص طور پر قرون وسطیٰ کے مظالم پر ایک جامع انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوسرا مصنف رقمطراز ہے:

"قرون وسطیٰ کے مظالم کی تاریخ پر نظر کرتے ہوئے ایک شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ کلیسا CHURCH بحیثیت مجموعی بڑی بڑی کارروائیوں کے لئے جوش و جذبہ کا جو مظاہرہ کرتا تھا، اس کی بڑی وجہ وہ خطرات تھے جو اس دنیا میں اس کے مادی مفادات کو لاحق تھے۔ دوسری دنیا میں عام انسانی روحوں کو کس انجام بد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کلیسا کے اندر اس کے سلسلے میں کوئی سچی تڑپ موجود نہ تھی، نہ اس کے تئیں اسے کوئی پریشانی لاحق تھی[2]"

اس حقیقت کا اندازہ آپ صرف اس سے کر سکتے ہیں کہ بے دینی کے دو عقیدے جنہیں پاپائیت انتہائی تباہ کن تصور کرتی تھی ان میں سے ایک تو وہ تھا جس کا مقصد اس کے اعجازاتی اقتدار Thaumaturgic Powers پر حملہ کرنا ہوتا، دوسرا وہ تھا جس کی رو سے یہ بات کہی جاتی تھی کہ جناب یسوع مسیح کی طرح ان کے شاگردوں کو بھی کسی قسم کی دولت رکھنے اور جائداد بنانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ چودھویں صدی عیسوی میں جان وائی کلف Wycliffe اور جان ہس Huss, کو بدترین قسم کی زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کا شکار ہونا پڑا تھا[3] زیادتیوں سے تو خیر کیا رستگاری تھی پھر بھی وائی کلف زندگی میں اپنی

---

[1] A History of Freedom of thought P.40

[2] E.S.P. HAYNES : Religious Persecution P. 33.

[3] حوالہ سابق

جان بچانے میں کامیاب رہا، لیکن بیچارہ ہس اپنے کو نذرِ آتش کیے جانے سے نہ بچا سکا۔ یہ ۶ رجولائی ۱۴۱۵ء کی بات ہے جبکہ حکومت کی طرف سے اسے شعلوں کی نذر کر دیا گیا[1]

تیرہویں صدی عیسوی میں بدنصیب ایلبی جنیسز کے خلاف انوسنٹ سوم نے جو کارروائی کی تھی، اس کا بڑا محرک بھی یہی تھا کہ اس مالدار طبقے سے کلیسا Church کو بہت تھوڑی سی رقم ہاتھ آتی تھی[2] اسی طرح بے دینی کے مجرموں کی عام طور تمام جائداد جو ضبط کر لی جاتی تھی تو اس کا بھی بڑا سبب یہی تھا کہ کلیسا Church کو اپنے بڑھے ہوئے اخراجات کے پیش نظر سرمائے کی قلت ہر وقت پریشان کیے رہتی تھی۔ جسے پورا کرنے کی یہ ایک بہترین صورت تھی جو اسے ہاتھ آگئی تھی[3]

ان مظالم کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنے کی کچھ حاجت نہیں رہتی کہ باشندگانِ یورپ پر ان مظالم کی ذمہ داری تمام تر "کلیسا" کے سر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اٹھارویں صدی سے قبل یہی ادارہ یورپ میں تمام تر سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ براہ راست مسندِ اقتدار پر متمکن نہ ہونے کی صورت میں بھی اقتدار کا اصل سرچشمہ یہی تھا۔ اور وقت کے سیکولر حکمرانوں کو فی الحقیقت وہ اپنی مٹھی میں لئے ہوتا تھا اس کی مرضی سے باہر وہ ایک انچ قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس کے واضح احکامات سے انحراف کا تو کیا سوال پیدا ہوتا ہے اس کے چشم و ابرو کے اشاروں کو نظر انداز

---

[1] Carl Stephenson : Mediaeval History Rev. Ed. P. 422.

[2] A History of Freedom of thought P. 40.

[3] History of Torture throughout the Ages P. 53.

Marfat.com

کرنے کی بھی ان میں ہمت نہ تھی۔ چنانچہ خود اس بے دینی کے سلسلے میں ان کی بے بسی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ "چرچ نے باقاعدہ یہ اصول نافذ کر دیا تھا کہ کوئی بھی مقتدر اعلیٰ Sovran. اپنے تخت و تاج کا اسی شرط پر استحقاق پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے زیر انتظام علاقے سے بے دینی کو نکال باہر کرے گا۔ اگر پوپ کا فرمان مل جانے کے بعد بے دینوں کی سرکوبی کے سلسلے میں وہ ذرا بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا تو اسے یک لخت کچل کر رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنی تمام آراضی کا استحقاق کھو بیٹھتا تھا۔ اور اس کے زیر انتظام تمام علاقوں کے سلسلے میں اس کی کھلی چھوٹ ہو جاتی تھی کہ کوئی بھی شخص حملہ کرکے اس پر قابض ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے کلیسا سے اس کی باقاعدہ اجازت حاصل ہو[1] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بے دینوں کے معاملے میں ملکی حکومت بالکل بے بس تھی۔ اور اس کے سامنے اس کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ مزعومہ مجرموں پر موت کی سزا نافذ کر دے۔ جس سے انحراف کی صورت میں اسے بھی بے دینی کے فروغ کا ملزم بننا پڑتا تھا۔ تمام شہزادے اور سرکاری افسران مقدس قانون Can on law کی رو سے اس کے پابند تھے کہ انکوزیشن کی طرف سے انہیں جن بے دینوں کو بھی حوالہ کیا جاتا ہے انہیں وہ قرار واقعی سزا دیں بصورت دیگر وہ "کلیسائی حقوق سے محرومی" excommunication کی سخت سزا کے مستحق قرار پاتے تھے[2]

اسی وجہ سے سی۔ ٹی۔ گورہام کے اس خیال سے اتفاق کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے کہ:

"اس میں شک نہیں کہ ان خوفناک کارروائیوں کے سلسلے میں حکومت و سیاست کو بھی بہت کچھ دخل تھا، لیکن بڑھے ہوئے اثرات فی الواقع چرچ ہی کے تھے، اس لئے ان شرمناک حرکتوں کی ذمہ داری اصلاً چرچ ہی کے سر عائد ہوتی ہے"[3]

---

[1] A History of Freedom of thought P.41

[2] حوالہ مذکور ص ۴۴

[3] C.T. Gorhaum: Religion as a Bar to Progress P. 33.

Marfat.com

فکری جکڑبندیاں

انہی کارروائیوں کے بیچ دوسرا بڑا محرک، جو یورپ کو مذہب سے بیزار بلکہ اس کا مخالف بنانے کا سبب بنا اور جس سے جان چھڑانے کے لئے ہی اسکے سلسلے میں مذکورہ بالا یہ خیال معرض وجود میں آیا کہ "مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کچھ تعلق نہیں" وہ فکری جکڑبندیاں تھیں جن کے نتیجے میں آزادی خیال اور آزادی فکر ونظر پوری مسیحی دنیا میں بالکل مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ جس میں روحانی معاملات کو تو چھوڑیئے مادی دنیا کے سلسلے میں بھی کسی نئی اپج اور نئے خیال کو پیش کرنا اپنے تئیں موت کے منہ میں دینے کے مرادف تھا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں ہی کلیسائی عہدوں میں یورپ میں یہ چیز ہمیں بطور قدر مشترک کے نظر آتی ہے۔ چنانچہ اول الذکر کے زمانۂ اثر و اقتدار میں، "بے دینی" کی اصطلاح حد درجہ وسیع تھی۔ جس کے نتیجے میں تمام کیتھولک ممالک میں "انکوزیشن" کے جبر واستبداد کے پانچ سو سالہ دور میں آزادی فکر ونظر اور آزادی خیال کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ زبانی طور پر کسی ایسے خیال کا اظہار تو برا تھا ہی، تحریری صورت میں اسکا اظہار بد سے بدتر نتائج کا حامل تھا۔ پریس سے جو کتاب بھی چھپ کر منظر عام پر آتی اس کے ایک ایک حرف کی جانچ کی جاتی جس کا بس ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح سے اس میں ایسی کوئی چیز نکل آئے جسے کیتھولک عقیدے کے اصولوں کے خلاف قرار دیا جا سکے[1] اس کے علاوہ انیسویں صدی کے نصف تک صورت یہ تھی کہ سائنسی ریسرچ وتحقیق میں اہمیت کے حامل ہر میدان میں بالکل بے بنیاد خیالات نے قبضہ جما رکھا تھا جنہیں کلیسا بائیبل کی ناقابل خطا سند پر شک شبہے سے بالا اور سرتاسر برحق گردانتا تھا۔ کائنات

---

[1] History of Torture through out the Ages P. 74

کی پیدائش Creation اور ہبوط آدم .Fall of man کے یہودی تصورات جس کے ساتھ کفارہ Redemtion کا عیسائی عقیدہ اٹوٹ طور پر جڑا ہوا تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ آزادانہ تحقیق و تفتیش سے "ارضیات" .Geology، حیوانیات Zoology اور انسانیات .Anthropology کے مطالعہ کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح بائیبل کی لفظی تشریح کی بنیاد پر یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہ تھی کہ (زمین گول ہے) اور سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے، اسی طرح قطبین، قطب شمالی، و قطب جنوبی، Antipodes کے نظریئے کو کلیسا قابل ملامت تصور کرتا تھا[1] علم الکیمیا۔ Chemistry کو شیطانی علم diabolical art تصور کیا جاتا تھا جس کے متعلق ۱۲۱۷ء میں پوپ نے قابل ملامت ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ اسی طرح تیرہویں صدی میں راج بیکن کو .Roger bacon جو اگرچہ قدامت پسندی کے لئے اپنے جوش وجذبے کا برابر اقرار کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے طویل مدت تک جیل کی ہوا کھانی پڑی اس لئے کہ اس کے اندر سائنٹفک ریسرچ و تحقیق کا مضطربانہ جذبہ موجود تھا۔ جو اسے کسی صورت میں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا[2]

یہ حال تو رومن کیتھولک اقتدار کا تھا، لیکن جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا پروٹسٹنٹ رفارمیشن کے بعد بھی صورت حال اس سے زیادہ بہتر نہ تھی۔ اس لئے کہ اس کے زیر سایہ بھی آزادی اور فرد کے ذاتی فیصلے کے اختیار کا حق اسی طرح مفقود تھا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ اصلاح Reformation کی یہ تحریک دراصل ہاتھوں کی تبدیلی سے عبارت تھی، جس میں بجائے "چرچ" کے "بائیبل" کی بالادستی قائم کر دی گئی تھی۔ اور بائیبل بھی وہ جسے اس تحریک کے دو بڑے علمبرداروں "لوتھر"

---

[1] A History of Freedom of thought P.47

[2] Ibid P. 48.

Marfat.com

Luther, اور کالون Calvin کی طرف سے برسرِ حق ہونے کی سند حاصل ہو۔ صداقت کے اجارہ دار کیتھولکوں کی طرح "لوتھر" بھی آزادیٔ ضمیر اور عبادت و پرستش کی آزادی کا شدت سے مخالف تھا۔ بے دینوں کو زندہ جلانے اور ان کے تئیں کلیسا کے ظلم و ستم۔ کے خلاف اس نے آواز ضرور بلند کی تھی لیکن یہ بات اس وقت کی ہے کہ جبکہ اسے کلیسا کی طرف سے اپنے خلاف کارروائی کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس خطرے کے ٹل جانے اور اقتدار اپنے ہاتھ میں آجانے کے بعد اس نے اپنے اصل خیالات کا اظہار کیا یعنی یہ کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں پر صحیح عقیدے کو بجبر لاگو، اور "بے دینی" کو دیس نکالا دیدے۔ جو کہ انتہائی قابل نفرت چیز abomination ہے۔ نیز یہ کہ دوسرے معاملات کی طرح "مذہب" کے سلسلے میں بھی وقت کے حکمراں کی لامحدود اطاعت کسی ملک کے عوام کے عین فرائض میں شامل ہے۔ مزید برآں ریاست کا منتہائے مقصود عقیدے کا دفاع اور اسے لاحق ہونے والے امکانی خطرات سے محفوظ رکھنا ہے اسی طرح اس کا خیال تھا کہ جو شخص بھی بپتسمہ لینے سے انکار کرے Anabaptists اسے تہ تیغ کر دیا جانا چاہیئے[1]

اس سے بھی گیا گذرا معاملہ کالون Calvin کا تھا جو ریاست کو براہ راست چرچ کے قبضے میں رکھے جانے کا قائل تھا۔ یعنی وہ طریق حکومت جسے عام طور پر تھیاکریسی (یعنی مذہبی مستبدانہ حکومت) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ جنیوا میں اس نے اسے عملاً قائم کر دکھایا جس کے تحت ہر قسم کی آزادی کو بالکل کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اور مزعومہ عقائد باطلہ کو قید و بند، جلاوطنی اور سزائے موت کے ذریعہ دبا کر ختم کر دیا گیا تھا۔ بے دینی کے خلاف "کالون" کے اس اعلان جنگ کی سب سے مشہور مثال وہ بدترین سزا ہے جس سے "سرویٹس" Sarvetus

---

[1] A History of Freedom of thought P. 58, 59

کو دو چار ہونا پڑا۔ اسپین کے اس باشندے نے "تثلیث" کے عقیدے کے خلاف کچھ لکھا تھا، اس جرم کی پاداش میں اسے پہلے تو "لیانس" (LYNOS) میں جیل میں بند کیا گیا جس میں خاصا بڑا دخل "کالون" کی درپردہ سازشوں کا تھا۔ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو کر وہ بسرعت تمام جنیوا پہنچا۔ جہاں اس پر بے دینی کے الزام میں مقدمہ چلا اور بالآخر ۱۵۵۳ء میں اسے شعلوں کی نذر کئے جانے کی سزا ملی، حالانکہ ضابطے میں جنیوا کو اس پر کسی دار و گیر کا اختیار نہ تھا۔[1]

ان مثالوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹوں کے یہاں بھی اپنے تئیں نجات کی محصوریت کا عقیدہ اس کی مخالفت کرنے والے کو مشترکہ طور پر ایک ہی انجام کا مستحق گردانتا تھا۔[2] چرچ کی طرح اصلاح کے ان علمبرداروں کے ہاں بھی آزادی Freedom کے لئے کوئی خانہ نہ تھا۔ انہیں دلچسپی صرف ایک چیز یعنی سچائی Truth سے تھی۔ جو ظاہر ہے انہیں کے ساتھ مخصوص ہو سکتی تھی۔ اگر قرون وسطیٰ کا مطمح نظر یہ تھا کہ دنیا کو بے دینوں سے پاک و صاف کیا جائے تو پروٹسٹنٹ تحریک کا منتہائے مقصود یہ تھا کہ اپنی سرزمین سے ہر کسی زبان اعتراض دراز کرنے والے کو دور رکھا جائے۔[3]

براعظم یورپ کی اصلاح کی یہ تحریک روشن خیالی Enlightment کی بھی ویسی ہی مخالف تھی جیسی کہ یہ آزادی (فکر و نظر) اور سائنس کی مخالف تھی، اگرچہ یہ چیز بائبل سے کسی بھی درج میں ٹکراتی نظر آتی تو پوپ کی طرح "لوتھر" کے یہاں بھی اس جرم کے مرتکب کے لئے جاں بخشی کی کوئی صورت نہ تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جرمنی میں علم و تحقیق کے کام کو کافی لمبا دھکا لگا تھا۔[4]

---

[1] حوالہ سابق ص ۶۰

[2] حوالہ مذکور ص ۵۹

[3] حوالہ سابق ص ۶۰

[4] حوالہ مذکور ص ۲۱

Marfat.com

آگے بڑی بڑی علمی شخصیتوں اور سائنس کے میدان کے شہ سواروں کے ساتھ یورپ میں جو عبرت ناک سلوک روا رکھا گیا اس سب کی ذمہ داری بھی ذرا بدلے ہوئے انداز میں کلیسا ہی کے سر عائد ہوتی ہے۔ سیونارولا Savonavola اسی طرح کا ایک شخص تھا جو شہر فلورنس Florence کی اصلاح کا متمنی اور راس کے تئیں صحیح طریق زندگی اپنانے کی تلقین کرتا تھا۔ ۱۴۹۶ء میں اسے سزائے موت دیدی گئی۔ پوپ الکزینڈر ششم کی زیر سرپرستی یہ کارنامہ انجام پایا جو ساتھ ہی اپنے وقت کا مشہور اوباش اور شہوت پرست Profligate تھا۔ اسی انجام سے جیارڈینو برنو Giordano Burno کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ کوپرنیکس Copernicus کی اس دریافت کو قبول کرتے ہوئے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے جبکہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹ لوگ بھی اس خیال کو یکساں طور پر مسترد قرار دے چکے تھے، برنو نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے، سورج کی مانند دیگر غیر متحرک سیاروں Fixed Stars کا خیال پیش کیا، جن میں ہر ایک کے الگ الگ سیارچے تھے۔ اگرچہ انہیں دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ اٹلی کو خیر باد کہتے ہوئے، جہاں بے دینی کے الزام میں اس پر شبہے کی نگاہیں ہر وقت لگی ہوئی تھیں، یکے بعد دیگرے اس نے سوئٹزرلینڈ، فرانس، انگلینڈ اور جرمنی میں رہائش اختیار کی، ۱۵۹۲ء میں ایک دوست نما دشمن کی ترغیب پر وہ "وینس" VENICE لوٹنے کے لئے آمادہ ہو گیا جہاں انکوزیشن کے فرمان کے بموجب اسے گرفتار کر لیا گیا۔ آخری طور پر اسے پر روم Rome میں سزا کا نفاذ عمل میں آیا جہاں کیمپو ڈی فیری Campde Fiore میں ۱۶۰۰ء میں اسے نذر آتش کر دیا گیا[1]

سب سے برا حال اس سلسلے میں جرمنی کا تھا جس کے حصے میں یہ بدقسمتی

---

[1] حوالہ سابق صہ ۶۲

Marfat.com

بڑے پیمانے پر آئی۔ بہتر معاملہ فرانس کا تھا جہاں نسبتہً آزادی کی فضا میں آدمی سانس لے سکتا تھا۔ جو دراصل نتیجہ تھا ہنری چہارم Henry IV اور کارڈینل "ریکیلیو" Richelieu اور "مازرن" Mazarin جیسے متحمل مزاج اور اختلافات کو انگیز کرنے کی صلاحیت رکھنے والے حکمرانوں کے عہد سلطنت تھا جس کا سلسلہ تقریباً ۱۶۶۰ء تک جاری رہتا ہے۔ اس کے باوجود ۱۶۱۹ء میں "ٹولوس" TOULOUSE میں ایک "اطالوی عالم" پر جو غریب "برنو" کی طرح خود بھی پورے یورپ کا چکر لگا چکا تھا، بے دین اور کافر ہونے کا الزام لگا۔ اس کی زبان گدی سے کھینچ لی گئی اور اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ ملکہ ایلزبتھ اور جیمس اول کے عہد حکومت میں پروٹسٹنٹ برطانیہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھا۔ یہ انہیں کے عہد زریں کی بات ہے جبکہ مشہور شاعر مارلو Marlowe پر بے دینی کا الزام لگا۔ البتہ خوش قسمتی سے ابھی جبکہ اس کا مقدمہ جاری ہی تھا کہ ۱۵۹۳ء میں ایک شراب خانے کے سخت جھگڑے میں یہ مارا گیا۔ ایک دوسرا ڈرامہ نگار کیڈ KYD تھا، اس پر بھی یہی الزام عائد ہوا اور معروف طریقے پر اس کی ایذا رسانی کی گئی۔ اسی وقت کی بات ہے کہ "سر والٹر ریلک" Sir, Walter Releigh پر بھی اسی الزام میں مقدمہ چلا، البتہ سزا کے نفاذ سے وہ محفوظ رہا۔ لیکن دوسرے لوگ ان جیسے خوش قسمت نہ تھے۔ چنانچہ غیر مسیحی خیالات رکھنے کے جرم میں، ملکہ الزبتھ کے زمانے میں "نارویک" Norwick میں تین یا چار افراد کو نذر آتش کیا گیا، انہیں میں کا ایک فرانسس کٹ Francis Kett بھی تھا جو کیمرج میں کارپس کرسچی Cropus Christi میں بحیثیت اس کے ایک رفیق Fellow کے کام کر چکا تھا۔ جیمس اول کے زمانے میں بھی یہی صورت رہی جو اس طرح کے معاملات میں ذاتی طور پر دلچسپی رکھتا تھا۔ "بارتھلمیو لیگیٹ" Bartholomew Legate, اسی زمانے کا ایک شخص تھا جس کے سلسلے میں الزام تھا کہ وہ بہت سے ہلاکت خیز خیالات کا قائل ہے۔ بادشاہ سے اس کی انتہائی تلخ گفتگو کے بعد کافی عرصہ تک اسے "نیوگیٹ"

Marfat.com

New gate میں جیل میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ وہ ایسا بے دین ہے کہ اس کی اصلاح کی اب کوئی توقع نہیں چنانچہ ۱۶۱۱ء میں "اسمتھ فیلڈ" Smith field میں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔

اس کے ایک ماہ بعد ایک دوسرے شخص "وائٹ مین" .wightman کو "لچ فیلڈ" Lich field میں جلا دیا گیا۔ یہ کارروائی "بشپ آف کوونٹری" Bishop ofCovantry کے فرمان سے عمل میں آئی۔ اس شخص پر بھی یہی الزام تھا کہ اس کے بہت سے خیالات شریعت عیسوی کے خلاف ہیں[1]

خالص مادی امور و مسائل اور سائنسی علوم کے سلسلے میں بھی اصلاح شدہ پاپائیت کا رویہ کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ جس کی مثال میں ابھی ابھی ذکر کردہ جیار ڈینو برنو، کا بس نام لے دینا ہی کافی ہے۔ جدید علم ہیئت astronomy کے بانی "گلیلو" Galileo de Galilei کے ساتھ اس کا جو رویہ رہا وہ بھی کچھ کم عبرتناک نہیں ہے۔ اپنے مشاہدات کی روشنی میں اسے کوپرنیکس، کے مذکورہ خیال کے سلسلے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا تھا۔ اور اس کے برحق ہونیکا اس نے برملا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اپنے ٹیلی اسکوپ Telescope کی مدد سے اس نے مشتری سیارہ Moon of jupiter کا پہلی بار انکشاف کیا۔ نیز سورج کے اندر پائے جانے والے دھبوں Spots کے اس کے مشاہدے کی روشنی میں زمین کے گردش پذیر ہونے کے ایک حقیقت مسلّم ہونے کے سلسلے میں اسے کوئی کلام نہ تھا۔ محکمۂ تفتیش عقائد نے اس سے مطلع ہونے پر، اس کے خلاف سرزنش کی اور ۱۶۱۶ء میں اس کی طرف سے گلیلو کے مذکورہ خیال کے متعلق "فضول" اور "ملحدانہ" ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ بعد میں اگرچہ اس نے اپنی مشہور کتاب Dialogue میں اس تصور کی وضاحت کے سلسلے میں کافی لیا پوتی سے کام لیا۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب مذکور صفحات ۶۵، ۶۶

Marfat.com

لیکن اس کے باوجود اس کو چھٹکارہ نصیب نہ ہوا۔ ۱۶۲۲ء میں اس کتاب کے منظرعام پر آنے کے ساتھ ہی مذکورہ محکمہ کی طرف سے اسے وہاں حاضری کا پروانہ ملا۔ خیر سے وہاں اس کے کچھ ردوں کی موجودگی سے اس کی جان تو بچ گئی لیکن بہرحال وہ اس کے ساتھ حد درجہ اہانت آمیز سلوک اپنائے جانے سے بچانے کے سلسلے میں کچھ بھی مددگار اور معاون نہ بن سکے[1] جہاں تک اس کی دیگر کتابوں کے تئیں یورپ کے استقبال کا سوال ہے تو اس کے سلسلے میں صرف اس بات کا علم میں آجانا کافی ہے کہ ۱۸۳۵ء تک وہ یورپ کی ممنوعہ کتابوں کی فہرست میں شامل تھیں[2] یہ بھی انیسویں صدی Richard Carlile کے اوائل کی بات ہے جب رچرڈ کارلائل کو پین Paine کی کتاب Age of Reason کو تقسیم کرنے کے جرم میں نو سال تک قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی[3] پریس پر پابندی Censorship کی ایجاد کا سہرا بھی کلیسا ہی کے سر ہے۔ جو پوپ الکزنڈر ششم کے ایک فرمان کے ذریعہ ۱۵۰۱ء میں وجود میں آیا۔ اسی طرح فرانس میں شاہ ہنری دوم نے سرکاری اجازت کے بغیر کسی چیز کی طباعت و اشاعت کو قابل تعزیر جرم قرار دے رکھا تھا جس کا ارتکاب کرنے والا سزائے موت کا مستحق تھا۔ ۱۵۲۹ء تک میں جرمنی میں بھی سنسر شپ لاگو کی جا چکی تھی۔ روشن خیالی کے علمبردار انگلینڈ میں، ملکہ الزبتھ کے عہد سلطنت میں، حکومت کے لائسنس کے بغیر کوئی کتاب چھاپی نہیں جا سکتی تھی پریس لگانے کی اجازت بھی صرف لندن آکسفورڈ اور کیمرج کے ساتھ مخصوص تھی۔ سرزمین یورپ میں پریس پر پابندیوں کا یہ سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد ہی اسے حقیقی معنوں میں آزادی نصیب ہوتی ہے[4] اور کون نہیں جانتا کہ

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھی جائے کتاب بالا صفحات ۶۷ تا ۷۰ [2] حوالہ سابق صفحہ ۶۹، ۷۰

[3] Religion as a Bar to progress P. 34.

[4] A History of Freedom of thought P. 39.

Marfat.com

بالواسطہ طور پر ان تمام کارروائیوں کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے۔

سرزمین یورپ میں مسیحیت کے علمبرداروں کی یہی کارگزاریاں تھیں جن کے نتیجے میں اس نے "عیسائیت" کو انسانیت کی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا Stumbling block سمجھا۔ اور عقیدت و احترام تو کجا اپنی مقدس کتابوں Sacred Books کو اس نے اپنی اخلاقی اور علمی و فکری ترقی کے راستے کی رکاوٹ Obstacle باور کیا[۱] اور اس کی سرزمین سے اس طرح کی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سے ایک کا نام آپ کے سامنے بھی کئی بار آچکا ہے۔ یعنی "مذہب ترقی کی راہ کا روڑا"

Religion as a Bar to Progress.

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اپنے اس تلخ تجربے کے نتیجے میں مسیحیت، سے آگے فی الجملہ مذہب Religion کے سلسلے میں یورپ کو یہ فتویٰ صادر کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ وہ قابل رد ہے ورنہ کم از کم اس کا دائرہ فرد کی نجی زندگی تک محدود ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہونا چاہیئے؟ اور کیا اس کی تقلید میں کسی بھی سمت سے اس طرح کے کسی اعلان و اظہار کو مبنی بر حقیقت اور حق و انصاف کا تقاضا قرار دیا جاسکتا ہے؟

---

[۱] حوالہ سابق صفحات ۳۸، ۳۹۔ خیال رہے کہ کمیونزم بھی مذہب کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اسے جو سائنس اور سائنٹفک نقطہ نظر کا دشمن قرار دیتا، اور اس لئے اسے معاملات دنیا سے بے دخل اور چرچ اور اسٹیٹ کو الگ قرار دینے کے ساتھ، اپنی سرزمین سے اسے مکمل دیس نکالا دینے کی وکالت کرتا ہے تو اس کے لئے بھی حوالہ وہ کلیسا کے انہی مظالم اور فکری جکڑ بندیوں کا دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو: V.G. A fanasyev " Marxist Philosophy A Popular out line P. 384. Progress Publishers Moscow 4th Rev.Ed.1980

Marfat.com

مسیحیت کی بنیادی خامی

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسیحیت کی بنیادی خامی پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں، ہمارے خیال کے مطابق جس کے نتیجے ہی میں یورپ کی تاریخ میں اس کا یہ بدنما بلکہ گھناؤنا کردار سامنے آیا۔ جس نے نفس مذہب سے مغرب کو بیزار کیا۔ اور آگے پوری متمدن دنیا میں یہ چیز بطور ایک مقبول عام تصور کے رائج ہوئی کہ مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے۔ معاملات دنیا سے اسے کچھ سروکار نہ ہونا چاہیئے۔

عیسائیت کبھی بھی فکر و نظر کا کوئی مکمل نظام نہیں رہی جس کی بنیاد پر سماج کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کی جا سکے۔ قوم یہود کے اندر جو زر پرستی اور دنیا طلبی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے علماء و رہبان جس طرح روح شریعت کو چھوڑ کر اس کے الفاظ سے کھیلنے لگے تھے اور اپنے دینی منصب کو کلیتہً جلب دنیا کا ذریعہ قرار دے رکھا تھا، حضرت مسیحؑ، ایک عارضی وقفے کے لئے انہی کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے، جس کی صراحت وہ خود ان لفظوں میں کرتے ہیں:

”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“ (متی باب ۱۵ : ۲۴)

آں جناب کی ان تعلیمات و ہدایت سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ آپکی بعثت خاص قوم یہود کے لئے ہوئی تھی۔ اور آپ کی تمام تر کوششیں ان کے بگاڑ کو دور کرنے اور انہیں راہ راست پر لگانے پر مرکوز تھیں۔

Marfat.com

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے، اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔" (متی: باب ۵: ۳۸—۴۲)

"لیکن میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو، جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لئے دعا کرو، جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو تیرا چوغہ لے اس کو کرتا لینے سے بھی منع نہ کر، جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تیرا مال لے لے اس سے طلب نہ کر۔" (لوقا باب: ۶: ۲۷—۳۱)

"مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر نا امید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے کیونکہ وہ ناشکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو۔"

(ایضاً: ۳۵-۳۶)

قوم یہود جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وقت تک کے لئے امامت عالم کے منصب پر فائز کیا تھا اور اسے اپنے بے پایاں احسانات سے نوازا تھا، اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تورات کی صورت میں ایک جامع مجموعۂ قوانین عطا کیا تھا۔ بعد میں وقت گذرنے کے ساتھ ـــــ اس کے اندر خرابی اور بگاڑ کی جو صورتیں پیدا ہوئیں اس کا نمایاں ترین مظہر اس قوم کا فقہی جمود تھا۔ چنانچہ اس نے روح شریعت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کے ظاہر کو سب کچھ سمجھ لیا۔ بیجا لفظی موشگافیاں کر کے خدائی شریعت کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اور احکام کے حقیقی منشاء کے علی الرغم ان کا ہیولیٰ ہی بالکل بدل کر رکھ دیا۔ جس کے نتیجہ

Marfat.com

میں وہ بے شمار ان جکڑ بندیوں میں پھنس گئی جن کا خدائی مرضی سے کوئی واسطہ نہ تھا اور بہت سی ان بندشوں سے وہ آزاد ہو گئی جن کا الٰہی شریعت انہیں پابند دیکھنا چاہتی تھی۔ قوم یہود کے سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی حضرت مسیحؑ کی بعثت تورانی شریعت میں پیدا ہو جانے والے اسی عدم توازن کو دور کرنے کے لئے ہوئی تھی۔ اور آپ کو ملنے والے مجموعۂ احکام "انجیل" کی امتیازی حیثیت ہی یہ تھی کہ وہ اس قوم اور خاص کر اس کے علماء و رہبان کی ظاہر پرستی کو ختم کرکے ان کے اندر روح شریعت کی پیروی کے جذبہ کو بیدار کرے۔ عہد نامہ جدید کا درج ذیل بیان اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے حضرت مسیحؑ اپنی قوم کے فقیہوں اور فریسیوں کی حالت زار پر ماتم کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو۔" (متی باب : ۲۳: ۱۴)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور رسونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے، اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں، اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔"

(ایضاً : آیات ۲۳ تا ۲۸)

"پھر اس نے اپنی تعلیم میں کہا کہ فقیہوں سے خبردار رہو جو لمبے لمبے جامے

Marfat.com

پہن کر پھرنا اور بازاروں میں سلام، اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے ہیں، اور وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں۔ ان ہی کو زیادہ سزا ملے گی۔" (مرقس باب ۱۲: ۳۸—۴۰)

لیکن سانحہ یہ پیش آیا کہ قوم یہود کی عظیم اکثریت نے مسیحؑ کا انکار کیا اور اپنے کو انجیل سے بالکل دور رکھا دوسری طرف جن لوگوں نے آں جنابؑ کی پیروی اختیار کی وہ آپ کے حکم اور مرضی کے علی الرغم دوسری انتہا پر جا پہونچے کہ انھوں نے انجیل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا اور "توراۃ" سے بے تعلق ہو گئے۔ جبکہ اصل صورت یہ تھی کہ تورات اور انجیل دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والی تھیں۔ اس دوگونہ مجموعۂ شریعت کی پیروی ہی میں اہل کتاب کی نجات مضمر تھی۔ اور اسی کے ذریعہ وہ زندگی میں جادۂ اعتدال پر قائم رہ سکتے تھے۔ اہل تورات جس فقہی جمود اور لفظی جکڑ بندیوں کے گرداب میں پھنس گئے تھے انجیل کے بغیر وہ اس سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح انجیل میں حکمت وموعظت اور روح شریعت کی بھرپور تشریح وتفصیل تو تھی۔ لیکن توراتی مجموعہ قانون کے بغیر اس کے لئے زندگی کی گاڑی کو زیادہ دور تک اعتدال وتوازن کے ساتھ چلانا بہت مشکل تھا۔ لیکن تفصیلات سے قطع نظر ہوا یہی کہ انجیل تورات سے کٹ گئی۔ اور جس طرح اہل کتاب کے لئے انجیل سے روگردانی کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ وہ روح شریعت سے عاری ہو کر نری ظاہر پرستی اور دنیا طلبی اور جلب منفعت میں لگ گئے۔ پیروان مسیحؑ کے لئے توراۃ کے انکار کا انجام یہ ہوا کہ ان کے پاس ایک بالکل کٹی پٹی شریعت باقی رہ گئی جو واقعہ ہے کہ سماج کی تعمیر اور انسانی آبادی کے مسائل کے حل کی عظیم ذمہ داری سے کسی بھی صورت عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے بھی بڑا سانحہ یہ ہوا کہ حضرت مسیحؑ کی وفات پر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۳۲۵ء کی نیسیا، کی کونسل میں مسیحیت[1] پر پال کی اجارہ داری قائم ہو گئی جس

---

[1] یہاں ہم مسیحیت کو مسیحیت اسی پہلو سے کہہ رہے ہیں جیسا کہ اس کے ماننے والوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے نتیجے میں اس کی صورت ہی مسخ ہو گئی۔ توراۃ سے کٹ جانے کے سبب اس کے اندر پیدا ہو جانے والی مذکورہ خامی اور کمی سے قطع نظر اس کی ہم آہنگی بالکل خاک میں مل گئی اور وہ تضادات کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی[1]۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نامۂ جدید میں اگر حضرت مسیح ایک طرف اپنے پیروؤں کو اس دعاء کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں کہ آسمان کی طرح زمین پر بھی خدا کی بادشاہت قائم ہو :

"پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔" (متی باب : ۶ : ۹-۱۰)

تو دوسرے مقام پر ہمیں ان کا یہ اعلان پڑھنے کو ملتا ہے :

"میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔" (یوحنا باب : ۱۸ : ۳۶)

اس سے بھی آگے دوسری جگہ وہ صاف طور پر دین و دنیا کی تقسیم کا درس دیتے

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) نے اسے توراۃ اور اسی طرح اس کے بعد آنیوالی شریعت محمدیؐ سے کاٹ کر اسے ایک الگ اور مستقل شریعت کا درجہ دے لیا۔ اور جیسا کہ وہ آج عہد نامۂ جدید کے صفحات میں نظر آتی ہے۔ ورنہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نہ یہودیت کوئی چیز ہے نہ مسیحیت۔ یہ سب اسی دین حنیف، اسلام کی مختلف شکلیں ہیں جسکا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوتا ہے۔ دوسری بے شمار قوموں اور جماعتوں کی طرح یہ اہل کتاب کی محض نادانی اور ناسمجھی ہے کہ انھوں نے اس دین قویم کی صورت بگاڑ کر اسے یہودیت اور مسیحیت کے خانوں میں بانٹ دیا۔ اور اس کے نتیجے میں قیامت تک کیلئے باہم کٹتے مرتے رہنے کی راہ ہموار کرلی۔ [1] واضح رہے کہ عہد نامۂ جدید اپنی موجودہ صورت میں بڑی حد تک پولوس کی اپنی تحریروں پر مشتمل ہے اور باقی صحائف میں بھی جو کچھ ہے وہ انہی خیالات کی تائید میں ہے جو پولوس نے پیش کئے۔ ستائیس صحائف پر مشتمل یہ عہد نامہ جناب یسوع علیہ السلام کے ۳۲۵ سال بعد اس اجتماع کی کثرت رائے سے منتخب کیا گیا تھا جس کی اکثریت تثلیث اور اسی طرح کے دوسرے مشرکانہ تصورات کی قائل تھی یہ فیصلہ نیسیہ Nicaea کی اسی مذکورہ کونسل کا تھا (عبدالوحید خاں دعیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں صفحہ ۱۰۱)

Marfat.com

دکھائی دیتے ہیں :

"پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔" (متی باب ۲۲ : ۲۱)[1]

اس کے علاوہ عہد نامۂ جدید حکومت وقت کی پیروی کو بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس روش پر عمل پیرا ہے اور اس کا انداز کیا ہے، پیروانِ مسیح کے لئے لازم قرار دیتا ہے :

"ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابعدار رہے، کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے اور جو مخالف ہیں سزا پائیں گے"

(رومیوں کے نام پولس رسول کا خط باب ۱۳ : ۱-۲)

اس تاکید کے ساتھ کہ :

"سب کا حق ادا کرو جسکو خراج چاہیئے خراج دو جس کو محصول چاہیئے محصول جس سے ڈرنا چاہیئے اس سے ڈرو، جس کی عزت کرنا چاہیئے اس کی عزت کرو (ایضاً : آیت ۷)

رومن ایمپائر کو پال Paul کی قائم کردہ اسی مسیحیت کا تجربہ ہوا[2] اور چوتھی صدی عیسوی میں وہ اس کا سرکاری مذہب قرار پا گئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں حالات کی گردش سے رومن ایمپائر کے زوال کے بعد فطری طور پر اس کی وراثت اس کے حصے میں آئی۔ اپنی ان محدودیتوں اور کمیوں کے پیش نظر جن کا ابھی ذکر ہوا، مسیحیت کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چھوٹے اور مختصر دائروں میں انسانی زندگی کے مسائل کے حل میں اپنے کو لگاتی، حکومت و سلطنت کے جھمیلوں سے اپنے کو بالکل دور رکھتی لیکن مسیحیت کے علمبرداروں کے لئے، جن کی نگاہیں رومن ایمپائر کی زبردست شان و شوکت کے سامنے خیرہ ہو چکی تھیں، اس کا سہارنا اور کمتر دائرے پر اپنے کو قانع بنانا ممکن نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس کے بعد ذرا تاخیر کئے بغیر کلیسا نے اپنے کو رومی شاہنشاہی کے ڈھنگ پر منظم کرنا شروع

---

[1] نیز ملاحظہ ہو : مرقس باب ۱۲ : ۱۷، لوقا باب : ۲۰ : ۲۵

[2] Carl Stephenson : Mediaeval History Rev. Ed. P. 38.

کر دیا[1] اور آٹھویں اور نویں صدی تک تو وہ پوری طرح کھل کر میدان میں آگیا۔ لیکن جیسا کہ اشارہ کیا گیا پال کی مسیحیت اپنی محدودیت اور اپنے داخلی تضادات کے ساتھ حکومت وسلطنت کے لئے کوئی کامل اور ہم آہنگ نظام عمل عطا کرنے سے قاصر تھی، چنانچہ قطع نظر ان بے شمار ادارہ جاتی اور شعبہ جاتی امور و مسائل کے جن میں اس کا نمائندہ کلیسائے روم بری طرح رومن ایمپائر سے متاثر رہا اور بے چون وچرا اور بلا تامل انھیں اپنے ہاں اپناتا گیا[2] اس صورت حال نے سرزمین یورپ میں اسی وقت سے چرچ اور اسٹیٹ بالفاظ دیگر مذہب اور ریاست کا جھگڑا کھڑا کر دیا کہ اقتدار کا اصل سرچشمہ کون ہے پاپائے روم یا وقت کے سیکولر حکمراں؟ جس کا سلسلہ آگے ہزار سال یعنی سترہویں اور اٹھارویں صدی تک جاری رہا جبکہ مختلف انقلابات کے نتیجے میں کلیسائی اور شاہی بساط الٹ کر دستوری حکومتیں وجود میں آتی ہیں جن کے اندر کھلے لفظوں میں مذہب کے معاملات دنیا سے بے دخلی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور یورپ اطمینان کا سانس لیتا دکھائی دیتا ہے کہ اب آئندہ اسے مذہب کے نام پر ظلم واستبداد کے شکنجے میں نہ کسا جاسکے گا۔ زمانۂ مابعد میں اسی کی تقلید میں دنیا کے مختلف خطوں سے مذہب کی معاملات دنیا سے بے دخلی کی بات ہمارے سننے میں آتی ہے۔

چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی

آج یورپ نے اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ مذہب کا معاملات

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ یورپ حصہ اول: مصنف الیور تھیچر۔ ترجمہ مولوی عبدالماجد بی اے، نواب صدر یار جنگ بہادر اور قاضی تلمذ حسین صفحات ۱۷۹، ۱۸۰ نیز DR. Bhandari: History of European Political Philosophy P. 69-70.

[2] مثال کے طور پر بے دینی کو رائج الوقت بغاوت Treason پر قیاس کر کے اسے خدا کے خلاف بغاوت Treason against God قرار دیتے ہوئے کلیسائے روم نے ایذا رسانی Torture کا اصول رومی قانون سے اخذ کیا تھا، اسی طرح بے دینوں کی تمام جائداد کو ضبط کر لینے کا قاعدہ بھی اسی رومی قانون سے اخذ کردہ تھا۔ ملاحظہ ہو: History of Torture through the Ages P.53

Marfat.com

دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسی کے اثر سے دنیا کے بیشتر خطوں میں بھی اسے ایک مقبول عام تصور کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، لیکن آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ زیادہ دور نہیں ابھی اٹھارویں صدی کے اختتام تک صورت یہ تھی کہ وہاں "بادشاہ بمرضی خدا" Kingsby the grace of God اس لقب کے بغیر بادشاہوں کا نام لینے کی بھی کسی کی ہمت نہ تھی۔

اگلے زمانوں کی بات اپنی جگہ اسی اٹھارویں صدی میں فرانس کے لوئیس چہار دہم (Louis XIV) اور انگلینڈ کے جیمس دوم James II نے "مرضی خدا" thegraceofGod کو ایک سیاسی عقیدے کے طور پر اپنایا اور اس کی بدولت اپنی کلیت پسندی Absolutism کے لئے وجہ جواز پیدا کیا۔ جس کی رو سے دیگر تمام انسانی حقوق مثلاً دولت، خاندان، پارلیمنٹ وغیرہ کی طرح "بادشاہ کا یہ حق" بھی ابدی اور من جانب اللہ تھا۔ جسے کسی صورت چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح بادشاہ کی شخصیت عام انسانی قانون کے دائرے سے بلند قرار پاگئی تھی اس کے بعد ایسا ہوا کہ فرانس کی عملداریوں Estates نے اس تصور کو قبول کرنے سے انکار کیا اور برطانوی پارلیمنٹ نے نسبتہً اور سختی سے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ بالآخر انگلینڈ کے ۱۶۸۸ اور فرانس کے ۱۷۸۹ کے انقلابات کے نتیجے میں بادشاہوں کے اس تقدس اور ان کے من جانب اللہ ہونے کے تصور کو آخری طور پر مسترد کیا گیا۔[۲]

سرزمین یورپ میں عیسائیت کے قدم جمانے سے لے کر اٹھارویں صدی کے اختتام تک یہ مسئلہ کبھی زیر بحث آیا ہی نہیں کہ "مذہب کا معاملات دنیا سے کوئی تعلق ہے، نہ ہونا چاہیئے بلکہ سچ یہ ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کے لئے جو اپنے ہوش وحواس بالکل کھو نہ چکا ہو

---

[۱] یہی نہیں بلکہ لوئیس بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کرتا تھا کہ: ہم شہزادے خدا کی زندہ تصویریں ہیں جو تمام تر پاک اور قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے: "We Princes are living images of Him. who is all holy and all power ful. Bluntschli : The theory of the state P. 288

[۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو
Bluntsechli : The theory of the States P. 290-291

Marfat.com

اس طرح کی بات اپنی زبان پر بھی لانے کی ہمت نہ تھی۔ اس وقت تک مذہب سے تعلق نہیں مذہب سے لاتعلقی، بے دینی، سب سے بڑا جرم تھی جس کا ارتکاب کرنے والا جس انجام بد سے دوچار ہوتا تھا اس کی کسی قدر تفصیل اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ وہاں اگر جھگڑا رہا ہے تو اس کا کہ دنیا پر مذہب عیسائیت کی حکومت کس ادارے کے ذریعہ انجام پائے۔ چرچ اور پاپائیت کے ذریعہ یہ کام انجام پائے یا یہ ذمہ داری سیکولر حکمرانوں کے سپرد ہونی چاہیئے۔ اور کہنا چاہیئے کہ عہد جدید کی پو پھٹنے تک یورپ بری طرح سے اس کشمکش کا شکار اور اس اختلاف و نزع کی آماجگاہ رہا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ یہی آویزش و چپقلش ہمیں یورپ کی تاریخ کا سب سے نمایاں باب نظر آتی ہے۔ خاص طور پر قرون وسطیٰ کے زمانہ میں تو ایسا لگتا ہے کہ وہاں اس ایک کام کے سوا دوسرا کوئی کام ہی نہ تھا جس میں باشندگان یورپ کی قوتیں اور صلاحیتیں صرف ہوتیں۔ جس کے لئے ان میں سے ہر فریق، کتاب مقدس، سے غذا حاصل کرتا تھا جو اس کے لئے، جیسا کہ ابھی اوپر تفصیل گذری، اس مقصد کی خاطر بھرپور مواد فراہم کرتی تھی۔ یہ "ایک حقیقت ہے کہ یورپ میں بارہویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک "سیاسی تصور" کی کل دوڑ اس نشانے تک محدود تھی کہ پاپائیت کا یہ دعویٰ کہ شہنشاہیت پر اسے بالادستی حاصل رہے، درست ہے یا نہیں[1]۔"

خاص طور پر نویں صدی سے لے کر گیارہویں اور بارہویں صدی تک یہ لڑائی اپنے شباب پر تھی جس میں دونوں فریق اپنے اپنے حق میں الگ الگ دلائل فراہم کر رہے تھے، کلیسا جس بنیاد پر اپنے لئے اس حق کا مدعی تھا اس میں خاص بات یہ تھی کہ:

۱۔ چونکہ پوری بنی نوع انسانی ایک ہے، اس لئے چرچ جس کی بنیاد براہ راست خدا God نے رکھی ہے، ریاست کی ذمہ داری بھی صحیح معنوں میں اسی کی ہو سکتی ہے۔ خدائی فرمان کے ذریعہ اسے یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔ خدا جس کی ذات میں تمام دنیوی و روحانی اختیارات

---

[1] DR. Bhandari : History of European Political Philosophy P.86

مرکوز ہیں۔ چونکہ یہ چیز قادر مطلق ذات کا اٹوٹ حصہ ہے اس لئے کسی صورت اس کے حصے بخرے نہیں کئے جا سکتے۔ اس ریاست کے سربراہ اصلاً تو حضرت مسیحؑ C..rist. ہیں، لیکن چونکہ وہ بنفس نفیس اس دنیا میں موجود نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ زمین پر ان کا ایک نمائندہ ہو جو عام انسانوں پر ان کے اقتدار کو بحال رکھ سکے جناب مسیحؑ کا یہ نمائندہ پوپ Pope. ہے جو بیک وقت لوگوں کا پادری Priest. بھی ہے اور ان کا بادشاہ King. بھی۔ بادشاہ یعنی ان کا دنیوی اور روحانی شہنشاہ، ان کا قانون ساز Law-giver ان کا منصف Judge غرض یہ کہ وہ ہر پہلو سے سب سے بڑا اور زبردست ہے۔

۲۔ دونوں ہی تلواریں جن میں سے ایک روحانی اقتدار کی نمائندگی کرتی ہے، دوسری سیکولر اقتدار کی، انہیں پہلے تو خدا نے جو پیٹر Peter, کو عطا کیا، اور اس سے منتقل ہو کر یہ خیر پوپ pope تک پہنچی جو روئے زمین پر خدا کا نائب Vicegerent of God ہے۔ روحانی تلوار کو پوپ نے اپنے پاس باقی رکھا، البتہ دنیوی تلوار کو اس نے سیکولر حکمرانوں تک منتقل کر دیا۔ لیکن اس منتقلی کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ آزادانہ طور پر اس کے مالک ہو گئے ان کی زیادہ سے زیادہ حیثیت یہ ہے کہ یہ کلیسا کے وکیل اور اس کے معتمد علیہ agent, ہیں۔ پوپ مالک تو دراصل بیک وقت روحانی اور سیکولر اختیارات دونوں کا ہے، البتہ عملاً استعمال وہ اپنے روحانی اختیار ہی کا کرتا ہے۔ بادشاہ اور سیکولر حکمراں اپنے مناصب اور اپنے اختیارات بالواسطہ طور پر خدا. God سے اور بلاواسطہ پوپ سے حاصل کرتے ہیں، اور اس بنا پر وہ اس کی رعایا Vassals ہیں بس اتنا ہے کہ پاپا کی رعایا میں شہنشاہ کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ اس کی تاج پوشی کی حلف برداری دراصل پوپ کو ایک طرح کا خراج عقیدت ہے۔ دنیوی اقتدار چونکہ چرچ کا عطا کردہ ہے اس لئے اس کا استعمال بھی چرچ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہئے۔ پوپ کو اس کا اختیار حاصل ہے بلکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ سیکولر حکمرانوں کو براہ راست اپنے کنٹرول میں رکھے۔ کسی تکلف کے بغیر وہ شہنشاہی اقتدار کو ایک شخص سے ہٹا کر دوسرے شخص تک منتقل کر سکتا ہے۔ اپنی اس حیثیت میں دراصل وہ بادشاہ گر یا بادشاہ کا انتخاب کنندہ Imperial Electon ہے۔ شہنشاہیت میں جب بھی کہیں

خلا پیدا ہوگا، ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر اس کی نگرانی پوپ تک منتقل ہو جائے گی۔ پوپ کو اس کا بھی اختیار ہے کہ وہ عام حکمرانوں کے خلاف لوگوں کی شکایات کی سماعت کر سکے، انہیں معزول کر دے اور ان کی رعایا کو ان کی وفاداری سے الگ قرار دیدے۔

۲۔ مادہ کے بالمقابل روح کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے فطری طور پر عوامی اقتدار کے مقابلے میں روحانی اقتدار زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور بجا طور پر اسے زیادہ عزت و احترام کا مقام حاصل ہونا چاہیئے چرچ روح کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ ریاست کو صرف اس کے قالب کی نمائندگی حاصل ہے۔ چرچ سورج Sun کے مانند ہے، ریاست کی حیثیت اس کے مقابلے میں چاند Moon کی ہے۔ اس بنا پر عوامی اقتدار Lay authosity روحانی اقتدار سے مستعار ہے، اسی کے ذریعہ اسے قوت نافذہ ملتی ہے، خلاصہ یہ کہ اس کا تمام تر دارو مدار اسی پر ہے[1]

اس کے برعکس سیکولر حکمراں اپنے لئے جس دلیل کی بنیاد پر اس حق کے دعویدار تھے اس میں نمایاں بات یہ تھی کہ:

۱۔ سیکولر اقتدار چرچ کا تفویض کردہ نہیں بلکہ یہ چیز براہ راست خدا کی عطا کردہ ہے بادشاہ روئے زمین پر خدا God. کے نائب اور خلیفہ Viclgerents ہیں اور اس بنا پر وہ صرف اسی Him. کے روبرو جوابدہ ہیں۔ ریاست کو اسی طرح من جانب اللہ divine ہونے کی سند حاصل ہے جیسی کہ چرچ کو ہے۔ اور اس بنا پر وہ چرچ کی تابع فرمان نہیں ہو سکتی ہے۔

۲۔ شہنشاہیت کے علمبردار Imperialists پاپائیت کی بالادستی سے اپنے کو آزاد رکھنے کے لئے خاص طور پر کتاب مقدس کو بنیاد بناتے تھے۔ اور عہد نامۂ قدیم وجدید ہر ایک سے اس سلسلے میں دلائل فراہم کرتے تھے۔ عہد نامہ جدید سے بالخصوص پال Paul

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو DR.Bhandari: History of European Politcal Philosophy P.87.88

Marfat.com

کے اس قول کا حوالہ دیتے تھے جس کا اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ :

"کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں، خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے"

(Powers that be are ordained of God. Whose ever, therefore, resisteth the power resistetth the Ordinance of God.

کتاب مقدس کے اسی طرح کے فرامین کی بنیاد پر سیکولر حکمرانوں کا رعایا سے مطالبہ تھا کہ وہ ان کی غیر مشروط وفادار رہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خدا کی طرف سے مقرر ہونے کے سبب سے وہ صرف خدا God کے حضور جواب دہ ہیں۔ اور اس بنا پر وہ پاپائیت کے اختیار سے بالکل آزاد ہیں۔ اور ان کے اوپر اسے کسی قسم کا اثر و اقتدار دکھانے کا حق نہیں ہے[1]

اس مرحلے پر جن لوگوں نے مختلف تشریحات کیساتھ کلیسا کی حمایت کی ان چند خاص نام یہ ہیں ہیلڈیبرانڈ یا گریگوری ہفتم (Hildebrand or Gregory VII 1073-1080) سینٹ برناڈر (St. Bernard (1091-1153) مین گولڈ (Mane gold) جان آف سیلسبری John of Salisbury 1115-1180، سینٹ ٹامس ایکونس (St. Thomas, Aguinas 1227-74) اور آگسٹس ٹرمفس Augustus Triumphus اس کے بالمقابل سیکولر حکمرانوں کی تائید میں جو لوگ پیش پیش تھے ان میں قابل ذکر یہ لوگ تھے مارسگلو آف پڈوا Marsiglo of Padua 1340-127 ولیم آف اوک ہام William of Ockham 1290-1347) اطالوی فلسفی دانتے Dante اور پیرے ڈیوبیس Pierre Dubais جن کے[2] استدلال میں علاوہ اور چیزوں کے حضرت مسیح کا یہ قول بھی شامل تھا کہ "میری بادشاہی اس

---

[1] حوالہ سابق صفحہ ۹۱-۹۰ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حوالہ سابق صفحات ۹۲ تا ۱۱۳۔

Marfat.com

دنیا کی نہیں my Kingdom is not of this world پاپائیت کے علمبرداروں اور سیکولر حکمرانوں کے ہمنواؤں کی یہ لڑائی کیسی شدید تھی اس کا اندازہ آپ صرف اس سے کر سکتے ہیں کہ صرف گیارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں یعنی ۱۰۵۲ء سے ۱۱۱۲ء کے عرصے میں اپنے اپنے موقف کی حمایت میں فریقین کی طرف سے ایک سو پندرہ کتابچے منظر عام پر آئے تھے[1]

چرچ اور اسٹیٹ کی اس لڑائی میں فتح مندی کا سہرا کلیسا کے ہاتھ رہا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی تک پاپائیت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی[2,3] چودھویں صدی کے آتے آتے یورپ میں قومی بادشاہتوں نے زور پکڑنا شروع کیا اور نظام جاگیرداری، جبکہ بڑی حد تک یہی ادارہ کلیسا کے زور اور قوت کا ذریعہ تھا، دن بدن کمزور پڑتا گیا[4] اسی عرصے میں مختلف اسباب کے تحت یورپ میں روشن خیالی Enlightment اور نشاۃ ثانیہ Renaissanee. کی تحریکات نے اپنے اثرات دکھانے شروع کئے۔ عوام الناس کے ذہن و فکر میں بیداری آئی، سماج میں فرد کی اہمیت کا احساس فزوں تر ہونے لگا اور لوگ بے چون و چرا کلیسا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ نتیجے کے طور پر وہاں میکاوَلی Machia-velli (1409-1527) جیسے مفکرین منظر عام پر آئے جنہوں نے براہ راست "مذہب و اخلاق" سے "سیاست" کی علاحدگی کا علم بلند کیا۔ اس کے بعد اگرچہ لوتھر Luther کی سولہویں صدی کی اصلاح Reformation کی تحریک نے ایک بار پھر مذہب اور اسٹیٹ کو ایک ساتھ جوڑنا چاہا، جس کے لئے اس نے موجود الوقت پاپائیت کو مسترد کرتے ہوئے "بادشاہوں کے ابدی حق" Divine Right of Kings کا نعرہ لگایا اور "خدا کے مقرر کردہ شہزادوں کی خاموش اطاعت" Passive ofediene to the godly Princes کی تلقین شروع کی، لیکن مسیحی اقتدار سے یورپ اس قدر عاجز آچکا تھا کہ "قومی بادشاہتوں" کے ذریعہ مسیحیت کے بالواسطہ اقتدار کے بوجھ کو بھی وہ اب

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۱۱۱، [2] حوالہ سابق/۱۲۶، [3] کتاب مذکور/۸۵، [4] حوالہ سابق/۸۶۔

Marfat.com

زیادہ دن تک اٹھانے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ اس نے صاف لفظوں میں یہ دعویٰ کیا کہ "اقتدار کا سرچشمہ بادشاہ نہیں ملک کے عوام ہیں"، حکومت وقت کو ان کی مرضیات کا آئینہ دار ہونا چاہئیے اور معاملات زندگی کی تنظیم اس ڈھنگ سے ہونی چاہیئے جیسا کہ کسی ملک کے عوام کی خواہش ہو۔ چنانچہ مذکورہ تحریک اصلاح کے خلاف خود محاذ اٹھ کھڑا ہوا اور آگے اٹھارویں صدی تک خاص طور پر ہابس، لاک اور روسو جیسے مفکرین منظر عام پر آئے جنھوں نے میکاوَلی سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر مذہب واخلاق کو ریاست کے تابع قرار دیا۔ اور "بادشاہوں کے ابدی حق" Divine Right of Kings کے برخلاف سماجی معاہدہ Social Contract عوام کے اقتدار اعلیٰ Sorty. of People اور خواہش عام GENERAL WILL کا تصور پیش کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت کا ادارہ، بذات خود اقتدار کا مالک نہیں، اقتدار کا اصل سرچشمہ عوام ہیں۔ حکمراں اور عوام کے درمیان ایک طرح کا سماجی معاہدہ ہوتا ہے جس کے تحت کوئی حکومت وجود میں آتی ہے۔ اس لئے اسے عوام کی مرضیات کی آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ جس سے خلاف ورزی کی صورت میں وہ اپنے حق بقاء سے محروم ہو جاتی ہے۔ نیز یہ کہ "مسیحیت"، کسی صورت حکومت وسیاست کے لئے موزوں نہیں ہے۔ یہ خاص طور پر انہی لوگوں کے افکار کا نتیجہ تھا جو ۱۶۸۸ء میں انگلینڈ اور ۱۷۷۶ء میں امریکہ اور ۱۷۸۹ء میں فرانس کے انقلابات وجود میں آئے جن میں آخری طور پر "بادشاہتوں" کے خاتمہ کے ذریعہ بالواسطہ طور پر سرزمین یورپ سے مسیحیت کے اقتدار کا خاتمہ عمل میں آیا[1]۔ اور معاملات دنیا سے بے دخل کرتے ہوئے مذہب کو فرد کی نجی زندگی پر قانع ہونے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ اور انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ دستوری سطح پر یہ بات منظر عام پر آئی کہ مذہب کا معاملات دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اسے اگر جینا ہے تو اس دائرے کے باہر ہی وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ ان انقلابات کے نتیجے میں جو تحریری دستاویزات سامنے آئیں ان میں اگرچہ خالق کائنات Creater خدا تعالیٰ SupremeBeing اور اعلیٰ تر ہستی Prudence کے الفاظ موجود ہیں لیکن اس بات

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈی۔ آر۔ بھنڈاری کی کتاب مذکور صفحات ۱۳۱ تا ۲۵۸۔

کی صراحت بھی موجود ہے کہ معاملات دنیا کے سلسلے میں اب "مذہب" کے لئے کوئی احترام نہیں رہے گا نیز یہ کہ اقتدار کا اصل سرچشمہ دراصل قوم ہوا کرتی ہے[۱]

بلنچلی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تھیوری آف اسٹیٹ" میں "ریاست" سے تعلق رکھنے والے بعض اہم مسائل کے سلسلے میں قرون وسطیٰ اور عہد جدید میں ان کے مابین پائے جانے والے فاصلے کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے جس کے ذریعہ موجودہ دور میں "مذہب کی معاملات دنیا سے بے دخلی" کے رائج الوقت تصور کے پس منظر کو کافی بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کے بعض اہم عنوانات کو اسی نقشہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

قرون وسطیٰ	عہد جدید
۱۔ ریاست کا تصور	
قرون وسطیٰ میں ریاست اور ریاست کے اختیار کو براہ راست خدا سے حاصل کردہ تصور کیا جاتا تھا۔ ریاست کی حیثیت ایک ایسی تنظیم کی تھی جو خدا کی مرضی کی آئینہ دار اور اس کے اپنے ہاتھوں کی پیدا کردہ تھی۔	جدید دور میں ریاست کا وجود انسانی ذرائع کا رہین منت ہے اور اس کی بنیاد تمام تر انسانی فطرت پر ہے ریاست ایک مشترک زندگی کی تنظیم سے عبارت ہے جس کی تشکیل انسانی ہاتھوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے اور اس کا انتظام بھی انہی کے ذریعہ چلتا ہے اور یہ چیز تمام تر انسانی مقاصد کے گرد گھومتی ہے۔
۲۔ دینیات اور سائنس	
ریاست کے تصور کی بنیاد مذہبی	ریاست کے بنیادی اصولوں کی راہ

[۱] تفصیل کیلئے دیکھی جائیں: امریکہ کا ۱۷۷۶ء کا آزادی کا اعلامیہ، ۱۷۹۱ء کا امریکی حقوق کا بل اور ۱۷۸۹ء کا حقوق شہریت و انسانی کا فرانسیسی اعلامیہ کی مختلف دفعات بحوالہ J.S. Schapiro Liberalism Its meaning and History صفحات ۱۲۴ تا ۱۳۰

Marfat.com

اصولوں پر تھی اور اسی کی طاقت سے
اس کی پوری مشینری حرکت کرتی تھی
قرون وسطیٰ میں اگرچہ مسیحیت چرچ
اور اسٹیٹ کی ثنویت کی قائل تھی
لیکن اس کا اعتقاد تھا کہ یہ دونوں ہی
تلواریں، یعنی روحانی اور دنیوی، خدا
کی تفویض کردہ ہیں۔ ایک کو اس نے
پوپ کے حوالہ کیا ہے اور دوسرے کی
ذمہ داری شہنشاہ Emperor
کو سونپی ہے۔ پروٹسٹنٹ اسکول
دینیات نے روحانی تلوار کے تصور کو
مسترد ضرور کیا اور صرف ایک تلوار یعنی
ریاست کو قابل قبول ٹھہرایا لیکن
اس مذہبی خیال کو وہ مضبوطی کیساتھ
پکڑے ہوئے تھا کہ اقتدار اعلیٰ خدا کی
طرف سے آتا ہے۔

انسانی علوم یعنی فلسفہ اور تاریخ متعین
کرتے ہیں۔ موجودہ علم سیاسیات ریاست
کی تعبیر و تشریح میں اصلاً انسان کا اعتبار
کرتا ہے۔ وہ اپنے سفر کا آغاز ہی اسی نقطہ
سے کرتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کا خیال یہ
ہے کہ ریاست افراد کے اس اجتماع سے
عبارت ہے جو آپس میں اس لئے متحد
ہوتے ہیں کہ وہ اپنا تحفظ اور اپنی آزادی
کا دفاع کرسکیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں
جو بحیثیت مجموعی اسے پوری قوم کی امنگوں
کا مظہر خیال کرتے ہیں۔ ریاست کا جدید
نظریہ مذہبی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ
بھی نہیں کہ وہ بالکل لامذہبی ہے۔ اس
کا مطلب صرف یہ ہے کہ ریاست کا دار
و مدار مذہبی عقیدے پر نہیں ہونا چاہیے
یہ اس کا انکار نہیں کرتا کہ خدا نے انسانی
فطرت کو بنایا ہے اور یہ جو دنیا کا نظام
چل رہا ہے اس میں اس کی قدرت کا
کوئی حصہ نہیں ہے۔ موجودہ علم سیاسیات
کا وظیفہ یہ نہیں کہ خدائی طور طریقوں کے
سمجھنے میں اپنی قوت صرف کرے، وہ ریاست
کو ایک "انسانی ادارے" کی حیثیت
سے سمجھنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ تھیاکریسی (مذہبی مستبدانہ حکومت)

عہد وسطیٰ میں ریاست کا تصور بالکل پرانے دور کے انسانوں کی طرح براہ راست تھیاکریسی کا تو نہ تھا۔ البتہ وہ بالواسطہ تھیاکریسی (مذہبی مستبدانہ حکومت) کا قائل تھا۔ پوپ کی کڑی یعنی حکمراں خدا کا نائب اور اس کا خلیفہ ہوتا تھا۔

جدید اقوام کے سیاسی شعور کے لئے تھیاکریسی اپنی جملہ صورتوں کے ساتھ حد درجہ ناگوار ہے۔ عہد جدید کی ریاست ایک انسانی اور دستوری انتظام سے عبارت ہے۔ ریاست کا اختیار عوامی قانون کے ہاتھوں بندھا ہوا ہے اور ریاست کا منتہائے مقصود قوم کی فلاح ہے۔ البتہ یہ تمام چیزیں انسانی فہم سے اخذ کردہ ہیں اور انہیں انسانی ذرائع ہی سے روبہ عمل لایا جائے گا۔

۴۔ مذہب

قرون وسطیٰ میں ریاست کا تمام تر انحصار ہم مذہب جماعات و افراد پر تھا۔ اور اس کا مطالبہ تھا کہ ہر جگہ عقیدے کی یکسانی رہے۔ کافروں اور بے دینوں کے لئے اس زمانے میں کوئی سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔ ان پر مختلف طرح کے مظالم توڑے جاتے تھے اور انہیں طرح طرح سے ستایا جاتا تھا بلکہ اکثر و بیشتر انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ بہتر سے بہتر سلوک جس کی ان کے ساتھ توقع رکھی جا سکتی تھی وہ یہ کہ

موجودہ دور میں کسی شخص کو قانونی طور پر کوئی مرتبہ و مقام عطا کرنے کے لیے ریاست مذہب کو ایک شرط لازم تصور نہیں کرتی۔ فرد اور سماج ان دونوں سے تعلق رکھنے والے قوانین مذہب اور عقیدے کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ عہد جدید کی ریاست عقیدے کی آزادی کا تحفظ کرتی اور مختلف چرچوں اور مذہبی سوسائٹیوں کو ایک لڑی میں پرو کر رکھتی ہے۔ البتہ مذہب سے بیزاری یا کسی بھی بے عقیدہ شخص کے

ان کے وجود کو انگیز کر لیا جائے۔ سلسلے میں وہ کسی قسم کی ظلم و زیادتی اور اس کی ایذا رسانی کو کسی بھی انداز سے جائز تصور نہیں کرتی۔[1]

اس موازنے کی روشنی میں عہد جدید کے انسان کی نظر میں مذہب کی حیثیت، اس کے مرتبہ و مقام نیز زندگی کی دوڑ میں اس کی واقعی جگہ کے سلسلے میں اس کے نقطۂ نظر کو باحسن وجوہ سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ کس طرح قرون وسطیٰ میں چرچ اور اسٹیٹ کی کشمکش کے نتیجے میں وہاں "مذہب" کے سلسلے میں ایک خاص نقطۂ نظر پروان چڑھا اور بعد میں آہستہ آہستہ اس نے مسیحیت سے آگے فی الجملہ "مذہب" ہی کے سلسلے میں ایک عام تصور کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کا انتہائی مقام یہ ہے کہ وہ زندگی میں ایک عضو معطل کی حیثیت سے تو باقی رہ سکتا ہے البتہ اس کے لئے سماج میں کسی موثر کردار کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یورپ کی تاریخ میں ایک طویل عرصے تک مذہب اور چرچ لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کئے رہے۔ بعد میں چرچ کا نظام کمزور ہونے کے بعد یہ مقام وہاں کے "بادشاہوں" کو حاصل ہو گیا۔ اور وہ روئے زمین پر "مذہب" کا عملی مظہر قرار پائے۔ بادشاہوں نے چرچ کو بے دخل کر کے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو معاملہ پھر بھی غنیمت رہا اس لئے کہ اول الذکر کی طرح یہ بھی اپنے تئیں مذہب کی نمائندگی کے مدعی تھے۔ لیکن اٹھارویں صدی میں جب مذہب سے بیزار بلکہ اس سے عاجز عوام نے ان "بادشاہتوں" کی بساط الٹی تو بادشاہوں کے خاتمہ اور ان کی بے دخلی کے ساتھ ساتھ یہ چیز اس مذہب کی بے دخلی اور اس کے خاتمہ کا بھی موجب بنی جو اپنے کو اٹوٹ طور پر ان بادشاہتوں سے جوڑے ہوئے تھا۔ یورپ کا ستم یہ ہے کہ پہلے تو اس نے ایک نامکمل مذہب سے جس کے چہرے کو انسانی تحریفات نے بری طرح داغدار کر رکھا تھا، اپنے کو جوڑے رکھا لیکن اس سے بڑی ستم ظریفی اس کی یہ ہے کہ مختلف اسباب کے تحت جب وہ اس مذہب سے عاجز آ گیا تو اسے مسترد کرنے کے ساتھ ہی اس نے نفس مذہب کے سلسلے میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: TheTheory of the State p. 60-62

Marfat.com

ایسا دھواں دار پروپیگنڈا شروع کیا کہ کہنا چاہیئے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب کے ماننے والے اس کی لپیٹ میں آگئے اور اپنے اپنے مذاہب کو بھی انہوں نے اسی چوکھٹے کا پابند بنالیا جس کی وکالت سرزمین یورپ کے فرزانوں کی طرف سے کی جارہی تھی یعنی یہ کہ "مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہے نہ ہونا چاہیئے" یہاں تک کہ اہل یورپ کے نزدیک مذہب Religion کی تعریف ہی اس دائرے میں محصور ہو کر رہ گئی کہ "مذہب نام ہے اس محسوس عملی تعلق کا جو کسی ایک یا متعدد مافوق الفطری وجود یا وجودوں پر اعتقاد کی صورت میں کسی فرد کا اس سے یا ان سے قائم ہوتا ہے[1]" ہم مبارک باد دیتے ہیں یورپ کو اس کی اس ہوشیاری اور چالاکی پر کہ اس نے جب اپنی ناک کاٹی تو اس کے فضائل اس زور و قوت کے ساتھ بیان کئے کہ دنیا کی عظیم آبادی نے اپنے لئے "نکٹا" ہونے ہی کو باعث افتخار سمجھا اور ہر اس شخص کو الٹا عار دلانے لگی جو کسی بھی صورت اپنے لئے "ناک والا" رہنے کا قائل اور اس کی وکالت کرنے والا اور اس کا مؤید نظر آتا ہو۔

لیکن خاص طور پر آج کے روشن خیال اور آزادئ فکر و نظر کے مدعیوں سے ہمارا یہ سوال اب بھی قائم ہے کہ کیا یورپ کے اپنے اس محدود و تلخ تجربے کے نتیجے میں نفس مذہب کے سلسلے میں اس کا مذکورہ بالا اعلان و اظہار کسی بھی درجے میں حق و صداقت کا آئینہ دار ہے اور کیا اس کی پیروی میں کسی بھی دوسری سمت سے اس طرح کے کسی اظہار و اعلان کو مبنی بر حقیقت اور حق و انصاف کا تقاضا قرار دیا جاسکتا ہے۔؟

---

[1] رابرٹ۔ ایچ۔ تھولس Robert H Thouless نے پروفیسر لیوبا Leuba کی کتاب A. Psychological Study of Religion کے حوالہ سے مذہب کی اڑتالیس(۴۸) تعریفوں کا تذکرہ کرتے ہوئے خاص طور پر صرف تین تعریفوں کی طرف توجہ کی ہے اور پھر ان سب کا خلاصہ وہ بیان کیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ ملاحظہ ہو: Robert H. Thouless: The Psychology of Religion p. 4.

Marfat.com

مذاہب کی داخلی شہادت

یہ تو تھا ایک جائزہ اس کا کہ موجودہ دور میں کن اسباب وعوامل اور کن خاص حالات کے نتیجے میں اس خیال کو رواج عام حاصل کرنے کا موقع ملا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں، دیکھنا ہے کہ مذاہب کی نمائندہ کتابیں اس کا کس حد تک ساتھ دیتی ہیں۔ اور ان کی داخلی شہادت اسے کہاں تک حق بجانب قرار دیتی ہے۔ مذاہب عالم کی فہرست بہت طویل ہے اس لیے ہم اپنے کو صرف چار بڑے مذاہب تک محدود رکھتے ہوئے مذہب کے سلسلے میں اس رائج الوقت تصور کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یعنی ہندومت، یہودیت، بدھ مت اور عیسائیت۔

ہندومت

ہندومت کی بنیاد ویدوں پر ہے جن کے قانونی حصے کی تشریح سمرتیاں کرتی ہیں جس طرح کہ ان کے فلسفیانہ پہلوؤں کی وضاحت اپنشدوں سے ہوتی ہے۔ ان سمرتیوں میں سب سے اہم اور مستند سمرتی منو کی ہے جس کے ذریعہ ہی بڑی حد تک اس مذہب کا تفصیلی خاکہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ منوسمرتی کی صرف فہرست ابواب ہی پر ایک نظر ڈال کر مذہب کے سلسلے میں مذکورہ محدود تصور کی غلطی کو بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اندر ہمیں پیدائش عالم، عبادت کفارہ اور آواگون (نتیجۂ اعمال نیک وبد) کے پہلو بہ پہلو تعلیم، شادی بیاہ (دواہ گرہستھ کا دھرم) معاش، اخلاق، سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں اور اس کے فرائض (راجاؤں کا دھرم) عدالت ۔ قانون دیوانی وفوجداری نیز پیشۂ تجارت وخدمت وغیرہ کے ابواب بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

Marfat.com

اور اس کے کل ۱۲ ابواب میں یہی موضوعات ہیں چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔[1] منوسمرتی پر اس پہلو سے تو یقیناً تنقید ہونی چاہیئے کہ اس کا دیا ہوا قانونی نظام قدم قدم پر بے اعتدالی کا شکار نظر آتا ہے۔[2] جس کی سب سے نمایاں مثال اس کا طبقاتی امتیاز (ورن آشرم) کا فلسفہ ہے۔ جس کی رو سے بعض انسانی طبقات کو نسلی اعتبار سے افضل اور دوسروں کو پیدائشی طور پر اسفل قرار دے کر انتہائی بے رحمی کے ساتھ زندگی کے تمام دائروں میں انھیں ظلم وستم کی چکی میں پسنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔[3] ان پہلوؤں سے ہندومت کی نمائندہ اس کتاب پر جتنی تنقید کی جائے کم ہے اور حق یہ ہے کہ آج اگر انسانیت کو ظلم وجبر کے آہنی پنجوں سے نجات دلانی ہے تو یہ خدمت انجام دینی پڑے گی اور لازماً انجام دی جانی چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں کہ جو قانونی نظام اور زندگی کے تقریباً تمام اہم معاملات ومسائل کے سلسلے میں تفصیلی دفعات ہیں اس کتاب میں ملتی ہیں عام طور پر مذاہب کی نمائندہ کتابیں اس سے خالی ہیں جو اس حقیقت کا کھلا اظہار ہے کہ مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی تک محدود کرنا اور اسے محض خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ قرار دینا ایسا دعویٰ ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں۔ مذہب کی داخلی شہادت اس کے برعکس ہے اور وہ کھلے بندوں اس کی تردید کرتا ہے۔

یہودیت[4]

ہندومت کے بعد دوسرا قدیم مذہب یہودیت ہے، جس کی نمائندہ "کتاب مقدس" آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ صرف اس کے "کتاب خروج" کے اس "مجموعۂ احکام" پر، جو حضرت

---

[1] ہمارے پیش نظر منوسمرتی کا لالہ سوامی دیال صاحب کا ترجمہ ہے جو اصل سنسکرت متن کے ساتھ مطبع نول کشور کانپور سے دوسری بار شائع ہوا ہے۔ [2] مثال کے طور پر باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام دولت کا مالک منو بڑے بیٹے کو قرار دیتا ہے اور بقیہ تمام بھائیوں کو اس کا دست نگر قرار دیتا اور اسے ان کے اوپر غیر معمولی اختیار عطا کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ادھیائے ۹ : ۱۰۵ تا ۱۰۸) وغیرہ بے شمار دوسرے احکام۔ [3] اس کے ایک مختصر سے جائزے کے لئے ملاحظہ ہو: ابوالاعلیٰ مودودیؒ، الجہاد فی الاسلام صفحات ۲۶۵ تا ۲۸۰۔ نیز ہماری کتاب "اسلام کا تصور مساوات" میں مضمون "انسانی مساوات اور مذاہب عالم" کے تحت ہندومت کی بحث۔ مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار اول ۱۹۸۵ء۔ [4] واضح رہے کہ اس مقام پر "یہودیت" سے ہماری مراد ہے جیسی کچھ کہ وہ اپنے پیروؤں کے نزدیک اور کتاب مقدس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

موسیٰؑ کو کوہ سینا پر عطا کئے گئے اور جن سے بنی اسرائیل کو آگاہ کرنے کی انہیں تلقین کی گئی، ایک نظر ڈالنے ہی سے اس خیال کی غلطی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ اس لئے کہ یہاں ہمیں توحید باری تعالیٰ اور شرک سے اجتناب کے ساتھ ہی انسان کی تمدنی اور اجتماعی زندگی سے متعلق یہ اہم ہدایات ملتی ہیں:

"تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ تو خون نہ کرنا۔ تو زنا نہ کرنا۔ تو چوری نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا۔ اور نہ اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا" (باب ۲۰ : ۱۲ — ۱۷)[له]

آگے اس اجمال کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ مذہب کے محدود تصور کی غلطی کو مزید بے نقاب کرنے والی ہے۔ اس لئے کہ اس میں دیوانی و فوجداری قانون کی انتہائی اہم دفعات، جزئیات کی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

اس پورے حصے کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، اس کا صرف ایک منتخب حصہ پیش کیا جاتا ہے۔ دیوانی قانون کی یہ تفصیل کسی تفصیلی مسودۂ قانون ہی میں مل سکتی ہے کہ:

"اگر کوئی آدمی بیل یا بھیڑ چرالے اور اسے ذبح کر دے یا بیچ ڈالے تو وہ ایک بیل کے بدلے پانچ بیل اور ایک بھیڑ کے بدلے چار بھیڑیں بھرے۔ اگر چور سیندھ مارتے ہوئے پکڑا جائے اور اس پر ایسی مار پڑے کہ وہ مر جائے تو اس کے خون کا کوئی جرم نہیں۔ اگر سورج نکل چکے تو اس کا خون جرم ہوگا بلکہ اسے نقصان بھرنا پڑے گا اور اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ چوری کے لئے بیچا جائے۔ اگر چوری کا مال اس کے پاس جیتا ملے خواہ

(بقیہ صفحۂ گزشتہ) میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس نام سے کوئی مذہب الگ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہمیشہ صرف ایک دین "اسلام" آیا ہے۔ اس کی بگڑی ہوئی بہت سی شکلوں میں ایک صورت یہ "یہودیت" بھی ہے۔

له اس مقام پر ہمیں قرآن کی سورۂ اسراء کی آیات (۲۲ تا ۳۸) یاد آتی ہیں جن میں یہی باتیں اپنی تکمیلی صورت میں بیان کی گئی ہیں: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ .... كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔

وہ بیل ہو یا گدھا یا بھیڑ تو وہ اس کا دونا بھر دے۔ اگر کوئی آدمی کسی کھیت یا تاکستان کو کھلوا دے اور اپنے جانور کو چھوڑ دے کہ وہ دوسرے کے کھیت کو چر لے تو اپنے کھیت یا تاکستان کی اچھی سے اچھی پیداوار میں سے اس کا معاوضہ دے۔ اگر آگ بھڑکے اور کانٹوں میں لگ جائے اور اناج کے ڈھیر یا کھڑی فصل یا کھیت کو جلا کر بھسم کر دے تو جس نے آگ جلائی ہو وہ ضرور معاوضہ دے۔" (باب ۲۲: ۱ — ۶)

رشتۂ نکاح سے باہر جنسی تعلق دیوانی قانون کی اہم ترین دفعہ ہے۔ عہد نامۂ قدیم اس کے سلسلے میں یہ ہدایت دیتا ہے:

"اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضروری ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔ لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقدی دے۔"

(کتاب خروج باب ۲۲: ۱۶ — ۱۷)

نیز یہ کہ:

"جو کوئی کسی جانور سے مباشرت کرے وہ قطعی جان سے مارا جائے۔" (ایضاً: ۱۹)[1]

مذہب اگر انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے تو عدالت وہ آخری جگہ ہو سکتی ہے جس سے اسے کچھ سروکار ہو۔ جبکہ کتاب مقدس اس کے سلسلے میں انتہائی اہم ہدایات فراہم کرتی ہے:

"تو جھوٹی بات نہ پھیلانا اور ناراست گواہ ہونے کے لئے شریروں کا ساتھ نہ دینا۔ برائی کرنے کے لئے کسی بھیڑ کی پیروی نہ کرنا اور نہ کسی مقدمہ میں انصاف کا خون کرانے کیلئے بھیڑ کا منہ دیکھ کر کچھ کہنا۔ اور نہ مقدمہ میں کنگال کی طرف داری کرنا۔" (ایضاً باب ۲۳: ۱ — ۳)

---

[1] خیال رہے کہ اسلام میں بھی ایسے مجرم کی یہی سزا تجویز کی گئی ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ کہ اس شخص کے ساتھ اس جانور کو بھی جان سے مار دیا جائے "من اتی بہیمۃ فاقتلوہ واقتلوھا معہ"۔ ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الحدود، باب فیمن اتی بہیمۃ۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری زیر طبع کتاب "اسلام کا نظریۂ جنس" کا باب سوم "جنس کے منحرف رویے اور اسلام" کی بحث "جانور کے ساتھ مباشرت کا حکم"۔

Marfat.com

مزید براں :

"تو اپنے کنگال لوگوں کے مقدمہ میں انصاف کا خون نہ کرنا ـــــــــــ جھوٹے معاملہ سے دور رہنا اور بے گناہوں اور صادقوں کو قتل نہ کرنا کیوں کہ میں شریر کو راست نہ ٹھہراؤں گا۔ تو رشوت نہ لینا کیوں کہ رشوت بیناؤں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادقوں کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔ اور پردیسی پر ظلم نہ کرنا کیوں کہ تم پردیسی کے دل کو جانتے ہو اس لئے کہ تم خود بھی ملک مصر میں پردیسی تھے۔" (ایضاً: ۶ ـــ ۹)

یہ تو تھی ایک جھلک کتاب مقدس کے دیوانی قانون کی اب ذرا ایک نظر اس کے فوجداری نظام پر بھی ڈالیں جسے اسی طرح تفصیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے ہم اس کی صرف چند اہم دفعات پیش کرتے ہیں :

"اگر کوئی کسی آدمی کو ایسا مارے کہ وہ مر جائے تو وہ قطعی جان سے مارا جائے۔ پر اگر وہ شخص گھات لگا کر نہ بیٹھا ہو بلکہ خدا ہی نے اسے اس کے حوالے کر دیا ہو تو میں ایسے حال میں ایک جگہ بتا دوں گا جہاں وہ بھاگ جائے۔ اور اگر کوئی دیدہ و دانستہ اپنے ہمسایہ پر چڑھ آئے تاکہ اسے مکر سے مار ڈالے تو تو اسے میری قربان گاہ سے جدا کر دینا تاکہ وہ مارا جائے۔ اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے وہ قطعی جان سے مارا جائے۔" (کتاب خروج : باب ۲۱ : ۱۲ ـــ ۱۵)

اس تفصیل کے ساتھ کہ :

"اور اگر دو شخص جھگڑیں اور ایک دوسرے کو پتھر یا مکا مارے اور وہ مرے نہیں پر بستر پر پڑا رہے۔ تو جب وہ اٹھ کر اپنی لاٹھی کے سہارے باہر چلنے پھرنے لگے تب وہ جس نے مارا تھا بری ہو جائے۔ اور فقط اس کا ہرجانہ بھر دے اور اس کا پورا علاج کرا دے۔"

"اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ اس کے ہاتھ سے مر جائے تو اسے ضرور سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دو دن جیتا رہے تو آقا کو سزا نہ دی جائے، اس لئے کہ وہ غلام اس کا مال ہے۔"

Marfat.com

"اگر لوگ آپس میں مارپیٹ کریں اور کسی حاملہ کو ایسی چوٹ پہنچائیں کہ اسے اسقاط ہو جائے پر اور کوئی نقصان نہ ہو تو اس سے جتنا جرمانہ اس کا شوہر تجویز کرے لیا جائے اور وہ جس طرح قاضی فیصلہ کریں جرمانہ بھر دے۔ لیکن اگر نقصان ہو جائے تو تو جان کے بدلے جان لے۔ اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ[1]" (ایضاً: ۱۸۔۲۵)

اس قانون کی تفصیلی نوعیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں سے آگے ان کے جانوروں سے ہونیوالے جانی و مالی نقصانات کی بھی وہ پوری تفصیل پیش کرتا ہے:

"اگر بیل کسی مرد یا عورت کو ایسا سینگ مارے کہ وہ مر جائے تو وہ بیل ضرور سنگسار کیا جائے اور اس کا گوشت کھایا نہ جائے لیکن بیل کا مالک بے گناہ ٹھہرے۔ پر اگر اس بیل کی پہلے سے سینگ مارنے کی عادت تھی اور اس کے مالک کو بتا بھی دیا گیا تھا تو بھی اس نے اسے باندھ کر نہیں رکھا اور اس نے کسی مرد یا عورت کو مار دیا ہو تو بیل سنگسار کیا جائے اور اس کا مالک بھی مارا جائے۔ اور اگر اس سے خون بہا مانگا جائے تو اسے اپنی جان کے فدیہ میں جتنا اس کے لئے ٹھہرایا جائے اتنا ہی دینا پڑے گا۔ خواہ اس نے کسی کے بیٹے کو مارا ہو یا بیٹی کو اسی کے موافق اس کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کسی کے غلام یا لونڈی کو سینگ سے مارے تو مالک اس غلام یا لونڈی کے مالک کو تیس مثقال روپے دے اور بیل سنگسار کیا جائے"

(ایضاً: ۲۸۔۳۲)

---

[1] قصاص و دیت کا یہی قانون ہے جسے قرآن نے توراۃ کے حوالہ سے اپنے ہاں تسلیم کر لیا ہے: وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ... الآیہ، مائدہ۔۴۵ اس تاکید کے ساتھ کہ جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔

Marfat.com

علاوہ ازیں :

"اور اگر کسی کا بیل دوسرے کے بیل کو ایسی چوٹ پہنچائے کہ وہ مر جائے تو وہ جیتے بیل کو بیچیں اور اس کا دام آدھا آدھا آپس میں بانٹ لیں اور اس مرے ہوئے بیل کو بھی ایسے ہی بانٹ لیں۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ اس بیل کے پہلے سے سینگ مارنے کی عادت تھی اور اس کے مالک نے اسے باندھ کر نہیں رکھا تو اسے قطعی بیل کے بدلے بیل دینا ہوگا اور وہ مرا ہوا جانور اس کا ہوگا" (ایضاً: ۳۵-۳۶)

کتاب مقدس کی ان تفصیلات کو دیکھتے ہوئے اس دعویٰ میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا کہ مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے۔ معاملات دنیا سے اسے کوئی سروکار نہیں ان قوانین کے سلسلے میں یہ تو بے شک کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناکافی ہیں یا یہ کہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں[1]۔ اپنی محدود اور مخصوص نوعیت کے علاوہ یہ کتاب زمانہ کی دست برد اور انسانی تحریفات کی جیسی کچھ ستم خوردہ ہے اس کے ہوتے ہوئے اس پر چنداں تعجب کی ضرورت بھی نہیں۔ لیکن بہر حال اس کے صفحات سے مذہب کا جو تصور ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جس کا آج ہمیں ہر سمت چرچا سنائی دیتا ہے۔ کتاب مقدس کے

---

[1] مثال کے طور پر کتاب مقدس کا مذکورہ بالا یہ قانون کہ "اگر بیل کسی مرد یا عورت کو مار کر ہلاک کر دے تو وہ سنگسار کیا جائے"، الخ جبکہ ایک جانور، کو جو غیر مکلف ہے اس سخت سزا کا مستحق قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا یا مثلاً یہ بات کہ "اگر ایک مرد کسی کنواری کو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اسے مہر دے کر اس سے شادی کرے اور باپ کی عدم رضامندی کی صورت میں اسے صرف کنواریوں کے مہر کے موافق نقدی دینا کافی ہو۔" جس کے سلسلے میں خاص طور پر ہمارا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ "توراۃ" میں ذکر کردہ زنا کی سزا میں تحریف ہے۔ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کے جرم پر کوڑے لگانے اور سنگسار کئے جانے کا قانون تورات میں موجود تھا اور یہودی علماء اس سے آشنا ہونے کے باوجود قوم کی بگڑی ہوئی حالت کے پیش نظر اسے چھپاتے پھرتے تھے۔ اسلام کے ذخیرۂ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

Marfat.com

اوراق سے ابھرنے والا مذہب خدا اور بندے تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کے وسیع دائروں کا احاطہ کرتا ہے اور ان کے سلسلے میں کافی تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ یوں بھی یہ کتاب اپنے لئے بار بار آئین اور شریعت کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ (خروج : باب ۱۵، ۲۵-۲۶ نیز: باب ۱۶: ۴)

مسیحیت[1]

تاریخی اعتبار سے اگرچہ مسیحیت بدھ مت سے مؤخر ہے لیکن ہماری اس گفتگو میں اس کا ذکر یہودیت کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مسیحی شریعت اصلاً شریعت موسوی کا تکملہ اور اس کا تتمہ ہے۔ آج بھی "عہد نامہ" جدید پر ایک نظر ڈال کر اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اگرچہ یہودیت کی طرح مسیحیت کی نمائندہ یہ کتاب مقدس بھی انسانی تحریفات اور دستبرد زمانہ سے اپنے کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکی اور بڑی حد تک اسی کی وجہ سے اس کے اندر بہت سی کمیاں اور بے اعتدالیاں پیدا ہو گئیں جن کا اس سے پہلے کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود عہد نامہ جدید میں انسان کے اجتماعی معاملات سے متعلق ہمیں ایسی بہت سی تعلیمات ملتی ہیں جو مذہب کے اس رائج الوقت تصور کو مسترد قرار دینے کے لئے کافی ہیں کہ وہ صرف خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اسے کچھ سروکار نہیں۔

اس سلسلے میں اہم ترین بات حضرت مسیحؑ کا یہ اعلان ہے کہ میں موسوی شریعت کو ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے مکمل کرنے کے لئے آیا ہوں۔ آں جناب ایک خطبے میں اپنے

---

[1] اس عنوان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نام سے خدا تعالیٰ نے الگ سے کوئی مذہب نازل فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ صرف ایک دین "اسلام" دنیا میں آیا ہے۔ یہودیت کی طرح اسی "دین اسلام" کی ایک بگڑی ہوئی صورت "مسیحیت" بھی ہے۔ ہماری گفتگو اسی "مسیحیت" سے ہے جیسی کچھ کہ وہ "کتاب مقدس" اور اپنے کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے پیروؤں کے ہاں پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

شاگردوں سے انتہائی پرجوش الفاظ میں کہتے ہیں :

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے" (متی باب ۵ : ۱۷-۱۸)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں :

"آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا باب ۱۶ : ۱۷)

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح سلسلۂ نبوت کی دوسری کڑیوں پر ایمان و تصدیق کے علاوہ خاص طور پر شریعت موسوی کو زندہ کرنے کے لئے قوم بنی اسرائیل میں مبعوث کئے گئے تھے جس کا مطلب ہے کہ آں جناب کسی محدود شریعت کے علمبردار نہ تھے بلکہ توراۃ سے مل کر اس کا دائرہ وسیع معاملات زندگی کو محیط تھا۔

لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے انجیل کو توراۃ سے الگ کرلیں، جب بھی ہمیں اس میں وہ بے شمار احکامات و تعلیمات ملتی ہیں جو محدود تصور مذہب کی تردید کے لئے کافی ہیں اور اس حقیقت کی مؤید کہ مذہب کبھی خدا اور بندے تک محدود نہیں رہا۔ اس کا موضوع ہمیشہ وسیع تر دائرۂ زندگی رہا ہے۔ اور اس کے لئے وہ کسی انقطاع کے بغیر احکام و ضوابط فراہم کرتا رہا ہے۔ مسیح ناصری کی ان ہدایات کی وسعت و جامعیت کا انکار کون کرسکتا ہے ؟

"یہ کہ خون نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا چوری نہ کرنا جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ (متی باب ۱۹ : ۱۸-۱۹)[۱]

اگر مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے تو انسانوں کے مسائل سے اسے کچھ سروکار نہ ہونا چاہیئے جبکہ عہد نامۂ جدید بیک وقت خدا اور بندگان خدا کے حقوق ادا

---

[۱] نیز ملاحظہ ہو : مرقس باب ۱۰ : ۱۹، لوقا باب ۱۸ : ۲۰

Marfat.com

کرنے کی تلقین کرتا ہے :

"ایک عالم شرع نے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا۔ اے استاد! توریت میں کونسا حکم بڑا ہے؟ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے" (متی باب ۲۲: ۳۵[1]۔۴۰)

یہی نہیں بلکہ حضرت مسیحؑ سخت ترین لفظوں میں قوم یہود کی اس روایتی دینداری پر تنقید کرتے ہیں جس کے اندر ظاہری طور پر انہیں خدا کے حقوق کا بڑا خیال تھا لیکن بندگان خدا کے حقوق کو یکسر بھلا بیٹھے تھے۔ روایتی دینداری کے چھوٹے چھوٹے مظاہر کا تو انہیں بڑا پاس تھا لیکن حقیقی دینداری کے وسیع تر تقاضوں سے وہ بالکل غافل تھے۔ قوم کی اس حالت زار پر جناب یسوعؑ کے ماتم کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے کہ :

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہوگی"

(متی باب ۲۳: ۱۴)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں" (ایضاً: ۲۳۔۲۶)

---

[1] مزید دیکھئے : مرقس باب ۱۲: ۲۸۔۳۱، لوقا باب ۱۰: ۲۵۔۲۷

Marfat.com

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں :

"فقیہوں سے خبردار رہو جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنا اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے ہیں۔ اور بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں ان ہی کو زیادہ سزا ملے گی" (مرقس باب ۱۲ : ۳۸۔۴۰[1])

معاشرتی نظام کی اہم ترین دفعات کے سلسلے میں بھی تفصیلی ہدایات ہمیں عہد نامۂ جدید میں ملتی ہیں :

"اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو کیا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انھیں مرد اور عورت بنایا۔ اس لئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے" (مرقس باب ۱۰ : ۲۔۱۲[2])

محصول لینے میں ظلم و زیادتی سے پرہیز اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو شدت سے ملحوظ رکھنے کو خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں مسیح کی یہ تعلیم پڑھنے کو ملتی ہے :

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: لوقا باب ۱۱ : ۴۳۔۴۴ [2] نیز دیکھئے متی باب ۵ : ۳۱۔۳۲، لوقا باب ۱۶ : ۱۷۔۱۸

Marfat.com

"اور محصول لینے والے بھی بپتسمہ لینے کو آئے اور اس سے پوچھا کہ اے استاد ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا جو تمہارے لئے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا۔ اور سپاہیوں نے بھی اس سے پوچھا کہ ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی سے ناحق کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو" (لوقا باب ۳ : ۱۲۔۱۴)

اس سے بھی آگے ایک مقام پر وہ اپنے کو غریبوں کا نجات دہندہ اور کچلے ہوؤں کی آزادی کا نقیب بتاتے ہیں :

"خداوند کا روح مجھ پر ہے اس لئے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کیلئے مسح کیا۔ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں کچلے ہوؤں کو آزاد کروں" (ایضاً باب ۴ : ۱۸)

یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے موقع پر وہ صاف صاف لفظوں میں اپنے شاگردوں کو آسمان کی طرح زمین میں بھی خدا کی بادشاہی کے قیام کی دعا کی تلقین کرتے ہیں :

"پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"

(متی باب ۶ : ۹۔۱۰)

عہد نامہ جدید کی معاملات زندگی سے متعلق ان وسیع تعلیمات کو دیکھتے ہوئے کسی حق پسند کے لئے یہ کہنا روا نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کچھ سروکار نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عہد نامہ قدیم کی طرح ان احکام و ہدایات کے سلسلے میں بھی افراط و تفریط کی نشاندہی کی جا سکتی ہے اور یہ شکایت بھی بالکل بجا قرار پا سکتی ہے کہ ان کی بنیاد پر کسی صحت مند اور مبنی بر انصاف معاشرہ کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ اپنی محدود اور مخصوص نوعیت کے علاوہ زمانے کی گردشوں اور اپنے پیروؤں کی ستم رانیوں کے نتیجے میں ان کے متعلق یہ کہنا تو بے شک صحیح ہے لیکن یہ کہنے کی بہر حال گنجائش نہیں ہو سکتی ہے کہ "مذہب کا معاملات دنیا سے کچھ تعلق نہیں اس کا دائرہ صرف خدا اور بندے تک محدود ہے"۔

Marfat.com

بودھ مت

بودھ مت پر "ترک دنیا" اور "معاملات زندگی" سے فرار کی چھاپ کتنی گہری ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ بودھ کا بنیادی فلسفہ ہی یہ ہے کہ زندگی سرتاپا "مصیبت" اور "الم" ہے۔ اور اس کی تمام تر وجہ انسان کی خواہشات اور اس کے مادی علائق ہیں۔ اس سے نجات کی بس ایک ہی صورت ہے کہ آدمی "عدم محض" کی راہ اپنا لے اور مادی علائق اور لذات دنیوی سے اپنے کو یکسر منقطع کر لے اسی کا نام "نروان" ہے جو بدھ مت کا نقطہ کمال اور اس کا منتہائے مقصود ہے۔ لیکن حد ہے کہ اس "نروان" کے حصول کے لئے بدھ جو راستہ تجویز کرتا اور جس طریق ہشتگانہ کی تلقین کرتا ہے اس کی روشنی میں بھی یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے معاملات دنیا سے اسے کچھ سروکار نہیں، اس لئے کہ اس طریق ہشتگانہ کے اندر ہمیں :

۱۔ صحیح عقیدہ ۲۔ صحیح ارادہ ۳۔ صحیح حافظہ اور ۴۔ صحیح تخیل کے علاوہ ۵۔ صحیح گفتار یعنی بدزبانی، یادہ گوئی، غیبت اور جھوٹ سے احتراز ۶۔ صحیح چلن، یعنی بدکاری، قتل نفس اور خیانت سے اجتناب ۷۔ صحیح معیشت یعنی جائز طریقہ سے روزی حاصل کرنا اور ۸۔ صحیح کوشش یعنی دھرم کے احکام کے مطابق عمل کرنا[1] جیسے وہ احکام بھی ملتے ہیں جن کا تعلق وسیع تر مسائل و معاملات زندگی سے ہے۔ اس طریق ہشتگانہ کو عملی شکل میں لانے کے لئے بودھ نے دس اخلاقی احکام دیئے ہیں جن میں پانچ موکد ہیں اور پانچ غیر موکد ان کے اندر بھی ہمیں یہی وسعت نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں :

۱۔ مقرر وقت کے سوا کھانا نہ کھاؤ ۲۔ کھیل تماشے اور گانے بجانے سے پرہیز کرو ۳۔ پھول عطر وغیرہ سے پرہیز کرو ۴۔ اچھے اور نرم بستر پر سونے سے پرہیز کرو اور ۵۔ سونا چاندی اپنے

---

[1] ملاحظہ ہو الجہاد فی الاسلام/ ۲۹۵، ۲۹۶ بحوالہ Warren, Budhism in translations p. 373

Marfat.com

پاس نہ رکھو، ان تعلیمات کے ساتھ جو ترک دنیا کا سبق سکھاتی ہیں، ہمیں وہ تعلیمات و ہدایات بھی ملتی ہیں جو اجتماعی زندگی کی اہم ترین دفعات پر مشتمل ہیں یعنی کہ :

۱۔ کسی کی جان نہ لو ۲۔ چوری نہ کرو ۳۔ زنا نہ کرو ۴۔ جھوٹ نہ بولو اور ۵۔ نشہ آور چیزیں نہ پیو[1]۔

بودھ کے اس مجموعۂ تعلیمات پر اس حیثیت سے تو یقیناً تنقید ہونی چاہئے کہ وہ زندگی سے فرار کا درس دیتی اور انفعالی ہیں اور کوئی معاشرہ ان پر عمل پیرا ہو کر امن و سکون سے ہمکنار اور عدل و انصاف کی آئینہ داری نہیں کر سکتا، لیکن اس کی متعدد دفعات کے پیش نظر یہ خیال قابل قبول نہیں رہ جاتا کہ "مذہب محض خدا اور بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ آخر قتل نفس، چوری اور زنا کی ممانعت جیسی دیوانی اور فوجداری قانون کی انتہائی اہم دفعات کو صرف خدا اور بندے کا معاملہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی مذہب کے ایک پیروکار "اشوک" نے انہی تعلیمات و ہدایات کے زیر اثر ایک وسیع الاطراف حکومت کا نظم سنبھالا جسے آج بھی ہند میں ایک یادگار عہد کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس حکومت کے مذہبی سربراہ کو خراج عقیدت وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو مذہب کو انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] بحوالہ مذکور صفحہ ۳۹۶ بحوالہ Vinya Texts Vol. 1 p. 211.

Marfat.com

باب دوم

مذہب کا اسلامی تصور

Marfat.com

مذہب کا اسلامی تصور

فکر و نظر کی دنیا کا عجوبہ ہے۔ اسلام اور اس کے دستور اساسی "قرآن" کی موجودگی کے باوجود دنیا میں اس غلط تصور کو قبول عام حاصل کرنے کا موقع ملا کہ "مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" جبکہ اس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ دین و دنیا کی تقسیم اور "خدا و قیصر" کی دوئی کو یک قلم ختم کر کے پوری انسانی زندگی کو تابع امر رب بنا دینے کی تاکید کرتا ہے۔ ایک خدا کی بندگی اور زندگی کے تمام دائروں میں اس کی بے لاگ اطاعت، یہی چیز اس کی جملہ تعلیمات کا مغز اور جوہر ہے۔ اور کسی کھوٹ اور کسی تحفظ کے بغیر وہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں خدا کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوں۔ اور اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اس کی لائی ہوئی شریعت اور اس کے عطا کردہ احکام کی دل و جان سے پیروی اختیار کریں۔ اس سے ہٹ کر کسی دوسرے راستے کی پیروی، شیطان کی پیروی ہے، جس کے نتیجے میں آدمی خدائے عزیز و حکیم کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا	اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے
فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا	پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستوں
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ	کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اب اگر
عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ	تم پھسلتے ہو جبکہ تمہارے پاس (جملہ معاملات
بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا	زندگی سے متعلق) واضح تعلیمات آچکی ہیں تو
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝	جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقرہ: ۲۰۸-۲۰۹)

Marfat.com

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے :

یقول اللّٰہ تعالیٰ آمراً عبادہ المومنین بہ المصدقین برسولہ ان یاخذوا بجمیع عری الاسلام وشرائعہ والعمل بجمیع اوامرہ وترک جمیع زواجرہ مااستطاعوا من ذلک[1]	اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو جو اس پر ایمان لانے والے اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کرنے والے ہیں، حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اسلام کی تمام کڑیوں اور اس کے جملہ احکام و قوانین کو مضبوط پکڑیں، اسکے تمام اوامر پر عمل پیرا ہوں اور اسکی تمام نواہی کو چھوڑ دیں، اپنی قوت اور استطاعت کی حد تک۔

بہت سے مفسرین کرامؒ نے آیت میں مذکور لفظ "کافہ" کو "ادخلو" کی ضمیر سے حال مانا ہے یعنی کہ اے اہل ایمان! تم تمام کے تمام اسلام میں داخل ہو جاؤ' ادخلوا فی الاسلام کلکم، لیکن صحیح بات وہی ہے جو اوپر آیت کی تفسیر میں مذکور ہوئی :

وھو انھم امروا کلھم ان یعملوا بجمیع شعب الایمان وشرائع الاسلام وھی کثیرۃ جداما استطاعوا منھا۔[2]	اور وہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایمان کے تمام شعبوں اور اسلام کی پوری شریعت اور اسکے جملہ احکام و قوانین پر عمل پیرا ہوں۔ ان احکام و قوانین کی فہرست بہت طویل ہے۔ البتہ ان پر حتی المقدور اور حسب استطاعت ہی عمل کرنا ہوگا۔

مفسر طبریؒ نے بھی آیت کی اسی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

واولی التاویلات بقولہ 'ادخلوا فی السلم' قول من قال : ادخلوا فی الاسلام	اللہ تعالیٰ کے قول : ادخلوا فی السلم' الخ کی سب سے عمدہ اور راجح تاویل ان لوگوں کی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ اسلام میں

---

[1] ابن کثیر : ۱/۲۴۷ - [2] حوالہ سابق

Marfat.com

كافة .[1] پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اس کی مزید توضیح وہ ان لفظوں میں کرتے ہیں :

وجه دعائه الی ذلك الامر له بالعمل بجميع شرائعه واقامة جميع احكامه وحدوده دون تضييع بعضه والعمل ببعضه واذا كان ذلك معناه كان قوله "كافة" من صفة السلم ويكون تاويله: ادخلوا فى العمل بجميع معانى السلم ولا تضيعوا شيئا منه يا اهل الايمان بمحمد وما جاء به[2]	خدا تعالیٰ نے جو اس بات کی طرف بلایا ہے تو اس کا مقصد یہ حکم دینا ہے کہ لوگ اس کی پوری شریعت پر عمل پیرا ہوں، اسکے جملہ احکام وقوانین اور حدود وفرائض پر کاربند ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ باتوں پر عمل کریں اور بقیہ کو چھوڑ دیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا قول "کافۃ" "سلم" (اسلام) کی صفت ہوگا۔ اور اس کا مطلب ہوگا کہ اے لوگو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے ہو، سلم (اسلام) کے جملہ احکام وقوانین اور اسکی تمام تعلیمات پر عمل کے طریقے میں داخل ہو جاؤ، اس کی کوئی چیز چھوڑو، نہ اسکے کسی حکم سے دست بردار ہو۔

صاحب جلالینؒ نے بھی آیت کی یہی تفسیر اختیار کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

(السلم) الاسلام (كافة) حال من السلم اى فى جميع شرائعه[3]	"سلم" کے معنی اسلام اور "کافہ" "سلم" سے حال ہے یعنی کہ (اے ایمان والو) اس کی (یعنی اسلام کی) پوری شریعت

---

[1] جامع البیان: ۲/۱۸۱۔ [2] حوالہ مذکور صفحہ/۱۸۲

[3] تفسیر الجلالین/۴۳ ــــ دار المعرفۃ بیروت، طبع اول ۱۴۰۳ھ۔

اور اس کے تمام احکام و قوانین میں (کسی تحفظ اور کسی قید کے بغیر) پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

پورے قرآن اور پوری شریعت کی پیروی کا حکم

اس کے ساتھ ہی قرآن صاف اور صریح لفظوں میں بار بار تاکید کرتا ہے کہ اس کے عطا کردہ پورے مجموعۂ قانون اور اس سے ابھرنے والی پوری شریعت کی پیروی ہی میں انسان کی نجات مضمر ہے۔ دنیا و آخرت میں خدا کی پکڑ سے اپنے کو بچانے میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو دوسری تمام بندگیوں اور اطاعتوں سے منہ موڑ کر صرف اس کے ہو رہیں۔ اپنے جملہ معاملات زندگی میں خدا کے دین اور اس کی اتاری ہوئی شریعت کو لازم پکڑیں۔ غیر اللہ کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیں۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت انہیں اس راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ :

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ٥ (اعراف: ۲)	پیروی کرو اس پورے (مجموعۂ دین) کی جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کارساز کا کہا مت مانو۔ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

دوسرے موقعہ پر گنہگار بندوں کو خدا کی رحمت کی آس لگائے رہنے کے ساتھ تلافی مافات کی بھی یہی تدبیر بتائی گئی :

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ٥ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ	اور رجوع ہو اپنے رب کی طرف۔ اور (پوری طرح) اس کی حکم برداری میں لگ جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری کچھ مدد نہ ہو۔ اور پیروی کرو اس

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ٥

(زمر: ۵۴، ۵۵)

بہترین (شریعت) کی جو اتاری گئی ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اس پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر نہ ہو۔

امت کے پیشوا اور رہبر کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک سے زیادہ مقامات پر اسی کی تاکید کی گئی:

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ٥

(انعام: ۱۰۶)

پیروی کرو اس پوری (شریعت) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے وحی کی جا رہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ

(یونس: ۱۰۹)

اور پیروی کرو اس پورے (مجموعہ دین) کی جو تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور جمے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

سورۂ احزاب کا آغاز بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حکم کی تلقین و تاکید سے ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ٥ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ٥

(آیات: ۱-۲)

اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کا کچھ کہا مت مانو، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اور پیروی کرو اس پوری (شریعت) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے وحی کی جا رہی ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

دوسرے مقام پر آخری شریعت کی امتیازی حیثیت کا حوالہ دیتے ہوئے تاکید کی گئی کہ اس تکمیلی ضابطہ حیات کے بعد انسانوں کے وضع کردہ یا ان کے توہمات کے پروردہ کسی دوسرے

Marfat.com

نظام زندگی کا رخ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں. آخری شریعت کے آجانے کے بعد دوسرے تمام طریقے منسوخ یا مردود ہیں. صداقت سے عاری، محض خواہشات نفس کے مظہر ان طریقوں کی جو لوگ بھی پیروی کریں گے، دنیا میں نہ سہی تو آخرت میں وہ کسی صورت خدا کی گرفت سے نہ بچ سکیں گے :

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ٥ (جاثیہ: ۱۸-۱۹)	پھر اے نبی! ہم نے تمہیں ایک مستقل ضابطہ دین (شریعت) پر قائم کیا ہے. تو تم (پوری پوری) اس کی پیروی کرو. اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکیں گے. اور یہ بے انصاف ایک دوسرے کے دوست ہیں. اور اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو اس کا ڈر رکھتے ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جانے والی یہ وحی ——— قرآن ——— اور آپ کو ملنے والی یہ شریعت ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے اندر انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر انسان کے اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست، حکومت وغیرہ جملہ معاملات زندگی کے سلسلے میں اس کتاب عزیز کے اندر اصولی طور پر واضح ہدایات دی گئی ہیں. اس نے اپنی خصوصیت ہی یہ بیان کی ہے کہ وہ علی الاطلاق کتاب ہدایت (ہدی للناس) روشنی (نور) اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن چیز (فرقان) ہے[1]۔ وہ زندگی کی پُرپیچ راہوں میں انسان کی ٹھیک راستے کی طرف رہنمائی کرتی، مسائل حیات کے تہ در تہ اندھیروں میں اس کے لئے روشنی فراہم کرتی اور یہ دنیا جہاں قدم قدم پر حق و باطل کا ٹکراؤ، اور ایک دوسرے

---

[1] بقرہ: ۱۸۵، آل عمران: ۴، فرقان: ۱، نساء: ۱۷۴، شوریٰ: ۵۲۔ وغیرہ دیگر آیات۔

Marfat.com

کے ساتھ گڈمڈ ہے، یہ کتاب جملہ معاملات زندگی میں حق کو باطل سے نکھار کر پیش کرتی ہے اس کتاب کے اجمال کی تفصیل اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے کی ہے۔ اور بہمہ وجوہ اس تفصیل وتبیین کا حق ادا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بھی ویسا ہی اعتبار و استناد حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا ہے قرآن کہتا ہے اس کا سلسلہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (نجم: ۳-۴)

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ اس کی ہر بات اور فرمان وحی الٰہی ہے۔

قولی تشریح کے ساتھ آپ کی عملی تشریحات کا بھی یہی درجہ ہے۔ لوگوں کے معاملات زندگی کے سلسلے میں آپ جو فیصلے بھی فرماتے ہیں وہ خدائی سند رکھتے ہیں:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (نساء: ۱۰۵)

ہم نے اس کتاب کو تمہارے اوپر حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ تم اس (فہم وبصیرت کی روشنی) کے ذریعہ جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

مسلمان کے لئے آپ کے کسی فیصلے سے سرتابی کی مجال نہیں:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (حشر: ۷)

رسول جو فیصلہ بھی تمہیں سنائے اسے مانو اور جس سے منع کرے اس سے (صاف) باز آجاو۔

خارجی اطاعت ہی نہیں بلکہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ آپ کے فیصلوں کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آدمی کا صحیح معنوں میں ایمان نہیں:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (نساء: ۶۵)

تیرے رب کی قسم ان کا ایمان نہیں۔ تاآنکہ یہ آپ کو حکم بنائیں ان جملہ معاملات میں جو ان کے بیچ اٹھیں۔ پھر اپنے جی میں کچھ تنگی نہ پائیں اس سے جو آپ فیصلہ کردیں۔ اور (اسے) پوری طرح مان لیں۔

Marfat.com

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جس آخری آسمانی شریعت کو دنیا میں لے کر آئے، زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا عملی انطباق تو آپ کی حیات مبارک ہی میں ہوگیا تھا لیکن اس کا تکمیلی نفاذ اور اس کی پوری جلوہ نمائی حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں ہوئی۔ یہ وہ مبارک عہد تھا جس میں اس امت کو زمین کی خلافت عطا کئے جانے کا وعدۂ الٰہی اپنے اتمام کو پہنچا۔ اسلامی نظام حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی نظام زندگی کے ڈھانچے کی تکمیل ہوئی۔ اور آخری تکمیلی شریعت کا نیر تاباں اپنی بے پناہ ضیا پاشیوں کے ساتھ اقصائے عالم کو منور کرنے لگا۔ ہمارے علماء نے اس کی صراحت کی ہے[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی صراط مستقیم پر گامزن رہنے کے لئے اپنی سنت اور اپنے طریقے کے علاوہ اس عہد خلافت راشدہ کے طور طریقوں اور جملہ شعبہائے حیات میں اس کے قائم کردہ عملی نمونوں کی پیروی کو بھی اسی طرح لازم قرار دیا ہے۔:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء	لازم پکڑو میری سنت اور میرے طریقے
الراشدین المھدیین،	کو اور میرے بعد ہدایت یاب خلفائے
تمسکوا بھا وعضوا علیھا	راشدین کی سنت اور طریقے کو، اسے مضبوط
بالنواجذ[2]	تھامو اور دانتوں سے پکڑے رہو۔

قرآن و سنت کی ان تمام تصریحات کو اگر ہم ایک ساتھ ملا دیں تو اسلام کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر نقشہ اور اس کی ایسی جامع اور مکمل تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جس کی تعبیر کے لئے "ضابطہ حیات" اور "نظام زندگی" کی مروج اصطلاحیں بھی تشنہ اور ناکافی معلوم ہوتی ہیں۔ "اتبعوا ما انزل الیکم" کے عموم میں یہ تمام ہی باتیں شامل ہیں۔ اس پورے مجموعۂ دین کی ان جملہ مقتضیات کے ساتھ پیروی ہی میں دنیا و آخرت کے اندر ایک مومن و مسلم کی کامیابی

---

[1] ابن کثیر: ۳/ ۳۰۰ — ۳۰۲۔

[2] ابوداؤد جلد ۲ — کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، مسند احمد: ۴/ ۱۲۶، ۱۲۷ — نیز ترمذی وابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

اور فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ اور تنہا یہی وہ راستہ ہے جسے پکڑ کر وہ "رضائے الٰی" کی اپنی منزل مقصود کو پا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی راستے ہیں وہ اس کے غضب کو بھڑکانے والے اور ان انسان کو اس کی رحمت سے دور کرنے والے ہیں۔ استطاعت اور مقدرت کی شرط البتہ اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تصرح گذری کہ کوئی فرد یا گروہ اس نظام زندگی پر عمل کا اسی قدر مکلف ہو گا جتنی کہ اس کی قوت اور ہمت ہو، اور جیسا کہ اس کے حالات وظروف اجازت دیتے ہوں۔

دین کے حصے بخرے کرنے کی ممانعت

قرآن حکیم نے اپنے صفحات میں قوم یہود کے جرائم بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ خدا کی لعنت کے مستحق ہوتے اور رحمت ایزدی نے ان سے منہ پھیر لیا۔ ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی دنیا پرستی اور خواہشات نفس کے دام میں پھنس کر تورانی شریعت کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ نفسانیت کے غلبہ سے توراۃ کا جو حکم ان کے مفادات واغراض کے موافق ہوتا اسے تو وہ باقی رکھتے اور اس پر عمل کرتے، لیکن جو چیز ان کی مصلحت کے خلاف ہوتی اسے بلا تامل حرف غلط کی طرح مٹا دیتے، اور اس کا انکار کر بیٹھتے۔ توراۃ نے قوم یہود کو دینی وحدت کے رشتے سے، ان میں باہم ایک دوسرے کے جو حقوق ٹھہرائے تھے کہ قوم کا ہر فرد اس کا پاس ولحاظ رکھے گا اور انہیں کسی صورت مجروح کرنے سے احتراز کرے گا، اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ کوئی یہودی کسی دوسرے یہودی کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کرے گا، نہ اس کے مال واسباب کو کسی وقت اپنے لئے جائز تصور کرے گا۔ اور نہ کوئی ایسی صورت پیدا کرے گا کہ اسے گھر سے نکال دیا جائے اور وہ خانما برباد ہو کر پریشان پھرے۔ نیز یہ کہ اگر حالات کی گردش سے کوئی یہودی کسی کے ہاں قید وبند میں پایا گیا تو قوم کے ہر فرد کی ذمہ داری ہو گی کہ اسے فدیہ سے چھڑائے اور اس کی اسیری کے خاتمہ کا سامان کرے۔

لیکن یہودی قوم نے اپنی بڑھی ہوئی سرکشی کے باعث توراۃ کے دوسرے بہت سے احکام کی طرح اس کے اس حکم شریعت کو بھی بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔ مدینہ میں انصار کے

Marfat.com

دو مشرک قبائل اوس و خزرج، باہم ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ وہاں یہود کے تین قبائل آباد تھے، جو فریقین کے ساتھ ہو گئے تھے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر، خزرج کے اور بنو قریظہ، اوس کے حلیف تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اس قتل و خونریزی میں وہ اپنے بھائیوں کے خون سے بھی اپنے ہاتھ رنگین کریں، ان کا مال و اسباب لوٹیں اور انہیں گھر سے بے گھر کریں۔ جبکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ توراتی شریعت پر عمل کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے کو اس طرح کی کسی دھڑے بندی سے دور رکھتے۔ جس سے نہ تو بھائیوں کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین ہوتے، نہ کسی دوسری صورت سے ان کے حقوق مجروح ہوتے۔ لیکن اس کے برعکس بالکل اپنی نفسانیت اور سرکشی کے سبب انہوں نے اپنے کو پورے طور پر اپنے حلیفوں کے چنگل میں دے رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ مل کر اسی طرح اپنے بھائیوں کا خون بہاتے۔ ان کے مال و اسباب کو مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹتے اور انہیں ان کے گھروں سے نکالنے اور خانہ ویران کرنے میں کچھ تامل نہ کرتے۔ ساتھ ہی تورات سے اپنی وفاداری کے ثبوت میں بنو قینقاع کے لوگ، اوس کے ہاتھوں قیدی ہونے والے اپنے لوگوں کا فدیہ دے کر چھڑاتے۔ اسی طرح بنو نضیر اور بنو قریظہ والے، خزرج کے ہاں قید ہونے والے اپنے بھائیوں کے فدیہ کا سامان کرتے۔ مزید برآں ان آویزشوں میں، جن بھائیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر چکے ہوتے، بعد میں ایک دوسرے سے ان کے خون کا مطالبہ کرتے۔ اور ان حیلہ سازیوں سے اپنی اشک شوئی کا سامان کرتے حالانکہ اگر اپنے کسی بھائی کو حالتِ قید میں نہ رہنے دینا ہر یہودی کی ذمہ داری تھی تو اس سے پہلے تورات نے ان کی ذمہ داری یہ قرار دی تھی کوئی یہودی اپنے بھائی کا خون نہ بہائے گا۔ نہ اس کے مال و اسباب کو اپنے لئے کسی صورت حلال تصور کرے گا[۱] ذیل کی آیت میں قرآن نے یہود کے اسی دوہرے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے اس قوم کی حالتِ زار کا ماتم کیا ہے :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ	اے بنی اسرائیل! یاد کرو جب اللہ نے تم سے
دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ	عہد لیا کہ تم باہم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ
مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ	گے۔ نہ ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابن کثیر : ۱/ ۱۲۰، ۱۲۱

Marfat.com

تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ

(بقرہ : ۸۴، ۸۵)

نکالو گے، سو تم نے اقرار کیا دریں حالیکہ تم (اس کی) گواہی دینے والے تھے۔ پھر یہ تمہی ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون کرتے ہو اور اپنے ہی لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو۔ ان کے خلاف یہ محاذ آرائی تم گناہ اور سرکشی کے سبب کرتے ہو۔ حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آئیں تو تم انہیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو۔ جبکہ (اس سے پہلے) منع یہ چیز تھی کہ تم انہیں نکالو۔

ان کا یہ متضاد طرز عمل اسی لئے تھا کہ انہوں نے توراتی شریعت کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ اس کی جو بات انہیں پسند آتی اور ان کے مفادات سے ہم آہنگ ہوتی اسے تو وہ قبول کرتے۔ دوسری باتوں کی کھلے بندوں خلاف ورزی کرتے اور اس میں ذرا تامل نہ کرتے۔ اس رویئے پر قرآن نے انہیں قیامت کے سخت ترین عذاب کا مستحق گردانا۔ آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(بقرہ : ۸۵)

کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کا انکار کرتے ہو۔ تو تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

یہود کے اپنی شریعت کے حصے بخرے کرنے کی ایک دوسری مثال بھی قرآن نے پیش کی ہے۔ زنا کی سزا اسلام کی طرح تورات میں بھی یہی تھی کہ زانی اور زانیہ اگر شادی شدہ ہوں تو

Marfat.com

انہیں سنگسار کیا جائے۔ لیکن یہودی قوم اخلاقی بگاڑ کی جس انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس میں اس کے لئے اس حکم شریعت پر عمل کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں تورات کی نص صریح پر خط نسخ پھیرتے ہوئے، باہم اتفاق اس پر کیا کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو رجم یعنی سنگسار کرنے کے بجائے، اسے سو کوڑے لگائے جائیں، اس کے چہرے پر سیاہی مل دی جاتے اور مرد عورت دونوں کو گدھے پر اس طرح سوار کرا کے کہ ان کے چہرے مخالف سمت میں ہوں آبادی میں گشت کرایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد یہ واقعہ پیش آیا تو ان کا آپس میں مشورہ ہوا کہ اچھا موقع ہے، اس کے فیصلے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے۔ اگر وہ کوڑے لگانے اور چہرے پر سیاہی ملنے کا فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لیا جائے۔ دلیل یہ رہے گی کہ ایک پیغمبر خدا کا فیصلہ ہے، اسے رد کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ البتہ اگر آپ رجم یعنی سنگسار کرنے کا فیصلہ دیں گے تو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ احادیث میں اس واقعہ کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ یہود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ قوم کے ایک مرد اور عورت نے زنا کا ارتکاب کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں تورات میں رجم کا حکم کس سلسلے میں ہے؟ انہوں نے کہا کہ (رجم نہیں) البتہ ہم ایسے شخص کو کوڑے لگاتے اور بے عزت اور رسوا کرتے ہیں۔ اس پر انہی میں کے ایک شخص عبداللہ بن سلام بول اٹھے کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تورات میں رجم، سنگسار کئے جانے کا حکم موجود ہے۔ تورات لاؤ ابھی اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس کے اوراق لائے گئے تو پڑھنے والے نے آیت (رجم) پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور آگے پیچھے سے پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام نے ٹوکا کہ ہاتھ اٹھاؤ تو وہاں آیت رجم موجود تھی۔ یہود کے لئے اس کے بعد اعتراف کے سوا چارہ نہ تھا۔ کہنے لگے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ بن سلام بالکل سچ کہتے ہیں تورات میں آیت رجم موجود ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شخصوں کے رجم یعنی سنگسار کئے جانے کا حکم دیا۔ اور فی الفور ان پر اس کا نفاذ عمل میں آیا۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے[1]۔ سورۂ مائدہ کی درج ذیل آیت میں یہود کی اسی بدبختانہ روش کا

---

[1] حوالہ سابق: ۲/۵۸۔ نیز ملاحظہ ہو، مسند احمد: ۴/۲۸۶

نقشہ کھینچا گیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ خوف خدا سے بالکل عاری ہو کر کلام اللہ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے تھے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آیت: ۴۱)

یہ بات کو ہٹاتے ہیں اس کی جگہوں سے کہتے ہیں کہ اگر حق میں یہ فیصلہ ہو تو مان لو، اور یہ نہ ہو تو بچے رہو۔ اور اللہ جسے آزمانا چاہے تو تم کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

قرآن کتاب حکمت ہے۔ اس کی ہر بات اپنے اندر حکمت و مصلحت کا کوئی پہلو رکھتی ہے۔ اس کے صفحات میں قوم یہود کے واقعات کا یہ ذکر محض زیب داستاں کے لئے نہیں بلکہ ان کا مقصد ہے کہ آخری شریعت کی حامل امت ——— امت مسلمہ ——— قوم یہود کی اس روش سے مجتنب رہے جس کے نتیجے میں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہوا اور وہ قیامت تک کے لئے اس کی لعنت کی مستحق قرار پائی۔ پس امت مسلمہ کے لئے جملہ احکام دین اور حسب مقدرت پورے مجموعۂ شریعت پر عمل کے بغیر چارہ نہیں۔ دین کے حصے بخرے کر کے وہ اپنے کو خدائی پکڑ سے بچا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا نسبی تعلق نہیں کہ قوم یہود کی روش پر عمل پیرا ہو کر بھی کوئی اُمت اپنے کو رحمت ایزدی کی مستحق بنائے رہے۔ اور اس پر بدستور انعام و اکرام کی بارش ہوتی رہے۔

اسلام، دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا جامع

'مذہب خدا اور بندے کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق

Marfat.com

نہیں، اسلام کے لیے یہ تصور کسی صورت قابل قبول نہیں جبکہ وہ دین و دنیا دونوں کی بھلائی کی وکالت کرتا اور آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائیوں کے حصول کی صاف اور صریح لفظوں میں اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد اہل ایمان کی زبانی جس دعا کا ذکر کیا وہ دین و دنیا دونوں کی برکتوں اور بھلائیوں کو حاوی ہے۔ جبکہ اس موقعہ پر انسان دوسری دنیا کی فکر میں ڈوبا ہوا اور آخرت کی کامیابی کے احساس سے سرشار ہوتا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً — اے رب! ہمیں دنیا و آخرت دونوں
وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا — کی بھلائیوں سے ہمکنار کر۔ اور ہمیں دوزخ
عَذَابَ النَّارِ ۝ (بقرہ: ۲۰۱) — کے عذاب سے بچا۔

اگلی آیت میں اس دعا کی عنداللہ مقبولیت اور اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے مانگنے والوں کو خوش خبری سنائی گئی کہ:

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا — یہ لوگ ہیں جنھیں اپنی (اس) کمائی
کَسَبُوْا وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ — کا پورا بدلہ ملے گا۔ اور اللہ جلد حساب
(بقرہ: ۲۰۲) — چکانے والا ہے۔

دنیا و آخرت کی بھلائی کی یہ دعا کس وسعت اور عموم کی حامل ہے اس کا اندازہ آیت بالا کی حافظ ابن کثیرؒ کی درج ذیل تفسیر سے کیا جا سکتا ہے:

فجمعت ھذہ الآیۃ — اس آیت نے دنیا کی ہر طرح کی
کل خیر فی الدنیا وصرفت — بھلائی کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور یہ
کل شیء فان کل الحسنۃ — ہر طرح کی برائی سے دوری کی دعا ہے۔
فی الدنیا تشمل کل مطلوب — اس لئے کہ دنیا میں ہر طرح کی بھلائی ان
دنیوی من عافیۃ ودار — تمام چیزوں کو شامل ہے۔ جو دنیاوی
رحبۃ وزوجۃ حسنۃ — حیثیت سے مطلوب و مقصود ہو سکتی ہیں،
ورزق واسع وعلم نافع — جیسے کہ امن و عافیت، آرام دہ،

وعمل صالح ومركب هين وثناء جميل غير ذالك مما اشتملت عليه عبارات المفسرين ولا منافاة بينها فانها كلها مندرجة في الحسنة في الدنيا واما الحسنة في الآخرة فاعلى ذالك دخول الجنة وتوابعه من الامن من الفزع الاكبر في العرصات وتيسير الحساب وغير ذالك من امور الآخرة الصالحة [1]

کشادہ مکان، اچھی اور نیک بیوی، پھیلی ہوئی روزی، نفع بخش علم، نیک عمل، عمدہ گداز سواری، بہتر تعریف و توصیف وغیرہ سبھی چیزیں جنھیں دوسرے مفسرین نے مختلف الفاظ اور مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ ان میں باہم کوئی منافات نہیں اس لیے کہ یہ تمام چیزیں دنیا کے اندر بھلائی (حسنہ) میں شامل ہیں رہا آخرت میں بھلائی تو اس کا سب سے اونچا درجہ جنّت کا داخلہ ہے، نیز اس کے ساتھ وہ سبھی چیزیں جو اس کے نتیجے میں ملیں گی جیسے کہ محشر کی بڑی گھبراہٹ (فزع اکبر) سے امن واطمینان، حساب کا آسان ہونا وغیرہ دوسری تمام چیزیں جو آخرت کی اچھی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔

مفسر طبریؒ نے بھی آیت کریمہ میں لفظ 'حسنہ' کو دنیا و آخرت کی تمام اچھائیوں اور بھلائیوں کے لئے حاوی قرار دیا ہے۔ آیت کی اسی تفسیر کو سب سے راجح قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

لان الله عزوجل لم يخصص بقوله مخبرا عن قائل ذالك من معاني الحسنة

اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے والے کی زبانی بھلائی (حسنہ) کی جو بات کہی ہے تو اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کی ہے کہ اس سے بھلائی

---

[1] ابن کثیر: ۱/۲۴۲، ۲۴۴۔

Marfat.com

شیٔ ولا نصب علی	کی کچھ چیزیں مراد لی جائیں اور کچھ نہ لی
خصوصہ دلالۃ علی ان	جائیں۔ نہ اس طرح کی کسی تخصیص کے
المراد من ذالک بعض	لئے کوئی دلیل قائم کی ہے جس سے
دون بعض فالواجب	سمجھا جائے کہ اس سے کچھ بھلائیاں مراد
من القول فیہ ماقلنا	ہیں دوسری نہیں۔ پس ضروری ہے کہ
من انہ لایجوز ان یخص	وہی بات مانی جائے جو ہم نے کہی یعنی کہ
من معانی ذالک شیٔ و	اسے کچھ چیزوں کے لئے خاص نہ رکھا
ان یحکم لہ بعمومہ	جائے بلکہ چاہیئے کہ اسے اسی طرح عام رکھا
علی ماعمہ اللہ [1]	جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن لوگوں کے اس سوال کا کہ وہ کیا خرچ کریں، یہ جواب دیتا ہے کہ واقعی ضروریات سے جو بچ رہے اسے خدا کی خوشنودی کی غرض سے خرچ کیا جائے۔ اور مال کو سمیٹ کر رکھنے کے بجائے اس کے ذریعہ خاص طور پر کمزور بندگان خدا کی حاجت روائی کا سامان کیا جائے۔ اس کے بعد قرآن یتیموں اور بے سہاروں کے مسئلے کا حل بیان فرماتا ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں اپنے بیان کردہ احکامات کی علت یہ بیان کرتا ہے کہ:

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي	تاکہ تم سوچو دنیا و آخرت دونوں کے
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (بقرہ: ۲۱۹، ۲۲۰)	معاملات میں

جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے جس طرز عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور زندگی میں جس رویئے کے اختیار کرنے کی انھیں تلقین کرتا ہے وہ یہ کہ انھیں بیک وقت دنیا و آخرت دونوں کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا میں رہ کر ان کی آخرت کی سوچ اسی وقت مکمل ہوگی جبکہ وہ خدائی احکام و ہدایات کی روشنی میں زندگی کے مسائل سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔ قرآن لوگوں کے سامنے زندگی کا جولانگۂ عمل

---

[1] جامع البیان: ۲/۱۶۹۔

Marfat.com

پیش کرتا ہے اس کا تعلق صرف دوسری دنیا سے نہیں بلکہ اس دنیا کے امور و مسائل کو بھی وہ اسی طرح اپنا موضوع بناتا اور ان کے سلسلے میں تفصیلی احکام و ہدایات فراہم کرتا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے مومن کی صحیح سوچ وہی ہے جس میں دنیا و آخرت دونوں کے مسائل سے بیک وقت عہدہ برآ ہوا جائے اور ہر ایک کے مطالبات کو اسی اہتمام سے پورا کیا جائے۔ صاحب کشاف نے آیت کی ایک تفسیر یہی بیان کی ہے:

یبین لکم الآیات	اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دنیا و آخرت
فی امر الدارین وفیما	دونوں کے (امور و مسائل) کے سلسلے میں
یتعلق بہما لعلکم	آیتیں کھول کر بیان کرتا اور ان دونوں ہی
تتفکرون [1]	کے متعلق تمہیں تفصیلی ہدایات عطا کرتا ہے تاکہ
	تم (مطلوبہ) سوچ کا حق ادا کرسکو۔

ترکِ دُنیا سے اجتناب

مذہب اور مذہبی زندگی کے ساتھ عام طور پر دنیا کے جھمیلوں سے فرار کا تصور ذہن میں بندھا ہوا ہے۔ بہت سے مذاہب میں بھی اس ذہنیت و مزاج کو بسا اوقات تقدس و رنہ استحسان اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اور اسے خدا سے قربت و معیت کا بہترین ذریعہ تصور کیا جاتا ہے لیکن اسلام جس مذہبی زندگی کا قائل اور اس کا علمبردار ہے، اس کا طریقہ اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے دینداری اور مذہبیت اس کا نام نہیں کہ آدمی جسم کو لباس سے محروم رکھے۔ کھانے پینے کو ترک کر دے یا اس سے برائے نام تعلق رکھے۔ قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کی پسندیدہ روش یہ ہے کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھائے اور زندگی کی جائز ضروریات کی تکمیل سے اپنے کو محروم نہ رکھے۔

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۱۴۸، کلکتہ

Marfat.com

شرط یہ ہے کہ اعتدال و توازن کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ان ضروریات میں پڑ کر اس طرح گم نہ ہو جائے کہ اصل مقصد زندگی ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اعتدال کا سررشتہ ہاتھ میں رہے تو لباس و غذا انسان کی بنیادی ضروریات ہیں۔ پوری بنی نوع انسانی کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ	آدم کے بیٹو! ہر نماز کے وقت اپنی
عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّکُلُوۡا	آرائش کا سامان (کپڑے) لو۔ اور کھاؤ،
وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا اِنَّہٗ لَا	پیو اور اعتدال سے نہ بڑھو۔ اللہ اعتدال
یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿اعراف: ۳۱﴾	سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آگے دینداری و مذہبیت کے غلط تصورات کے اسیران نعمتوں کو اپنے لئے حرام سمجھنے والوں کے غلط نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ	کہو کس نے حرام کیا آرائش (کے
الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ	سامان) کو جسے اللہ نے نکالا اپنے
وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ	بندوں کے لئے، اور پاک اور ستھری
(آیت: ۳۲)	روزی کی چیزوں کو۔

اس سلسلے میں قرآن کا انسانوں سے صرف ایک مطالبہ ہے کہ وہ شیطان کے کہے میں نہ آئیں۔ اللہ نے جن چیزوں کو ان کے لئے حلال ٹھہرایا ہے انھیں اپنے اوپر حرام کریں، نہ شیطان کے بہکاوے سے حلت و حرمت کے مخصوص خدائی اختیار میں کسی اور کو شریک کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی حدود میں انھیں کھانے پینے اور دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی پوری آزادی ہے:

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ کُلُوۡا مِمَّا فِی	لوگو زمین کی حلال اور ستھری
الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّلَا	چیزوں سے کھاؤ۔ اور شیطان کے
تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ	راستوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا
اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿بقرہ: ۱۶۸﴾	کھلا دشمن ہے۔

اسلام کے مطابق دنیا میں مذہبیت اور دینداری کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے قائم کیا۔ ان سے بڑھ کر خدائی مرضیات پر عمل کرنے والا اور خدائی احکام و ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے والا کوئی دوسرا گروہ آج تک پیدا ہوا، نہ آئندہ ہو سکے گا۔ بارگاہ ایزدی سے انھیں بھی تاکید اسی بات کی ہوئی کہ وہ دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ صرف ایک شرط ہے کہ عمل صالح کے سرے کو مضبوط تھامے رہیں۔ اور زندگی میں کوئی قدم اس کی رضا سے ہٹ کر نہ اُٹھنے پائے۔ پورے گروہ انبیاءؑ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ — اے پیغمبرو! کھاؤ ستھری چیزیں
الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي — اور نیک عمل کرو۔ میں جانتا ہوں
بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (مومنون: ۵۱) — جو تم کرتے ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے سلسلے میں مخالفین کا ہمیشہ سے ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم ہی جیسی دنیاوی مصروفیات رکھنے والا ایک انسان اپنے تئیں من جانب اللہ فرستادہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اس کا اصرار ہے کہ جو کوئی اس کی پیروی سے منہ موڑے گا، دنیا و آخرت کی رسوائی اس کے حصے میں آئے گی۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بھی مشرکین مکہ کا یہی اعتراض تھا:

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ — وہ کہتے یہ کیا ہے جو یہ رسول کھانا کھاتا
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي — اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے (اور اس
الْأَسْوَاقِ (فرقان: ۷) — کے باوجود اپنی پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے)

اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ انبیاء نے کبھی عام معمولات زندگی سے کٹ کر زندگی نہیں گزاری۔ انھوں نے دنیوی زندگی کے مسائل اور اس کی مصروفیات میں پوری دلچسپی لیتے ہوئے اپنے فریضۂ منصبی کو ادا کیا۔ اور حکمت و مصلحت کا یہی تقاضا بھی تھا ورنہ غیر بشری خصوصیات کا حامل اور دنیوی زندگی سے ماوراء وجود، اس دنیا کے انسانوں کے لئے اسوہ اور نمونہ کیوں کر بنتا۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر

Marfat.com

اتمام حجت کی سنّت پر عمل کیوں کر ہو پاتا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (فرقان: ۲۰)	اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ (اور ان کا ایسا ہونا ہی مصلحت کا تقاضا تھا)

بیوی بچوں سے بڑھ کر انسان کو دنیا کے جھمیلوں میں پھنسانے والی کوئی دوسری چیز نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ جھمیلے ہمیشہ لگے رہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (رعد: ۳۸)	اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے۔ اور یہ سب لوگ بیوی بچوں والے تھے۔

زندگی سے گھبرا کر اور اس کے مسائل سے خوف کھا کر اپنے کو سماجی زندگی سے کاٹ لینا، دنیا کی آسائشوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا اور خدا کی قربت و معیت کو حاصل کرنے کے لئے خانقاہوں، معبدوں اور بسا اوقات غاروں، گپھاؤں میں اپنے کو محصور کر لینا، اصطلاح میں اس کا نام رہبانیت ہے۔ مختلف اسباب کے تحت پیروان مسیحؑ کے اندر دینداری کے اس طریقے کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور ان کی بڑی تعداد نے اسے اپنا محبوب طریق زندگی قرار دے لیا۔ قرآن نے اسے ایجاد بندہ قرار دیتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی:

وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ (حدید: ۲۷)	اور رہبانیت، جسے انھوں نے (اپنے طور پر) گڑھا۔ ہم نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا۔ سوائے اللہ کی رضا جوئی کے (جو ان پر فرض تھی۔ اسی کی خاطر انھوں نے رہبانیت کا راستہ اپنایا) پھر وہ اس کی پوری رعایت نہ کر سکے۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق زندگی کا سختی سے انکار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ایسے شخص تھے جنھیں بیوی سے تعلق "دینداری" کے منافی نظر آیا۔ چنانچہ انھوں نے بیوی سے زن و شوہر کے تعلقات یکسر منقطع کر رکھے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اسے سخت ناپسند کیا اور فرمایا:

انی لم اومر بالرھبانیۃ [1] مجھے رہبانیت اور ترک دنیا کا حکم نہیں دیا گیا۔

اس کے علاوہ اسلام نے عام طور پر تجرد کی زندگی کی ممانعت کی۔ تاکہ دنیا سے فرار کا یہ سب سے بڑا چور دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاصرورۃ فی الاسلام [2] اسلام میں تجرد (اور ترک دنیا) نہیں۔

---

[1] سنن دارمی، کتاب النکاح، باب النہی عن التبتل، مسند احمد: ۶/۲۲۶۔ نیز ملاحظہ ہو: بخاری جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء، مسلم جلد اول، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح الخ

[2] ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب المناسک، باب "لاصرورۃ فی الاسلام"۔ مسند احمد: ۱/۳۱۲۔ ورواہ ایضاً الحاکم وصححہ، فتح الباری: ۹/۸۸۔ والطبرانی مرفوعاً باللفظ المذکور، قال الحافظ فی التلخیص: وھو من روایۃ عطاء عن عکرمۃ عنہ ولم یقع منسوباً فقال ابن طاھر ھو ابن وزار وھو ضعیف لکن فی روایۃ الطبرانی ابن ابی الخوار وھو موثق، بحوالہ: تحفۃ الاحوذی مع جامع الترمذی: ۲/۱۶۸۔

اس مقام پر ہم نے حدیث "لارہبانیۃ فی الاسلام" کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ اگرچہ ہمارے مراجع میں اس کا ذکر ملتا ہے، النہایۃ فی غریب الحدیث: ۲/۱۱۳۔ لیکن اس کے ماخذ اور راوی کا کچھ پتہ نہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسے حوالہ کے بغیر ہی نقل کیا ہے، فتاویٰ شیخ الاسلام: ۱۰/۳۴۶، ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد (سعودی عرب) دوسرے موقعہ پر بھی علامہ موصوف کے یہاں یہ روایت بغیر کسی حوالہ ہی کے آئی ہے۔ اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/۱۵۶، ۲۲۸۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اسلام ترک دنیا کا قائل نہیں۔ البتہ دوسری بات کی ضرور ہدایت کرتا ہے کہ آدمی

(بقیہ حاشیہ) تحقیق وتعلیق الدکتور ناصر بن عبدالکریم العقل۔ طبعہ اولی ۱۴۰۴ھ وقف للہ من الامیر سلطان بن عبدالعزیز۔ کتاب کے محقق نے بھی روایت کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا ہے۔ ان کے مطابق امام بغویؒ نے شرح السنۃ جلد ۲ ص ۳۷۱ میں بھی اسے کسی حوالہ کے بغیر ہی پیش کیا ہے۔ اقتضاء: ۱/۱۵۶ محولہ بالا۔ عجلونیؒ نے کشف الخفاء جلد ۲ ص ۵۲۸ نمبر ۳۱۵۴ میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن روایت کے متعلق اس سے آگے کچھ نہیں کہا جو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں یہ حدیث میری نظر سے نہیں گذری۔ لم ارہ بہذا اللفظ، فتح الباری: ۹/۸۸۔ روایت کے سلسلے میں محدث شوکانیؒ نے بھی حافظ کا ہی حوالہ نقل کیا ہے۔ اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، نیل الاوطار: ۶/۲۳۱۔ ماثور تفاسیر کا ذخیرہ بھی بشمول "درمنثور" اس سے خاموش ہے۔ جبکہ "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" کے مصنفین اسے موضوع قرار دیتے ہیں، جلد ۱۔ شمارہ: ۸/۲۸۱۔ (مرتبہ احمد شنتاوی اور ابراہیم زکی خورشید) اردو کتابوں میں یہ حدیث عام طور پر بلا حوالہ یا ثانوی حوالوں سے نقل کی جاتی رہی ہے، رحمۃ للعالمینؐ: ۳/۱۰۲، علم الفقہ: ۶/۱۲، اسلام۔ ایک نظر میں، ۲/۱۲۴۔ تفہیم القرآن: ۵/۳۲۴، میں ان الفاظ حدیث پر مسند احمد کا اجمالی حوالہ ہے جو مصنفؒ کا سہو ہے۔ جس کا منشا غالباً حدیث کا انڈکس "مفتاح کنوز السنۃ" ہے۔ جس میں اس روایت پر مسند احمد کا حوالہ ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (مفتاح کنوز السنۃ / مادہ "رہب" دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء) مسند احمد میں اس مضمون کی روایت تو ہے: "ان الرھبانیۃ لم تکتب علینا": ۶/۲۲۶۔ دوسری روایتیں بھی ہیں جن میں یہ لفظ آیا ہے، وعلیک بالجهاد فانه رهبانیة الاسلام، ۳/۸۲۔ اور لکل نبی رھبانیۃ ورھبانیۃ ھذہ الامۃ الجہاد فی سبیل اللہ ۳/۲۶۶۔ لیکن ان لفظوں میں یہ حدیث موجود نہیں۔ ابو زہرہ مصری نے ایک موقعہ پر ان الفاظ پر "بیہقی" کا اجمالی حوالہ دیا ہے: انسانی معاشرہ — اسلام کے سائے میں / ۱۷۳۔ جو تحقیق طلب ہے۔ بہرحال جہاں تک ہم تلاش کر سکے نہ صحیح احادیث کے ذخیرے میں اس کا پتہ لگ سکا، نہ موضوعات کے سلسلوں میں۔ علامہ ناصر الدین البانی کے صحیح اور ضعیف احادیث کے سلسلے بھی اس سے خاموش ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک موقع پر اس کے حدیث نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ (مکتوبات سلیمانی: ۱/۲۱۵ لکھنؤ ۱۹۶۳ء)

Marfat.com

کی نگاہ اصلاً دوسری دنیا اور اس کی فلاح و کامیابی پر مرکوز رہے۔ جس کا راستہ یہ ہے کہ انسان دنیا کو برتتے ہوئے بھی اس سے بے نیاز رہے۔ دنیا سے وہ فائدہ ضرور اٹھائے لیکن جہاں اللہ و رسول کا حکم ہو اس سے ہاتھ کھینچ لے۔ اور اللہ کے راستے میں اسے اپنی محبوب سے محبوب چیز کو بھی قربان کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔ دین کی اصلاح میں اسی کا نام جہاد ہے جس کا مقصد ہے کہ دنیا کے اندر شیطانی طاقتوں اور باطل قوتوں نے خدا کے دین کے راستے میں جو بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کر کے ان رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ہٹایا جائے۔ دنیا سے بے رغبتی اور رہبانیت اگر کوئی پسندیدہ شئی ہے تو اسلام اسی رہبانیت کا قائل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکل نبی رھبانیۃ و رھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھاد فی سبیل اللہ [1]	ہر نبی کے ہاں رہبانیت کی کوئی صورت رہی ہے۔ اس امت کی رہبانیت اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ابوسعید خدری صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وعلیک بالجھاد فانہ رھبانیۃ الاسلام [2]	جہاد کو لازم پکڑو کہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے۔

لیکن اس سے آگے دنیا کی جائز لذتوں سے اپنے کو محروم کر لینے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی اسلام تائید نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ رہبانیت کے اس غلط تصور سے متاثر تھے آپؐ نے ان کے نقطہ نظر

---

[1] مسند احمد: ۳/۲۶۶۔ قال الالبانی عن زید العمی عن ابی ایاس عنہ، قلت وھذا اسناد ضعیف من اھل زید وھو ابن ابی الحواری کما فی التقریب۔ وقد قال فیہ الدارقطنی وغیرہ "صالح" فمثلہ یستشھد بہ، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲/۸۸۔ ورواہ ایضا الحافظ ابو یعلی ولفظہ: لکل امۃ رھبانیۃ ..... الخ بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۱۶۔

[2] مسند احمد: ۳/۸۲۔ قال الالبانی ورجالہ ثقات، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲/۸۷۔

Marfat.com

کی اصلاح فرمائی۔ مشہور واقعہ ہے کہ تین صحابیوں رضؓ نے ازواج مطہرات میں سے ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت وعبادت کے معمولات دریافت کئے تفصیل بتائے جانے پر انھیں یہ چیز اپنے اندازہ سے کم نظر آئی۔ اس کی توجیہ انھوں نے یہ کی کہ آپؐ کا مقام ہی اور ہے۔ اللہ نے آپؐ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ہمارے لئے یہ چیز کافی نہیں ہو سکتی۔ ہمیں عبادت وطاعت میں اس سے بہت زیادہ جان کھپانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے عہد کیا کہ میں رات دن نماز میں بسر کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں سال کے بارہ مہینے روزے رکھوں گا تیسرے صاحب نے طے کیا کہ میں زندگی بھر بیوی بچوں سے کچھ سروکار نہ رکھوں گا۔ تجرد کی حالت ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا۔ واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان لوگوں کو طلب کیا اور فرمایا کہ یہ آپ ہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے طور پر یہ چیزیں طے کی ہیں۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ سب لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ لیکن میرا طریقہ ہے کہ میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں۔ اور نہیں بھی رکھتا۔ رات میں نفل نمازیں پڑھتا بھی ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے۔ اور جو میرے طریقے پر نہ چلے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ، لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد

واتزوج النساء، فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ [1]

حضرت ابو درداؓ صحابی رسولؐ بھی ایک ایسے ہی شخص تھے جنھیں کھانے پینے اور بیوی بچوں سے تعلق کی مصروفیات مطلوبہ دینداری کے منافی نظر آتی تھیں۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت سلمان فارسیؓ کا ان کے ہاں جانا ہوا تو ان کی بیوی ام درداؓ کو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس، بگڑی ہیئت میں زندگی کی امنگ ونشاط سے عاری پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر

---

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، مسلم جلد ۱۔ کتاب النکاح باب استحباب النکاح الخ نیز مسند احمد: ۲/ ۲۸۵۔

Marfat.com

بولیں کہ تمہارے بھائی ابو درداؓ کو دنیا سے کچھ مطلب نہیں۔ پھر میرے لئے بن سنور کر رہنے کا کیا موقع ہے۔ اتفاق ایسا کہ اتنے میں ابو درداؓ آگئے اور مہمان کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ ابو درداؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ آپ بسم اللہ کریں میں تو روزے سے ہوں۔ انھوں نے کہا میں تمہارے بغیر لقمہ نہیں اٹھا سکتا۔ آخر وہ روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ابو درداؓ نے نوافل کے لئے کمر کسنی چاہی۔ حضرت سلمانؓ نے انھیں روکا کہ ابھی سونے کا وقت ہے۔ ذرا دیر ہوئی انھوں نے پھر اسی ارادے سے اٹھنا چاہا۔ اس بار بھی حضرت سلمانؓ نے انھیں منع کیا کہ ابھی آرام کا وقت ہے۔ لیٹیے۔ رات کے آخری پہر میں حضرت سلمانؓ نے انھیں اٹھنے کو کہا اور دونوں نے مل کر تہجد کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے جو بات کہی وہ اسلام کے مطلوبہ تصور دینداری کی بہترین ترجمان ہے۔ آپ نے فرمایا:

ان لربک علیک ، وان	تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے
لنفسک علیک حقا ، و	تمہاری ذات کا تمہارے اوپر حق ہے ، تمہارے
لاھلک علیک حقا ، فاعط	اہل و عیال کا تمہارے اوپر حق ہے۔ تو ہر
کل ذی حق حقہ ۔	حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابو درداؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپؐ نے حضرت سلمان کی توثیق کی اور فرمایا کہ انھوں نے بالکل سچ کہا۔[1]

ایک دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ جو دن کو مسلسل روزے رکھتے اور راتیں نوافل میں گزارتے۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپؐ نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ البتہ ناغہ کر کے روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور رات کے ایک حصّہ میں آرام کے بعد تہجد و نوافل میں مشغول ہونے کی تاکید کی۔ اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ:

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الصوم۔ باب من اقسم علی اخیہ لیفطر علیہ فی التطوع۔ الخ۔

فان لجسدك عليك	تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے
حقا وان لعينيك عليك	تمہاری آنکھوں کا تمہارے اوپر حق ہے
حقا وان لزوجك عليك	تمہاری بیوی کا تمہارے اوپر حق ہے۔
حقا وان لزورك عليك	تمہارے ملنے والوں کا تمہارے اوپر حق
حقا[1]	ہے۔ (تو پھر ہر حق دار کو اس کا حق ملنا چاہئے)۔

عبادات میں اعتدال

اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے میانہ روی و اعتدال کو عبادت کا ایک اہم اصول قرار دیا۔ مسلمان کی زندگی کے سب سے قیمتی لمحات وہ ہیں جو خدا تعالیٰ سے راز و نیاز اور اس کی رضا کی طلب میں بسر ہوں جس کا بہترین ذریعہ اس نے روزے اور نماز کو قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام اس سلسلے میں بھی بندۂ مومن کو ایک خاص حد سے آگے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ تاکہ دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا اس مطلوبہ تصور مجروح نہ ہو سکے۔ عبادت کے سلسلے میں وہ اسے ایک خاص دائرے کا پابند بناتا ہے تاکہ دنیا کے معاملات و مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کے اندر قوت کار باقی رہے۔ عبادت چہارگانہ میں روزے کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے جو ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اس کے سلسلے میں فرماتا ہے کہ "روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں اس کا بدلہ بھی خاص طور پر ہی عطا کروں گا"[2]۔ لیکن مسلسل اور لگاتار روزے رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جس سے آدمی کی قوت کار گھٹے اور دوسری دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی ہو حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صام من صام الدهر	اس شخص کا کچھ روزہ نہیں جو ہمیشہ

---

[1] بخاری جلد ا۔ کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم۔ مسلم جلد ا۔ کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدہر لمن تضرر بہ او فوت بہ حقا الخ۔[2] متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ۴۸۸، ۴۸۹، مصر ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

صوم ثلاثة ایام صوم الدھر کلہ۔	(مہینے میں) تین دن کا روزہ ہمیشہ کے روزے کے برابر ہے۔

آگے ان کی اس درخواست پر کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ کی ہمت پاتا ہوں، آپؐ نے انھیں حضرت داؤدؑ کے طریقے کا حکم دیا جس کی خصوصیت تھی کہ ناغہ کی وجہ سے ان کے اندر دشمن سے مقابلہ میں کمزوری نہیں رہتی تھی:

قلت فانی اطیق اکثر من ذلك قال فصم صوم داؤد وکان یصوم یوما ویفطر یوما ولا یفر اذا لاقی [1]	میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو تم حضرت داؤدؑ کا روزہ رکھو۔ جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔ اور (یہی وجہ تھی جو) دشمن سے مقابلہ پر وہ پیٹھ نہیں دکھاتے تھے۔

یہی بات دوسرے موقع پر تاکید کے لیے آپؐ نے دو بار فرمائی:

لاصام من صام الابد [2]	اس شخص کا کچھ روزہ نہیں جو لگاتار اور مسلسل روزے رکھے۔

نماز کی اہمیت دین میں معلوم ہے۔ قرآن وحدیث کی صراحت ہے کہ یہ وہ اعلیٰ ترین صورت ہے جس میں آدمی کو حق تعالیٰ کی قربت ومعیت نصیب ہوتی ہے[3]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نگاہوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے[4]۔ لیکن طاعت وبندگی کے اس نقطۂ کمال کے سلسلے میں بھی اسلام اسی اعتدال وتوازن کی تاکید کرتا ہے۔ جس سے دین کے دیگر مطالبات بھی پورے کیے جا سکیں۔ اور شریعت اپنے ماننے والوں پر دین ودنیا کی جو

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الصوم، باب صوم داؤد علیہ السلام۔ [2] حوالہ سابق، باب حق الاہل فی الصوم، نیز ملاحظہ ہو، مسند احمد: ۴/۲۵، ۲۶۔ [3] قلم: ۱۹، نیز مسلم جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود۔ [4] نسائی جلد ۲۔ کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، نیز مسند احمد: ۳/۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵۔

دوہری ذمہ داریاں ڈالتی ہے ان کا حق ادا کرنے میں کوئی کمی نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں معاملہ اس جادۂ اعتدال سے ہٹتا نظر آیا، آپؐ نے اس پر فوراً روک لگائی۔ حضرت زینبؓ صحابیہ اپنا لمبا وقت نوافل میں گزارتی تھیں۔ انھوں نے مسجد نبوی کے دو ستونوں کے بیچ ایک رسی باندھ رکھی تھی۔ کھڑے کھڑے جب تھک جاتیں تو رسی کا سہارا لے لیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تفصیل معلوم ہوئی تو آپؐ نے رسّی کو کھولنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ:

لیصل احدکم نشاطہ	تم میں کا کوئی شخص نماز اسی وقت تک پڑھے جب
فاذا فتر فلیقعد[1]	تک کہ اس کے اندر نشاط باقی رہے۔ جب تھک جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے۔

ایک دوسری صحابیہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا بھی یہی معاملہ تھا۔ جو اسی صورت سے لمبی لمبی نفلیں ادا کرتی تھیں۔ آپؐ نے انھیں بھی ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا:

لتصل ماطاقت فاذا	انہیں چاہیے کہ نماز پڑھیں جب تک کہ ان کے
عجزت فلتقعد[2]	اندر قوت رہے جب ہمت نہ رہ جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائیں

ایسی ہی ایک صحابیہ قبیلہ بنی اسد کی حضرت خولاءؓ تھیں۔ جو رات میں تھوڑی دیر کے لئے بھی بستر پر بیٹھ نہ دیتی تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کی نمازوں کا بڑا شہرہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے تو یہ ان کے پاس تھیں۔ ان

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادہ، ابوداؤد جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ، باب النعاس فی الصلوٰۃ۔ [2] مسند احمد: ۳/۱۸۴۔ نیز: ابوداؤد۔ حوالہ مذکور۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ حضرت زینبؓ کا کسی نسبت کے بغیر مطلق لکھا ہے۔ جبکہ ابوداؤد میں اسے دو واقعہ ایک زینبؓ، دوسرے حمنہؓ بنت جحش کا لکھا گیا ہے۔ جس پر اس کے محشی صاحب "التعلیق المحمود" نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ: "اس مقام پر راوی کا حمنہ بنت جحش کہنا اس کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ زینبؓ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اور یہ واقعہ انہیں کا ہے)"۔ التعلیق المحمود علیٰ ہامش سنن ابی داؤد: ۱/۱۸۶۔ لیکن موصوف کا یہ جزم صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ بخاری کی (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے سلسلے میں اس تفصیل کے علم میں آنے کے بعد آپؐ نے انھیں اس سے روکا اور ارشاد فرمایا کہ:

علیکم بما تطیقون	(عبادت کے) معمولات اسی قدر اپناؤ
من الاعمال فان اللہ لا	جتنا کہ آسانی سے کر سکو۔ اس لئے کہ اللہ بدلہ
یمل حتی تملوا [1]	دینے سے نہیں اکتائے گا تم ہی (عمل سے) اکتا جاؤ گے۔

اس سے ہٹ کر آپؐ نے عام اصول کی حیثیت سے بار بار تاکید فرمائی کہ لوگ دین کے معاملہ میں بے جا سختی اور تشدد سے احتراز کریں۔ اس لئے کہ اس راستے پر آدمی زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مذکورہ روایت پر گفتگو کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اگرچہ بخاری کے بہت سے شارحین نے خطیب کی پیروی میں قطعیت سے لکھا ہے کہ یہ زینب بنت جحش ام المومنینؓ ہیں۔ لیکن روایت کے کسی طریقہ میں یہ چیز مجھے صراحۃً نہیں ملی۔ شیخ سراج الدین ابن الملقن کی شرح میں بھی اگرچہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے، لیکن مجھے ان کی مصنف اور مسند میں مطلق 'زینب' سے زیادہ کوئی چیز نہیں ملی۔ جسے انھوں نے اسماعیل بن علیہ اور انھوں نے عبدالعزیز سے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے صحیح، ابونعیم نے اپنی مستخرج، نیز امام احمد نے اپنی مسند میں بھی اسے اسی طریقہ سے (اسی طرح) روایت کیا ہے۔ البتہ ابوداؤد نے اسماعیل سے اپنے دو شیوخ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں مطلق 'زینب' کسی نسبت کے بغیر ہے۔ اور دوسری میں حمنہ بنت جحش ہے۔ جو اس بات کا قرینہ ہو سکتا ہے کہ یہاں زینب سے مراد زینب بنت جحش (ام المومنینؓ) ہوں۔ امام احمد نے بھی حضرت انس کی روایت سے (جیسا کہ ہمارا حوالہ ہے) انھیں حمنہ بنت جحش بتایا ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس رسی کو ان دونوں ہی حضرات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ غالباً یہ ہو کہ وہ ملکیت تو ہو کسی ایک ہی کی، البتہ دوسرے کو بھی اسی کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہو۔ اس رائے کو تقویت اس سے بھی پہنچتی ہے کہ جیسا کہ کہا گیا ہے جحش کی تمام صاحبزادیوں کو 'زینب' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس طرح یہ رسی حمنہ کی ہوئی اور ان کے دوسرے نام کی مناسبت سے انھیں زینب کہا گیا۔ (اس صورت میں یہ واقعہ دو نہیں بلکہ ایک ہی صحابیہ کا ہوگا) البتہ آخر میں حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ انھیں الگ الگ واقعات مانا جائے۔ وقیل یحتمل تعدد القصۃ، ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۳/۲۴۔ ہم نے اسی آخری صورت کو پیش نظر رکھا ہے۔

دور تک نہیں چل سکتا۔ بہت جلد وہ تھک جائے گا اور اکتاہٹ کا شکار ہو کر اپنا نقصان کریگا۔
حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الدین یسر، ولن یشاد الدین احد الا غلبہ، فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ و شئی من الدلجۃ [1]	دین میں آسانی (کا راستہ اچھا) ہے۔ جو کوئی اس کے سلسلے میں بے جا سختی کی راہ اپنائے گا ہار جائے گا۔ پس تم اعتدال اور میانہ روی کے طریقے پر چلو۔ ورنہ اپنے کو اس سے قریب تر رکھو۔ (خدا کی رحمت کی امید پر) خوشی اور شادمانی میں رہو۔ اور بے جا سختیاں کرنے کے بجائے سمجھ دار مسافر کی طرح، صبح تڑکے شام سویرے اور رات کے پچھلے پہر چل کر فراغت و اطمینان سے منزل تک رسائی کا سامان کرو۔

اس راہ کی آخری منزل رہبانیت اور ترک دنیا ہے۔ جس میں پھنس کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروں کو اپنے کو گرجوں اور خانقاہوں میں محصور کر لینا پڑا تھا۔ اسلام کی یہ منزل نہیں اس لئے وہ اس راستے کو بھی اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہؓ کو بار بار تاکید کرتے تھے:

لاتشددوا علیٰ انفسکم فیشدد علیکم فان قوما شددوا علیٰ انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک	اپنے اوپر بے جا سختیاں نہ کرو کہ تم پر مزید سختیوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔ اس لئے کہ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر بے جا سختیاں کیں تو اللہ نے ان پر مزید سختیوں کا دروازہ کھول دیا۔

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، نیز ملاحظہ ہو، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہ۔ مسند احمد، ۲/۲۴۹، ۲۵۰۔ [2] بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الدین یسر، نیز نسائی جلد ۲۔ کتاب الایمان وشرائعہ، باب الدین یسر۔

Marfat.com

بقایاھم فی الصوامع	اب یہ انھیں کی یادگاریں ہیں جنھیں تم گرجوں
والدیار، رھبانیۃ	اور عبادت خانوں میں محبوس پاتے ہو۔ رہبانیت
ابتدعوھا ماکتبناھا	کا نتیجہ جسے انھوں نے اپنے جی سے گڑھا۔ ہم
علیھم[1]	نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا۔

دینی زندگی کا وسیع تصور

عام طور پر مذہب اور دینداری کے نام پر خاص طرح کی وضع قطع اور طاعت و بندگی کے محدود اعمال کا تصور ذہن میں بندھتا ہے۔ لیکن اسلام جس مذہبیت اور دینداری کا علم بردار ہے اور مذہبی زندگی کا جو تصور پیش کرتا ہے، اس کا رنگ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ انسان زندگی کے پھیلے ہوئے دائرے میں خدا اور بندگان خدا کے حقوق ادا کرے۔ زندگی کے ہر موڑ پر خدا تعالیٰ کے احکام وہدایات کی بے لاگ پیروی کرے اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہ ہو۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ دنوں بعد جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اہل کتاب کے ساتھ ان کے اثر سے کچھ مسلمانوں کو بھی یہ حکم ناگوار گزرا۔[2] اس موقعہ سے فائدہ اٹھاکر قرآن نے مطلوبہ نیکی اور دینداری کی جو تفصیل پیش کی ہے اس سے اسلامی تصور مذہب کی وسعت وجامعیت کا اندازہ اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد ہوا:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ	نیکی اور دینداری یہ نہیں کہ تم (نماز میں)
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ	اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ نیکی
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ	ان کی ہے جو ایمان لائیں اللہ پر، آخرت

---

[1] ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب الحسد، و رواہ ایضا الحافظ ابویعلی بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۱۶۔

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۷۔

الْآخِرِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَ	کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں
آتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ	پر اور مال کو خرچ کریں اس کی محبت کے
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ	باوجود، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینو
وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ	پر، مسافر اور مانگنے والوں پر اور گردنیں
وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ	چھڑانے میں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ	دیں، اور عہد و پیمان کو پورا کرنے والے
فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ	جب وہ ایسا کریں۔ اور جمنے والے
الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ	پریشانی میں اور تکلیف میں اور جنگ
صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ	کے وقت یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ
الْمُتَّقُونَ ○ (بقرہ: ۱۷۷)	(اللہ سے) ڈر کر رہنے والے ہیں۔

دوسرے موقعہ پر بھی قرآن نے اپنی مطلوبہ دینداری کی یہی خصوصیت بیان کی ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں کچھ نام نہاد مسلمان[1] صرف ایمان کا دعویٰ کر کے زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے تھے۔ قرآن نے کہا کہ ایمان کا حق زبانی دعووں سے ادا نہیں ہوتا۔ اس کے تقاضوں میں انفرادی اعمال کی بجا آوری کے ساتھ جان و مال کی قربانی بھی شامل ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا	مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا	اور اس کے رسول پر اور انھیں کچھ شک
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ	نہ ہو۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں اپنی
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ	جان اور مال سے۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

---

[1] امام بخاری کے نزدیک اس سلسلۂ بیان کا مصداق منافقین ہیں جو دل سے کافر ہوتے ہوئے صرف زبان سے اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے مراد نام نہاد مسلمانوں کو لیا ہے جو صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے تھے۔ اور اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی خیال ہے۔ اور ابن جریر کا پسندیدہ مسلک بھی یہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ابن کثیر: ۴/۲۱۹۔

الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (حجرات: ۱۵-۱۶)

کہو کیا تم (زبانی دعووں سے) اللہ کو اپنے ایمان کا پتہ دیتے ہو جبکہ اللہ جانتا ہے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اسی طرح قرآن اپنے ماننے والوں کو فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے کے لئے رکوع و سجود اور بندگی رب کے ساتھ بھلائی کے کام کا بھی حکم دیتا ہے۔ جس کے اندر کسی تخصیص کے بغیر نیکی اور بھلائی کے تمام کام شامل ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (حج: ۷۷)

اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو۔ اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے اندر دینی زندگی کے نقطۂ آغاز ایمان و اسلام کی جو تشریحیں کی ہیں اور ان کے جو تقاضے بیان کئے ہیں، اس سے بھی اسلام کی مطلوبہ دینداری کی یہی تصویر ابھرتی ہے کہ اس کا تعلق محدود معنوں میں صرف خدا اور بندے کے معاملہ سے نہیں، دنیاوی زندگی کے وسیع تر معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: اسلام کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اونچی چیز کلمۂ لا الٰہ، کا اقرار ہے۔ اور اس کا سب سے کم تر درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ اور شرم و حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے[1]۔ مومن و مسلم کی تعریف یہ بیان فرمائی کہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال کے سلسلے میں بالکل بے خوف رہیں[2]۔ ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ: اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جسے امانت کا پاس نہیں اور اس شخص کا

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان۔ [2] ترمذی جلد ۲۔ کتاب الایمان، باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، نسائی جلد ۲۔ کتاب الایمان و شرائعہ، باب صفۃ المومن، مسند احمد: ۲/۱۵۴۔

Marfat.com

کچھ دین نہیں جو عہد و پیمان کا پابند نہیں[1]۔ اسی طرح پڑوسی کے حق کی ادائیگی کو آپؐ نے ایمان کا صریح تقاضا قرار دیا۔ "آپؐ نے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جس کی لائی ہوئی آفتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ رہیں[2]"۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ: اُس شخص کے اندر ایمان کی کچھ رمق نہیں جو خود پیٹ بھر کر سوئے جبکہ اس کا پڑوسی وہیں اس کے پہلو میں بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو[3]"۔ ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہوا کہ: "جسے یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا (راوی کو شک ہے) یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیئے کہ جب بولے تو سچ بولے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اسے (اسی طرح) ادا کرے اور جو اس کے پڑوسی ہوں، ان کے پڑوس کا حق اچھی طرح ادا کرے[4]"۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ: بیوہ اور مسکین کے لئے تگ و دو کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے یا (راوی کا شک ہے) اس شب زندہ دار کی طرح جو تھکنے کا نام نہ لے یا اس روزہ دار کی طرح جو انتہائی کثرت سے نفلی روزے رکھے[5]"۔ مزید ارشاد ہوا: "کہ میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ مثال میں آپؐ نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں کو ملا کر بتایا[6]"۔

صدقہ و خیرات کے سلسلے میں ذہن عام طور پر اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ آدمی اپنے مال کا ایک حصہ نکالے اور اسے کمزوروں اور محتاجوں پر خرچ کر دے۔ لیکن حدیث کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بہت وسیع دائروں کی نشاندہی کی ہے اور ان کاموں کی ایک لمبی فہرست بتائی ہے جس پر اس عمل خیر کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا

---

[1] مسند احمد: ۳/۱۳۵، بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الایمان۔ [2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ، مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب تحریم ایذار الجار۔ [3]، [4] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔ [5] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب۔ باب الساعی علی المسکین، مسلم جلد ۲۔ کتاب الزہد۔ باب فضل الاحسان الی الارملۃ الخ
[6] بخاری جلد ۱۔ کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما۔ نیز، مسند احمد: ۵/۲۵۰

Marfat.com

ہے کہ اسلام کا دینداری کا تصور اپنے اندر کس قدر وسعت اور عموم رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: "ہر بھلائی کا کام ایک طرح کا صدقہ ہے۔ اور یہ بھی بھلائی کا کام ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔ اور ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دو۔"[1] دوسرے موقعہ پر اس کی مزید تفصیل ارشاد فرمائی کہ: "تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ تمہارا بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا صدقہ ہے۔ بھٹکنے کی جگہ کسی شخص کو راستہ دکھانا صدقہ ہے۔ کمزور بینائی والے شخص کی مدد کر دینا صدقہ ہے۔ پتھر، کانٹا اور ہڈی وغیرہ کا راستے سے ہٹا دینا صدقہ ہے۔ اسی طرح تمہارا اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دینا صدقہ ہے۔"[2] دوسری حدیث میں فرمایا: "آدمی کا ایک بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار الحمد للہ کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ بھلائی (معروف) کا حکم دینا صدقہ ہے۔ برائی (منکر) سے منع کرنا صدقہ ہے۔ اسی طرح حلال طریقے سے آدمی کا جنسی خواہش پورا کرنا بھی صدقہ ہے۔"[3] ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ: "جو مسلمان کوئی پودا لگاتا یا کوئی چیز بوتا ہے، پھر اس سے کوئی پرندہ، جانور یا انسان کھاتا ہے تو یہ چیز اس کے لئے صدقہ شمار ہوتی ہے۔"[4]

خدا اور بندگان خدا کے حقوق کے علاوہ تیسری چیز جس کے بغیر اسلام کے مطلوبہ تصور دینداری کی تکمیل نہیں ہوتی، جیسا کہ اشارہ کیا گیا، جہاد ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی دین اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے کوشاں ہو۔ یہاں تک کہ پوری دنیا پر اسلام کا پھریرا لہرا جائے، اسلامی نظام زندگی کی راہ کی رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے اور دنیا کے اندر باطل افکار و نظریات اور

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی طلاقۃ الوجہ وحسن البشر۔ [2] حوالہ سابق، باب ماجاء فی صنائع المعروف، قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب۔ [3] مسلم جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب بیان ان اسم الصدقہ یقع علیٰ کل نوع من المعروف۔ [4] بخاری جلد ۱۔ ابواب الحرث والمزارعۃ، باب فضل الزرع والغرس مسلم جلد ۲۔ کتاب المساقاۃ والزرع، باب فضل الغرس والزرع۔

ان کے علم برداروں کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ اس مقصد کے لئے بسا اوقات زبان اور قلم کا جہاد کافی ہوگا۔ لیکن ایک مرحلہ آئے گا جب تلوار کو نیام سے نکالنا پڑے گا۔ اور اسلام کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں نکل آنا ہوگا۔ یعنی قتال اور جنگ، جس کے لئے عملاً نہیں تو ذہناً ہر مسلمان کو تیار رہنا چاہیے۔ جس شخص کے احساسات و جذبات اس کیفیت سے عاری ہوں اس کی زندگی ایمان و اسلام کی نہیں بلکہ نفاق اور بے دینی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

من مات ولم یغز ولم	جس کسی کو موت آئے اس حال میں
یحدث به نفسه	کہ وہ (اللہ کے راستے میں) لڑے، نہ اس کے
مات علی شعبة	دل میں اس کا خیال آئے تو وہ نفاق کے
من نفاق۔ [۱]	کسی نہ کسی درجہ پر مرتا ہے۔

مسلمان کی زندگی میں اس کے بغیر ایسا خلا رہتا ہے جسے کسی دوسری صورت سے پر نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا:

من لقی اللہ بغیر اثر	جو کوئی اللہ سے ملے گا اس حال میں کہ
من جہاد لقی اللہ و	اس کے اوپر (اللہ کے راستے میں) جہاد کا
فیه ثلمة [۲]	نشان نہ ہوگا، تو وہ اللہ سے اس میں ملے گا
	کہ اس کے اندر ایک (بہت بڑا) خلا ہوگا۔

دینداری کا یہ راستہ کٹھن ہے اور اپنے ساتھ بڑے مسائل و مشکلات رکھتا ہے۔ لیکن اسلام اسی دینی زندگی کا قائل ہے۔ ان مسائل سے کٹ کر مذہبی زندگی اس کے لئے کسی صورت قابل قبول نہیں۔ حضرت ابو امامہؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سریہ میں نکلے۔ سفر کے دوران قافلہ کے ایک

---

[۱] مسلم جلد ۲۔ کتاب الامارہ، باب ذم من مات ولم یغز، النسائی جلد ۲۔ کتاب الجہاد، باب التشدید فی ترک الجہاد۔

[۲] ترمذی جلد ۱۔ ابواب فضائل الجہاد، باب بلا ترجمہ۔ ابن ماجہ، ابواب الجہاد، باب التغلیظ فی ترک الجہاد۔ قال الترمذی حدیث غریب۔

شخص کا گزر کسی غار کے پاس سے ہوا۔ جہاں اسے پانی کی سہولت نظر آئی۔ خیال ہوا کہ کیوں نہ یہیں رہ پڑے۔ پانی موجود ہے۔ آس پاس میں ساگ سبزی بھی مل ہی جائے گی۔ جس سے جسم وجاں کا رشتہ قائم رکھنا مشکل نہ ہوگا۔ اور اس طرح دنیا کے جھمیلوں سے کٹ کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں لگا رہے گا۔ اجازت لینے کے لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے ارادے کی تفصیل بیان کی۔ اس کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اسلامی تصور مذہب، کا بہترین ترجمان ہے۔ اسلام کے اس آئینے کو ان لوگوں کو اپنے سامنے ضرور رکھنا چاہیئے جو مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ قرار دیتے ہوئے اسلام کو بھی اسی صف میں گھسیٹنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

انی لم ابعث بالیھودیۃ ولا بالنصرانیۃ ولکنی بعثت بالحنفیۃ السمحۃ والذی نفس محمد بیدہ لغدوۃ اوروحۃ فی سبیل اللہ خیر من الدنیا ومافیھا ولمقام احدکم فی الصف خیر من صلاتہ ستین سنۃ [1]	مجھے یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ بلکہ میں نرم حنفیت دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، خدا کے راستے میں (جہاد کے لئے) ایک صبح یا شام کا نکلنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ اور تم میں کسی شخص کا تھوڑی دیر کے لئے بھی (جنگ کی صفوں میں کھڑا ہونا نماز کے لئے ساٹھ سال کھڑے رہنے سے بہتر ہے۔

[1] مسند احمد: ۵/۲۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو، ترمذی جلد ۱۔ ابواب فضائل الجهاد، باب بلا ترجمہ۔ الفاظ میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

تخلیق جنّ و انس کا مقصد

اسلام کے اس پورے مطلوبہ تصور دینداری کو قرآن ایک لفظ 'عبادت' میں سمیٹ کر بیان کرتا ہے۔ صاف اور سیدھے لفظوں میں جس کا مطلب ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی خدا کے حکم کے مطابق گزارے۔ اور اپنے جملہ معاملات و مسائل میں خدائی مرضیات سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ انسانی زندگی کے بے شمار گوشے ہیں اور ان سب سے متعلق ہر دور اور ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفصیلی ہدایات فراہم کی جاتی رہی ہیں جنہیں آخری طور پر قرآن کے صفحات میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ پس زندگی میں خدا کی مرضی کو روبکار لانے کے لئے جو بات جس اہمیت اور جس ترتیب سے کہی گئی ہے، اسے اسی ترتیب اور اہمیت کے ساتھ ادا کیا جائے اور زندگی کے کسی دائرے میں خدا کی مرضی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے یہی اللہ کی بندگی اور عبادت ہے جس کے لئے انسانوں اور جنوں کو پیدا کیا گیا ہے اور یہی چیز ہے جسے ان کا وظیفہ حیات اور مقصد زندگی قرار دیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ (ذاریات: ۵۶-۵۸)

میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (میرا کبھا مان کریں) میں ان سے روزی (کموانا) نہیں چاہتا نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے (کما کر) کھلائیں ضرور اللہ ہی بڑا روزی رساں، قوت والا، زور آور ہے۔

جنوں کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے۔ اس لئے آیت کریمہ میں ان کا ذکر

پہلے ہے۔ ان دونوں کا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت، قرار دیا گیا ہے۔ اس عبادت کا مطلب محض پوجا پاٹ اور پرستش نہیں ہے جس کا تقاضا مخصوص عبادات اور تقرب خداوندی کے محدود اعمال کی انجام دہی سے ادا ہو جائے۔ یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جبکہ اس کا تقرب و نیازمندی کا حق ادا کرنے کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں اس کے عطا کردہ احکامات و ہدایات کی بے لاگ پیروی اختیار کی جائے اور زندگی کا کوئی قدم اس کی اطاعت و پیروی سے ہٹ کر نہ اٹھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سچی پرستش، اطاعت کو مستلزم ہے۔ سوچا نہیں جا سکتا کہ ایک شخص ذہن کی پوری یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ ایک آستانے پر سر جھکائے اور اسے اپنا آخری ملجا و ماویٰ سمجھے اور زندگی کے معاملات میں دوسروں کا کہا مانے اور انھیں اپنا ہادی و رہبر تسلیم کرے۔ یہی وجہ ہے جو ہمارے مفسرین کرام عام طور پر اس آیت کی تفسیر "سچی پرستش" سے کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ عبادت و اطاعت کو وہ لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ ایک بالا و برتر ذات کے سامنے اپنا سر نیاز جھکا دینے کے بعد اوروں کی کہی ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کے اس اجمال کو کھول بھی دیا ہے۔ چنانچہ وہ عبادت کی تشریح 'اطاعت' سے کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ عبودیت و پرستش کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بے لاگ پیروی بھی ضروری ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:-

ومعنى الآية انه تبارك	آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تبارک و
وتعالى خلق العباد	تعالیٰ نے بندوں کو اس لیے پیدا کیا
ليعبدوه وحده لاشريك	ہے تاکہ وہ تنہا اسی کی بندگی کریں
له فمن اطاعه جازاه	اور اس کے ساتھ کسی کو شریک
اتم الجزاء ومن عصاه	نہ ٹھہرائیں۔ پس جو اس کا کہا مانے گا اسے
عذبه اشد العذاب [1]	وہ اس کا بھرپور بدلہ دے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اسے سخت ترین عذاب سے دوچار کرے گا۔

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲۳۸/۴

امام رازیؒ آیت زیر بحث میں ’عبادت‘ کے تقاضوں کی تفصیل میں خدا اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ پوری شریعت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ پانچویں مسئلہ کے تحت ’عبادت‘ کی حقیقت کے سوال کو اٹھانے کے بعد وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں:۔

اما المسئلة الخامسة	پانچواں مسئلہ۔ وہ عبادت کیا ہے جس
ما العبادة التى خلق	کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں
الجن والانس لها قلنا	کو پیدا کیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ (بہمہ وجوہ)
التعظيم لامر الله و	اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعظیم اور اس کی مخلوقات
الشفقة على خلق الله	کے ساتھ شفقت اور مہربانی ہے۔ اس لیے
فان هذين النوعين	کہ کوئی آسمانی شریعت ان دو قسموں سے خالی
لم يخل شرع منهما	نہیں۔ جہاں تک خاص عبادات کا سوال
واما خصوص العبادات	ہے تو شریعتیں مختلف رہی ہیں کہ ان کی شکل
فالشرائع مختلفة	کیا ہو؟ انہیں کس طرح ادا کیا جائے؟ اسی
فيها بالوضع والهيئة و	طرح ان کی تعداد کی کمی بیشی، وقت اور جگہ
القلة والكثرة والزمان	اور ان کے شرائط و ارکان کے معاملہ میں بھی
والمكان والشرائط و	ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ
الاركان ولما كان	کی واقعی بڑائی اور تعظیم کا ادراک عقل سے
التعظيم اللائق بذى الجلال	نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ
والاكرام لا يعلم عقلا لزم	ان کے سلسلے میں شریعتوں کی پیروی کی جائے
اتباع الشرائع فيها والاخذ	اور رسولوں کے بتائے ہوئے طریقے پر
بقول الرسل عليهم	عمل کیا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ
السلام فقد انعم الله	(ہر دور اور ہر زمانہ میں) اپنے رسولوں
على عباده بارسال الرسل	کو بھیج کر عبادت کی ان دو گونہ صورتوں
وايضاح السبل فى	کے سلسلے میں اپنے بندوں پر انعام و

Marfat.com

نوعی العبادۃ [1]	اکرام کی بارش کرتا رہتا ہے۔

سب سے زیادہ تفصیلی بحث اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کے یہاں ملتی ہے جو اسلام کے متعدد ارکان و فرائض کی تصریح کے ساتھ عبادت، کے اندر پورے مجموعہ دین کو شامل قرار دیتے ہیں. عبادت کیا ہے اس کی شاخیں کیا ہیں۔ اس کے اندر پورا مجموعہ دین داخل ہے یا اس کا اطلاق کچھ خاص چیزوں پر ہوتا ہے اور عبودیت و بندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:۔

العبادۃ اسم جامع لکل	عبادت ایک جامع عنوان ہے جس میں
مایحبہ اللہ ویرضاہ: من	سب چیزیں شامل ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں اور
الاقوال والاعمال الباطنۃ	جنھیں وہ پسند کرتا ہے ان کا تعلق اقوال سے
والظاھرۃ فالصلوٰۃ والزکوٰۃ	ہو یا اعمال سے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی.
والصیام والحج وصدق الحدیث	پس نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، امانت کا
واداء الامانۃ وبر الوالدین	ادا کرنا، والدین کے ساتھ وفاداری، صلہ رحمی
وصلۃ الارحام والوفاء بالعھود	ایفائے عہد، بھلائی (معروف) کا حکم دینا، برائی
والامر بالمعروف والنھی عن	(منکر) سے منع کرنا، کفار اور منافقین سے
المنکر والجھاد للکفار والمنافقین	جہاد، پڑوسی، یتیم، مسکین، مسافر اور اپنی زیر
والاحسان الی الجار والیتیم	ملکیت انسانوں (یعنی غلاموں) اور جانوروں
والمسکین وابن السبیل والمملوک	کے ساتھ اچھا سلوک۔ اسی طرح اللہ سے
من الآدمیین والبھائم والدعاء	دعائیں کرنا، اس کی یاد (کی شکلیں) (قرآن
والذکر والقراءۃ وامثال ذالك	کی تلاوت وغیرہ دوسری بہت سی چیزیں
من العبادۃ وکذالك حب	یہ سب کی سب عبادت میں شامل ہیں. اسی
اللہ ورسولہ وخشیۃ اللہ	طرح اللہ اور اس کے رسول سے محبت،

---

[1] مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر: ۶۶۰/۷

Marfat.com

والانابة اليه واخلاص الدين له والصبر لحكمه والشكر لنعمه والرضا بقضائه والتوكل عليه والرجاء لرحمته والخوف لعذابه وامثال ذالك هي من العبادة لله [1]

اللہ کا ڈر اور اس کی طرف جھکنا، اطاعت کو اس کے لیے خالص کرنا۔ اس کے حکم پر جمنا اس کی نعمتوں کا شکر گزار ہونا، اس کے فیصلے پر راضی ہونا اس کے اوپر بھروسہ کرنا اس کی رحمت سے پُر امید ہونا۔ اس کے عذاب سے ڈرنا، یہ اور اس طرح کی سبھی چیزیں اللہ کی عبادت میں شامل ہیں

آگے موصوف اس کے لئے آیت زیر بحث کے علاوہ دوسری متعدد قرآنی آیات سے ثبوت فراہم کرتے اور اپنی گفتگو کو مدلل کرتے ہیں۔

وذالك ان العبادة لله هي الغاية المحبوبة والمرضية له التي خلق الخلق لها كما قال: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ و بها ارسل جميع الرسل كما قال نوح لقومه: اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وكذالك قال هود وصالح وشعيب و غيرهم لقومهم وقال

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی وہ آخری مقصود اور گوہر مطلوب ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے جس کے لئے اس نے مخلوق عالم کو پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا" اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں، (کہا مان کر رہیں) یہی ایک پیغام تھا جسے دے کر اس نے تمام رسولوں کو بھیجا جیسا کہ حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ "اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں"، یہی

---

[1] مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ: ۱/۱۴۹، ۱۵۰، جمع و ترتیب: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم وابنہ محمد، الرياسة العامة لشئون الحرمين الشريفين (السعودیہ) بدون سنۃ۔

Marfat.com

تعالیٰ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ وقال تعالیٰ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ○ وقال تعالیٰ: وَإِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ○ كما قال فی الآية الأخرىٰ: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ○ وجعل ذالك لازما لرسوله الى الموت كما قال: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ○ [1]

بات حضرت ہودؑ، صالحؑ اور شعیبؑ وغیرہ دوسرے تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم سے کہی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ ”لوگو! صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) سے دور رہو۔ تو ان میں کچھ ہوئے جنھیں اللہ نے (ان کی سلامت روی کے سبب) ٹھیک راہ دکھائی۔ دوسرے وہ تھے جن کا مقدر گمراہی ٹھہری“ نیز فرمایا: ”اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے ان تک ایک ہی بات کی وحی کی کہ: میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم میری ہی بندگی کرو“ مزید ارشاد ہوا۔ (اے پیغمبرو!) یہ میری ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری ہی بندگی کرو“ دوسرے موقع پر فرمایا: ”اے رسولو! کھاؤ پاک اور ستھری چیزوں سے اور نیک عمل کرو میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو“ اور یہی بات اپنے (آخری) رسول کے لیئے موت کے وقت تک کے لیے لازم قرار دی کہ: اور اپنے رب کی بندگی پر کاربند رہو یہاں تک کہ تم تک یقینی چیز (موت) آجائے۔

---

[1] حوالہ مذکور

Marfat.com

خدا تعالیٰ بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ آدمی ہر طرف سے کٹ کر اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور ذات باری تعالیٰ کے سوا اس کی کوئی دوسری غایت مقصود و مطلوب نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر جائے اور اس کی والہانہ اطاعت اس کا وظیفۂ حیات بن جائے۔ دین کے اسی مقصود غائی کو قرآن اکثر و بیشتر لفظ (عبادت) سے تعبیر کرتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر علامہ موصوف اس کی وضاحت ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

فاذا کان اصل العمل الدینی هو اخلاص الدین للّٰہ وهو ارادة اللّٰہ وحدہ فالشیئ المراد لنفسہ هو المحبوب لذاتہ وهذا کمال المحبة لکن اکثر ماجاء المطلوب مسمی باسم العبادة کقولہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ، وقولہ: " یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ " و امثال هذا[1]

پس جب دینی عمل کی اصل و اساس اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کرنا قرار پایا۔ یعنی کہ اللہ کی ذات ہی انسان کی غایت مقصود بن جائے اور معلوم ہے کہ جو چیز بذات خود مقصود و مطلوب ہو اسی کو دوسرے لفظوں میں 'محبوب' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی محبت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے لیکن اکثر و بیشتر اس مطلوب و مقصود کو لفظ 'عبادت' سے ادا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لیے کہ میری عبادت کریں" نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے۔ وغیرہ دیگر آیات

اس کے بعد وہ اس 'عبادت' کے متضمنات اور اس کے عناصر ترکیبی کی وضاحت ان لفظوں میں کرتے ہیں:-

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۰/۵۶ طبع مذکور۔

Marfat.com

والعبادة تتضمن كمال الحب ونهايته وكمال الذل ونهايته، فالمحبوب الذي لا يعظم ولا يذل له لا يكون معبودا والمعظم الذي لا يحب لا يكون معبودا [1]

عبادت دو چیزوں کو مستلزم ہے۔ آخری اور انتہائی درجہ کی محبت اور آخری اور انتہائی درجہ کی سرفگندگی و اطاعت پس وہ محبوب جس کی (کمال درجہ پر) تعظیم اور سرفگندگی اختیار نہ کی جائے معبود نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح وہ ذات جس کی تعظیم تو کی جائے لیکن اس سے (کمال درجہ) کی محبت نہ ہو وہ بھی معبود نہیں ہوسکتا۔

دین کے اس اصل الاصول کی توضیح کے لیے قرآن نے کچھ دوسرے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ مثال کے طور پر اطاعت، استقامت صراط مستقیم کا التزام وغیرہ۔ ان سب کا تقاضا بھی وہی ہے جو اوپر 'عبادت' کی تشریح میں مذکور ہوا علامہ موصوف دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

والعبادة والطاعة والاستقامة ولزوم الصراط المستقيم ونحو ذالك من الاسماء مقصودها واحد ولها اصلان احدهما" الا يعبد الا الله والثاني ان يعبد بما امر وشرع لا بغير ذالك من البدع [2]

عبادت، اطاعت، استقامت، صراط مستقیم سے چمٹنا وغیرہ دوسرے بہت سے نام، ان سب کا مقصود ایک ہے اور اس کا مرکزی نکتہ دو چیزیں ہیں:۔ اول یہ کہ صرف اللہ کی عبادت (بندگی) کیجائے۔ دوم یہ کہ بندگی اس طریقہ سے ہو جس کا اس نے حکم دیا ہے اور جسے مشروع قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے من گھڑت طریقے سے نہیں۔

اس کی تائید میں وہ آیات ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔

قال تعالیٰ: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو چاہیے کہ

---

[1] حوالہ سابق [2] فتاویٰ مذکور ۲/۱۷۲، ۱۷۳۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ
أَحَدًا ۱۰ وقال تعالىٰ: بَلٰى مَنْ
أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
وَقَالَ تعالىٰ "وَمَنْ أَحْسَنُ
دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ
إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ
إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا [1]

نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت
میں کسی اور کو ساجھی نہ کرے۔ نیز فرمایا۔
"ہاں جس نے اپنے کو اللہ کے لیے جھکا دیا
اور وہ خوب کار ہو تو اسے اس کا بدلہ ملے گا
اور نہ ان پر کوئی ڈر ہوگا نہ یہ غمگین ہوں گے"
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس سے اچھا
دین کس کا ہے جو اپنے کو جھکائے اللہ کے
لیے اور وہ خوب کار ہو اور ابراہیم کے طریقہ
کی پیروی کرے جو اللہ کے لیے یکسو تھا اور
اللہ نے ابراہیم کو (اپنا دوست) ٹھیرایا۔"

پہلی آیت کریمہ کی یہ تفسیر پیش کرتے ہیں جس سے اسلام میں "عبادت" کے وسیع تصور کی حقیقت سامنے آتی ہے:

فالعمل الصالح هو
الإحسان وهو فعل الحسنات
والحسنات هي ما أحبه الله
ورسوله وهو ما أمر به
أمر إيجاب أو استحباب
فما كان من البدع في
الدين التي ليست
مشروعة فإن الله لا
يحبها ولا رسوله فلا تكون

عمل صالح (نیک کام) کا مطلب ہے
احسان (خوب کاری) یعنی بھلائیوں (حسنات)
کی انجام دہی حسنات ان تمام چیزوں کو شامل
ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں اور
یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اس نے بطریق وجوب
یا استحباب حکم دیا ہے۔ پس وہ چیزیں جو
دین میں گھڑ کر شامل کر لی گئی ہوں اور جن
کی مشروعیت کی کوئی سند نہ ہو تو یہ نہ اللہ
کو پسند ہیں نہ اس کے رسول کو۔ چنانچہ

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

من الحسنات ولا من	یہ بھلائی (حسنات) اور عمل صالح نہیں ہو
العمل الصالح کما أن	سکتیں جیسے کہ وہ شخص جو بدی بے حیائی
من یعمل مالا یجوز کا	اور ظلم و ناانصافی کے ناجائز کام کرتا ہے
لفواحش والظلم لیس	اس کا تعلق بھلائی (حسنات) اور نیک کام
من الحسنات ولا من	(عمل صالح) سے نہیں۔
العمل الصالح	
واما قولہ "وَلَا یُشْرِكْ	رہا اللہ تعالیٰ کا قول: اور چاہیئے کہ وہ
بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا" وقولہ	اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو، ساجھی
"وَاَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ" فھو	نہ کرے۔ نیز اس کا ارشاد کہ "جو اپنے کو اللہ
اخلاص الدین للہ	کے لئے جھکا دے"، تو اس کی حقیقت
وحدہٗ وکان عمر بن	اطاعت کو تنہا اللہ کے لیے خالص کر دینا
الخطابؓ یقول: اللّٰھم	ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ فرمایا
اجعل عملی کلہ صالحا	کرتے تھے کہ: خدایا میرا ہر عمل تیری مرضی
واجعلہ لوجھك خالصا	کے مطابق (صالح) ہو اور اسے تو تنہا
ولا تجعل لاحد فیہ	اپنی ذات کے لیے خالص کر دے۔ اس
شیئا [1]	طور پر کہ اس کے اندر کسی غیر کے لیے کوئی حصہ نہ رہے۔

اسلام کے مطلوبہ تصور عبودیت و دینداری میں پوری زندگی میں خدا تعالیٰ کی بے لاگ اطاعت اور اس کی ذات سے کمال درجہ محبت اور اس اطاعت و محبت سبھی کچھ شامل ہے۔ ان سب کے باہمی ربط و تعلق کو ایک دوسرے موقعہ پر وہ اس طرح واضح فرماتے ہیں:

وانما دین الحق ھو	دین حق کی صحیح پیروی یہ ہے کہ عبودیت
تحقیق العبودیۃ للہ بکل	(بندگی) کو بہمہ وجوہ اللہ کے لیے خالص کیا

---

[1] حوالہ مذکور۔

Marfat.com

وجه وهو تحقيق محبة بكل
درجة وبقدر تكميل العبودية
تكمل محبة العبد لربه و
تكمل محبة الرب لعبده و
بقدر نقص هذا يكون نقص
هذا وكلما كان في القلب حب
لغير الله كانت فيه عبودية
لغير الله بحسب ذالك
وكل محبة لا تكون لله
فهي باطلة وكل عمل
لا يراد به وجه الله فهو
باطل فالدنيا ملعونة
ملعون ما فيها الا ما كان
لله ولا يكون لله الا ما
احبه الله ورسوله و
هو المشروع فكل عمل
اريد به غير الله لم يكن
لله وكل عمل لا يوافق
شرع الله لم يكن لله بل
لا يكون لله الا ما جمع
الوصفين ان يكون لله
و ان يكون
موافقا لمحبة الله و

جائے دوسرے لفظوں میں جس کا مطلب ہے
کہ اللہ سے کمال درجہ کی محبت کی جائے عبودیت
میں جس درجہ کمال ہوگا اللہ سے بندے کی
محبت بھی اسی درجہ کامل ہوگی اور اسی کے
بقدر اللہ تعالیٰ بھی بندے سے کمال درجہ محبت
کرے گا۔ اس عبودیت میں جس قدر کمی ہوگی
بندے کی اللہ تعالیٰ سے اور اللہ کی بندے
سے محبت میں بھی اسی قدر کمی ہوگی۔ دل میں
جب کبھی غیر اللہ سے محبت ہوگی اس میں اسی کے
بقدر اس کی بندگی اور عبودیت بھی ہوگی حاصل
یہ کہ جو محبت اللہ کے لیے نہ ہو باطل ہے اور
ہر وہ عمل جس سے (خالص) اللہ کی رضا
مقصود نہ ہو باطل ہے پس یہ دنیا لعنت کے
قابل ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہے لعنت
کے قابل ہے۔ سوائے اس چیز یا کام کے جو
اللہ کے لیے ہو اور اللہ کے لیے وہی چیز ہو سکتی
ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہو۔
دوسرے لفظوں میں یہ کہ جسے شریعت کی سند
حاصل ہو۔ پس ہر وہ عمل جس سے (صرف) اللہ
مقصود نہ ہو وہ اللہ کے لئے نہ ہوگا۔ اسی طرح
کوئی بھی عمل جو شریعت کے مطابق نہ ہو وہ
اللہ کے لیے نہ ہوگا۔ اللہ کے لیے تو بس وہی
چیز ہوگی جس کے اندر دو باتیں پائی جائیں۔

Marfat.com

رسولہ وھوالواجب والمستحب کما قال: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا [1]

یہ کہ وہ (صرف) اللہ کے لیے ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی پسند کے مطابق ہو اور یہ چیز کبھی واجب ہو گی اور کبھی مستحب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو ساجھی نہ کرے۔"

فکر اسلامی کے دوسرے بے لاگ ترجمان امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ بھی سورۂ ذاریات کی زیر بحث آیت کریمہ کی یہی وسیع تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی آیت کریمہ میں 'عبادت الٰہی' کی جو بات کہی گئی ہے اس دائرۂ عقیدہ کی پختگی کے ساتھ پوری انسانی زندگی اور اس کے جملہ امور و مسائل کو محیط ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ موصوف تمام انبیاء علیہم السلام اور جملہ آسمانی کتابوں کا مرکز و محور قرار دیتے ہیں:

ان اللہ عزوجل ارسل رسلہ وانزل کتبہ وخلق السمٰوٰت والارض لیعرف ویعبد ویوحد ویکون الدین کلہ لہ والطاعۃ کلہا لہ والدعوۃ لہ کما قال تعالیٰ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" [2]

اللہ تعالیٰ نے جو اپنے تمام رسولوں کو بھیجا اور اپنی تمام کتابوں کو اتارا اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو اسی لیے تاکہ اسے پہچانا جائے اس کی بندگی اختیار کی جائے اور اسے پانے کی کوشش کی جائے۔ اور (زندگی کے تمام معاملات میں) تمام تر اسی کی پیروی کی جائے اور تمام تر اسی کی بات مانی جائے اور اسی کی طرف (دنیا کے تمام لوگوں کو) بلایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا تو اسی لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

---

[1] فتاویٰ مذکورہ: ۱۰/۲۱۳ [2] الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی/۸۸، ۸۹۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ بعض حضرات صوفیاء کی طرف سے زیر بحث آیت کریمہ میں 'عبادت' سے مراد جو 'معرفت' اور تخلیق انسانی کا مقصد 'معرفتِ الٰہی' قرار دیا گیا ہے (ہجویریؒ: کشف المحجوب/۱۶۲، مطبع پنجابی لاہور) بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

Marfat.com

اصول شریعت اور مقاصد شریعت کے نامور عالم علامہ شاطبی غرناطی بھی آیت زیر بحث میں لفظ 'عبادت'، کو اسی وسعت و عموم کا حامل قرار دیتے ہیں۔ موصوف کے نزدیک دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر رہنے کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی پوری اختیاری زندگی میں حق تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت اختیار کرے جس طرح کہ وہ زندگی کے اضطراری دائرے میں اس کا بہمہ وجوہ بندہ اور غلام ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ جب تک انسان کی تکوینی زندگی کے ساتھ وہ اپنی تشریعی زندگی کے تمام دائروں خدا کے احکام و مرضیات کا پابند نہ ہوجائے، دنیا کے اندر وہ اس کی عبادت و اطاعت کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ احکام شریعت کی پابندی اختیار کرنے سے شارع کا مطلوب و مقصود کیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ اپنی شاہکار کتاب 'الموافقات'، میں فرماتے ہیں:

المقصد الشرعي من وضع الشريعة اخراج المكلف عن داعية هواه حتى يكون عبد الله اختيارا، كما هو عبد الله اضطرارا [1]

(شریعت کے وضع کرنے سے شارع کا مقصد ہے کہ انسان کو خواہش نفس (ہوی) کے داعیہ سے آزادی حاصل ہوجائے۔ یہاں تک کہ وہ (اپنی پوری زندگی میں) اختیاری طور پر اللہ کا بندہ بن جائے، جس طرح کہ وہ (ایک خاص دائرے میں) اضطراری طور پر اللہ کا بندہ بننے کے لیے مجبور رہے)۔

اس کے بعد وہ اس کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ جس میں سر فہرست وہ آیت کریمہ ہے جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) حقیقی تصوف کے لذت آشنا علامہ ابن قیمؒ کے اس بیان سے اس کی حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے۔ 'عبادت' سے مراد 'معرفت'، اگر اس کے جوہر اور مغز کے اعتبار سے ہے تو کوئی حرج نہیں کہ زندگی میں جملہ اعمال خیر کی اصل و اساس حق تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے۔ ورنہ اس تفسیر کی صحت کے لیے تمام معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بے لاگ اطاعت اور پیروی کو شامل ماننا ضروری ہے جیسا کہ علامہ موصوف کی عبارت بالا میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ اس سے ہٹ کر مجرد اور منفعل معرفت ہے جس کا تمام تر مقصود معاملات زندگی سے کٹ کر بہر صورت اور علی الاطلاق صرف اور صرف تکمیل ذات اور محدود تزکیہ نفس ہو، آیت کریمہ میں 'عبادت' کی اس معرفت سے تفسیر درست نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جنوں اور انسانوں کی تخلیق اس 'معرفت' کے لیے عمل میں نہیں آئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شیخ ہجویریؒ کی اس تفسیر پر مزید تبصرے کے لیے: تصوف کی تین اہم کتابیں / ۲۸، ۲۹۔ از مولانا سید احمد عروج قادریؒ، ہندوستان پبلیکیشنز، نئی دہلی اشاعت اول مارچ ۱۹۹۳ء۔

[1] الموافقات فی اصول الشریعۃ: ۱۶۸/۲

والدليل على ذلك امور:	اس پر دلیل چند چیزیں ہیں:
(احدها) النص الصريح	(اول) نص صریح جس سے پتہ چلتا ہے کہ
الدال على ان العباد خلقوا	بندوں کو پیدا اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ خدا
للتعبد لله، والدخول	کے حضور سرفگندہ، اور (اپنے جملہ معاملاتِ زندگی
تحت امره ونهيه، كقوله	میں) اس کے اوامر ونواہی کے پابند ہو کر رہیں،
تعالى: (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ	جیسا کہ فرمایا: (اور میں نے جنوں اور انسانوں
وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	کو جو پیدا کیا تو اسی لئے وہ (بہمہ وجوہ) میرے
مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا	بندے بن کر رہیں، میں ان سے روزی کمانا
أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ)۔۔۔۔الخ [1]	نہیں چاہتا نہ یہ چاہتا کہ وہ مجھے (کما کر) کھلائیں)

اس کا مطلب ہوا کہ جس طرح انسان اپنی پوری اضطراری زندگی میں خدا کی مرضی پر عمل کرنے کا پابند ہے، چلنے کے لئے پاؤں، پکڑنے کے لئے ہاتھ، بولنے کے لئے زبان، سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھ، سونگھنے کے لئے ناک کے استعمال میں آدمی خدائی سنت کی پیروی کے لئے مجبور محض ہے، اسی طرح اپنی پوری زندگی اور اس کے جملہ معاملات میں جہاں اسے اپنے آزاد ارادے اور مرضی کے استعمال کی گنجائش ہے، جب تک وہ اپنے کو پورے طور پر خدائی احکام و مرضیات کے آگے ڈال نہیں دیتا، اس وقت تک وہ خدا کی عبادت اور بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

دورِ حاضر کے عظیم مفسرِ قرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ "عبادت" کو عملِ صالح کا نقطۂ عروج قرار دیتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک عملِ صالح کے اندر انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام اعمال شامل ہیں جن سے انسان کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہو اور اس کی فطرت میں ودیعت خفیہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں۔ دنیا میں انسان کے پیدا کیے جانے کا یہی مقصد ہے جسے مختلف الفاظِ قرآن کی دوسری بے شمار آیتوں کی طرح سورۂ ذاریات کی آیت زیرِ بحث میں بھی لفظ "عبادت" سے واضح کیا گیا ہے۔ العصر کی شاہکار تفسیر میں علامہ موصوف کے الفاظ ہیں:

---

[1] حوالہ سابق: ۱۶۸، ۱۶۹۔

Marfat.com

"عملوا الصلحت" قول
جامع لاشتات الاعمال
الحسنة وهذا ظاهر
ولكن للفظ دلالة على
حكمة عظيمة وهي
ان الحسنات لما سماها
الله صالحات علم
الانسان بذلك ان
فيها صلاح حاله و
قوام امره في معاشه
ومعاده وافراده و
وجماعته وجسمه و
عقله وقلبه فالعمل
الصالح مابه حياة
الانسان ونماءه حسبما
اودع الله في فطرته و
استعداد خلقته فبه
يتم غاية وجوده
حتى ينتهي الى كماله
وهو المراد بفطرة
الانسان كما قال تعالى
" لقد خلقنا الانسان

آیت کریمہ "الا الذین آمنوا وعملوا
الصالحات الخ" میں "عملوا الصالحات" ایک
جامع بات ہے جو نوع بہ نوع بھلائی کے
کاموں کو حاوی ہے۔ یہ چیز بالکل ظاہر
ہے۔ لیکن اس لفظ کے اندر ایک بڑی
حکمت پر دلالت پائی جاتی ہے۔ اور وہ
یہ کہ بھلائیوں "حسنات" کو جب اللہ تعالیٰ
نے "صالحات" کا نام دیا ہے تو اس سے
انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے اندر
اس کی بہتری احوال اور اس کی معاش ومعاد
افراد کی سطح پر بھی اور جماعتی طور پر بھی، جسمانی
لحاظ سے بھی اور عقل وقلب کے لحاظ سے بھی
ہر نوع اس کے معاملہ کی درستگی کا انحصار اسی پر
ہے۔ پس عمل صالح، وہ ہوا جس سے انسان کی
زندگی اور اس کی نشوونما اس کے اندر سے
ہو سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت
میں ودیعت کیا اور اس کی ساخت میں
صلاحیت رکھی ہے۔ پس اسی کے ذریعہ اس
کے مقصد وجود کی تکمیل ہوتی ہے یہاں تک
کہ وہ اپنے آخری نکتہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔
انسان کی فطرت، سے یہی مراد ہے جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

Marfat.com

فی احسن تقویم"، وھو المراد من العبادۃ کما قال "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ٥ ای بطاعتی وبھا صلاح نفسہ وسائر الخلق ؎	فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم، اور ہاں ہم نے انسان کو پیدا کیا بہترین ساخت پر۔ اور اس آیت کریمہ میں عبادت سے بھی یہی مراد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ، اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے کہ میری عبادت (بندگی) کریں یعنی (جملہ معاملات زندگی میں) میری پیروی واطاعت کے ذریعہ۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے خود اس کی ذات اور بقیہ پوری انسانیت کی بھلائی اور بہتری وابستہ ہے۔

سورۂ ذاریات کی تفسیر میں آیت زیر بحث کے تحت علامہ نے اس نکتہ کی مزید وضاحت کی ہے جہاں وہ جنوں اور انسانوں کے مقصد تخلیق کے بیان میں ان کے دین و دنیا کی تمام حسنات سے متمتع ہونے کو شامل قرار دیتے ہیں جس کے لازمی تقاضے کے طور پر انسان کے لیے سعادت و کامرانی کے حصول کے لئے رب کی بندگی کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں بہمہ وجوہ اس کے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ یہاں تک کہ وہ ترقی اور کمال کے آخری نکتہ تک پہنچ جائے آیت کی اس جامع و مانع تشریح کے خاص طور پر خط کشیدہ جملوں پر نظر ڈالئے:

"آقا جس طرح اپنے خدام سے مختلف قسم کی خدمتیں لیا کرتے ہیں، یا یہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے فراہمی رزق اور قوت اور شوکت کا ذریعہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اس طرح کے کسی مقصد کے لئے نہیں پیدا کیا ہے۔ رزق اور معیشت کے سارے وسائل وہ خود اپنے بندوں کے لئے فراہم کرتا ہے۔ وہ کسی پہلو سے ان کی طرف سے کسی خدمت یا مدد کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس نے انسانوں کو پیدا کرکے بس یوں

؎ تفسیر سورۃ العصر / ۱۴، ۱۵۔ فیض عام علی گڑھ ۱۳۲۶ھ

ہی انھیں چھوڑ دیا ہے۔ اور اب ان سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بے شبہہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی کسی غرض کے لئے نہیں پیدا کیا ہے۔ کیونکہ وہ ہر احتیاج سے بالاتر ہے۔ لیکن اس نے انسانوں کو اس لئے ضرور پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے قرب کی سعادت حاصل کر کے دین و دنیا کی تمام حسنات سے متمتع ہوں۔ جو شخص معاملہ کے اس پہلو پر غور کرے گا اس سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ انسان کی تمام سعادت و کامرانی اس بات کے اندر مضمر ہے کہ وہ اپنے رب کی بندگی اور اس کے احکام کی تعمیل کرے کیونکہ اس نے انسانوں کو انہی باتوں کا حکم دیا ہے۔ جن میں خود ان کی اپنی صلاح و فلاح ہے۔ اور درحقیقت یہی وہ اصل مقصود ہے جس کے لئے انسان کو وجود بخشا گیا ہے۔ انسان کی خلقت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے لئے کمال کی راہیں کھولی جائیں۔ یہ کمالات خود اس کے وجود کے اندر ودیعت ہیں جو اس کی خلقت سے ظہور میں آتے ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ قوت سے فعل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ پھر ان سے دوسرے کمالات ظہور میں آتے ہیں یہاں تک کہ انسان آہستہ آہستہ ترقی اور کمال کے آخری نقطہ تک پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ	جو شخص عزت کا طالب ہو تو (اسے چاہیئے
فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا	کہ اللہ کے پاس عزت حاصل کرے۔ کیونکہ)
اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ	عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ	پاکیزہ کلمے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور
(فاطر: ۱۰)	عمل صالح اس کو بلند کرتے ہیں۔[۱]

زیر بحث سلسلۂ آیات کے آخری ٹکڑے 'ذوالقوۃ المتین' کی تفسیر میں وہ آیت بالا کو ایک دوسری بالکل نئی جہت سے آشنا کرتے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ کی اپنی ہم مضمون آیت کی روشنی میں یہ آیت دعوت دین کی جدوجہد کی آیت قرار پا جاتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اپنی ذات تک

۱؎ تفسیر سورۂ ذاریات ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی ۱۳۰/ ۱۳۱۔ دائرۂ حمیدیہ۔ طبع اول۔

Marfat.com

بندگی رب کے تقاضوں میں محدود نہ ہو کر یہ آیت پوری انسانیت کو خدا آشنا بنانے اور جملہ معالات زندگی میں اس کی حکمرانی کا علم بلند کرنے کا پیغام دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ" بھی دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ایک یہ کہ جنات اور انسان خدا کے ساتھ اس نوعیت کا تعلق نہیں رکھتے جس نوعیت کا تعلق خدام اپنے مالکوں اور غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ رکھتے ہیں کہ ان کی فراہمی رزق کی تمام سرگرمیوں اور ان کی عزت و شوکت کی تمام نمائشوں کا انحصار ان کے خدام ہی پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ خدمت سے انکار کر بیٹھیں تو ان کی خدائی کا سارا قصر ہی مسمار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مدد سے بالکل مستغنی ہے۔ اس کی سلطنت خود اپنے بل پر قائم ہے۔ اس کو نہ کسی کی مدد و اعانت کی احتیاج ہے اور نہ کسی کی ممانعت اس کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر ان لوگوں کو کچھ مدت کے لئے مہلت دیتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کی گرفت سے باہر ہو گئے۔ وہ ہر وقت اس کے قابو میں ہیں۔ وہ جب چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے۔ اپنی اسی قوت اور قدرت کی وجہ سے وہ لوگوں کو پوری ڈھیل دیتا ہے کیونکہ اس کو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نکل جائے گا۔[1]

آگے وہ اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اس کی روشنی میں اگر "وما خلقت الجن والانس" سے لے کر "المتین" تک کے ٹکڑے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ٹکڑا منکرین سے متعلق اور اسی طرح پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق دو باتیں ہمارے سامنے لاتا ہے۔ منکرین سے متعلق اس سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک خاص مدت تک کے لئے ان کو ڈھیل دی جاتی ہے اس کے بعد پھر ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو حق کی تبلیغ کریں اور ان کے ایمان لانے

---

[1] حوالہ سابق/۱۳۲، ۱۳۳۔

اور نہ لانے کی پریشانی میں اپنے کو مبتلا نہ کریں اور یہ کہ جو وقت دعوت سے بچے وہ نماز اور ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح میں صرف کریں۔

اس مضمون کی وضاحت ان آیات سے بھی ہوتی ہے جو اسی مضمون کی ہیں اور قرآن دوسری جگہ وارد ہیں مثلاً:۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ	اور تم اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ	اور اس پر جمے رہو۔ ہم تم سے رزق رسانی
رِزْقًا، نَحْنُ نَرْزُقُكَ	کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ہم تم کو روزی دیتے
وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى	ہیں اور انجام کار کی کامیابی تقویٰ کے لئے
(طٰہٰ: ۱۳۲)	ہے[1]

دوسرے موقع پر بھی علامہ موصوف عبادت، کو پوری انسانی زندگی پر حاوی قرار دیتے ہیں۔ قرآن حکیم پر اپنے غیر مطبوعہ حواشی میں آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان هذه الآية لها شان	یہ آیت کریمہ بہت ہی مہتم بالشان ہے۔
كبير فانها تخبر عن	اس لئے کہ یہ (دنیا میں) انسان کی تخلیق کی
غاية خلقة الانسان	غرض و غایت کا پتہ دیتی ہے۔ اور انسان
وعبادة الانسان اطاعته	کی عبادت اللہ کے لئے اس کی (ہمہ وجوہ)
لله كالعبد الذى جعل	اطاعت و پیروی کا نام ہے۔ اس کی مثال
مولاه خليفته فهو	بالکل اس غلام کی سی ہے جسے اس کے
فى حكومته ليس الا	آقا نے اپنا جانشین ٹھہرایا ہو۔ یہی معاملہ
كالعبد الطائع لامر به	بالکل انسان کا ہے کہ وہ اللہ کی (پھیلی ہوئی)
وليس العابد من يصلى	سلطنت میں اس غلام کے مانند ہے جو (ہمہ
ويصوم ولكن العابد	وجوہ) اپنے آقا کے حکم کی فرماں برداری
من اطاع الله فى كل	کرنے والا ہو۔ عابد وہ نہیں ہے جو (صرف) نماز

[1] حوالہ مذکور/۱۳۳، ۱۳۴۔

تقلبہ وذکر اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنبہ [1]

روزے کا فرض بجا لادے۔ بلکہ عابد وہ ہے جو اپنی پوری زندگی میں اللہ کی پیروی کرنے والا ہو۔ اور کھڑے، بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد اس کے دل میں بسی ہو۔

زمانۂ حال کے مفسرین میں سید قطب شہیدؒ نے 'عبادت' کے دائرے کو مزید وسعت دی ہے۔ اور اسے انسان کے خلاف ارضی اور نفاذ شریعت کے وسیع اور ہمہ گیر فریضہ منصبی کے قائم مقام بتایا ہے۔ آیت زیر بحث کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

ومن ثم یبرز الجانب الآخر لتلك الحقیقة الضخمة ویتبین ان مدلول العبادة

یہاں سے اس بڑی حقیقت کا ایک دوسرا پہلو ابھرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ضروری ہے کہ (آیت زیر بحث میں) عبادت

---

[1] حواشی الفراہی علی القرآن المجید، سورۂ ذاریات۔ غیر مطبوع

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی ایک موقع پر زیر بحث آیت کریمہ میں عبادت کا ترجمہ اطاعت ہی سے کیا ہے۔ 'اور میں نے جن اور انسان کو اس لیئے پیدا کیا کہ وہ میری اطاعت کریں۔ سیرۃ النبیؐ: ۲۳/۴۔ دوسرے موقع پر انھوں نے 'عبادت' کے معنی بتائے ہیں" اسلام میں لفظ 'عبادت' کو بڑی وسعت حاصل ہے، اس کے اندر ہر وہ کام داخل ہے جس کی غرض خدا کی خوشنودی ہو، اس لئے اخلاق و معاملات بھی اگر خوش نیتی کے ساتھ کئے جائیں تو وہ 'عبادت' میں داخل ہیں۔ سیرۃ النبیؐ: ۵/۷، طبع بار دوم۔ ایک اور جگہ وہ آیت زیر بحث کی یہ تفسیر پیش کرتے ہیں" قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی غرض بتادی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (میں نے انسان اور جن کو اسی لئے بنایا کہ وہ میری بندگی کریں) اس کی حیثیت اس ایجنٹ کی ہے جس کا فرض صرف اپنے مالک کے احکام کی تنفیذ ہے، اس کے ہاتھ میں شریعت الٰہی کا فرمان ہے، اس کے احکام کو خود بجا لانا اور ساری دنیا کو اس کے بجا لانے پر آمادہ کرنا اس کا سب سے بڑا فرض ہے، وہ صرف اپنے مالک کی مرضی کا تابع اور اس کے حکم کا بندہ ہے"، سیرۃ النبیؐ: ۷/۱۶۴۔ طبع پنجم ۱۹۸۵ء۔

Marfat.com

لابد ان يكون اوسع و اشمل من مجرد اقامة الشعائر، فالجن والانس لا يقضون حياتهم في اقامة الشعائر، والله لا يكلفهم هذا وهو يكلفهم الوانا اخرى من انشاط تستغرق معظم حياتهم وقد لا نعرف نحن الوان انشاط التي يكلفها الجن ولكنا نعرف حدود انشاط المطلوب من الانسان نعرفها من القرآن من قول الله تعالى "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً"، فهي الخلافة في الارض اذن عمل هذا الكائن الانساني وهي تقتضي الوانا من انشاط الحيوي في عمارة الارض والتعرف الى قواها و طاقاتها وذخائرها و مكنوناتها وتحقق ارادة

کے مدلول کا دائرہ معروف دینی شعائر کے کے قیام سے زیادہ وسیع اور گہرا مانا جائے۔ اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جنات اور انسان اپنی پوری زندگی محض ان شعائر کی اقامت میں نہیں گزارتے اور اللہ نے انہیں صرف اسی کا مکلف نہیں ٹھہرایا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ اس نے ان کی دوسری مصروفیات اور ذمہ داریاں بھی قرار دی ہیں۔ اور ان کی زندگی کا بڑا حصہ ان کی ادائیگی میں بسر ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جنوں کی ٹھہرائی گئی ذمہ داریوں کا ہمیں کچھ زیادہ علم نہیں۔ لیکن انسان کی مطلوبہ ذمہ داریوں کو ہم بخوبی جانتے ہیں۔ قرآن سے ہمیں یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے کہ "اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا ہوں"، معلوم ہوا کہ زمین کی یہ نیابت ہی انسانی وجود کا مطلوبہ وظیفہ حیات ہے۔ جس کے تقاضے میں زندگی کی متنوع مصروفیات شامل ہیں زمین کی آبادکاری اس کی پوشیدہ قوتوں اور صلاحیتوں اور اس میں مدفون ذخائر اور وسائل کی کھوج پھر ان کے استعمال، ان کی ترقی اور ان کی حیات بخشی

Marfat.com

الله فی استخدامہا و	کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش جس
تنمیتہا وترقیۃ الحیاۃ	سے ان کے تئیں اللہ تعالیٰ کے منشا اور اس
فیہا کما تقتضی الخلافۃ	کی مرضی کو عملی روپ دھارنے کا موقع مل سکے۔
القیام علی شریعۃ الله	نیابت الٰہی کا دوسرا تقاضا ہے کہ زمین پر خدائی
فی الارض لتحقیق المنہج	شریعت کا قیام عمل میں آئے اور پوری دنیا
الالٰہی الذی یتناسق	میں وہ تشریعی اسلام عملاً برپا ہو جائے جو اس
مع الناموس الکونی	کائنات کے اندر جاری تکوینی اسلام سے
العام لہ	پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

اس کے بعد وہ اس بحث کو دو نکتوں میں سمیٹے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ومن ثم یتجلی ان معنی	اس سے واضح ہوا کہ عبادت، جو انسان
العبادۃ التی ہی غایۃ	کا مقصد وجود ہے یا دوسرے لفظوں میں
الوجود الانسانی او التی	انسان کا اولین وظیفۂ حیات ہے اس
ہی وظیفۃ الانسان الاولی	کا دائرہ مجرد دینی شعائر سے بہت زیادہ
اوسع واشمل من	وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ نیز یہ کہ خلافِ ارضی کی
مجرد الشعائر وان وظیفۃ	ذمہ داری 'عبادت' کے مدلول میں قطعی طور
الخلافۃ داخلۃ فی مدلول	پر شامل ہے۔ پس عبادت کی حقیقت دو کلیدی
العبادۃ قطعا وان حقیقۃ	صورتوں میں جلوہ گر ہے۔
العبادۃ تتمثل اذن فی	اول یہ کہ بندگی (عبودیت) کی حقیقت
امرین رئیسین الاول:	انسان کے باطن میں اچھی طرح جاگزیں ہو
ہو استقرار معنی العبودیۃ	جائے یعنی کہ دل میں یہ احساس پورے
للہ فی النفس ای استقرار	طور پر گھر کر جائے کہ ایک بندہ ہے اور
الشعور علی ان ہناک	ایک رب، بندہ جو بندگی بجالائے اور

لہ فی ظلال القرآن : ۲۷/۲۸

Marfat.com

عبد او رباعبد ایعبد و
ربا یُعبد وان لیس هناك
الا هذا الوضع وهذا الاعتبار
لیس فی هذا الوجود الا عابد
ومعبود والا رب واحد والکل
له عبید والثانی هو التوجه
الی الله بکل حرکة فی الضمیر
وکل حرکة فی الجوارح وکل
حرکة فی الحیاة التوجه بها الی الله
خالصة والتجرد من کل شعور آخر ومن
کل معنی غیر معنی التعبد لله [1]

رب جس کی بندگی بجا لائی جائے اس سے
ہٹ کر کوئی دوسری چیز نہیں یہی ایک بات
اور یہی ایک حقیقت ہے۔ اس کائنات کے
اندر دو کے علاوہ کوئی نہیں۔ بندگی کرنے
والا، دوسرا وہ جس کی بندگی کی جائے۔
دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایک رب ہے بقیہ
تمام اس کے بندے ہیں۔ دوم یہ کہ دل وضمیر
کی ہر حرکت اللہ کی طرف رخ کر کے ہونے
لگے۔ بہمہ وجوہ توجہ صرف اللہ کی طرف رہ جائے
بندگی رب کے علاوہ دوسرے تمام احساسات و
خیالات بلکہ ہر بات سے ذہن بالکل یکسو ہو جائے۔

اور آخر میں پوری بحث کا خلاصہ یہ بیان کرتے ہیں:۔

بهذا وذالك یتحقق معنی
العبادة ویصبح العمل والشعائر
کعمارة الارض وعمارة الارض
کالجهاد فی سبیل الله و
الجهاد فی سبیل الله کا
لصبر علی الشدائد
والرضی بقدر الله ....
کلها عبادة، وکلها تحقیق
للوظیفة الاولی التی خلق

ان تمام تقاضوں کے بعد ہی عبادت
کی حقیقت عملی روپ دھارتی ہے۔ جس
کے نتیجے میں آدمی کا روزمرہ کا کام دینی شعائر
کی طرح، دینی شعائر زمین کی آبادکاری کی
طرح اور زمین کی آبادکاری اللہ کے راستے میں جہاد کی
طرح ہو جاتی ہے اور اللہ کے راستہ میں جہاد
بالکل ویسا ہی ہے جیسے کہ آدمی کا زندگی کی
مصائب ومشکلات پر صبر کرنا اور اللہ کی
ٹھہرائی ہوئی تقدیر پر راضی ہونا۔ یہ سبھی
چیزیں عبادت ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ ان

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

اللہ الجن والانس لہما،	سب کا مقصد اس اولین اور بنیادی نصب
وکلہا خضوع للناموس	انھیں کو روبکار لانا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ
العام الذی یتمثل فی	نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ حق
عبودیۃ کل شئی للہ	تعالیٰ کی یہ تشریعی بندگی ایسی ہی ہے جیسے کہ
دون سواہ [1]	کائنات کا ذرہ ذرہ تکوینی طور پر اس کی بندگی
	اور اطاعت میں لگا ہوا ہے۔

زیر بحث آیت کریمہ کی تفسیر میں سلف سے لے کر خلف تک حضرات مفسرین کرام اور علماء امت کی یہ تصریحات اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ اسلام خدا تعالیٰ کے جس آخری دین سے عبارت ہے اس کی نمائندہ کتاب الٰہی مذہبیت و دین داری کے کس وسیع تصور کی حامل ہے اور کس طرح انسان ہی نہیں اس کی ہم رتبہ دوسری مخلوق جن بھی حق تعالیٰ کی پرستش و نیازمندی کے ساتھ اپنی پوری زندگی اور اس کے جملہ معاملات و مسائل میں اس کے احکام و مرضیات کی بے لاگ پیروی کے ذریعہ ہی اس کی عبادت کا حق ادا کر سکتی اور اس طرح اپنے مقصد تخلیق اور اپنے مقصدِ وجود کے تقاضوں کو ادا کر سکتی ہے۔

---

[1] حوالہ مذکور

دعوت انبیاءؑ کی شہادت

بندگئ رب کا یہ وسیع اور ہمہ گیر تصور جس کے نتیجے میں پوری انسانی زندگی میں خدائی احکام و مرضیات کی بے لاگ پیروی لازم قرار پاتی ہے اور انسان کے لیے جائز نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنی زندگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی مرضیات الٰہی سے صرف نظر کر کے، حرکت کر سکے، یہ کچھ اسلام کا تفرد نہیں بلکہ یہ وہ پیغام ہے جسے ابتدائے انسانیت ہی سے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں ـــــ حضرات انبیاء علیہم السلام ـــــ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچاتا رہا ہے۔ مرضیات الٰہی کے آخری ایڈیشن ـــــ قرآن ـــــ میں ان کا یہ پیغام اور دعوت تمام و کمال محفوظ ہے۔ جسے تفصیل اور تکمیل کا قالب عطا کر کے رہتی دنیا تک کے لیے اس چشمۂ صافی سے فیض یاب ہونے کا راستہ اس نے آسان کر دیا ہے۔ مختلف ادوار میں ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی کیا دعوت رہی؟ انھوں نے لوگوں کو کس چیز کی طرف بلایا اور کس راستے پر گامزن ہونے کی انھیں تلقین کی؟ انسانوں سے ان کا کیا مطالبہ تھا اور کس طرز زندگی کا انھوں نے ان سے تقاضا کیا، قرآن نے اس موضوع کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے تمام اطراف و جوانب کو ایک ایک کر کے واضح کیا ہے۔ پس ان حضرات انبیاء علیہم السلام کا جو پیغام تھا اور جس چیز کی یہ لوگوں کو دعوت دینے والے تھے یہی اسلام کا مذہبیت اور دینداری کا تصور ہے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نئے دین اور نئے مذہب کے بانی نہیں بلکہ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی تھے جو آپ سے ہزاروں سال پہلے بلکہ ابتدائے آفرینش ہی سے قائم چلا آتا تھا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

Marfat.com

آپ کی زبانی اس حقیقت کا بار بار اعلان کرایا گیا:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف:۹) کہہ دو میں کوئی نیا انوکھا رسول نہیں۔

اور آخر میں یہ فیصلہ سنایا گیا کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب:۴۰) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ایک اصولی حقیقت کا اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہر کتاب کی طرح قرآن حکیم کا بھی ایک مخصوص انداز بیان ہے۔ جسے پوری طرح ملحوظ رکھے بغیر اس کے منشا و مفہوم کو صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا ہے اور دراصل یہی وہ نکتہ ہے جس کی عدم رعایت کے نتیجے میں اغیار ہی نہیں اسلام کے نام لیوا امت کے ایک بڑے طبقے کے اندر بھی اسلامی تصور مذہب کے تئیں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں اور شکوک و شبہات کے کثیف بادل اس کے گرد منڈلاتے رہے ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ انداز بیان ہے اس کا اجمال اور تفصیل کا مخصوص طریقہ۔ جس میں وہ عام کتابوں کی طرح ایک موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں کو ایک ہی جگہ بیان نہیں کرتا بلکہ موقع کی مناسب سے ایک موضوع کے مختلف گوشوں کو مختلف مقامات پر اور مختلف انداز سے اسلوب بدل بدل کر روشنی میں لاتا ہے:

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (ہود:۱) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مختصر گٹھی رکھی گئیں پھر ان کی تفصیل کی گئی حکمت والی باخبر ذات کی طرف سے۔

یہی وجہ ہے جو علمائے تفسیر نے تفسیر قرآن کا سب سے عمدہ اور صحیح طریقہ یہ قرار دیا ہے کہ:

ان یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان فانہ قد فسر فی موضع آخر، وما اختصر من یہ کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ اس لئے کہ جو بات اس میں ایک جگہ اجمال کی صورت میں ہے دوسری جگہ اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ جو بات ایک جگہ اختصار

مکان فقد بسط فی | کی شکل میں ہے دوسری جگہ اسے پوری
موضع آخر[1] | طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

دعوت انبیاء کا جامع ترین عنوان

اس اصولی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے پیغام کا جائزہ لیتے ہیں تو وہاں بھی کلام کا یہ انداز خاص طور پر ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان حضرات گرامی کے پیغام اور ان کی دعوت کا سب سے زیادہ مختصر اور جامع عنوان 'عبادت' یعنی غیر اللہ کا انکار اور ایک خدا کی بندگی اور اس کی بے لاگ اطاعت ہے۔ سورۂ اعراف میں حضرات نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کی دعوت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن نے ان سب کا پیغام یہی نقل کیا ہے کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ | یہ کہ تم (ایک) اللہ کی بندگی کرو۔ اس
مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ[2] | کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

اسی طرح سورۂ ہود میں حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کی دعوت کے ذیل میں قرآن ان سب کے پیغام کا خلاصہ انہی چند لفظوں میں پیش کرتا ہے:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ | اے لوگو! (ایک) خدا کی بندگی کرو۔
مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ[3] | اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

دوسرے مقام پر حضرات موسیٰ و ہارون، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا، یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ذکر کے بعد ان سب کا پیغام اور دعوت بھی اس نے یہی قرار دیا کہ:

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳۔ ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد۔ طبع مذکور۔ نیز ملاحظہ ہو: اتقان: ۲/۱۷۵، ۱۷۶، مطبعہ ازہریہ، مصر، طبعہ ثانیہ ۱۹۲۵ء[2] آیات ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵۔

[3] آیات ۵۰، ۶۱، ۸۴۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ (انبیاء: ۹۲)	یہ ہے تمہارا طریقہ، ایک ہی طریقہ اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی بندگی کرو۔

اور آخر میں صراحت کردی کہ ان کے علاوہ بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، بلا استثناء ان سب کا پیغام اور دعوت یہی تھی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (ایضاً: ۲۵)	اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تو انھیں ایک ہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ سو تم میری ہی بندگی کرو۔

طاغوت سے اجتناب

اس کے بعد قرآن دعوت انبیاء کے اس اجمال کی تفصیل مختلف انداز سے کرتا ہے مثال کے طور پر سورہ نحل میں وہ اللہ کی عبادت کو طاغوت سے اجتناب کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (آیت: ۳۶)	اور ہم نے ہر قوم میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا (یہ پیغام دیکر) کہ (لوگو ایک) اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچ کر رہو۔

جبکہ یہی وہ روش ہے جسے اپنا کر انسان حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرسکتا اور بارگاہ ایزدی سے اپنے کو عمدہ انجام کی بشارت کا مستحق بنا سکتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ (زمر: ۱۷)	اور جو لوگ طاغوت سے بچ کر رہے کہ اس کی بندگی کریں اور اللہ کی طرف جھکے۔ ان کے لیے خوش خبری ہے تو میرے (ایسے) بندوں کو خوشخبری سنا دو۔

اس مقام پر علامہ ابن جریر طبریؒ نے آیت کی یہ مختصر تشریح کرتے ہوئے:

Marfat.com

والذین اجتنبوا الطاغوت،	اور وہ لوگ جو طاغوت سے بچیں، یعنی ہر
ای اجتنبوا عبادۃ کل ما عبد من	اس چیز سے بچیں جس کی اللہ کو چھوڑ کر بندگی
دون اللہ من شیئ [1]	کی جاتی ہے۔

'طاغوت' کے سلسلے میں اپنی سابقہ تحقیقات کا حوالہ دیا ہے نیز یہ کہ اس سے یہاں مراد 'شیطان' ہے اور یہاں اور اس کے علاوہ جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اس کے معنی ایک ہی ہیں[2]۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ان دو جگہوں کے علاوہ چھ[4] مقامات پر آیا ہے[3]۔ علامہ موصوف نے سورۂ نسار کی آیت:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا	کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں (اہل کتاب)
مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ	کو جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ وہ
وَالطَّاغُوْتِ (آیت: ۵۱)	ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت پر۔

میں 'جبت' اور 'طاغوت' کی تشریح میں ایک قول مجاہد کا یہ نقل کیا ہے:

یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ	وہ ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت
قال الجبت السحر والطاغوت	پر، فرمایا 'جبت' جادو ہے۔ اور طاغوت
الشیطان فی صورۃ انسان	کے معنی ہیں شیطان بصورت انسان جس
یتحاکمون الیہ وھو	کی طرف لوگ اپنے فیصلوں میں رجوع
صاحب امرھم [5]	کریں اور وہی ان کا کل مالک و مختار ہو۔

اس کے بعد موصوف اس سلسلے کے دوسرے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی ترجیحی رائے ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

قال ابو جعفر والصواب	ابو جعفر نے کہا کہ میرے نزدیک 'یومنون
من القول فی تاویل 'یومنون	بالجبت والطاغوت' (اور وہ ایمان رکھتے

---

[1] جامع البیان: ۳/۲۳، ۱۲۱: مطبعہ کبریٰ امیریہ۔ بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ [2] حوالہ سابق [3] بقرہ: ۲۵۶، ۲۵۷، نسار: ۵۱، ۶۰، ۷۶، مائدہ: ۶۰ [5] جامع البیان: ۵/۷۸۔ مطبعہ میمینہ، مصر۔

Marfat.com

بالجبت والطاغوت، ان
يقال يصدقون بمعبودين
من دون الله يعبدونهما
من دون الله ويتخذونهما
الهين، وذالك ان الجبت
والطاغوت اسمان لكل معظم
بعبادة من دون الله او
طاعة او خضوع له كائنا
ماكان ذالك المعظم من
حجر او انسان او شيطان
واذا كان ذالك كذالك و
كانت الاصنام التي كانت
الجاهلية تعبدها كانت
معظمة بالعبادة من دون
الله فقد كانت جبوتا و
طواغيت وكذالك الشياطين
التي كانت الكفار تطيعها
معصية الله وكذالك الساحر
والكاهن اللذان كان
مقبولا منهما ماقالا في اهل
الشرك بالله وكذالك حي
بن اخطب وكعب الاشرف
لانهما كانا مطاعين في اهل

ہیں جبت اور طاغوت پر، کی تاویل میں
صحیح قول یہ ہے کہ کہا جائے وہ اللہ کے سوا
دوسرے دو معبودوں کی تصدیق کرتے ہیں
جن کی وہ بندگی کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر
اور انھیں اپنا معبود گردانتے ہیں۔ اس
کی تفصیل یہ ہے کہ جبت اور طاغوت نام
ہے ہر اس قابل احترام وجود کا جس کی
اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جائے یا اس کی پیروی
اور سرفگندگی اختیار کی جائے۔ بلا لحاظ
اس کے کہ یہ قابل احترام وجود کیا ہے،
پتھر، انسان یا شیطان۔ جب معاملہ کی صورت
یہ ہے تو وہ بت جن کی زمانۂ جاہلیت کے
لوگ پرستش کرتے تھے اور جو اللہ کو چھوڑ
کر بندگی کئے جانے کے سبب حد درجہ
قابل احترام تھے تو ان کا شمار جبتوں اور
طاغوتوں میں ہوا۔ اسی طرح وہ شیاطین
جن کی کفار اللہ کی نافرمانی میں پیروی کرتے
تھے۔ نیز وہ جادوگر اور کاہن جو اہل شرک
کے ہاں جو کہہ دیں اسے حرف بحرف صحیح
سمجھا جاتا تھا، یہ بھی انہی جبت و طاغوت
میں شامل ہوئے، یہی حال حی بن اخطب
اور کعب بن اشرف کا ہے اس لیے کہ اللہ
کی نافرمانی اور اس کے اور اس کے رسول

Marfat.com

ملتهما من الیھود فی معصیۃ اللہ والکفر بہ وبرسولہ فکانا جبتین وطاغوتین [1]	کے انکار میں، ان کی قوم کی بلاچون وچرا پیروی کی یہ دونوں بھی (اسی طرح) جبت اور طاغوت ہوئے۔

جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن جب "غیر اللہ، کا انکار اور ایک خدا کی "بندگی اور عبادت، کی بات کہتا ہے تو اس کے مضمرات کتنے گہرے اور اس کا دائرہ کتنا وسیع ہوتا ہے۔ اس کا مطلب محض بتوں اور مورتوں کی پوجا پاٹ سے اجتناب ہی نہیں ہوتا بلکہ خدا سے دور اور اس سے منحرف کرنے کی جتنی صورتیں بھی ممکن ہیں اور یہ کام جن مختلف ذرائع سے انجام پاتا ہے اور جو طاقتیں بھی اس شامل ہیں، غیر اللہ کے انکار کے سلسلے میں ان سب سے اجتناب لازم ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کسی دیوی دیوتا کا علامتی مظہر بت اور مورتی ہے یا کوئی زندہ انسان یا انسانوں کی کوئی ایسی جماعت جو دوسرے انسانوں کو راہ خدا سے ہٹا کر مختلف پگڈنڈیوں پر ڈال دیتی اور اس طرح عملاً دنیا میں اپنی خدائی کا سکہ جمانے کے درپے ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جو سورۂ زمر کی آیت بالا کے معاً بعد خدا تعالیٰ کی خوشخبری پانے والے بندوں کا وصف قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ:

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱۸)	وہ جو (قرآن کی) بات کو دھیان سے سنتے ہیں پھر اس اچھی سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے راہ بتائی اور یہی سمجھ والے ہیں۔

عبادت اور اطاعت

۲ ـــــ دوسرے مقامات پر قرآن عبادت کے ساتھ "بے آمیز عبادت، کو ایک شرط لازم کی

---

[1] حوالہ سابق صفحہ ۷۹۔

یت سے پیش کرتا ہے۔ سورہ بینہ میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین ہر ایک سے اسی بے لاگ مطالبہ کا ذکر ہوا کہ:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (۵)	اور انھیں جو حکم دیا گیا تو بس اس کا کہ (ایک) اللہ کی بندگی کریں، اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:

يقول تعالى ذكره وما امروا هولاء اليهود والنصارى الذين هم اهل الكتاب الا ان يعبدوا الله مخلصين له الدين يقول مفردين له الطاعة لا يخلطوا طاعة ربهم بشرك [1]	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان یہود و نصاریٰ کو جو کہ اہل کتاب ہیں اس کے سوا دوسری بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ (صرف ایک) اللہ کی بندگی کریں۔ مخلصین لہ الدین، (اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے) یعنی اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اس طور پر کہ وہ اپنے رب کی اطاعت کے ساتھ شرک (وغیرہ) کی کوئی آمیزش نہ کریں۔

آیت کریمہ میں دوسرا لفظ 'حنفاء' کا استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ کمال درجہ یکسوئی کے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ موصوف نے اپنی سابق تحقیق کا حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تفصیلی گفتگو انھوں نے سورہ بقرہ کی آیت:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۳۵)	وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم ٹھیک راستے پر رہو گے۔ کہو نہیں بلکہ تم ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو، جو یکسو تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

---

[1] جامع البیان: ۳۰/۱۴۵، میمنیہ، مصر۔

Marfat.com

کے تحت کی ہے۔ جس میں وہ ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں جو اس مقام پر ’ملت ابراہیمی، پر یکسو ہونے سے صرف ’حج‘، یا ’ختنہ‘، وغیرہ کو مراد لیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ پورے معاملات میں طریقۂ ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے ذہنی و فکری یکسوئی کے ساتھ عملی استقامت اور ثابت قدمی کو بھی لازم قرار دیتے ہیں:

قال ابو جعفر: الحنيف عندي هو الاستقامة على دين ابراهيم واتباعه على ملته وذلك ان الحنيفية لو كانت حج البيت لوجب ان يكون الذين كانوا يحجونه في الجاهلية من اهل الشرك كانوا احنفاء وقد نفى الله ان يكون ذلك تحنفا بقوله وَلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فكذلك القول في الختان لان الحنيفية لو كانت هي الختان لوجب ان يكون اليهود حنفاء وقد اخرجهم الله من ذلك بقوله: مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا فقد صح اذا ان الحنيفية ليست الختان

ابو جعفر نے کہا کہ میرے نزدیک ’حنیف‘ کی حقیقت ابراہیم کے دین پر جمنا اور ان کے طریقہ کی (مکمل) پیروی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ’حنیفیت‘، اگر صرف حج بیت اللہ ہوتی تو ضروری ہوتا کہ وہ اہل شرک جو زمانہ جاہلیت میں اس کا حج کرتے تھے۔ انھیں ’حنیف‘ کہا جائے۔ جبکہ اللہ نے اس کے حنیفی طریقہ ہونے کی نفی کی۔ فرمایا: وَلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، (بلکہ وہ یکسو، اطاعت گزار تھا۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا) یہی بات ’ختان‘، (ختنہ) پر صادق آتی ہے۔ اس لیے کہ ’حنیفیت‘، اگر صرف ’ختنہ‘، ہوتی تو ضروری ہوتا کہ یہود ’حنیف‘، ہوتے دریں حالیکہ اللہ نے انھیں اس سے خارج قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا: مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا (ابراہیم یہودی اور نصرانی نہ تھا بلکہ وہ یکسو، اطاعت گزار تھا) پس معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے ’حنیفیت‘،

Marfat.com

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ	اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا حاکم ہے۔
وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ	اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا
الْمُسْلِمِیْنَ (۱۶۱-۱۶۳)	ہے اور میں سب سے پہلا تابعدار ہوں۔

تفصیلی گفتگو علامہ موصوف نے انہی آیات کے تحت کی ہے اور آخری آیت کے تحت اس پہلو کو ابھارا ہے کہ ہمیشہ سے تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی ایک پیغام رہا ہے۔ ان سب کی دعوت اسلام تھی جس کی حقیقت بے آمیز طریقے پر ایک خدائے عزوجل کی عبادت اور بندگی ہے استشہاد میں انھوں نے سورۂ انبیاء کی آیت کریمہ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ (الخ ۲۵)" کے علاوہ دوسری متعدد آیات نقل کی ہیں اور آخر میں اس دعوت کے مضمرات کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

فاخبر تعالیٰ انہ بعث رسلہ	پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے اپنے
بالاسلام ولکنھم متفاوتون	(تمام) رسولوں کو (ایک ہی دین) اسلام دیکر
فیہ بحسب شرائعھم الخاصۃ	بھیجا۔ البتہ شریعتیں جو ان میں ہر ایک کے
التی ینسخ بعضھا بعضا الی	ساتھ خاص رہیں وہ ہر ایک کی الگ الگ رہی
ان نسخت بشریعۃ محمد	ہیں۔ جن میں سے ایک دوسری کو منسوخ کرتی
صلی اللہ علیہ وسلم التی لا	رہی ہے۔ یہاں تک کہ یہ (تمام کی تمام) محمد صلی
تنسخ ابد الآبدین ولا تزال	اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ذریعہ منسوخ ہوئیں
قائمۃ منصورۃ واعلامھا	جو اب کبھی ابد سے ابد تک منسوخ نہ ہوگی۔ اب
منشورۃ الی قیام	یہ ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گی اور اس کے
الساعۃ [1]	نقوش تا قیام قیامت ہر کہیں موجود رہیں گے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جب ایک خدا کی عبادت اور اس کی بندگی کی بات کہتا ہے اور اپنے تمام برگزیدہ بندوں کا طریقہ دین اسلام قرار دیتا ہے تو اس کا مقصد کسی مجرد عقیدے

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۹۸/۲۔ محولہ ایڈیشن۔

Marfat.com

وحده ولا حج البيت وحده — نہ صرف ختان، (ختنہ) کا نام ہے اور نہ صرف
ولكنه هو ما وصفنا من — حج بیت اللہ کا۔ بلکہ اس کی حقیقت وہ ہے جو
الاستقامة على ملة ابراهيم — ہم نے بیان کی یعنی ابراہیم کے طریقہ پر جمنا اس
واتباعه عليها والائتمام — میں ان کی (مکمل) پیروی اور (بہمہ وجوہ)
به فيها[1] — اقتداء و ہم رکابی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں اس کے نظائر میں سورۂ انبیاء اور نحل کی مذکورہ بالا آیات ۲۵ اور ۲۶ نقل کی ہیں اور اس کے بعد اس کے اگلے ٹکڑے:

وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ — اور یہ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں
وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (بینۃ : ۵) — اور یہی راستی کا طریقہ ہے

کے سلسلے میں بہت سے علمائے امت کا یہ خیال نقل کیا ہے جو اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ایمان کے اندر اعمال کو داخل قرار دیتے ہیں جن میں علاوہ اور لوگوں کے امام زہریؒ اور امام شافعیؒ جیسے لوگ شامل ہیں[2]۔ حنفاء کے سلسلے میں انھوں نے سورۂ انعام میں کی گئی اپنی گفتگو کا حوالہ دیا ہے۔ سورۂ انعام میں یہ لفظ دو مقامات پر آیا ہے:

۱۔ إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ — میں نے اپنا رخ موڑ دیا اس ذات کی طرف
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا — جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، یکسو
وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آیت: ۷۹) — ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دوسری آیت کریمہ یہ ہے:

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْ اِلٰى — کہو کہ میرے رب نے مجھے سیدھی راہ
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ — سجھائی۔ ٹھیک دین، ابراہیم کا طریقہ جو یکسو تھا
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ — اور مشرکوں میں سے نہ تھا کہو کہ میری نماز، میری
قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ — قربانی، میری زندگی اور میری موت (سب)

---

[1] جامع البیان: ۱/۲۰، ۴ میمنیہ، مصر [2] تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۳۷۔ مکتبہ تجاریہ۔ شارع محمد علی۔ مصر ۱۳۵۶ھ

کا اظہار یا کسی محدود دائرے میں اس کے احکام کی پیروی نہیں بلکہ کسی تحفظ کے بغیر پوری انسانی زندگی اور اس کے جملہ معاملات کو یہ چیز محیط ہوتی ہے آگے وہ اس کی مزید وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی روشنی میں کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے اصول و کلیات میں اتفاق سہی لیکن شریعتیں تمام انبیاء کی الگ الگ رہی ہیں اور اس تفصیلی ضابطۂ حیات کی مکمل پیروی ہی میں دعوت انبیاء سے وفاداری کی بات مضمر رہی ہے:

ولهذا قال عليه السلام نحن معاشر الانبياء اولاد علات ديننا واحد "فان اولاد العلات من اب واحد وامهات شتى فالدين واحد وهو عبادة الله وحده لاشريك له وان تنوعت الشرائع التي هي بمنزلة الامهات كما ان اخوة الاخياف عكس هذا بنو الام الواحدة من آباء شتى والاخوة الاعيان الاشقاء من اب واحد و ام واحدة۔ والله اعلم [1]	اسی لئے آپ علیہ السلام نے فرمایا: "ہم انبیائی گروہ (باہم) علاتی (باپ شریک) اولاد ہیں ہم سب کا دین ایک ہے"۔ اس لئے کہ علاتی اولاد ایک باپ سے ہوتی ہے جبکہ ان کی مائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ یہی معاملہ اس دین کا ہے جو (اپنے اصول و کلیات کے لحاظ سے) ایک ہے یعنی تنہا ایک خدا کی بندگی جس کا کوئی شریک نہیں۔ گو کہ شریعتیں مختلف اور جداگانہ ہوں۔ جن کی حیثیت ماؤں کی سی ہے۔ اخیافی بھائیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے جن کی ماں تو ایک ہوتی ہے البتہ باپ الگ الگ ہوتے ہیں۔ جبکہ حقیقی بھائی وہ ہوتے ہیں جو ایک ہی ماں باپ کے لخت جگر ہوں۔ واللہ اعلم

دوسرے مقامات پر بھی قرآن عبادت کو اطاعت کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے۔ سورۂ زمر میں امت کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ	ہم نے آپ تک (یہ) کتاب حق کے ساتھ

---

[1] حوالہ سابق صفحات ۱۹۸، ۱۹۹۔

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا	اتاری ہے سو تم اللہ کی بندگی کرو اس کے لئے
لَّهُ الدِّيْنَ ٥ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ	اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ سن لو کہ بے آمیز
الْخَالِصُ ٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا	اطاعت اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ	اس کو چھوڑ کر بہت سے کارساز پکڑ رکھے ہیں
اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى	(ان کا کہنا ہے کہ) ہم جو ان کی بندگی کرتے
اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ	ہیں تو بس اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تک نزدیک
فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ	سے نزدیک تر کر دیں۔ بے شک اللہ ان
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ	کے درمیان فیصلہ کرے گا اس بات میں جس میں
هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ	یہ جھگڑتے ہیں۔ بے شک اللہ اسے راہ یاب
(۲-۳)	نہیں کرتا جو جھوٹا ہو حد درجہ ناشکرا۔

"فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین"، اس ٹکڑے کی تشریح میں علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:

وقولہ "فاعبد اللہ	اللہ کا فرمان "فاعبد اللہ مخلصًا لہ الدین"،
مخلصا لہ الدین، یقول	تو تم اللہ کی بندگی کرو اس کے لئے اطاعت کو
تعالیٰ ذکرہ فاخشع للہ	بے آمیز کرتے ہوئے"؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
یا محمد بالطاعۃ واخلص	سو تم جھک جاؤ اے محمد اللہ کے لئے اطاعت
لہ الالوھۃ وافرد لا	و فرمانبرداری کے ساتھ اور اس کے لیے خدائی
بالعبادۃ ولا تجعل لہ	کو خالص کر دو اور تنہا اس کی بندگی کرو اور
فی عبادتك ایاہ شریكا	اس کے تئیں اپنی بندگی میں کسی اور کو ساجھی
كما فعلت عبدۃ	نہ بناؤ جیسا کہ بتوں کے پجاریوں نے کر
الاوثان[1]	رکھا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۲۳/۱۲۲، مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ

آگے "الا للہ الدین الخالص" کی تفسیر وہ یوں کرتے ہیں:

وقولہ الا للہ الدین الخالص، یقول تعالیٰ ذکرہ للہ العبادۃ و الطاعۃ وحدہ لا شریک لہ خالصۃ لا شرک لاحد معہ فیھا فلا ینبغی ذلک لاحد لان کل ما دونہ ملکہ وعلی المملوک طاعۃ مالکہ لا من لا یملک منہ شیئا [1]	اللہ کا فرمان "الا للہ الدین الخالص" سنو بے آمیز اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنو (عبادت) بندگی اور اطاعت تنہا صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ بالکل بے آمیز۔ اس کے ساتھ اس میں کوئی دوسرا ساجھی نہیں پس (اس کے سوا) کوئی دوسرا اس کا سزاوار نہیں۔ اس لیے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اس کی ملک میں ہے اور جو کسی کی ملک میں ہو اسے اپنے مالک کی اطاعت کرنی چاہیے۔ نہ کہ اس کی جس کا اس پر کوئی اختیار نہ ہو۔

علامہ قمی نیشاپوریؒ نے اس کے اندر شرک جلی اور شرک خفی، ہر ایک سے برأت کو لازم قرار دیا ہے:

(الا للہ الدین الخالص) ای واجب اختصاصہ بالطاعۃ من غیر ان یشوب ذلک دعاء او شرک ظاھر وخفی [2]	"الا للہ الدین الخالص، سنو بے آمیز اطاعت صرف اللہ کے لئے ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ اطاعت خاص طور پر اسی کی کی جائے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو پکارنے یا کھلے یا چھپے شرک کسی قسم کا شائبہ ہو۔

جبکہ شرک خفی کی وسعت کا دائرہ معلوم ہے کہ غیر اللہ کی اطاعت اور ان کے کہے پر چلنا

---

[1] حوالہ سابق [2] غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش ابن جریر: ۱۲۳/۲۳۔ مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ

Marfat.com

تو الگ رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کاموں میں بھی دکھاوے اور ریاکاری، کو اس کے اندر شامل بتایا ہے[1]

آگے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی اس حقیقت کا جو اقرار کرایا گیا اس میں عبادت کے ساتھ اطاعت صاف طور پر شامل ہے:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (زمر: ۱۱-۱۵)

کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت (بندگی) کروں اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمان برداروں میں پہلا ہوں۔ کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے کہو کہ میں صرف اللہ کی عبادت (بندگی) کرتا ہوں۔ اس کے لئے اپنی اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ ہاں یہ تم پر ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر جس کی چاہو بندگی کرو۔ کہو کہ اصل گھاٹے والے تو وہی ہیں جو روز قیامت خود اپنے سے اور اپنے گھر والوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں سنو یہی سب سے کھلا گھاٹا ہے۔

پہلی دو آیتوں کی تفسیر علامہ ابن جریر طبریؒ اس طرح کرتے ہیں:

يقول تعالى ذكره لنبيه محمد صلى الله عليه وسلم قل يا محمد لمشركي قومك ان الله امرني ان اعبده

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمدؐ تم اپنی قوم کے مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ نے مجھکو حکم دیا ہے کہ میں اس کی عبادت (بندگی) کروں اس کے

---

[1] ابن ماجہ: ابواب الزہد، باب الریاء والسمعۃ۔ اصح المطابع لکھنؤ۔

Marfat.com

مفرداله الطاعة دون كل
ماتدعون من دونه من
الآلهة والانداد "وَاُمِرْتُ
لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ"
يقول وامرني ربي جل
ثناءه بذلك لان اكون
بفعل ذلك اول من
اسلم منكم فخضع له
بالتوحيد واخلص له
العبادة وبرئ من كل
مادونه من الآلهة و
قوله تعالى "قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ
اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ" يقول تعالى
ذكره قل يا محمد لهم
انى اخاف ان عصيت ربي
فيما امرني به من
عبادته مخلصاله الطاعة
ومفرده بالربوبية عذاب
يوم عظيم يعني عذاب
يوم القيامة وذلك هو
اليوم الذي يعظم هوله[1]

لیے اطاعت کو تنہا الگ کرتے ہوئے۔ ان تمام معبودوں اور ساجھیوں کو چھوڑ کر جنھیں تم اسے (اللہ) کو چھوڑ کر پکارتے (اور ان سے دادرسی کرتے) ہو "وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ" اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں پہلا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے میرے رب جل شانہ نے اس کا حکم دیا ہے تاکہ میں یہ کر کے تم سب میں (اس کا) پہلا فرمانبردار بن جاؤں۔ جو اس کیلئے جھک جائے توحید کی راہ پکڑ کر اور اس کے لئے عبادت (بندگی) کو بے آمیز کرے اور اس کے سوا دوسرے تمام معبودوں سے برأت اختیار کرے "قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ" کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ ان سے کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں اس معاملہ میں جس کا اس نے مجھے حکم دیا ہے یعنی تنہا اس عبادت (بندگی) کا اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز اور ربوبیت میں تنہا اس کو الگ کرتے ہوئے تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے یعنی قیامت کا دن جبکہ یہ دن ہوگا کہ اس کی ہولناکی حد درجہ بڑھی ہوئی ہوگی۔

---

[1] جامع البیان: ۲۳/۱۳۔ طبع مذکور۔

Marfat.com

اسی طرح بعد کی آیات "قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی ...... ذلک ہو الخسران المبین"، کے سلسلے میں وہ رقمطراز ہیں:

یقول تعالیٰ ذکرہ لنبیہ	اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتا ہے کہ اے محمدؐ اپنی قوم کے مشرکوں سے
قل یا محمد لمشرکی قومک	کہہ دو کہ میں بس اللہ کی عبادت (بندگی) کرتا
اللہ اعبد مخلصا مفردا لہ	ہوں بے آمیز طور پر اس کے لئے اپنی اطاعت
طاعتی وعبادتی لا اجعل لہ	اور عبادت کو تنہا الگ کرتے ہوئے۔ اس میں
فی ذلک شریکا ولکنی افردہ	کسی دوسرے کو اس کا ساجھی نہیں ٹھہراتا بلکہ
بالالوھۃ وابرأ مما سواہ	میں خدائی کو تنہا اس کے لئے الگ کرتا ہوں اور
من الانداد والالھۃ	اس کے سوا دوسرے تمام معبودوں اور ساجھیوں
فاعبدوا انتم ایھا القوم	سے برأت اختیار کرتا ہوں البتہ لوگو تم آزاد ہو کہ
ما شئتم من الاوثان و	بتوں اور مورتیوں اور اس کے علاوہ اس کی
الاصنام وغیر ذلک مما	مخلوقات میں سے جن بے شمار چیزوں کی تم بندگی
تعبدون من سائر خلقہ	(عبادت) کرتے ہو ان کی بندگی (عبادت) میں
فتعلمون وبال عاقبۃ	لگے رہو۔ پس عنقریب تمہارے سامنے تمہاری اس
عبادتکم ذلک اذا	بندگی (عبادت) کا وبال اور برا انجام سامنے
لقیتم ربکم [1]	آجائے گا جب تمہارا اپنے رب سے ملنا ہو گا۔

خدا کی بندگی اور عبادت اور خدا تعالیٰ کو پکارنا، اس سے آہ و زاری کرنا اور اس کی بارگاہ سے اپنے کو وابستہ کر لینا، قرآن ان دونوں باتوں کو ایک دوسرے کے مرادف طور پر نقل کرتا ہے اور یہاں خدا کو پکارنے کے ساتھ بھی اس کی بے لاگ اطاعت کی قید لگی ہوئی ہے:

---

[1] حوالہ سابق: ۱۳۰، ۱۳۱

Marfat.com

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف: ۲۹)

اور اپنے رخ کو سیدھا کرو ہر نماز کے وقت (اللہ کے لئے) اور اس کو پکارو اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (غافر: ۱۴)

سو تم (صرف) اللہ کو پکارو اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ گو یہ کافروں کو ناگوار ہو۔

هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (غافر: ۶۵)

(صرف) وہ زندہ ہے، اس کے سوا دوسرا معبود نہیں۔ سو تم اسے پکارو اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز کرتے ہوئے۔

انبیاء کی پیروی

۳ — آگے قرآن اس اجمال کو تفصیل کا قالب عطا کرتا ہے۔ جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس سے ڈر کر زندگی گزارنے کے لئے جملہ معاملات زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے لاگ پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ سورۂ شعراء میں حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ اور شعیبؑ کی دعوت پیش کرتے ہوئے قرآن خدا سے ڈرنے کے ساتھ نبیؐ کی مکمل اطاعت کو اس کا ایک ناگزیر تقاضا تصور کرتا ہے۔ ان تمام انبیاء کرامؑ کی دعوت کے الفاظ قرآن نے یہ نقل کئے ہیں، ہر ایک نے اپنی قوم کو خطاب کرکے یہی ایک بات کہی:

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ [1]

میں تمہارے حق میں پیغامبر ہوں امانت دار، سو تم اللہ سے ڈرو اور (زندگی کے تمام معاملات میں) میری پیروی کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یہود کے سامنے اپنی تشریعی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] آیات: ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹۔

Marfat.com

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ	اور مجھ سے پہلے جو تورات ہے میں اس
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ	کا مصداق ہوں (اور اس لئے آیا ہوں)
بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ	تاکہ میں حلال قرار دوں کچھ ان چیزوں کو
عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ	جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے
مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ	رب کے پاس سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔
وَاَطِيْعُوْنِ	سو تم اللہ سے ڈرو اور (جملہ معاملات زندگی
(آل عمران: ۵۰)	میں) میری پیروی کرو۔

آگے اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی معمولی حکم نہیں۔ اس کے بغیر خدا کی بندگی اور عبادت کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ	بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب
فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ	ہے سو تم اس کی عبادت (بندگی) کرو۔ یہی
(۵۱)	سیدھا راستہ ہے۔

دوسرے مقام پر بھی حضرت مسیحؑ قوم یہود کو اسی بات کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں:

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ	ضرور میں تمہارے پاس حکمت لے کر
وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ	آیا ہوں اور (اس لئے آیا ہوں) تاکہ تمہارے
تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا	لیے کھول کر بیان کروں کچھ چیزوں کو جن میں
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ	تم (باہم) جھگڑتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور
هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ	(تمام معاملات میں) میری پیروی کرو۔ بے
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ	شک اللہ ہی میرا تمہارا رب ہے۔ سو تم اس
(زخرف: ۶۳-۶۴)	کی عبادت (بندگی) کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

دوسری جگہ حضرت نوحؑ بھی اپنی قوم کو یہی پیغام دیتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ	فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے
مُّبِيْنٌ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ	لیے ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔ میرا کہنا ہے

Marfat.com

وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ (نوح: ۳،۲) — کہ تم (تنہا) اللہ کی عبادت (بندگی) کرو اور اس سے ڈرو اور (معاملات زندگی میں) میری پیروی کرو۔

اور آخر میں پورے زمرۂ انبیاء کا حق قرآن نے یہ قرار دیدیا کہ:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء: ۶۴) — اور ہم نے جو رسول بھی بھیجے تو اس لئے کہ بحکم خدا (جملہ معاملات زندگی میں) ان کی (بتمام وکمال) پیروی کی جائے۔

رسولؐ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے منہ موڑ کر آدمی اپنے کو محرومیوں کے کھڈ میں گرالیتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء: ۸۰) — اور جو کوئی رسول کی پیروی کرے سو اس نے اللہ کی پیروی کی اور جو کوئی روگردانی کرے تو ہم نے ان پر آپ کو نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

یہ روش صریحاً کفر وانکار کی روش ہے۔ کسی مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہو سکتا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۳۲) — کہو کہ (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو پس اگر یہ روگردانی کریں تو (معلوم ہو کہ) اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

مسلمان اپنے جملہ معاملات زندگی میں کسی تحفظ اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر خدا اور اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دوسری زندگی میں بلند ترین درجات سے ہمکنار ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ — اور جو کوئی (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور (اس کے) رسول کی پیروی کرے تو یہ (جنت میں) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہوگا یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی

اُولٰئِکَ رَفِیْقًا (نساء: ۶۹)	بہترین ساتھی ہیں۔

بندگیٔ رب کی وسیع تر تقاضے

۴ـــ اس کے علاوہ قرآن حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کو دوسرے بے شمار احکامات کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے۔ جن کا دائرہ وسیع تر معاملات زندگی کو محیط ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک انسان اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام و ہدایات پر عمل نہیں کرتا اس کا بندگیٔ رب کا دعویٰ تشنۂ تکمیل رہتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ	اور (ایک) اللہ کی بندگی کرو اور اس
شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي	کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ کرو۔ اور ماں باپ
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ	کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ نیز رشتہ داروں
الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ	کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ	ساتھ اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی
السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ	پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ	مسافر کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے
مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝	زیر دست ہیں (یعنی لونڈیاں اور غلام) بے شک
(نساء: ۳۶)	اللہ کو نہیں بھاتا وہ جو گھمنڈی ہے شیخیاں مارتا۔

سورۂ اسراء میں ایک خدا کی بندگی کے ساتھ یہ احکام و ہدایات اور بھی مفصل بیان ہوئے ہیں جنھوں نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تقریباً تمام گوشوں کا احاطہ کر لیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	اور تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ (لوگو) تم
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	صرف اسی کی عبادت (بندگی) کرو اور ماں
وَاِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ	باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تمہارے
اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ	پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے
لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا	کو پہنچ جائیں تو انھیں اف نہ کہو نہ انھیں جھڑکو

Marfat.com

قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي
صَغِيرًا۔ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي
نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ
فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا
وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ
وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ
تَبْذِيرًا۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ
كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَ
كَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا
وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ
رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا
فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا وَلَا تَجْعَلْ
يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
مَلُومًا مَحْسُورًا إِنَّ رَبَّكَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ
يَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا
بَصِيرًا۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً
كَبِيرًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ

بلکہ ان سے ادب سے بولو۔ اور ان کے لئے
مہر بھری عاجزی کے ساتھ پر جھکا دو اور
عرض گزار ہو کہ پروردگار ان پر مہربانی فرما
جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں (مہر و محبت
سے) پالا تمہارے رب کو خوب جان کاری
ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیکو کار
ہو تو وہ (ایسے) جھکنے والوں کو بڑا بخشنے
والا ہے۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق دو ایسے
ہی مسکین اور مسافر کو اور فضول خرچی بالکل
نہ کرو فضول خرچی کرنے والے شیطان کے
بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا
ہے اور اگر کبھی تم ان رشتہ داروں، مسکینوں
اور مسافروں) سے رخ پھیرو اپنے رب کی
مہربانی (مالی کشادگی) کی تلاش میں جس کی تم
امید لگائے ہو تو تم ان سے آسانی پیدا کرتی
بات کہو اور اپنا ہاتھ کھینچ کر گردن سے نہ باندھ
لو اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ نتیجے میں
نشانۂ ملامت بن کر کف افسوس ملتے بیٹھ جاؤ تیرا
رب روزی پھیلا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے
اور (کچھ کو) ناپ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں
کو خوب جاننے اور دیکھنے والا ہے اور
اپنی اولاد کو فاقہ کشی کے ڈر سے جان سے
نہ مارو ہم انھیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں

Marfat.com

كان فاحشة وساء سبيلا
ولا تقتلوا النفس التي حرم
الله إلا بالحق ومن قتل
مظلوما فقد جعلنا لوليه
سلطانا فلا يسرف في
القتل إنه كان منصورا ۔ و
لا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي
هي أحسن حتى يبلغ أشده
وأوفوا بالعهد إن العهد كان
مسئولا وأوفوا الكيل إذا كلتم
وزنوا بالقسطاس المستقيم
ذلك خير وأحسن تأويلا ولا
تقف ما ليس لك به علم إن
السمع والبصر والفؤاد كل أولئك
كان عنه مسئولا ولا تمش في الأرض
مرحا إنك لن تخرق الأرض
ولن تبلغ الجبال طولا كل ذلك
كان سيئه عند ربك مكروها
ذلك مما أوحى إليك ربك من
الحكمة ولا تجعل مع الله
إلها آخر فتلقى في جهنم
ملوما مدحورا ۔

(آیات: ۲۳ــ۳۹)

بھی۔ ان کا جان سے مارنا بڑی غلطی ہے۔
اور بدکاری (زنا) کے پاس نہ جاؤ یہ کھلی
بے حیائی اور برا راستہ ہے اور اس جان کو
جس کی حرمت اللہ نے ٹھہرائی ہے حق کے سوا
نہ مارو۔ اور جو کوئی نشانہ ظلم بن کر مارا جائے
تو ہم نے اس کے ولی کے لئے اختیار رکھا ہے
سو وہ جان لینے میں حد سے نہ بڑھے ضرور
اس کی مدد ہونی چاہئے۔ اور یتیم کے مال
کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر
ہو یہاں تک کہ وہ سمجھ کو پہنچ جائے اور پیمان
کو پورا کرو ضرور پیمان کی پوچھ ہونی ہے۔ اور
ناپ پوری کرو جب تم ناپو اور ٹھیک تول سے تولو۔
یہی زیادہ بہتر اور انجام کار کے لحاظ سے خوب
تر ہے اور پیچھے نہ لگو اس چیز کے جس کا تمہیں
کچھ پتہ نہ ہو ضرور کان آنکھ اور دل ان سب کے
بارے میں پوچھ ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر
نہ چلو ہرگز تم زمین کو پھاڑ نہ دوگے اور نہ لمبائی
میں پہاڑوں کو چھو لوگے۔ یہ سب کی سب بری
باتیں تیرے رب کے نزدیک (بڑی) ناپسندیدہ
ہیں۔ یہ وہ دانائی (حکمت) ہے جس کی تیرے رب نے
تیری طرف وحی کی ہے۔ اور (اے) اللہ کے ساتھ کسی
دوسرے کو معبود نہ بناؤ کہ انجام میں جہنم میں ڈالے
جاؤ ہر طرف سے لاتیں سنتے اور دھتکارے ہو کر

Marfat.com

آیت کریمہ کی یہ تاکید کہ یہ حکمت کی باتیں ہیں جن کی تمہارے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے اور یہ کہ ایک خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ ورنہ تم اپنے کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے سے بچا نہ سکو گے۔ اس کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک خدا کی بندگی اور وسیع تر دائرۂ زندگی میں اس کے دیئے گئے احکام کی بے لاگ پیروی ہی وہ چیز ہے جو کسی شخص کو جہنم کے عذاب سے نجات کی ضمانت دے سکتی ہے۔ بندگیٔ رب کا ایسا کوئی تصور قرآن کے لیئے بالکل اجنبی ہے جس میں خدا سے وفاداری کا کوئی ایسا نسخہ تجویز کیا گیا ہو جس کے تقاضے مجرد پرستش یا نیازمندی کی دوسری صورتوں سے پورے ہو جاتے ہوں، معاملات زندگی میں خدائی احکام و ہدایات کی پیروی کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ اور معاملہ خاص آخری پیغمبر کے پیغام اور دعوت کا نہیں، قرآن کا ہمیشہ سے اپنے مخاطبین سے اسی بات کا مطالبہ رہا ہے۔ قوم بنی اسرائیل جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والسلام سے پہلے امامت عالم کے منصب پر فائز تھی قرآن اس سے لیئے گئے عہد و پیمان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اور یاد کرو جبکہ ہم نے بنی اسرائیل سے
لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ	اقرار لیا کہ تم سوائے اللہ کے کسی کی بندگی (عبادت)
اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	نہ کروگے۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کروگے
وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا	اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے بھلی بات
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ	کہو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو پھر سوائے
اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَاِذْ اَخَذْنَا	تھوڑے لوگوں کے تم پھر گئے دریں حالیکہ تم
مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ	منہ موڑے ہوئے تھے اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ	سے قرار لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤگے
دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ	اور نہ ایک دوسرے کو اس کے گھر سے نکالوگے
تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ	پھر تم نے تسلیم کیا جبکہ تم گواہی دینے والے تھے۔
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ	پھر تم ہی ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنی
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ	ہی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے نکالتے

Marfat.com

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

(بقرہ: ۸۳، ۸۶)

ہو تم ان کے خلاف گناہ اور سرکشی سے ایسا کرتے ہو. اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم انھیں فدیہ دیکر چھڑا تے ہو. حالانکہ (پہلے سے) تم پر حرام یہ تھا کہ تم انھیں اپنے گھروں سے نکالو. تو کیا تم بس کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کا انکار کرتے ہو سو تم میں سے جو یہ کرے گا اس کا بدلہ سوائے اس کے کیا ہے دنیا کی زندگی کی رسوائی ملے اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے اور اللہ اس سے اندھیرے میں نہیں ہے جو تم کرتے ہو یہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کا سودا کرلیا ہے تو نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عبادت کے یہی وسیع تقاضے ہیں جن کے پیش نظر ہمارے مفسرین کرام اس سلسلے کی مجمل آیات میں ہر دور کے لئے شریعت وقت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں چنانچہ امام طبریؒ سورہ نساء کی آیت کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۲۵)

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے انھیں اسی بات کی وحی کی کہ کوئی دوسرا معبود نہیں سوائے میرے. (بس، تم میری عبادت کرو۔

کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

بہ ارسلت الرسل بالاخلاص والتوحید لایقبل

(تمام زمانوں میں) رسولوں کو ایک ہی پیغام دیکر بھیجا گیا یعنی ایک خدا کا اقرار اور اس کے لئے

Marfat.com

منهم عمل حتی یقولوہ و یقروا بہ والشرائع مختلفۃ فی التوراۃ شریعۃ وفی الانجیل شریعۃ وفی القرآن شریعۃ حلال وحرام وھذا کلہ فی الاخلاص للہ والتوحید لہ [1]

کامل یکسوئی۔ (دنیا کے) لوگوں کا کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس حقیقت کو نہ مانیں اور اس کا اقرار نہ کریں۔ (دین کی اس اصل و اساس کے علاوہ) شریعتیں البتہ الگ الگ ہیں۔ توریت میں ایک شریعت ہے۔ انجیل میں ایک شریعت ہے۔ اسی طرح قرآن کی شریعت اور حلال حرام الگ ہے البتہ (جزوی اختلافات کے باوجود) یہ تمام شریعتیں ایک خدا کے اقرار اور اس کے لئے کامل یکسوئی کے گرد گھومتی ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ اس سورہ کی دوسری آیت:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (۹۲)

(اے گروہ انبیاء) یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی عبادت کرو۔

کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ای ھذہ شریعتکم التی بینت لکم ووضحت لکم 'وانا ربکم فاعبدون' کما قال 'يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا' الی قولہ 'وَأَنَا رَبُّكُمْ

یعنی یہ تمہاری شریعت ہے جسے میں نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور اچھی طرح واضح کر دیا ہے 'وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ' اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ویسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ

---

[1] جامع البیان: ۱۷/۱۱۔ میمنیہ، مصر۔

Marfat.com

فَاتَّقُوْنِ، وقال رسول الله
صلی الله علیه وسلم
"نحن معاشر الانبیاء
اولاد علات دیننا واحد"
یعنی ان المقصود هو عبادة
الله وحده لا شریك له
بشرائع متنوعة لرسله
کما قال لکل جعلنا منکم
شرعة ومنهاجا [1]

اُعْمَلُوْا صَالِحًا تا، وَاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ
اے رسولو پاک ستھری چیزیں کھاؤ اور
نیک عمل کرو...... اور میں تمہارا رب ہوں
سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم نے یہی بات اس طرح فرمائی کہ ہم گروہ
انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں۔ ہمارا اصل دین
ایک ہے یعنی (سب کا) مقصد بس ایک اللہ
کی (عبادت) بندگی ہے جس کا کوئی ساجھی
نہیں مختلف شریعتوں کے ذریعہ سے جو ہر رسول
کے لئے الگ الگ رہی ہیں جیساکہ (دوسرے
موقعہ پر) فرمایا: لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا تم میں سے ہر ایک کے
لئے ہم نے الگ شریعت اور الگ طریقہ مقرر کیا۔

دعوت انبیاء کا اجتماعی پہلو:۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی وسیع دعوت اور ان کے ہمہ گیر پیغام کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ بندگی رب کے دوسرے تقاضوں کے ساتھ یہ حضرات اپنے وقت میں قوم کے اجتماعی امراض کی نبض شناسی کرتے نظر آتے ہیں قوم کے اجتماعی ڈھانچے میں لاحق خرابیوں کی وہ ایک ایک کرکے نشاندہی کرتے ہیں اور پورے زور اور پوری قوت کے ساتھ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی انھیں تلقین کرتے ہیں اور دعوت کے اہم ترین جزء کی حیثیت سے اس کی عدم تعمیل کی صورت میں عذاب الٰہی کا انھیں ڈر سناتے ہیں۔ قوم عاد وہ بدبخت ترین قوم تھی جس نے جنسی تعلق کے سلسلے میں "فطرۃ اللہ" کو بدل کر

---

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۴، طبع مذکور۔

Marfat.com

سماج کے صحت مند ارتقاء کو پامال اور اسے اخلاقی انارکی کے الاؤ میں جھونکنا چاہا حضرت لوط علیہ السلام نے خدا کا خوف اور اپنی پیروی اختیار کرنے کے بعد اپنی دعوت میں اسی چیز کی طرف توجہ کی:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝

(شعراء: ۱۶۰-۱۶۶)

لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کہ کیا تم ڈر نہیں رکھتے ہو میں تمہارے لئے امانت دار پیغام بر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو جہاں کے حاکم پر ہے۔ کیا دنیا والوں میں تم ہی ہو جو ہم جنس پر آتے ہو۔ اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو جوڑے پیدا کئے ہیں انھیں چھوڑتے ہو۔ بلکہ تم حد سے بڑھے ہوئے سرکش لوگ ہو۔

یہاں تک کہ سورۂ اعراف میں یہی چیز ان کی دعوت کا مرکزی نکتہ بن جاتی ہے اور اول و آخر وہ اپنی قوم کو اسی مرض اجتماعی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (۸۰-۸۲)

اور یاد کرو لوطؑ کو جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر قضائے شہوت کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم حد سے بڑھے ہوئے لوگ ہو۔ اس پر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستی سے یہ بڑے پاک باز بنتے لوگ ہیں۔

دوسری جگہ اس قوم کے بعض دوسرے اجتماعی امراض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ چیز آنجناب

Marfat.com

کی دعوت میں خاص توجہ کی مستحق قرار پائی ہے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ	اور یاد کرو لُوطؑ کو جبکہ اس نے اپنی قوم
الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ	سے کہا کہ تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو
أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ○ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ	جسے تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے
الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ	نہیں کیا۔ یہ تم ہی ہو جو (قضائے شہوت کے لئے)
وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ فَمَا	مردوں کے پاس آتے ہو اور راہ مارتے ہو
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا	اور اپنی بھری مجلسوں میں برائی کی باتیں کرتے
ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن	ہو تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا دوسرا
كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○	نہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم
(عنکبوت: ۲۸، ۲۹)	سچے ہو۔

یہی معاملہ دوسرے جلیل القدر پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جن کی مخاطب قوم میں ناپ تول میں کمی کی بیماری عام تھی۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جسمانی قوت اور زور آوری کا غلط فائدہ اٹھا کر زمین میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بندگیٔ رب کا پیغام سنانے کے بعد اسی اجتماعی مرض کی طرف انھیں متوجہ کرتے ہیں:

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا	اور ہم نے مدین (والوں) کے پاس ان
قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم	کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے
مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنقُصُوا	میری قوم کے لوگو! ایک اللہ کی بندگی کرو
الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم	اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔
بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ	اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں اچھے
يَوْمٍ مُّحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ	حال میں دیکھتا ہوں۔ ساتھ ہی مجھے تمہارے
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا	اوپر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کا
النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا	ڈر ہے اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ
تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ	تول کو ٹھیک پورا کرو اور لوگوں سے

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ | ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَا | فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اللہ کی رہتی نعمت
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ | تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم یقین رکھنے
(ہود: ۸۴-۸۶) | والے ہو۔ اور میں تم پر پہرے دار نہیں ہوں۔

سورۂ اعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی نصیحت مزید تفصیل سے بیان ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اجتماعیت کے یہ نکات کس غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی اصلاح و درستگی کے لئے یہ حضرات کس قدر بے چین اور مضطرب ہوتے ہیں:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا | اور مدین (والوں) کے پاس ہم نے
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا | ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا کہ
لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ | اے میری قوم کے لوگو! ایک اللہ کی بندگی
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ | کرو اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود
وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ | نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف
اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي | سے کھلی نشانی آگئی ہے۔ سو تم ناپ اور تول
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ | کو پورا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزیں گھٹا
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ | کر نہ دو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح پیچھے
وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ | فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے
تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ | اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ اور ہر کسی راستے
سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ | میں ڈراتے دھمکاتے اور جو لوگ اللہ پر
وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْا | ایمان لائے انھیں اس کے راستے سے
اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ | روکتے اور اس (راستے) میں کجی ڈھونڈتے نہ پھرو اور یاد کرو
وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ | جبکہ تم تھوڑے تھے سو اس نے تم کو زیادہ کیا
الْمُفْسِدِيْنَ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ | اور دیکھو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیا رہا۔
مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ | اور اگر تم میں ایک جماعت ہے جو ایمان لائی ہے

Marfat.com

بِهٖ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا
فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ
بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ
(آیات: ۸۵-۸۷)

اس چیز پر جسے میں دیکر بھیجا گیا ہوں اور دوسرے لوگ ہیں جو (اس پر) ایمان نہیں لائے ہیں تو ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

دوسرے مقام پر بھی ان کی دعوت میں اسی نکتہ پر زور و تاکید ابھرا ہوا ہے:

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ
الْمُرْسَلِيْنَ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ
أَلَا تَتَّقُوْنَ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ وَمَا أَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى
رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا
تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ٥ وَزِنُوْا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ٥ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي
الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ٥ وَاتَّقُوا
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ
(شعراء: ۱۷۶-۱۸۶)

ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تم ڈر نہیں رکھتے ہو۔ میں تمہارے لئے پیغامبر ہوں امانت دار۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس پر میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو جہاں والوں کے رب پر ہے اور ناپ کو پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور ٹھیک تول سے تولو اور لوگوں سے ان کی چیز بن گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم سے پہلی نسلوں کو بھی۔

اجتماع انسانی کو راہ راست پر لگانے اور اسے اپنی پوری زندگی میں خیر و فلاح سے ہمکنار کرنے کے سلسلے میں ان اہم ترین تعلیمات و ہدایات کے علاوہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ہمیں دوسرے نکات بھی ملتے ہیں جو نظام اجتماعی کی مکمل تبدیلی کا پتہ دیتے ہیں اور جن سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ حضرات گرامی دنیا کے اندر نظام وقت میں چھوٹی موٹی تبدیلیوں یا جزدی اصلاح و ترمیم کے لئے نہیں آتے بلکہ رائج الوقت نظام کو یکسر تبدیل کرکے اسے بالکل نئے خطوط پر ڈھالنا ان کے بنیادی مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں بگاڑ اور فساد کا اصل سبب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ خدا سے بیزاریا

اس کی ذات وصفات کے سلسلے میں بے اعتدالیوں کے شکار مٹھی بھر لوگ جو عزت وجاہ کے مالک اور دولت وثروت کے وسائل پر قابض ہوتے ہیں۔ انسانی آبادی کی عظیم اکثریت کو اپنی مرضی اور پسند کے راستے پر چلاتے اور اسے خدا سے دور کرکے دنیا وآخرت ہر جگہ ناکامیوں اور نامرادیوں کے کھڈ میں گرانے کے موجب بنتے ہیں ان لوگوں کے تمام تر مفادات خدا سے دوری اور اس کی صحیح معرفت سے محرومی پر مبنی اسی سماجی ڈھانچے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جس کی بقا اور جسے گرنے سے بچانے کی خاطر وہ اپنا پورا ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا کی صحیح معرفت کی علمبردار انبیائی دعوت انھیں اپنے لئے پیام اجل دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی راہ میں ہر ممکن طریقے سے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ناآشنا یہی شر پسند لوگ ہوتے ہیں جنھیں قرآن 'مسرفین' حد اعتدال سے ہٹے ہوئے اور 'مفسدین' فساد اور بگاڑ پھیلانے والوں کے نام سے یاد کرتا ہے اور اس کے نزدیک خدا کا ڈر اور رسول کی پیروی واطاعت کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا جب تک کہ آدمی 'بتوں' اور 'مورتیوں' کی پرستش کے ساتھ ان 'مسرفین اور مفسدین' سے دامن کش نہیں ہوتا۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے دعوت حق پیش کرتے ہوئے اسی اہم نکتے کی یاد دہانی کراتے ہیں:

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا	میں تمہارے لئے پیغامبر ہوں امانت دار۔
اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ ...... فَاتَّقُوا	سوتم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو..
اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ	.....سوتم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ	اور حد سے بڑھنے والوں کے معاملہ کی پیروی
فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝	نہ کرو۔ جو کہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور
(شعراء: ۱۴۳-۱۴۴، ۱۵۰-۱۵۲)	اصلاح کچھ نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش میں اس خدا بیزار طبقۂ انسانیت کا کردار اور ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں فرعون اپنے جاہ واقتدار کی دھونس اپنی قوم پر اس طرح جماتا ہے:

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ	اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کیا۔
قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ	اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا میرے پاس مصر کی

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ (زخرف: ۵۱-۵۳)

حکومت نہیں اور یہ نہریں میرے نیچے سے نہیں بہتی ہیں۔ کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو۔ آیا میں زیادہ اچھا ہوں یا یہ (موسیٰ) جو د بالکل بے حیثیت ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا ہے۔ (اگر یہ فرستادۂ خدا ہے) تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ اس پر سونے کے کنگن ڈلے ہوتے یا اس کے ساتھ فرشتوں کے جھرمٹ لگے ہوتے۔

اس کے نتیجے میں اس قوم کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے :

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (۵۴)

سو اس نے اپنی قوم پر دھونس جمائی سو وہ اس کے کہے پر چلنے لگے۔ ضرور وہ نافرمان لوگ تھے۔

انبیائی دعوت کے راستے کا یہ روڑا اسی طرح ہر دور اور ہر زمانے میں موجود رہا ہے حضرت نوح علیہ السلام ہزار سال تک قوم کے سامنے دعوت حق پیش کرنے کے بعد اس سے مایوس ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور اپنی یہی فریاد پیش کرتے ہیں:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا (نوح: ۲۱)

نوح نے کہا میرے آقا! میری قوم کے لوگوں نے میری بات نہ مانی اور ان لوگوں کے پیچھے چلے جن کے مال اور اولاد انھیں گھاٹے پر گھاٹے ہی میں بڑھاتے رہے۔

اسی طرح قرآن جب منکرین خدا کے کردار پر تبصرہ کرتا ہے تو ان کا جرم صرف وہ یہی نہیں بتاتا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری اور رسوم جاہلیت میں گرفتار تھے بلکہ ان کے اجتماعی جرائم کو بھی وہ پورے زور اور شدت سے بیان کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں اپنے بندوں کی پسندیدہ روش کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ آدمی دین داری کے معروف مظاہر کے ساتھ وسیع تر دائرۂ زندگی میں خدائی احکام پر عمل پیرا ہو اور سماج کی اصلاح اور اس کے ہمہ جہتی سدھار کی راہ اپنائے۔ قرآن

کی نظر میں فرعون بگڑے ہوئے انسان کا ایک علامتی نشان ہے۔ جس کا ایک عظیم ترین جرم وہ یہ قرار دیتا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ	فرعون نے زمین میں سرکشی کا علم بلند کیا
وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ	اور اس کے لوگوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ دیا۔ ان
طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ	میں سے ایک گروہ کو اس نے نشانۂ ستم بنایا
وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ	ان کے بیٹوں کو وہ موت کے گھاٹ اتارتا اور ان کی عورتوں
مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○	کو زندہ رہنے دیتا۔ ضرور وہ فساد برپا کرنے
(قصص: ۴)	والوں میں تھا۔

اسی کا ایک ہم نشیں و دمساز قوم بنی اسرائیل سے کٹ کر اس کی صف میں شامل ہو جانے والا قارون ہے۔ اس کا جرم قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے روئے زمین میں بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ اور اپنی ہی قوم اور ہم جماعت لوگوں کو ظلم وستم کی چکی میں پیستا تھا:

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى	قارون موسیٰ کی قوم سے تھا بعد میں وہ
فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (قصص: ۷۵)	ان پر سرکش ہو گیا۔

اسے نصیحت کرتے ہوئے قرآن دوسری باتوں کے ساتھ خاص طور پر زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ	اور اللہ نے تم کو جو دے رکھا ہے اس
الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ	میں آخرت کے طلبگار بنو اور دنیا سے اپنے (تھوڑے)
الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ	حصے کو نہ بھولو اور حسن سلوک کا راستہ اپناؤ جیسا کہ
اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ	اللہ نے تمہارے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اور
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ	زمین میں فساد نہ چاہو۔ اللہ فساد چاہنے
(قصص: ۷۷)	والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قرآن عام طور پر راہ حق سے ہٹے ہوئے انسان کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلاتا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ	اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ دنیا کی

Marfat.com

قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ
وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى
سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا
وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ
(بقرہ: ۲۰۴-۲۰۶)

زندگی کے معاملہ میں اس کی بات تمہیں بہت
بھلی معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں
ہے اس پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے جبکہ وہ
سخت ترین جھگڑالو ہے۔ جب وہ (کہیں)
اقتدار کا مالک ہوتا ہے زمین میں بھاگ دوڑ کرتا ہے
تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل
کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔
اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو
تو وہ غرور بیجا کا شکار ہوتا ہے سو اس کے
لئے جہنم کافی ہے اور وہ کیا ہی بڑا ٹھکانا ہے

اس کے مقابلے میں وہ انسانوں کو جس چیز کی طرف بلاتا ہے اس میں خدا تعالیٰ سے صحیح رشتہ استوار کرنے کے بعد اہم ترین بات یہی ہوتی ہے کہ آدمی زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے اجتناب کرے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا
تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ
اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ
(اعراف: ۵۵، ۵۶)

اپنے رب کو پکارو لجاجت سے اور
آہستہ۔ وہ سرکشی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا
اور زمین میں اس کی اصلاح کے پیچھے فساد نہ
پھیلاؤ اور اللہ کو پکارو امید و بیم
کی کیفیت کے ساتھ۔ ضرور اللہ کی رحمت (ایسے)
خوب کاروں سے قریب ہے۔

آخرت کی زندگی میں جو لوگ کامیابیوں سے ہمکنار اور جنت کی ابدی نعمتوں سے شادکام ہوں گے انھیں یہ رتبہ اس لئے نہیں حاصل ہوگا کہ کسی محدود دائرے میں انھوں نے خدائی احکام پر عمل کیا ہوگا یہ مقام انھیں اس لئے ملے گا کہ علو و استکبار اور فتنہ و فساد سے دامن کش ہو کر اپنی پوری زندگی میں انھوں نے خدائی مرضیات کی تکمیل کی ہوگی۔ سورۂ قصص میں قارون کے کردار پر تبصرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

Marfat.com

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا	آخرت کا وہ گھر اسے ہم ٹھہرائیں گے
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي	ان لوگوں کے لئے جو زمین میں سرکشی اور
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ	فساد نہیں چاہتے۔ اور انجام کار (ایسے
لِلْمُتَّقِيْنَ (۸۳)	ہی) ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ آخرت کی ابدی ناکامی اور جہنم کے دائمی عذاب سے دوچار ہوں گے ان کا ایک جرم یہ ہوگا کہ دنیا کی زندگی میں خدا کو چھوڑ کر یہ اپنے لیڈروں اور سرداروں کے دام میں گرفتار ہوتے ہوں گے۔ ان کے جاہ واقتدار سے دھوکہ کھا کر اور ان کی قوت وثروت کی دھونس میں آکر انھوں نے اپنی فرصت حیات کو ان شیاطین الانس، کی خواہشات ومیلانات کی بھینٹ چڑھا دیا ہوگا:۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ	جس دن کہ ان کے چہرے جہنم میں پلٹیاں
يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ	کھائیں گے۔ وہ کہیں گے اے کاش ہم نے
اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَا	اللہ کا اور (اس کے) رسول کا کہا مانا ہوتا۔
اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا	اور وہ کہیں گے کہ ہمارے آقا! ہم نے اپنے
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَا اٰتِهِمْ	سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا سو انھوں
ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ	نے ہمیں راستہ سے بھٹکا دیا۔ ہمارے آقا!
وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا۔	انھیں دوہرا عذاب دے اور ان پر
(احزاب: ۶۶-۶۷)	بڑی پھٹکار کر۔

Marfat.com

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسیع دعوت

لیکن دعوت انبیاء مطالعہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے جب تک کہ اس سلسلے کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو تفصیلی رنگ میں نہ دیکھا جائے، جبکہ یہی دعوت ہے جس میں انبیائی مشن اپنے نقطۂ کمال کو پہنچا اور انسانی زندگی میں مطلوب فکر ونظر کی آخری وسعتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت زندگی میں کتنی دور رس تبدیلیوں کی علم بردار تھی اور اس کا دائرہ فکر وعمل کن کن وسیع جہتوں کو محیط تھا اس کا صحیح اندازہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ اس دعوت کے مخاطبین، ان کے ذہنی وفکری رجحانات اور ان کی عملی زندگی کے تمام خدوخال پورے طور پر نگاہ کے سامنے ہوں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین تین لوگ تھے۔ مشرکین عرب اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ۔ آیئے ان میں سے ہر ایک کے ذہنی اور عملی نقشۂ زندگی پر ایک نظر ڈالیں۔

مشرکین عرب

دنیا کے ہر نظام فکر وعمل کی طرح شرک وبت پرستی بھی اپنا ایک مستقل نظام رکھتی ہے اور پوری انسانی زندگی کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتی ہے۔ بت پرستی کا نظریہ کوئی مجرد اور محدود چیز نہیں جس کا معاملہ کچھ خودساختہ خداؤں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور ان کی نیاز مندیاں بجالانے پر ختم ہو جاتا ہو۔ اس کے ساتھ ہی یہ چیز ایک پوری توہماتی شریعت کو جنم دیتی ہے۔ جو اپنے ماننے والوں کی زندگیوں پر انتہائی دور رس اثرات مرتب کرتی ہے۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کی اس پسندیدہ شریعت کی تفصیل بیان کی ہے۔ زندگی کی دوسری بہت سی نعمتوں کی طرح کھیتی باڑی اور مویشی وغیرہ اہل عرب کی وہ خاص نعمت تھی جس پر اللہ تعالیٰ کی صحیح شکر گزاری اور اس کے بندوں کے حقوق کی ٹھیک ادائیگی کے ذریعہ ہی یہ لوگ اپنے کو دنیا وآخرت کی سعادتوں سے ہمکنار کر سکتے تھے۔ لیکن زندگی کے دوسرے بے شمار معاملات کی طرح اس سلسلے میں یہ بت پرست قوم عجیب وغریب توہمات کا شکار تھی۔ اور اس خودساختہ شریعت کے مختلف مظاہر تھے جن کی اس کے ہاں کارفرمائی تھی۔

Marfat.com

مشرکانہ شریعت کے مظاہر:

اس سلسلے کی پہلی نمایاں چیز تھی
ا۔ کھیتوں اور مویشیوں میں بتوں کی شرکت:

جس کی تردید کرتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا:

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ	اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے اس کا
الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا	ایک حصہ مشرکوں نے اس کے لیے ٹھہرایا چنانچہ انھوں
فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ	نے کہا یہ اللہ کے لئے ہے ان کے گمان کے مطابق
وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ	اور یہ ہمارے ساجھی داروں (بتوں، دیوی دیوتاؤں)
لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى	کے لئے ہے۔ سو جو ہمارے ساجھی داروں کا ہے وہ
اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ	تو اللہ تک نہ پہنچے گا البتہ جو اللہ کا ہے وہ ہمارے
اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ	ساجھیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ کتنا برا فیصلہ ہے
(الانعام: ۱۳۶)	جو یہ کرتے ہیں۔

مویشیوں کے سلسلے میں ان کے اندر اور بھی طرح طرح کے توہمات پائے جاتے تھے:

وَقَالُوا هٰذِهٖ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ	اور انھوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتیاں ہیں
حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ	جن کی مناہی ہے۔ انھیں بس وہی کھا سکتے ہیں
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ	(بتوں کے پروہت وغیرہ) جنھیں ہم چاہیں ان کے
ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ	خیال کے مطابق جبکہ دوسرے مویشی ہیں جن کی
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ	سواری منع ہے۔ اسی طرح کچھ مویشی ہیں جن پر
سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○	یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ (بلکہ
وَقَالُوا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ	بتوں کا لیتے ہیں اور اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا	ہیں) اس پر جھوٹ باندھتے ہوئے۔ جلد ہی وہ
وَمُحَرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَ	انھیں بدلہ دے گا اس کا جو وہ جھوٹ باندھتے
اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ	تھے۔ اور انھوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے پیٹ

Marfat.com

فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

(انعام: ۱۳۹)

میں جو کچھ ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اگر وہ مرا ہوا ہو تو اس میں سب ساجھی ہیں۔ جلدی وہ انھیں بدلہ دے گا ان کے اس بیان کا ضرور وہ حکمت والا علم رکھنے والا ہے۔

سماجی زندگی میں قوم عرب کی یہ بے اعتدالیاں براہ راست ان کے مشرکانہ تصورات وعقائد کا نتیجہ تھیں۔ تحلیل وتحریم کے سلسلے میں ان کی مذکورہ بالا بے بنیاد روش کو قرآن ان کے انھیں عقائد کا ثمرہ قرار دیتا ہے:

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ [1]

(انعام: ۱۴۸)

ضرور جلد کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے (اللہ کے ساتھ دوسروں کو) ساجھی ٹھہرایا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کے راستہ پر نہ پڑتے نہ ہمارے آباء واجداد اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح جھٹلانے کی راہ پکڑی انھوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ کہو کیا تمہارے پاس کوئی یقینی چیز ہے جو تم اسے ہمارے لئے نکالو تم تو بس وہم وگمان کی پیروی کرتے ہو۔ اور نرے اٹکل پچو سے کام لیتے ہو۔

قتل اولاد:

فقر وفاقے کے ڈر سے اپنے ہی جگر گوشوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا، اس سے بڑھ کر سماجی برائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو بدنصیب طبقۂ انسانیت اپنی اولاد کے سلسلے میں رحم وترحم کے جذبات

[1] نیز: سورۂ نحل: ۳۵۔

Marfat.com

سے یکسر عاری ہو کر اپنے ہاتھوں سے انھیں لقمۂ اجل بنانے سے نہ چوکے، عام ابنائے انسانیت کے سلسلے میں غمخواری و ہمدردی اور ان کے جسم و جان کی حفاظت و بقاء کی اس سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ عرب کے یہ مشرکین اس بدی کی لعنت میں بھی بری طرح گرفتار تھے جسے قرآن ان کے معبودانِ باطل کی براہ راست اکساہٹ کا نتیجہ قرار دیتا ہے:

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ	اور اسی طرح خوشنما بنا دیا ہے بہت سے
مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ	مشرکین کے لئے اپنی اولاد کو مار دینے کو ان
أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ	کے ساجھی داروں (بتوں اور دیوی دیوتاؤں)
لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ	نے تاکہ وہ انھیں تباہ کریں اور ان کے اوپر
دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا	ان کے طریقۂ زندگی (دین) کو گڈمڈ کر دیں۔
فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ٥	اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو تم انھیں
(انعام: ۱۳۷)	ان کے حال پر چھوڑ دو اور جو وہ الزام تراشی کرتے
	ہیں اس سے صرف نظر کرو۔

آگے بھی قرآن نے یہی بات کہی کہ ان کا یہ شرمناک جرم شرک و بت پرستی کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر بیجا الزام تراشی کا نتیجہ ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا	یقیناً ان لوگوں نے اپنا گھاٹا کیا جنھوں نے اپنی اولاد
أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ	کو مارا حماقت سے بغیر سمجھے بوجھے۔ اسی طرح اللہ نے
عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ	جو انھیں روزی دی (اس کی بہت سی چیزوں
اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ	کو اپنے لئے) حرام ٹھہرا لیا اللہ پر جھوٹ باندھتے
ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ٥	ہوئے۔ یقیناً انھوں نے گمراہی کا راستہ پکڑا اور
(آیت: ۱۴۰)	وہ راہ یاب نہیں ہوئے۔

اس پس منظر میں ان کی خرافاتی شریعت کو مسترد کرتے ہوئے قرآن نے ان کے سامنے صحیح دینداری کے جو خد و خال پیش کئے اس کے وسیع تر دائرے کی جھلک ہمیں آیات ذیل میں نظر آتی ہے:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ	کہو کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں تمہارے

Marfat.com

رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ○ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ
اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ○ (انعام: ۱۵۱-۱۵۲)

رب نے تمہارے اوپر کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا
ہے۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی مت
بناؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو
اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے جان سے نہ
مارو۔ ہم تم کو روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔
اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ جو
ان میں کھلی ہوں یا چھپی۔ اور اس جان کو قتل
نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے۔
اس کی اللہ نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور
یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ
کے جو بہتر سے بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ
کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول کو پورا کرو
انصاف سے۔ ہم کسی جان پر اس کی طاقت سے
اوپر کا بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب تم بات کہو تو
انصاف سے کہو خواہ وہ (صاحب معاملہ) اپنا رشتہ
دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے پیمان کو پورا کرو۔
اس کی اس نے تم کو تاکید کی ہے۔ تاکہ تم یاددہانی
حاصل کرو۔

اس تاکید کے ساتھ کہ:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس کی
(پوری طرح) پیروی کرو۔ اور دوسری پگڈنڈیوں
کو نہ پکڑو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ
سے ہٹا کر ادھر ادھر کر دیں۔ اس کی اس نے

Marfat.com

تَتَّقُوْنَ ۝ (آیت: ۱۵۳) تم کو تاکید کی ہے. تاکہ تم بچ کر رہو۔

ان آیات کریمہ میں وسیع دائرہ پر مشتمل مختلف سماجی برائیوں سے منع کیا گیا ہے اور بعض انتہائی اہم مثبت تعلیمات دی گئی ہیں۔ اس سلسلۂ بیان میں برائیوں کے ذیل میں ایک جامع بات وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کہی گئی ہے۔ جس کی تفصیل مختلف تفسیری روایات کی روشنی میں زنا کی مختلف صورتوں، محرمات سے نکاح اور شراب نوشی وغیرہ سے کی گئی ہے۔[1] لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ عام ہیں جو کھلی اور چھپی بدی اور برائی کی جملہ صورتوں کو محیط ہیں۔ مفسرین میں امام رازیؒ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے:

والاولی ان لا یخص	زیادہ بہتر ہے کہ اس ممانعت کو کسی خاص
هذا النهی بنوع معین	قسم کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے۔ بلکہ بیحیائی
بل یجری علی عمومه فی	کے تمام کاموں کی نسبت سے خواہ وہ کھلے
جمیع الفواحش ظاهرها	ہوں یا چھپے یہ اپنے عموم پر باقی رہے۔ اس
وباطنها لان اللفظ عام والمعنیٰ	لئے کہ یہ لفظ عام آیا ہے اور اس ممانعت
الموجب لهذا النهی وهو	کو لازم کرنے والا معنیٰ جو اس کا بے حیائی کا کام
کونه فاحشة عام ایضا	ہونا ہے وہ بھی اسی طرح عام ہے اور لفظ
ومع عموم اللفظ والمعنی	اور معنیٰ کے اس عموم کے ہوتے ہوئے اس
یکون التخصیص علی خلاف	(کے مدلول) کو کسی ایک مفہوم کے ساتھ)
الدلیل[2]	خاص کرنا دلیل کے خلاف بات ہوگی۔

یہی بات اسی پس منظر میں اس سے پہلے اسی سورہ میں بدیں الفاظ کہی گئی ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ	اور گناہ کھلا ہو یا چھپا سب چھوڑ دو۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ	یقیناً جو لوگ گناہ کی کمائی کرتے ہیں انھیں جلد
سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ (انعام: ۱۲۰)	بدلہ ملے گا اس جرم کا جو یہ کرتے تھے۔

---

[1] جامع البیان: ۸/۵۶، ۵۷۔ [2] مفاتیح الغیب: ۴/۱۷۵۔

Marfat.com

اس کی تفسیر میں بھی امام موصوف نے ایک قول اسی وسعت کا حامل نقل کیا ہے اور اسی کو راجح قرار دیا ہے:

ان هذا النهي عام في جميع المحرمات وهو الاصح لان تخصيص اللفظ العام بصورة معينة من غير دليل غير جائز[1]	یہ ممانعت عام ہے تمام حرام کی ہوئی چیزوں کے سلسلے میں اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ کسی عام لفظ کی تخصیص کسی مخصوص صورت سے کسی دلیل کے بغیر جائز نہیں ہے۔

راس المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ نے یہی بات مزید تفصیل سے کہی ہے۔ آیت بالا کی تفسیر میں ذکر کردہ روایات سے ملتی جلتی روایتیں نقل کرنے کے بعد اس مقام پر اپنی ترجیحی رائے وہ ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

والصواب من القول في ذلك عندنا ان يقال ان الله تعالى ذكره تقدم الى خلقه بترك ظاهر الاثم و باطنه وذلك سره وعلانيته والاثم كل ما عصي الله به من محارمه وقد يدخل في ذلك سر الزنا وعلانيته ومعاهدة اهل الرايات واولات الاخدان منهن ونكاح حلائل الآباء والامهات والبنات والطواف بالبيت	ہمارے نزدیک اس سلسلے میں ٹھیک بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے روبرو کھلے اور چھپے ہر طرح کے گناہ کو چھوڑنے کی بات رکھی ہے۔ یعنی وہ جو پوشیدگی میں کیا جائے یا علانیہ اور گناہ (اثم) کا مطلب ہے ہر وہ چیز جس کے ذریعہ اس کی حرام کردہ چیزوں سے اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ اس کے اندر لازمی طور پر چھپا اور کھلا ہوا زنا جھنڈے والی (پیشہ ور) اسی طرح ان میں آشنائیاں کرتی پھرتی عورتوں کے معاہدے، باپ کی بیویوں اور ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح، خانۂ کعبہ کا ننگے طواف اسی طرح اللہ کی ہر نافرمانی

---

[1] حوالہ سابق: ۱۴۱/۸۔

عریانا وکل معصیۃ للہ ظھرت او بطنت واذکان ذالک کذلک وکان جمیع ذلک اثما وکان اللہ عم بقولہ وذروا ظاھر الاثم وباطنہ جمیع ما ظھر من الاثم و جمیع ما بطن لم یکن لاحد ان یخص من ذلک شیئا دون شئ الا بحجۃ للعذر قاطعۃ [1]

خواہ وہ کھلی ہو یا چھپی شامل ہے جب معاملہ یہ ہے اور یہ تمام چیزیں اثم (گناہ) ہیں اور اللہ نے اس بات کو عام رکھا ہے کہ "اور کھلے اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو"، یعنی تمام وہ گناہ جو کھلے ہوں یا جو چھپے ہوں۔ تو کسی کیلئے جائز نہیں کہ اس میں سے کسی چیز کو خاص کرے اور دوسری کو چھوڑ دے۔ سوائے اس کے کہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کے بعد کچھ کہنے کا موقعہ نہ رہے۔ (جو ظاہر ہے نہیں ہے)۔

سورۂ اعراف میں یہی بات بعض اہم نکات کے اضافہ کے ساتھ کہی گئی ہے اور آخر میں شرک کی صورت میں خدا تعالیٰ پر جو بے بنیاد تہمت طرازی ہوئی ہے اس کی تردید ہوئی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل گناہ کے ساتھ بغاوت و سرکشی، کے جس اجتماعی جرم سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے وہ براہِ راست اسی شرک و بت پرستی کا نتیجہ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (آیت: ۳۳)

کہو میرے رب نے جو چیز حرام ٹھہرائی ہے وہ بے حیائی کے کام ہیں خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے۔ اور گناہ اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کے لئے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے ہو۔

طریقۂ آباء کی اندھی پیروی:

شرک و بت پرستی کے بطن سے ابھرنے والا ایک دوسرا مرض جس میں اس کی نام لیوا عرب کی

[1] جامع البیان: ۸/۱۱۔

Marfat.com

یہ امت بری طرح گرفتار تھی۔ اپنے آبار واجداد کے طور طریقے اور ان کی روش زندگی کی اندھی پیروی تھی۔ آخری پیغمبرؐ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت حق پیش کی اس کے جواب میں انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم اپنے اسلاف اور بزرگوں کو ایک طریقے کا پابند دیکھتے آئے ہیں اور ہم اس سے سرمو تجاوز نہیں کرسکتے۔ اپنی توہم پرستی کے اندھے پن میں یہ لوگ فرشتوں کو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کے نام پر مورتیاں بنا کر ان کے سامنے سرنیاز خم کرتے تھے۔ اس کے حق میں دلیل اس کے سوا دوسری نہ تھی کہ:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا	بلکہ انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آبار و
عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	اجداد کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انھیں کے
مُّهْتَدُوْنَ ○ (زخرف: ۲۲)	نقوش کو پکڑے سیدھے راستے پر ہیں۔

اور یہ بات کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہ تھی۔ آپؐ سے پہلے دنیا میں جتنے انبیار علیہم السلام آئے سب کو اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں سے یہی ایک جواب سننے کو ملا:

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ	اور اسی طرح تم سے پہلے ہم نے کسی بستی میں
قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ	جو ڈرانے والا بھی بھیجا تو اس کے خوش حال
اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ	لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے آبار واجداد کو
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ	ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقوش پا
مُّقْتَدُوْنَ ○ (ایضاً: ۲۳)	پر چلتے رہیں گے۔

عرب کی مشرک قوم کی اس گمراہی کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ اس کا اثر صرف شرک وبت پرستی کی نت نئی صورتوں ہی میں نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ طریق آبار کی پیروی کے حوالہ سے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیں۔ بلکہ ان کے اس عقیدۂ باطل نے انھیں پوری زندگی میں برائیوں اور بے حیائیوں کے ارتکاب کا کھلا لائسنس دیدیا تھا۔ خدا کے گھر کا ننگے ہو کر طواف کرنا اس سے بڑھ کر بدی اور بے حیائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ مشرکین عرب عام طور پر اس بے حیائی میں گرفتار تھے جس میں مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں[1]۔ اپنی اس بے حیائی کے لئے وجہ جواز ان کے لئے طریقہ آبار کی یہی اندھی پیروی تھی:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۰۸۔

Marfat.com

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o (اعراف:۲۸)

اور جب یہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آبا و اجداد کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے۔ کہو کہ اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں ہو۔

اس کے جواب میں قرآن نے انھیں حق تعالیٰ کی بے لاگ اطاعت کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ محض شیطان کے بہکاوے میں آکر ان حرکتوں کا ارتکاب کر رہے ہیں:

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ o (ایضا: ۲۹-۳۰)

کہو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا کہ تم اپنے رخ کو سیدھا کرو ہر نماز کے وقت اور اس کو (اللہ کو) پکارو اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز کرتے ہوئے۔ جیسا کہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے ویسا ہی تم پلٹوگے۔ ایک گروہ کو اس نے راہ پر لگایا اور دوسرا گروہ اس کا مقدر گمراہی ٹھہری۔ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستہ پر ہیں۔

اس پس منظر میں خدا تعالیٰ کے لئے کامل یکسوئی اور اس کی بے لاگ بندگی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی شرک و بت پرستی کی آلودگی سے دامن کش رہنے کے ساتھ اپنی پوری زندگی میں اس کے عطا کردہ مجموعہ قانون کی پیروی کرنے والا ہو، جسے اصطلاح میں 'شریعت' کے نام سے جانا جاتا ہے:

(وادعوه مخلصين له الدين) اى امركم بالاستقامة فى عبادته فى محالها وهى متابعة المرسلين المؤيدين بالمعجزات فيما اخبروا به

اور اسے (اللہ کو) پکارو اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز کرتے ہوئے یعنی اس نے تمہیں اپنی عبادت کے معاملہ میں اس کے تمام مواقع میں جمنے کا حکم دیا ہے اور اس کا طریقہ رسولوں کی (بہمہ وجوہ) پیروی ہے، جن کی معجزات کے

Marfat.com

عن اللّٰہ وما جاء وابہ من	ذریعہ تائید کی گئی، ان تمام معاملات میں جن کی
الشرائع وبالاخلاص لہ	انھوں نے خبر دی اللہ کے سلسلے میں نیز وہ جو
فی عبادتہ فانہ تعالٰی لا	(مختلف) شریعتیں لے کر آئے اور وہ جو اس کی
یتقبل العمل حتی یجمع	عبادت کے معاملہ میں انھوں نے اخلاص کی بات
ھذا الرکنین ان یکون	کہی اس میں۔ اسلئے کہ اللہ تعالٰی کسی عمل کو اس
صوابا وموافقا للشریعۃ	وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کے
وان یکون خالصا من	اندر دو باتیں نہ پائی جائیں پہلا یہ کہ وہ صحیح ہو
الشرك [1]	اور شریعت کے مطابق ہو۔ دوسرا اور شرک کی
	آمیزش سے پوری طرح پاک ہو۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں مشرکین کے اپنے معبودان باطل سے غیر معمولی تعلق کو واضح کرنے کے بعد جبکہ اسی کے اثر سے تحریم وتحلیل کے دائرے میں انھوں نے طرح طرح کی بے اعتدالیاں اختیار کر رکھی تھیں اور محض اپنے جی سے اللہ تعالٰی کی حلال کردہ نعمتوں میں سے بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا[2] اسے شیطان کی وسوسہ اندازی قرار دیتے ہوئے خدائی فرمان یہ نازل ہوا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی	اے لوگو، زمین میں جو تمام حلال اور پاکیزہ
الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا	چیزیں ہیں ان سے کھاؤ اور شیطان کے
خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ	راستوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ	ہے۔ تمہیں تو وہ بس برائی اور بے حیائی کا حکم
بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا	دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ پر وہ بات کہو جو تم
عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۶۸،۱۶۹)	جانتے نہیں ہو۔

آگے فرمایا کہ زندگی کے اس دائرے میں ان کی یہ بے اعتدالی محض آباء واجداد کی اندھی پیروی کا نتیجہ ہے۔ یہی چیز ہے جس نے اس اہم ترین مسئلے میں انھیں راہ صواب سے منحرف کر رکھا ہے۔ اور ان

---

[1] ابن کثیر، حوالہ سابق۔ [2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۳۔

کی پوری جمعیت اندھوں بہروں کا ایک گلہ بن کر رہ گئی ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی
قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَ	کرو اس چیز کی جسے اللہ نے اتارا ہے تو وہ
لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَ	کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو پیروی کریں گے اس
لَا يَهْتَدُونَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي	کی جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔
يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ	کیا اس کے باوجود بھی کہ ان کے آباء واجداد
عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (آیات: ۱۷۰-۱۷۱)	کچھ سمجھتے نہ ہوں نہ انھیں راستہ کی کچھ خبر ہو۔

اس کے بعد اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس سلسلے میں جادۂ اعتدال کی طرف رہنمائی اس طرح فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان پاکیزہ چیزوں
مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ	میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں روزی دی ہیں۔
وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ	اور اللہ کا احسان مانو اگر تم بس اس کی بندگی
تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ	کرتے ہو۔ اس نے تمہارے اوپر خاص طور
الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ	پر حرام قرار دیا ہے، مردار، خون، سور کا گوشت
وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ	اور وہ چیز جسے غیر اللہ کے نام پر قربان کی جائے
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا	سو جو کوئی (اس کے لئے) مجبور ہو جائے اس
إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ	طور پر کہ اسے دلی رغبت ہو نہ (ناگزیر) حد سے
رَّحِيمٌ ۝	آگے بڑھنے والا ہو سو اس پر کوئی گناہ نہیں۔
(ایضا: ۱۷۲-۱۷۳)	ضرور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

مویشیوں کے سلسلے میں مشرکین عرب جن بے اعتدالیوں کا شکار تھے اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں ہے۔ مختلف قسم کے جانوروں کے سلسلے میں انھوں نے اپنے اوپر طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ قرآن نے ان کے ان باطل خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ	اللہ نے کوئی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی
وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا	نہیں بنایا۔ البتہ وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اللہ پر

Marfat.com

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ٥ (آیت: ۱۰۳)

(اس کا) جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر سمجھتے نہیں ہیں۔

وہ اونٹنی جو پانچ بچے جن چکتی جس میں آخری نر ہوتا عرب جاہلیت اس کے کان پھاڑ دیتے، اس پر سواری کرنا اپنے لئے حرام کر لیتے، اسے نہ کسی گھاٹ سے ہانکا جاتا، نہ کسی چراگاہ سے روکا جاتا اور کوئی عاجز و درماندہ مسافر بھی اس پر سواری کی جرأت نہ کرتا۔ اس کا نام بحیرہ تھا۔ آدمی سفر سے سلامت واپسی اور بیماری سے شفایاب ہو کر اٹھنے پر نذر مانتا کہ اگر ایسا ہوا تو میری یہ اونٹنی کھلی چھوٹی رہے گی۔ یہ سائبۃ تھی اور بحیرہ، کی طرح اس سے بھی کسی قسم کا کام لینا حرام تھا۔ اسی طرح ان کا ایک خیال یہ تھا کہ اگر بکری مادہ جنے تو وہ (مادہ) ان کی، اور اگر نر جنے تو وہ ان کے معبودوں کا حصہ ہوگا۔ اور اگر وہ نر اور مادہ ساتھ جنتی تو کہتے کہ وہ مادہ کے ساتھ اس کا بھائی ملا کر لائی۔ یہ وصیلہ ہوتی۔ اور اس سے ہونے والے اس نر کو وہ اپنے معبودوں کے نام ذبح کرنا جائز تصور نہ کرتے۔ اسی طرح اگر کوئی اونٹنی کسی نر (فحل) سے بار آور ہو کر دس بچے جن دیتی تو کہتے کہ اس نر نے اپنی پیٹھ محفوظ کر لی۔ اب نہ اس پر کوئی سواری کی جاسکتی ہے، نہ اس پر کوئی سامان لادا جاسکتا ہے۔ نہ اسے کسی گھاٹ سے روکا جاسکتا، نہ کسی چراگاہ سے منع کیا جاسکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام حامی، تھا کہ اس نے اپنی پیٹھ کو محفوظ کر لیا، قد حمی ظہرہ[۱]

قرآن نے کہا کہ اپنے معاملات میں ان کی یہ من مانہ حرکتیں ان کی اسی تقلید آبار کا براہ راست نتیجہ ہیں چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ٥ (مائدہ: ۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جسے اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں ہمارے لئے کافی ہے وہ جس پر ہم نے اپنے آبار واجداد کو پایا ہے۔ کیا اس کے باوجود کہ ان کے آبار واجداد کچھ جانتے ہوں۔ نہ انھیں راستے کی کچھ خبر ہو۔

---

[۱] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۳۸۶۔

Marfat.com

ہوا پرستی :

اس کے علاوہ قرآن شرک وبت پرستی کا ایک بڑا مظہر انسان کی ہوا پرستی قرار دیتا ہے دنیا کے اس کارخانے میں ایک خدا کے علاوہ بہت سے خداؤں کی حکمرانی ہے اور وہ اس کے مستحق کہ ان کی شبیہیں بنا کر ان کے حضور سر تسلیم خم کیا جائے اور ان کی نیاز مندیاں بجالائی جائیں ۔ظاہر ہے انسان کی یہ وہ روش ہے جس کا عقل وخرد سے کوئی واسطہ نہیں ۔انسان دنیا میں بے قید زندگی بسر کرنے کے لئے اسے بطور بہانہ کے استعمال کرتا ہے ۔اپنے جذبۂ بندگی کی تسکین کی خاطر وہ شرک وبت پرستی، کا ایسا نظام تجویز کرتا ہے جس میں خدا کی حیثیت عضو معطل سے زیادہ نہیں رہ جاتی اور اسے پوری آزادی مل جاتی ہے کہ زندگی میں جو روش چاہے اپنائے اور اپنی خواہش نفس کی پیروی میں جدھر چاہے منہ مارتا پھرے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ اہل شرک کی بت پرستی کو خواہش نفس، کی پوجا کے مرادف قرار دیا ہے، جس کے بعد وہ اپنے معاملات زندگی میں بالکل جانوروں کی طرح بے لگام ہو جاتے ہیں :

اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ	کیا تم نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے اپنی خواہش
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ اَمْ	نفس کو اپنا معبود ٹھہرایا سو کیا تم اس پر نگراں
تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ	ہو سکتے ہو ۔کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے
يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ	اور سمجھتے ہیں ۔یہ تو بس جانوروں کے مانند
هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿فرقان: ۴۳-۴۴﴾	ہیں ۔بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں ۔

اس لئے کہ یہی خواہشات ہوتی ہیں جو زندگی میں ان کا اصل مرکز توجہ بن جاتی ہیں :

من كان في طاعة الهوى	جو کوئی اپنے دین کے معاملہ میں خواہش
في دينه يتبعه في كل ما ياتي	نفس کی پیروی میں ہوگا، وہ جو کام بھی کریگا
ويذر ولا يتبصر دليلا	یا جسے چھوڑے گا اس میں اسی کی پیروی
ولا يصغي الى برهان	کرے گا ۔وہ نہ کسی دلیل پر غور کرے گا، نہ
فهو عابد هواه و	کسی حجت و برہان پر کان دھرے گا ۔سو

Marfat.com

جاعلہ الٰھہ [1] — وہ اپنی خواہش نفس کا بندہ ہوگا اور اسے ہی اپنا معبود قرار دے گا۔

دوسرے مقام پر قرآن نے ایسے شخص کو گمراہی کے آخری درجے پر قرار دیا ہے، جو خالصہ مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کو پروان چڑھاتا اور جس کے بطن سے بے سہارا اباحیت پسندی جنم لیتی ہے:

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ	سو کیا تم نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے اپنی خواہش
ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ	نفس کو اپنا معبود ٹھہرایا اور اللہ نے اسے
وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَ	جانتے بوجھتے گمراہ کیا۔ اور اس کے کان
جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً	اور دل پر مہر کردی اور اس کی نگاہ پر پردہ
فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ	ڈال دیا۔ سو اللہ کے بعد اسے راہ پر کون لگا
اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ۔ وَقَالُوْا مَا	سکتا ہے۔ کیا پس تم یاد دہانی نہیں حاصل
ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ	کرتے ہو۔ اور انھوں نے کہا کہ یہ تو ہماری
وَنَحْیَا وَمَا یُھْلِکُنَآ اِلَّا الدَّھْرُ	بس دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور
وَمَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ	جیتے ہیں اور ہمیں بس زمانہ ختم کرتا ہے۔ انھیں
اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ [2]	اس کی کچھ جانکاری نہیں۔ وہ بس اٹکل
(جاثیہ: ۲۲-۲۴)	کے تیر چلاتے ہیں۔

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۲/۷۷۹۔ [2] مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ، ان دو آیتوں میں مخاطب کی تبدیلی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اس آیت کریمہ کا مصداق یہود ہیں جو دعوت کے اس مرحلے میں مشرکین عرب کی حمایت میں سرگرم تھے اور دوسری آیت کے مصداق کفار عرب۔ تدبر قرآن: ۶/۲۲۱۔ لیکن دیگر ائمہ تفسیر کی تشریحات کی روشنی میں ان دونوں آیتوں میں خطاب مشرکین عرب ہی سے ہے۔ اور اس طرح یہ آیات سورۂ فرقان کی آیت مذکورہ کے سیاق میں ہیں جو واضح طور پر عرب کے مشرکین سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو: ابن جریر: ۲۵/۹۱۔ الکشاف: ۲/۲۴۹ نیز ابن کثیر: ۴/۱۵۰۔ ہمارے نزدیک یہی رائے قابل ترجیح ہے۔ مولانا اصلاحی نے آیت مذکورہ میں جن اوصاف کی بنا پر اس کا مخاطب یہود کو مانا ہے، یہ چیزیں مشرکین عرب کے ہاں بھی موجود تھیں۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

سورۂ محمد میں اہل ایمان کو آخرت کے اجر بے پایاں کی بشارت دیتے ہوئے، لذت دنیا میں گم اہل کفر و شرک کو دوزخ کے دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ	ضرور اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ایسے باغات
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ رہے
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ	وہ جنھوں نے انکار کیا تو وہ (دنیا کی اس
يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ	زندگی میں) کچھ فائدہ اٹھالیں اور کھا پی لیں
النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ	جیسے کہ جانور کھاتے ہیں۔ (بعد کی زندگی میں)
(آیت: ۱۲)	ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بعد میں ان کے اس انجام بد سے دوچار ہونے کی واحد وجہ یہ بتائی کہ یہ لوگ دنیا کے اندر خواہشات کی پیروی کے دام میں گرفتار رہے:

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ	سو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے واضح
رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ	نشانی پر ہو اس کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لئے
عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ	اس کے برے عمل خوشنما کر دیئے گئے اور یہ لوگ
(آیت: ۱۴)	اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں لگے ہوں۔

آخری پیغمبرؐ کی دعوت کو یہ لوگ جو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے تو اس راہ کی دوسری رکاوٹیں اپنی جگہ، ان کا اصل مرض ہی تھا کہ یہ لوگ خواہشات نفس کے دام میں اسیر تھے۔ اور آخرت کے ادھار سودے کی خاطر دنیا کی نقد آسودگیوں اور آسائشوں بالفاظ دیگر اپنی ہوس پرستیوں سے دست بردار ہونے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ تھے:

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ	سو اگر یہ تمہاری بات نہ مانیں تو سمجھ لو
فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ	کہ یہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں لگے
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ	ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر راہ سے ہٹا اور کون
بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ	ہو سکتا ہے جو اللہ کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿قصص : ۵۰﴾	اپنی خواہش نفس کی پیروی میں لگ جائے ضرور اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

انسانوں کی حکمرانی

دنیا کے ہر نظام فکر وعمل کی طرح شرک وبت پرستی کا یہ خاصہ بھی اپنی جگہ ہے کہ اس کے فلسفے اور بنیادوں میں جزوی طور پر جو اختلافات بھی پائے جاتے ہوں عملی زندگی میں اس کا یہ نتیجہ متفقہ طور پر سامنے آتا ہے کہ سوسائٹی کا مٹھی بھر نمایاں طبقہ اس کا موئد اور سرپرست بن کر ابھرتا ہے۔ اور وہ آبادی کی عظیم اکثریت کو اپنے پسندیدہ راستے پر لگانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ آج کی مروجہ اصطلاح میں اسے ہم مفاداتِ حاصلہ VestedIntrests کا نام دے سکتے ہیں جنھیں قرآن قوم کے سر برآوردہ لوگ 'ملأ قوم'، اپنی بڑائی کے نشہ میں سرشار 'الذین استکبروا' اور لیڈران قوم 'الذین اتبعوا' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ چونکہ ان کے تمام تر مفادات اسی مروج نظام زندگی سے وابستہ ہوتے ہیں اس لئے وہ اس کے پورے ڈھانچے اور اس کے تمام کل پرزوں کے ساتھ اس کے تحفظ اور بقا کے لئے اپنا پورا ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ظاہر ہے ان کا یہ مقصد صرف شرک کے فلسفے اور اس کی بنیادوں کے باقی رہنے سے حاصل نہیں ہوسکتا، یہ مقصد تو اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جبکہ اس سے وابستہ پورے نظام زندگی کے پھلنے پھولنے کے مواقع حاصل ہوں اور شرک کے ساتھ اس سے متعلق پوری شریعت بھی پوری طرح زندہ اور برقرار ہو۔ موئدین نظام شرک کا یہی آپسی گٹھ جوڑ ہے جسے قرآن نے سیدنا ابراہیمؑ کی دعوت کی تفصیل کے ذیل میں مَوَدَّۃَ بَیۡنِکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کے بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے جب کہ قیامت کے روز اس شیرازے سے بکھر جانے کے بعد ہر ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوگا:

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡثَانًا مَّوَدَّۃَ بَیۡنِکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکۡفُرُ بَعۡضُکُمۡ	اور اس نے (ابراہیم نے) کہا تم نے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے بتوں کا جو سہارا پکڑا ہے تو محض دنیا کی زندگی میں باہمی محبت و تعلق کے سبب۔ بعد میں قیامت کے دن تم

Marfat.com

بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ (عنکبوت: ۲۵)

میں سے ایک دوسرے کا انکار اور ہر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرے گا۔ اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔

آخری نبیؐ کی دعوت کے بیان میں قرآن نے اس حقیقت کو بار بار ابھارا ہے کہ کس طرح قوم کا سربرآوردہ یہ طبقہ رائج الوقت نظام شرک و کفر کو برقرار رکھنے کے لئے سب سے پہلے آگے بڑھ کر قرآن اور اس کے عطا کردہ نظام فکر و عمل کا انکار کرتا تھا اور اپنے اثر و اقتدار کی دھونس جما کر عوام الناس کو اپنے پسند کردہ راستہ پر چلنے کے لئے مجبور کرتا تھا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ اِلْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (سبا: ۳۱)

اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا ہم ہرگز ہرگز اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے، نہ اس چیز پر جو اس سے پہلے رہی (تورات و انجیل وغیرہ)۔ اور اگر تم دیکھتے (تو یہ عجیب منظر ہوتا) جبکہ یہ بے انصاف اپنے رب کے حضور کھڑا ہوں گے دریں حالیکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی بات کو پلٹ رہا ہوگا۔ وہ لوگ جو دبائے ہوئے تھے ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔

اس کے بعد قرآن خدا کے حضور ان کے اس آپسی تکرار کی تفصیل ان لفظوں میں پیش کرتا ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝

وہ لوگ جو بڑے بنے ہوئے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو دبے ہوئے تھے کیا ہم نے تم کو راستی سے روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی۔ بلکہ تم خود مجرم تھے اور جو لوگ

Marfat.com

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا	دبے ہوئے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ	گے جو بڑے بنے ہوئے تھے بلکہ تمہاری رات
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ	دن کی تدبیر (اس کا سبب تھی) جبکہ تم ہم
اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ	کو حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور
اَنْدَادًا وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ	اس کے لیے (دوسروں) کو ساجھی ٹھہرائیں
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا	اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (اپنی) شرمساری
الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ	کو چھپائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار
كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا	کیا ہم ان کی گردنوں میں زنجیر ڈال دیں گے ان
يَعْمَلُوْنَ ؀ (آیت: ۳۲-۳۳)	کو بدلہ اسی کا تو ملے گا جو یہ کرتے رہے تھے۔

قرآن کہتا ہے یہ کچھ اسی پیغمبرؐ کے ساتھ خاص نہیں۔ نظام شرک وکفر کے علم بردار، ہر دور میں اپنی دنیوی حیثیت سے دھوکہ کھا کر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آنے والی شریعتوں کا ان کی جملہ تفصیلات کے ساتھ انکار کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ	اور ہم نے کسی بستی میں جو ڈرانے والا
نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا	بھی بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ
بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ؀	(رسولو!) تم جس چیز کو دے کر بھیجے گئے ہو ہم
وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ	اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور انھوں نے
اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ؀	کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے بڑھے ہوئے
(سبا: ۳۴-۳۵)	ہیں۔ اور ہم پر عذاب نہیں ہونے کا ہے۔

نظام کفر و شرک کے ان وسیع دائروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آخری نبیؐ نے اسے منہدم کرتے ہوئے جب اس کی جگہ توحید کا آوازہ بلند کیا تو اس کے پیش نظر نظام زندگی میں کتنی دور رس تبدیلیاں رہی ہوں گی۔ اور قرآن کی یہ پکار فکر و عمل کے مکمل انقلاب سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہو سکتی کہ:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ	پیروی کرو اس پورے (مجموعۂ دین)

Marfat.com

رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(اعراف: ۳)

کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک اتارا گیا ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسرے کار سازوں کے کہے میں نہ رہو۔ تم بہت کم یاد دہانی حاصل کرتے ہو۔

Marfat.com

اہل کتاب یہود و نصاریٰ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دوسرے مخاطب اہل کتاب یہود و نصاریٰ تھے۔ جو صاحب شریعت تھے اور جن کے پاس اپنی ضروریات و حالات کے لحاظ سے خود کفیل نظام قانون موجود تھا۔ جو ان کی جملہ معاملات زندگی میں ہدایت و رہنمائی کے لیے بالکل کافی تھا۔ چنانچہ یہود کے متعلق قرآن صراحت کرتا ہے کہ توراۃ کی صورت میں انھیں وہ کتاب عطا کی گئی تھی جو زندگی کی پر پیچ راہوں میں انھیں راہ صواب دکھانے والی اور مسائل کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں انھیں مشعل راہ کا کام دینے والی تھی اور اس قوم کے زوال پذیر ہونے سے قبل عرصۂ دراز تک اس کے انبیاء اور علماء و فقہاء کسی کمی اور کھوٹ کے بغیر پوری دیانت داری اور امانت کے ساتھ اس کے مطابق ان کے معاملات زندگی کے فیصلے کرتے تھے۔ زندگی کے جملہ امور و مسائل میں یہی کتاب ان کی رہنما تھی۔ اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کیے بغیر وہ اس کا حق ادا کرتے تھے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا	ضرور ہم نے تورات اتاری۔ اس میں
هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا	ہدایت اور روشنی تھی۔ جس کے ذریعہ (عرصۂ
النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	دراز تک) انبیاء جو مطیع فرمان تھے فیصلے کرتے
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ	رہے ان لوگوں کے لیے جو یہودی تھے (اسی
وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ	طرح ان کے) علماء و فقہاء، اس لئے کہ انھیں
كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ	اللہ کی کتاب کا نگراں بنایا گیا تھا اور وہ اس
شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ	پر گواہ تھے۔ سو تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ (صرف)
وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ	مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کا تھوڑے
ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا	داموں سودا نہ کرو اور جو کوئی فیصلہ نہ

اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۝ (مائدہ: ۴۴) — کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

نورانی شریعت کا وسیع دائرہ:

اس کتاب کا نظام شریعت کس وسعت کا حامل تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر علاوہ زندگی کے دیگر امور و مسائل کے فوجداری قانون انتہائی اہم تفصیلات کے ساتھ موجود تھا۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ (آیت: ۴۵)

اور ہم نے ان کے اوپر اس میں فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان، دانت کے بدلہ دانت۔ اسی طرح (دوسرے تمام) زخم قابل قصاص ہیں۔ سو جو کوئی اپنی طرف سے اسے چھوڑ دے تو یہ اس کے لئے (اپنے گناہوں کا) کفارہ ہے اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ ظالم ہیں۔

اس سے قبل حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے سلسلے میں اسی ذیل کی ایک اور اہم ہدایت بیان کی گئی، اس وضاحت کے ساتھ کہ اس کے علاوہ اس قوم کے رسولوں کو ہم نے جملہ معاملات زندگی کے سلسلے میں واضح احکامات (بینات) عطا کئے تھے:

لہ مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ نے دیگر نظائر قرآن کی روشنی آیت کے اس آخری ٹکڑے کو خطاب کی تبدیلی کے ساتھ وقت کے یہود کے بجائے مذکورہ علماء و فقہاء ہی سے متعلق مانا ہے۔ اور اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، تدبر قرآن: ۲/ ۳۰۰۔ ۳۰۱

Marfat.com

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ (مائدہ:۳۲)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا کہ جو کوئی کسی جان کو قتل کرے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد برپا کرنے کے بغیر اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ اور ہاں ان کے پاس ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پھر بھی ان میں بہتیرے اس کے باوجود بھی زمین میں حد سے بڑھنے والے ہیں۔

قوم یہود کے جرائم:

اس کے علاوہ قرآن نے مختلف مقامات پر یہود کے جرائم اور ان کے اخلاقی امراض کی تفصیل بیان کی ہے۔ جن میں یہ قوم اپنی شرارتوں اور کتاب اللہ میں من مانی تحریفات کے نتیجے میں گرفتار ہوئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کی وسیع تعلیمات ہوں گی جن کا حق تعالیٰ کی جانب سے انھیں حکم کیا گیا اور جن پر بے کم و کاست عمل پیرا ہونے پر ہی ان کی دنیا و آخرت کی فلاح وابستہ ہوگی۔ آخری نبیؐ کی دعوت کو روک دینے کے لئے اس قوم کا سب سے بڑا ہتھیار جھوٹ تھا جس کی یہ بری طرح رسیا اور دلدادہ تھی۔ جھوٹی باتیں سننا اور جھوٹی باتوں کا یقین کرنا اور عدالت سے جھوٹے فیصلے حاصل کرنے کی کوشش کرنا اس قوم کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس کے لئے یہ لوگ توراۃ کو چھوڑ کر آخری نبیؐ سے اپنے حسب دلخواہ فیصلے کے لئے ناکام توقع وابستہ کرتے ہیں:

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان میں بہتیرے جھوٹ سننے والے، کچھ دوسرے لوگوں کے لئے سننے والے ہیں جو تم تک نہیں آئے۔ یہ بات کو ہٹاتے ہیں اس کی اصل جگہوں

Marfat.com

إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَ
إِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ
اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ
اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ
اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي
الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (مائدہ: ۴۱)

سے۔ کہتے ہیں اگر تم کو یہ ملے تو تو اسے لو اور اگر تم کو یہ نہ ملے تو بچ رہو۔ اور اللہ جس کی آزمائش کرنا چاہے تو اللہ کے مقابلے میں تم اس کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھ سکتے یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

فرمایا کہ اس نحوست کا اثر یہ ہے کہ پوری قوم جھوٹی گواہی اور رشوت ستانی کے مرض میں گرفتار ہے[1]

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ
لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ
وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝
(مائدہ: ۴۲)

جھوٹ کے سننے والے اور حرام (رشوتوں) کے کھانے والے۔ سو اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے درمیان فیصلہ کر دو یا ان سے منہ پھیر لو۔ اور اگر تم ان سے منہ پھیر لو تو یہ تمہارا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ضرور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ قوم یہود کے اندر زنا کا ایک واقعہ تھا جس کے سلسلے میں وہ تورات کے حکم (رجم) سے بچنے کے لئے کسی ہلکی سزا کی توقع میں آخری نبیؐ کی بارگاہ میں آئے تھے۔ فرمایا کہ جس نبیؐ کے قدم اکھاڑنے کی خاطر یہ صبح سے شام تک سازشوں کے جال بننے میں مصروف رہتے ہیں یہ کیا بات ہے جو اس نیازمندی سے اس خاص مسئلے میں وہ اس کا رخ کر رہے ہیں:[2]

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَ

یہ کیسے تم کو ثالث بناتے ہیں۔ جبکہ

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۳۶۰۔ [2] تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۹-۶۰۔

Marfat.com

عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (مائدہ: ۴۳)

ان کے پاس تورات ہے جس میں (صاف) اللہ کا حکم موجود ہے۔ پھر یہ اس کے بعد پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اور یہ ماننے والے لوگ نہیں ہیں۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے ان کا یہی مرض بیان کیا ہے کہ ان کی ساری تگ و دو برائی، ظلم و سرکشی اور حرام خوری کے لیے ہے جبکہ اس کے برعکس انھیں خیر و فلاح کے ہمہ جہتی کاموں کے لیے سرگرم کار رہنا تھا:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (مائدہ: ۶۲-۶۳)

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ یہ گناہ، سرکشی اور حرام کھانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں بہت برا ہے جو یہ کرتے رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے (ان کے) علماء و فقہاء انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے۔ بہت بری ہے یہ کمائی جو یہ کما رہے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اس قوم سے کسی بہتری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے جبکہ یہ بجائے نیکیوں اور بھلائیوں کے ہر طرح کی برائیوں اور نافرمانیوں کے سلسلے میں بے مہار ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

پھٹکارے گئے جنھوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی۔ یہ اس لیے ہوا جو یہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔ یہ جو آپس میں برائی کے کام کرتے تھے تو ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ بہت بری تھی یہ چیز جو یہ کرتے تھے۔

(آیات: ۷۸-۷۹)

Marfat.com

دوسرے مقام پر قرآن نے ان کے اسی طرح کے ایک اور جرم سود خوری اور بے ایمانی کی نشاندہی کی ہے جبکہ ان کے برعکس نیکی اور بھلائی کی باتوں کا انھیں حکم دیا گیا تھا:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (نسا: ۱۶۰۔۱۶۱)

سو نافرمانی کی وجہ سے ان کی جو یہودی ہوئے ہم نے ان کے اوپر حرام کر دیں بہت سی وہ چیزیں جو (پہلے) ان کے لئے حلال تھیں۔ اور اس لئے کہ یہ اللہ کے راستہ سے بہت زیادہ روکتے اور سود لیتے جبکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے۔ اور ہم نے ان میں سے (ایسے) کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حق پرست اہل کتاب:

البتہ ان کے کچھ لوگ جو اللہ کی توفیق سے حق پر قائم ہیں اور اسی کی برکت سے جنھیں آخری نبیؐ کی دعوت کو قبول کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے نماز اور زکوٰۃ کا دامن مضبوط پکڑ کر اپنے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سامان کر لیا ہے:

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (نسا: ۱۶۲)

البتہ وہ جو ان میں علم میں گہرے اور ایمان والے ہیں وہ یقین رکھتے ہیں اس چیز کا جو تم تک اتاری گئی نیز اس کا جو تم سے پہلے اتاری گئی۔ اور (یہ) نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے ہیں۔ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ یہ ہیں جنھیں ہم جلد ضرور بڑا بدلہ دیں گے۔

Marfat.com

نصاریٰ صاحب شریعت گروہ:

قوم یہود کی اصلاح کے لئے مبعوث ہونے والے آخری اسرائیلی پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکار نصاریٰ، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے تیسرے بنیادی مخاطب تھے۔ یہ بھی ایک صاحب شریعت گروہ تھا اس لئے کہ حضرت مسیح کوئی نیا دین اور نئی شریعت لیکر نہیں آئے تھے۔ بلکہ موسوی شریعت 'توراۃ' کو صحیح معنوں میں زندہ کرنے اور انجیل کی حکمت و موعظت اور روح شریعت کی پیروی پر مشتمل ابھری ہوئی تعلیمات کے ذریعہ اس پہلو سے تورات کے اندر پیدا ہو جانے والے نقص کو دور کرنے کے لئے آں جناب کی بعثت ہوئی تھی جس کی صراحت آج بھی عہد نامہ جدید میں بدیں الفاظ موجود ہے کہ:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ متی باب: ۵: ۱۷۔ نیز یہ کہ:

"آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت (یعنی توراۃ) کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے۔ (لوقا: باب: ۱۶: ۱۷) جس کی تصدیق قرآن حکیم کی درج ذیل آیت کریمہ سے ہوتی ہے کہ آں جناب کے مشن میں انجیل کے ساتھ توراۃ کی تعلیم بھی اسی اہتمام سے شامل تھی۔ چنانچہ بارگاہِ ایزدی سے ان دونوں کا علم انھیں ساتھ ساتھ عطا کیا گیا تھا:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ (آلعمران: ۴۸۔۴۹)	اور اللہ نے عیسیٰؑ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور انھیں بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجا۔

آگے یہی بات ان لفظوں میں کہی گئی:

وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ	اور میں تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات ہے۔ اور میں اس لئے (آیا ہوں) تاکہ تمہارے لئے حلال قرار دوں ان بہت سی چیزوں کو جو تم پر حرام ٹھہریں۔

Marfat.com

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ٥ (آل عمران: ۵۰)

اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کھلی نشان لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے توراۃ کے مصدق ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ توراۃ میں آں جناب کی آمد کی بشارت موجود تھی۔ ساتھ ہی اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ فی الجملہ توراتی شریعت پر عامل تھے اور علمائے یہود کی اس میں پیدا کردہ تحریفات کو ختم کر کے اسے اس کی اصل موسوی صورت پر لانے والے تھے۔[1] حضرت مسیح کی طرح یہی وصف قرآن نے آں جناب کو ملنے والی کتاب انجیل، کا بھی بیان کیا ہے کہ وہ انہی معنوں میں توراۃ کی تصدیق کرنے والی اور اس طرح حکمت و شریعت دونوں کی جامع ہے:

وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِہِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ ٥ (مائدہ: ۴۶)

اور ان (رسولوں) کے پیچھے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو تصدیق کرنے والے تھے اپنے سے پہلے تورات کی۔ اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اپنے سے پہلے تورات کی۔ اور ہدایت اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کے لیے۔

توراۃ سے مل کر حکمت و شریعت کی جامع انجیل کی اسی دوگونہ حیثیت میں اس کے پیرووں کو حکم ہوا کہ انھیں اپنے معاملات زندگی کا فیصلہ اس کے مطابق کرنا چاہیے چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا:

وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْہِ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ

اور چاہیئے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے۔ اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو

---

[1] مفاتیح الغیب: ۲/۷۶۔

هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (مائدہ : ۴۷) اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ گنہگار ہیں۔

قرآن کا نسخۂ شفا

کون نہیں جانتا کہ یہود کی طرح نصاریٰ بھی عہد الٰہی کے ساتھ وفا نہ کر سکے اور اول الذکر کی طرح ان لوگوں نے بھی اپنی مقدس کتاب میں تبدیلیاں کر ڈالیں اور یہود ہی کی طرح بے جا عصبیتوں کا شکار ہو گئے۔ اہل کتاب کے ان دونوں ہی گروہوں یہود و نصاریٰ کے اس درد کا درماں مشیت ایزدی نے آخری نبیؐ کو دی جانے والی اجمع و اکمل کتاب اور انسانی زندگی کے مکمل دستور 'قرآن' کے ذریعہ کیا۔ جس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ توراۃ و انجیل کی طرح جملہ صحف سماوی کی تعلیمات و ہدایات کا عطر اور خلاصہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ انسانوں کی طرف سے ان میں کی جانے والی لفظی و معنوی تحریفات کی نشاندہی کرتی اور اس طرح یہ جملہ سابق آسمانی کتابوں کی نگراں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اور قیامت تک کے لئے انسانی زندگی میں جو امور و مسائل پیش آئیں گے ان سب کے سلسلے میں یہ اپنے اندر جامع اور آخری ہدایات رکھتی ہے یہی وجہ ہے جو آخری نبیؐ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا کہ قرآن کی صورت میں تمہیں اب یہ دائمی اور آخری شریعت دی جارہی ہے اس لئے دنیا کے دوسرے تمام انسانوں کی طرح اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے معاملات کا فیصلہ بھی اسی کے مطابق کرنا ہوگا اور ان کی دنیا و آخرت کی فلاح اس سے وابستہ ہے کہ وہ بھلائی کے اس آخری ایڈیشن کی طرف لپکیں۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ	اور ہم نے تم تک کتاب اتاری ہے حق
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ	کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے
يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا	سے پہلی کتابوں کی اور ان پر نگراں ہے۔
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا	سو تم ان (اہل کتاب یہود و نصاریٰ) کے
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ	اتارا ہے اور تمہارے پاس جو حق آگیا ہے
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا	اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ اٰتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ط اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (مائدہ: ۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک طریقہ اور راہ عمل قرار دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک مسلک کر دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو آزمائے اس میں جو اس نے تم کو دیا ہے۔ سو تم بھلائیوں کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے۔ سو وہ تم کو بتا دے گا جس میں تم آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔

تکمیلی شریعت کے نمائندہ اس آخری ایڈیشن کے آجانے کے بعد جو کوئی شریعت الٰہی کے نامکمل ایڈیشنوں سے چمٹنے پر اصرار کرے تو اس کا مطلب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ وہ گروہی عصبیتوں میں گرفتار اور اپنی خواہشات نفس کا پرستار ہے اور اس کی یہ روش خالص جاہلیت کی روش ہے۔ جو خدائی فیصلے کی صریح ناقدری ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (مائدہ: ۴۹-۵۰)

اور یہ کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اور ان سے بچو کہ کہیں وہ تم کو آزمائش میں نہ ڈال دیں اس کے کسی حصے سے (پھیر کر) جو اللہ نے تم تک اتارا ہے۔ سو اگر یہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ بس یہ چاہتا ہے کہ انھیں ان کے بعض گناہوں کے سبب پکڑے۔ اور لوگوں میں سے بہتیرے نافرمان ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لئے جو مانیں۔

Marfat.com

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے دو مشترک جرم

احبار و رہبان کی خدائی:

اہل کتاب یہود و نصاریٰ فکر و عمل کی جن بے اعتدالیوں کا شکار ہوگئے تھے جن کی اصلاح کے لیے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اس کے سلسلے میں قرآن ایک جامع بات یہ کہتا ہے کہ انھوں نے ایک خدا کی بندگی اور اس کی بے لاگ اطاعت کے راستے کو چھوڑ کر اپنے علماء و رہبان کو عملاً خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ وہ انھیں جس راہ پر لگا دیتے ہیں وہ آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح ان کے معاملات زندگی بدترین قسم کی دینی انارکی کا شکار ہیں حالانکہ انھیں حکم اس بات کا دیا گیا تھا کہ وہ اپنی پوری زندگی میں خدا اور صرف خدا کے وفادار رہیں گے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۱)

انھوں نے اپنے فقیہوں اور راہبوں کو اللہ کو چھوڑ کر معبود ٹھہرالیا۔ ایسا ہی عیسیٰؑ بن مریم کو۔ حالانکہ انھیں جو حکم دیا گیا تھا وہ یہ کہ یہ بس ایک اللہ کی بندگی کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات پاک ہے اس سے جو یہ ساجھی ٹھہراتے ہیں۔

علماء و رہبان کو خدا 'ارباب' بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ ان کے حضور سجدے بجا لاتے تھے اور ان کی اسی طرح پوجا کرتے تھے جس طرح بتوں اور مورتیوں کی کی جاتی ہے۔ بات یہ تھی کہ انھوں نے اپنے معاملات زندگی کا مختار انہی علماء و رہبان کو قرار دے لیا تھا۔ جس چیز کو یہ ان کے لیے حلال کہتے اسے حلال مان لیتے اور جسے حرام بتاتے اسے حرام باور کر لیتے۔ اس کے حق میں کسی صاحبِ

خانہ سے بڑھ کر شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے؟ یہ حضرت عدی بن حاتم ہیں، احمد، ترمذی اور ابن جریر کی روایت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آوازہ بلند ہو کر بات ان کے کانوں تک پہنچی تو یہ بھاگ کر ملک شام چلے گئے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ نصرانی ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ کسی معرکہ میں ان کی بہن اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے بہت سے لوگ ان کے ہاتھوں قیدی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان کیا اور بہن کو ان کے حوالہ کر دیا۔ بہن جب ان کے پاس پہنچیں تو انھیں اسلام لانے کی ترغیب دلائی۔ نیز اس بات کی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت عدی مدینہ پہنچے تو چونکہ یہ اپنے قبیلے طے کے سردار رہ چکے تھے اور حاتم طائی جن کی فیاضی اور سخاوت آج بھی ضرب المثل ہے ان کے باپ تھے اس لئے مدینہ میں لوگوں کے درمیان ان کی آمد کا چرچا ہوا۔ بالآخر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے دریں حالیکہ ان کے گلے میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی اور ایک خاص کیفیت کے ساتھ آیت کریمہ اتخذوا احبارہم ورہبانہم اربابا من دون اللہ، ان کی زبان پر تھی۔ اس پر کسی سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ آخر قرآن میں یہ بات کیونکر کہی گئی جبکہ وہ معروف معنوں میں ان کی عبادت اور پرستش نہ کرتے تھے۔ قال فقلت لہم انہم لم یعبدوہم، اس کے جواب میں حضرت عدیؓ بن حاتم نے فرمایا:

بلی انہم حرموا علیہم	ہاں انھوں نے ان کے اوپر حلال کو
الحلال واحلوا لہم الحرام	حرام کیا اور ان کے لئے حرام کو حلال ٹھہرایا۔
فاتبعوھم فذلک عبادتہم ایاھم[1]	سو یہی ان کا ان کی عبادت کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے جو قرآن نے ان کے سامنے بندگی رب کے 'کلمہ سواء' کی دعوت میں اس اہم دفعہ کو بھی شامل رکھا کہ اب ایک خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے انسان کو عملاً خدائی کا درجہ نہ دیا جا سکے گا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ	کہو اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی
كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ	طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر
إِلَّا اللَّهَ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	ہے۔ یہ کہ ہم بس (ایک) اللہ کی بندگی کریں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۴۸۔

Marfat.com

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ	اور ہم میں سے کچھ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو
تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا	معبود نہ ٹھہرائیں۔ اب اگر یہ منہ پھیرتے ہیں
مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران: ۶۴)	تو کہو کہ گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔

عبادت طاغوت

اس کے ساتھ ہی قرآن نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ایک جرم عبادت طاغوت، طاغوت کی بندگی قرار دیا ہے:

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ	کہو کیا میں بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک اس
مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰہِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰہُ	سے بدتر انجام کس کا ہے۔ اس کا کہ جس پر اللہ
وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ	کی پھٹکار ہوئی اور اس کا غضب نازل ہوا اور
الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ	اس نے ان میں سے بندر اور سور بنا دیے۔
الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا	اور (یہی تھے) جنھوں نے طاغوت کی بندگی
وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝	کی۔ یہ جگہ کے لحاظ سے سب سے بدتر اور سیدھے
(مائدہ: ۶۰)	راستہ سے سب سے دور بھٹکے ہوئے ہیں۔

جس کے ایک معنیٰ امام رازیؒ نے یہی فقہاء و علماء لکھے ہیں:

وقيل الطاغوت	اور کہا گیا ہے طاغوت کے معنی ہیں علماء
الاحبار	و فقہاء۔

اس تفصیل کے ساتھ کہ:

وكل من اطاع احدا	اور جو کوئی اللہ کی نافرمانی کے معاملہ میں
فی معصية الله فقد	کسی کی پیروی کرے تو ضرور اس نے اس کی
عبده[1]	بندگی (عبادت) کی۔

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳/۴۲۷۔

Marfat.com

قرآن نے کہا کہ آخری رسول اور آخری کتاب کے آجانے کے بعد تم فکر و عمل کی ان بے اعتدالیوں سے نکل کر ہی انکار خدا اور کفر کے انجام سے اپنے کو بچانے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ توراۃ اور انجیل میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آخری کتاب کے آجانے کے بعد زندگی کے تمام معاملات میں اسی کی بے لاگ پیروی ضروری ہوگی۔ توراۃ اور انجیل کا حق ادا کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ محض کفر کا راستہ ہے:

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ	کہو اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں یہاں
عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرَاةَ	تک کہ تم توراۃ اور انجیل کو ٹھیک قائم کرو ساتھ
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	ہی اس چیز (قرآن) کو جو تمہارے رب کی طرف
مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا	سے تم تک اتارا گیا ہے۔ اور ضرور ان میں سے
مِّنْهُمْ مَّا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ	بہتوں کو بڑھائے گی وہ چیز جو تم تک اتاری
رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا	گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے سرکشی
تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ٥	اور انکار میں۔ تو تم ایسے کافر لوگوں پر افسوس
(مائدہ: ۶۸)	نہ کرو۔

فرمایا کہ اہل کتاب ہوش میں آجائیں۔ آخری کتاب کو اپنا دستور حیات بنا کر ہی وہ دنیا و آخرت میں فلاح یابی کی توقع کر سکتے ہیں۔ ایسا کر کے وہ آخرت کے اجر بے پایاں سے تو شاد کام ہوں گے ہی ان کی دنیا کی زندگی بھی مسرتوں کا گہوارہ بن جائے گی۔ فرمایا کہ آخری کتاب کی بے لاگ پیروی ہی ایمان اور تقویٰ کی راہ پکڑنے کی واحد ضمانت ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ	اور اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور ڈریں
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ	تو ہم ضرور ان سے ان کی برائیوں کو دور کریں۔
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنَاهُمْ	اور انھیں داخل کریں ہمیشگی کے باغات
جَنَّاتِ النَّعِيْمِ وَلَوْ اَنَّهُمْ	میں۔ اور اگر یہ ٹھیک قائم کریں توراۃ اور
اَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَ	انجیل کو اور اس چیز (قرآن) کو جو ان تک
مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ
اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ
وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○
(مائدہ : ٦٦)

تو وہ ضرور کھائیں اپنے اوپر اور اپنے پیروں
کے نیچے سے۔ ان میں ایک گروہ جادۂ
اعتدال پر ہے۔ اور ان میں زیادہ تر،
برا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

وحدت دین

دعوت انبیاء کا اہم ترین نکتہ

اس پوری انبیائی دعوت کا ایک اہم ترین نکتہ جو اسلامی تصور مذہب کی تشکیل میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے "وحدت دین" ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ سلسلۂ نبوت کے آغاز سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک خدائی دین کا جو تسلسل اور وحدت قائم چلی آئی ہے، اُسے اسی طرح قائم اور برقرار رکھا جائے۔ اور اس وحدت کو پارہ کرنے کی جو صورتیں رہی ہیں، ان میں سے ہر ایک سے اجتناب کیا جائے۔ گروہ انبیاء میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک امتیازی شان کے حامل ہیں۔ جن کے ذریعہ انسانی تاریخ کے ایک تاریک ترین دور میں اس دین قدیم کی تجدید عمل میں آئی۔ پھر یہ امتیاز بھی آپ ہی کا ہے کہ قرآن کے تینوں بنیادی مخاطبین مشرکین عرب اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے نزدیک آپ کی شخصیت مسلم تھی جس سے کسی کو اختلاف نہ تھا۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہوا کہ میں اللہ کے بتائے اسی سیدھے سچے براہیمی طریقے کی پیروی کرنے والا اور لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا ہوں:

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝	کہو کہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ پر لگایا ہے، ٹھیک دین، ابراھیم کا طریقہ جو یکسو تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

(الانعام: ۱۶۱)

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ	کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ دن کی روشنی میں ہوں میں اور

Marfat.com

مَنِ اتَّبَعَنِیْ (یوسف:۱۰۸) وہ جو میرے پیچھے چلنے والے ہیں۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام:۱۵۳)

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں کو نہ پکڑو جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے اِدھر اُدھر کر دیں۔

وحدت دین کا تسلسل اور اس کی حقیقت

یہی وہ دین ہے جس کی ازل میں بارگاہ رب العزت سے رہنمائی ہوئی تھی:

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ۔ (حجر:۴۱)

(اللہ نے) کہا یہ راستہ ہے جو مجھ تک سیدھا پہنچنے والا ہے (اسی پر سب چلیں گے) سوائے ان گمراہوں کے جو تمہاری (شیطان کی) پیروی اختیار کریں۔

اور یہی وہ دین ہے جسے آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک بلا استثناء ہر نبی کو قائم رکھنے کی تلقین کی گئی۔ نمونہ کے طور پر چند جلیل القدر اولو العزم پیغمبروں کے حوالہ سے جو صاحب شریعت تھے اور ہمارے آج کے دور کی طرح زمانہ نزول قرآن کے وقت متمدن دنیا کی عظیم اکثریت انہی میں سے کسی نہ کسی کی مدعی تھی، قرآن نے اپنے مخاطبین کے سامنے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اسی دین کے قیام و بقاء سے تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح وابستہ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ

اس نے (اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی تم کو اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو اور وہ یہ کہ تم سب (وحدت) دین کو قائم رکھو

عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ	اور اس کے معاملہ میں ٹکڑیوں میں نہ بٹو
إِلَيْهِ اللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَنْ	مشرکوں کے لئے وہ چیز بڑی بھاری
يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ	ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے
(شوریٰ: ۱۴)	ہو۔

اس آیت کریمہ کے تحت مفسرین کرام کی اس طرح کی تشریحات:

والمراد اقامة دين	اس سے مراد دین اسلام کی اقامت ہے جس
الاسلام الذی هو توحيد	کا مطلب ہے اللہ کی وحدانیت اور اس کی
الله وطاعته والايمان	اطاعت اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں
برسله وكتبه وبيوم الجزاء	اور بدلے کے دن، اس کے ساتھ ہی ان تمام
وسائر ما يكون الرجل باقامته	چیزوں پر ایمان جس کے قائم رکھنے سے آدمی
مسلما ولم يرد الشرائع	مسلمان ہوتا ہے۔ اس سے مراد شریعتیں
التی هی مصالح الامم على	(مختلف انبیاء کو دیئے گئے تفصیلی قوانین) نہیں
حسب احوالها فانها	ہیں۔ جو مختلف قوموں کو ان کے حالات کی
مختلفة متفاوتة قال الله	رعایت سے دی جاتی رہی ہیں۔ اس لئے کہ ان
تعالیٰ لكل جعلنا منكم	کے اندر بہت کچھ اختلاف اور فرق ہے۔ اللہ
شرعة ومنهاجا [1]	تعالیٰ نے فرمایا: "ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے
	ایک شریعت اور ایک طریقہ رکھا۔

یا مثلاً:

فالمقصود من الآية انه	آیت کا مقصد ہے کہ کہا جائے کہ اس نے
يقال شرع لكم من الدين	(اللہ نے) تمہارے لئے وہ دین ٹھہرایا جس
دينا تطابقت الانبياء على	کی صحت وصداقت پر تمام انبیاء یک زبان ہیں

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/ ۱۳۰۸۔

Marfat.com

صحته واقول يجب ان يكون المراد من هذا الدين شيئا مغائرا للتكاليف و الاحكام وذلك لانها مختلفة متفاوتة قال تعالى لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجا فيجب ان يكون المراد منه الامور التى لا تختلف باختلاف الشرائع وهى الايمان بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والايمان بوجوب الاعراض عن الدنيا والاقبال على الآخرة والسعى فى مكارم الاخلاق والاحتراز عن رذائل الاحوال [1]

میں کہتا ہوں کہ لازم ہے کہ اس دین سے مراد ایسی چیز ہو جو احکام اور ذمہ داریوں کے برعکس ہو۔ اس لئے کہ ان کے اندر بڑا اختلاف اور فرق پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا" تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ پس لازم ہے کہ اس سے مراد ایسے امور ہوں جن میں شریعتوں کے بدلنے سے کوئی فرق نہ واقع ہوتا ہو۔ اور یہ ہیں اللہ پر ایمان اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر۔ اسی طرح اس بات پر ایمان کہ دنیا سے منہ پھیرنا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا، مکارم اخلاق کو اپنانے اور پھیلانے کی سعی و کوشش۔ ساتھ ہی احوال و معاملات جو رذائل سے ہوں ان سے اجتناب ضروری اور لازمی ہے۔

اس سے عام طور پر لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ دین جس کے قائم کرنے یا قائم رکھنے کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم ہوا اس کا تعلق عقائد و اخلاق کی موٹی موٹی دفعات سے ہے۔ پوری زندگی میں خدائی احکام و ہدایات کا وجوب اس سے نہیں نکلتا۔ حالانکہ صاف اور سیدھی بات ہے کہ جب یہ مفسرین حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت

---

[1] مفاتیح الغیب : ۷/۳۸۲۔

Marfat.com

کی مابہ الاشتراک چیزوں کی نشاندہی کے ساتھ آیت کریمہ :

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (مائدہ : ۴۸)	تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ ٹھہرایا۔

کا حوالہ لازمی طور پر دیتے ہیں۔ تو اس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ انبیائی پیغام کے مشترک امور و مسائل کے علاوہ یہ لوگ ان کے لئے الگ شریعتوں اور مجموعہ احکام و ہدایات کے بھی قائل ہیں اور یہی وہ چیز ہے جسے ہم آج کی اصطلاح میں "نظام زندگی" اور "ضابطہ حیات" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آگے امام رازی کو ان شرائع کے مزاج اور ان کی نوعیت کے تجزیہ کی ضرورت نہ ہوتی :

(المسئلة الثانية) هذه الآية تدل على ان هذه الشرائع على قسمين منها ما يمتنع دخول النسخ و التغيير فيه بل يكون واجب البقاء في جميع الشرائع و الاديان كالقول بحسن الصدق والعدل والاحسان والقول بقبح الكذب والظلم والايذاء ومنها ما يختلف باختلاف الشرائع والاديان ودلت هذه الآية على ان سعي الشرع في تقرير النوع الاول اقوى من سعيه في تقرير النوع الثاني لان

(دوسرا مسئلہ) یہ آیت بتاتی ہے کہ یہ شریعتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جن میں کسی قسم کا نسخ اور تبدیلی ناممکن ہے۔ بلکہ یہ تمام شریعتوں اور مذاہب میں لازمی طور پر باقی رہنے والی ہیں۔ مثال کے طور پر سچائی، انصاف اور حسن سلوک کا اچھا تسلیم کیا جانا یا جھوٹ ظلم و ناانصافی اور ایذا رسانی وغیرہ کا برا تسلیم کیا جانا۔ دوسرے وہ جو شریعتوں اور مذاہب کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ پہلی قسم کی چیزوں کے بقاء و استحکام کے سلسلے میں دوسری قسم کی چیزوں کے بقاء و استحکام کے بالمقابل شریعت کی کوشش اور توجہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ پہلی قسم کی چیزوں پر پابندی اور دوام، ان احوال و معاملات کے حصول میں جو آخرت کی زندگی

Marfat.com

المواظبة علی القسم الاول مهمة فی اکتساب الاحوال المفیدة لحصول السعادة فی الدار الآخرة [1]	ہیں آدمی کو سعادت و فلاح سے ہمکنار کر سکیں، مقابلۃً زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

دور آخر کے مفسرین میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی آیت کی تفسیر میں اس اشکال کو اچھے انداز سے رفع کیا ہے۔ وحدت دین اور اختلاف شرائع میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ دین اپنی حقیقت کے اعتبار سے تفصیلی شریعت کو مستلزم ہے۔ وحدت دین کی اہم دفعات کی نشاندہی کا مطلب ہرگز نہیں کہ ان سے آگے بقیہ زندگی میں آدمی کو مرضیات الٰہی سے بے نیاز ہو کر رہنے کا لائسنس مل جائے۔ اگر شریعتوں کے اختلاف سے اس کی گنجائش نکلتی تو آخری شریعت میں بھی نسخ کی صورتوں میں اس کا ضرور موقع ہوتا۔ جبکہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پیرو اس کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا ہے۔ دین کی ہمیشہ سے ایک ہی حقیقت ہے کہ جملہ معاملات زندگی میں خدائی احکام و مرضیات کی پیروی اختیار کی جائے۔ مختلف ادوار میں انبیاء کی مختلف شریعتیں اسی ایک مقصد کو پورا کرتی رہی ہیں۔ جبکہ آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد دنیا کے تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے اس کے لئے یکسو ہونا ضروری ہے" شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا" کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی موصوف فرماتے ہیں:

(شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا) وذلک الدین ھو الایمان باللہ وحدہ وبصفاتہ وبانبیائہ وکتبہ وملائکتہ والبعث بعد الموت وبکل ما جاء بہ الاتیان والاتیان بما امر	(اس نے تمہارے لئے وہ دین ٹھہرایا جس کی اس نے نوح کو تاکید کی) یہ دین ہے تنہا اللہ پر ایمان۔ اور اس کی صفات پر اور اس کے نبیوں پر اور اس کے فرشتوں پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔ ساتھ ہی ان تمام باتوں پر جن پر عمل پیرا ہونے کا شریعت میں حکم آیا ہے یعنی جن باتوں کا اللہ نے حکم

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۳۸۳۔

Marfat.com

الله به والانتهاء عما نهى عنه۔ وهذا امر جامع للشرائع متفق عليها و النسخ فى بعض الاحكام العملية لا يستلزم اختلاف الاديان، الا ترى ان النسخ قد يكون فى دين نبى واحد فان النبى صلى الله عليه وسلم صلى الى بيت المقدس ستة عشر شهرا ثم صلى الى الكعبة فكما ان هذا لا يقتضى اختلاف الاديان فكذلك الاختلاف فى الفروع فى شرائع الانبياء لا يقتضى اختلاف الدين فان مآل الكل الاتيان بما امر الله والانتهاء عما نهى عنه [1]

دیا ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونا اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے باز آجانا۔ یہ وہ معاملہ ہے جو تمام شریعتوں کو شامل ہے جن پر سب کا اتفاق ہے۔ (مختلف شریعتوں میں) بعض عملی احکام کا منسوخ قرار پاجانا یہ ادیان کے اختلاف اور ان کے بدل جانے کو مستلزم نہیں ہے۔ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ نسخ کبھی کبھی ایک ہی نبی کے دین میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خود (آخری) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ ماہ تک بیت المقدس کیطرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ پس جس طرح یہ چیز ادیان کے اختلاف و تبدیلی کا تقاضا نہیں کرتی، ایسطرح مختلف انبیاء کی شریعتوں میں فروعات کا اختلاف بھی دین کے اختلاف اور تبدیلی کا تقاضا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ ان سب کے سلسلے میں انجام کار بات یہیں آکر رکتی ہے کہ وہ تمام باتیں جنکا اللہ نے حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہوا جائے اور ہر وہ چیز جس سے اللہ نے منع کیا ہے اس سے باز رہا جائے۔

وحدتِ دین کی یہی حقیقت اس سے پہلے دوسرے لفظوں میں قاضی بیضاوی نے بھی بیان کی ہے۔

---

[1] تفسیر مظہری: ۸/۳۱۲۔ ندوۃ المصنفین دہلی۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا الآية اى شرع لكم من الدين دين نوح ومحمد ومن بينهما من ارباب الشرائع عليهم الصلوة والسلام وهو الاصل المشترك فيما بينهم المفسر بقوله "ان اقيموا الدين" وهو الايمان بما يجب تصديقه والطاعة في احكام الله تعالى

"شرع لکم من الدین الخ" یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سب کے لئے وہی دین ٹھہرایا یعنی نوح اور محمد اور ان کے درمیان کے صاحب شریعت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین۔ اور یہی وہ بنیادی چیز ہے جو ان سب کے مابین قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی وضاحت (آگے) "ان اقیموا الدین" یعنی کہ دین کو قائم رکھو سے کی گئی ہے۔ جس کا مطلب ہے ان تمام چیزوں پر ایمان جن کی آدمی کے لئے (مسلمان ہونے کیلئے) تصدیق ضروری ہے۔ ان کے ساتھ ہی (جملہ معاملات زندگی میں) اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی پیروی۔

آگے آیت کریمہ کے ٹکڑے "ولا تتفرقوا فیہ" کی وہ یہ تفسیر کرتے ہیں:

"ولا تتفرقوا فيه" ولا تختلفوا في هذا الاصل واما فروع الشرائع فمختلفة كما قال لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا [1]

"ولا تتفرقوا" یعنی کہ اس بنیادی چیز میں اختلاف نہ کرو۔ رہیں مختلف شریعتوں کی جزئیات تو وہ ہمیشہ الگ الگ رہی ہیں جیسا کہ فرمایا: ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے الگ شریعت اور طریقہ ٹھہرایا۔

قاضی بیضاوی کی اس تفسیر میں دو چیزیں خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ آیت میں مذکور انبیائی جماعت "صاحب شریعت" گروہ "ارباب الشرائع" قرار دیتے ہیں

---

[1] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی: ۳/۲۷۲۔ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔

Marfat.com

جس کا صاف مطلب ہے کہ ان کو جو دین ملا تھا وہ اصول وعقائد کے علاوہ پورے نظام زندگی پر مشتمل تھا جس کا دوسرا نام ہی شریعت ہے۔ دوم یہ کہ انبیائی جماعت کا یہ مشترکہ دین جسے "اقیموا الدین" کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ اس میں ایمانیات کی دفعات کی تصدیق کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں خدائی احکامات وہدایات کی پیروی ضروری ہے۔" والطاعۃ فی احکام اللہ تعالیٰ" اس نقطۂ اتحاد کے بعد انبیائی جماعت میں جو چیز مختلف رہی ہے وہ شریعت کی نا قابل لحاظ جزئیات ہیں جو حالات کی رعایت نے ہر دور میں الگ اور جداگانہ رہی ہیں جنہیں دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے "لکل جعلنا منکم ......" کے الفاظ قرآنی سے واضح کیا ہے۔ آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد "اختلاف شرائع" کا یہ باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ اور اب قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کی دنیا وآخرت کی فوز وفلاح اسی شریعت کی اپنے جملہ معاملات زندگی میں تمام وکمال پیروی پر منحصر ہے۔

آیت کریمہ کے اس اجمال کو حافظ ابن کثیر نے نسبتہً زیادہ کھول دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والدین الذی جاءت	وہ دین جسے لیکر تمام انبیاء آئے وہ تنہا
بہ الرسل کلھم ھو عبادۃ	ایک اللہ کی عبادت (بندگی) ہے جس کا
اللہ وحدہ لا شریک لہ	کوئی ساجھی نہیں جیسا کہ فرمایا: "اور تم سے
کما قال عزوجل (وما ارسلنا	پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا اسے یہی وحی
من قبلك من رسول	کی کہ (لوگو!) میرے سوا کوئی (دوسرا)
الا نوحی الیہ انہ لا الہ	معبود نہیں۔ سو تم (سب) میری ہی بندگی
الا انا فاعبدون) وفی	(عبادت) کرو" اسی طرح حدیث میں ہے:
الحدیث "نحن معاشر	ہم انبیاء کی جماعت علاتی اولاد (باپ ایک
الانبیاء اولاد علات دیننا	مائیں مختلف) ہیں، ہم سب کا دین ایک ہے"
واحد" ای القدر المشترك	یعنی ان تمام کے درمیان قدر مشترک تنہا ایک
بینھم ھو عبادۃ اللہ وحدہ	اللہ کی بندگی (عبادت) ہے جس کا کوئی ساجھی
لا شریك لہ وان اختلفت	نہیں۔ گو کہ ان کی شریعتوں اور طریقوں میں

Marfat.com

شرائعھم ومناھجھم کقولہ جل جلالہ (لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا) ولھذا قال تعالیٰ (ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ) ای اوصی اللہ تعالیٰ جمیع الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام بالائتلاف والجماعۃ ونھاھم عن الافتراق والاختلاف [1]

اختلاف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا (تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کیا) اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف و انتشار کا شکار نہ ہو) یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اتحاد و اتفاق اور ایک جماعت رہنے کی تاکید کی ہے اور انہیں افتراق اور اختلاف و انتشار سے منع کیا ہے۔

سورۃ انعام کی آیت کریمہ:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (۱۵۹)

یقیناً جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کئے اور (نتیجہ میں) ٹکڑیوں میں بٹ گئے تمہارا ان سے کچھ تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو بس اللہ کے حوالہ ہے۔ پھر وہ انہیں بتائے گا جو یہ کرتے رہے تھے۔

کے تحت علامہ موصوف نے اس نکتے کی مزید صراحت کر دی ہے۔ جہاں وہ اس وحدت دین کے قیام کے لئے آخری رسول کی شریعت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں:

وھذہ الآیۃ کقولہ تعالیٰ (شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان "اس نے تمہارے لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے نوح کو تاکید کی اور جس کی ہم نے تم تک وحی کی"

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۰۹۔

Marfat.com

الیک) الآیۃ وفی الحدیث «نحن معاشر الانبیاء اولاد علات»، فهذا هو الصراط المستقیم وهو ما جاءت به الرسل من عبادة الله وحده لا شریک له والتمسک بشریعة الرسول المتاخر وما خالف ذلک فضلالات وجهالات وآراء واهواء والرسل براٰء منها [1]

کے مانند ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے: "ہم انبیاء کی جماعت علاتی اولاد ہیں"، پس یہی وہ سیدھا راستہ ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جسے لیکر تمام رسول آئے یعنی تنہا ایک اللہ کی عبادت (بندگی) جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ہی بعد میں آنیوالے پیغمبر کی شریعت کو مضبوط پکڑ لینا ضروری ہے، اور جو کچھ اس کے خلاف اور ہٹا ہوا ہے تو یہ تمام کی تمام گمراہیاں، جہالتیں، من پسند آراء، اور خواہشات نفس ہیں۔ حضرات انبیاء کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وحدت دین کے قیام کے لوازم

پس دین کی اس وحدت کو قائم کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہوئیں:

اول یہ کہ پورے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ پورے سلسلۂ نبوت پر ایمان لایا جائے۔ اور روشنی کے ان مناروں سے کسی فرق و امتیاز کے بغیر یکساں طور پر استفادہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اگر ایک نبی یا ایک رسول کے بھی انکار کی اجازت دیدی جائے جس کے باوجود بھی کوئی شخص اہل ایمان کے زمرہ میں شامل ہو سکے تو پھر اس تعداد کو مزید بڑھنے سے روکنے کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا وجوب بھی اس سے لازماً متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

دوم یہ کہ آخری نبیؐ پر ایمان لانے کے ساتھ اس کی لائی ہوئی شریعت کو تمام وکمال

---

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۲۔

دانتوں سے پکڑ لیا جائے۔ اس میں کسی حذف و ترمیم یا کسی قسم کی کمی بیشی کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے کسی حکم کو موقوف یا معطل کیا جائے، نہ اس کے کسی حصے سے دستبردار ہوا جائے۔

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ستم ظریفی اور انکی نجات کی صورت

قرآن کے دو بنیادی مخاطبین اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے اس دینی وحدت کو بری طرح پامال کر رکھا تھا۔ یہود حضرت عیسیٰؑ اور ان کی لائی ہوئی کتاب انجیل کے منکر تھے اور نصاریٰ حضرت موسیٰؑ اور توراۃ کے ماننے سے انکار کرتے تھے اور ہر ایک اپنے سلسلے میں اس خوش گمانی کا شکار تھا کہ تنہا اسے ہدایت کا سرٹیفکیٹ حاصل ہے اور راہ یاب ہونے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے۔ قرآن نے ان کے اس عقیدۂ باطل کی تردید کی اور صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ جب تک یہ دونوں ہی لوگ پورے سلسلۂ نبوت اور خدا کی اتاری ہوئی تمام آسمانی کتابوں کا اقرار کر کے اپنے تمام گروہی اور قومی تعصبات کا رنگ اتار کر صرف خدائی رنگ میں اپنے کو رنگ نہیں لیتے ان کا دعوائے ایمان و اسلام بالکل باطل ہے:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۵﴾	اور انہوں نے (اہل کتاب نے) کہا کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو صحیح راستہ پر رہو گے۔ کہو (نہیں) بلکہ ابراہیم کا طریقہ برحق ہے جو یکسو تھا۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا
قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا	کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم تک اور جو اتاری گئی ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اولاد یعقوب پر اور جو دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دی گئی (دوسرے) تمام نبیوں کو ان کے رب کی

Marfat.com

اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ ۝

(بقرہ: ۱۳۵-۱۳۸)

طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی کے بیچ فرق نہیں کرتے۔ اور ہم (بے آمیز طریقے پر) اس کے (اللہ کے) مطیع فرمان ہیں۔ سو اگر یہ ائیں جیسا کہ تم مانتے ہو تو، یہ سیدھے راستے پر ہیں اور اگر یہ پیٹھ پھیریں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ جھگڑے میں ہیں۔ سو آگے بالیقین ان کے بالمقابل اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ (کسی تحفظ کے بغیر) اللہ کے رنگ میں رنگ جاؤ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا رنگ اور کس کا ہو سکتا ہے اور ہم (سب) اس کی بندگی (عبادت) کرنے والے ہیں۔

روئے زمین پر امت مسلمہ وہ واحد جماعت ہے جو کسی تحفظ کے بغیر تمام رسولوں اور انہیں دی جانے والی کتابوں پر اپنے ایمان و یقین کا اعلان کر کے "وحدت دین" کے قیام کی علمبردار ہے ——— آگے قرآن نے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے اسی اقرار و اعلان کی گواہی خود پیش کی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِكَتِہٖ وَكُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس تک اس کے رب کی طرف سے اتاری گئی اور ساتھ ہی اہل ایمان۔ ہر کوئی ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے بیچ فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا۔ اے رب ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور تجھ ہی

Marfat.com

تک (ہم سب کو) پلٹ کر جانا ہے۔ (بقرہ:۲۸۵)

فرمایا کہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا جو راستہ بھی اپنایا گیا وہ گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (نساء:۱۳۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو (ٹھیک طرح سے) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے اس سے پہلے اتاری ہے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اپنی قومی اور گروہی عصبیتوں کے دباؤ میں خدا پر ایمان کا دعویٰ اور اپنے من مانے طریقے پر اس کے رسولوں کے درمیان فرق و امتیاز کہ جسے چاہا مانا اور جس کا چاہا انکار کر دیا، قرآن نے کہا کہ یہ صریح کفر ہے۔ جس سے نجات پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی تحفظ کے بغیر پورے سلسلہ انبیاء پر ایمان لایا جائے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ○ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ

ضرور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ بیچ کا کوئی راستہ اپنائیں۔ یہی لوگ ہیں جو کہ اصلی کافر ہیں۔ اور ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ہاں وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور ان میں سے کسی کے بیچ انہوں نے

Marfat.com

اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ	فرق نہیں کیا، یہ لوگ ہیں کہ انہیں وہ جلد
يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ	ضرور ان کا بدلہ دے گا۔ اور اللہ بڑا
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝	بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

(نساء: ۱۵۰-۱۵۲)

انسانوں کا جو گروہ خوف خدا سے عاری ہو کر اس کے رسولوں کے ساتھ وفاداری کے عہد پر قائم نہ رہ سکے، اور اپنے جی سے کچھ کا انکار اور کچھ پر ایمان کا دعویدار بنے، اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ خدا کی اتاری ہوئی آخری کتاب کے ساتھ انصاف کر سکے گا، بہت زیادہ ہے۔
اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا کہ انہوں نے توراۃ و انجیل کے حصے بخرے کر رکھے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ آخری نبیؐ کو دی جانے والی کتاب کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے۔ اگر وہ صحیح معنوں میں اپنی کتابوں کا حق ادا کرتے تو قرآن کے انکار کا کوئی سوال نہ رہتا۔ اس لئے کہ ان کی کتابیں اس کی بشارت اور خوش خبریوں سے لبریز اور اس کے آجانے کے بعد اپنی منسوخی کا اعلان صاف لفظوں میں کر رہی تھیں۔ قرآن نے کہا کہ جب تک یہ لوگ پورے سلسلہ رسالت اور اس کی آخری کڑی کے ساتھ آسمانی صحائف کے آخری ایڈیشن کی بے لاگ پیروی نہیں کرتے، ان کی دینداری اور خدا پرستی کا کوئی دعویٰ قابل اعتبار نہیں۔
توراۃ و انجیل کے حق ادا کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن اور اس کی لائی ہوئی شریعت کو دانتوں سے پکڑ لیا جائے اور اس کے ایک ایک حکم کی بے لاگ پیروی کو موجب نجات باور کیا جائے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ	کہو کہ اے اہل کتاب تم (حق و صداقت کی)
عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ	کسی چیز پر نہیں ہو یہاں تک کہ تم توراۃ اور
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	انجیل کو (پوری طرح) قائم کرو ساتھ ہی
مِّنْ رَّبِّكُمْ۔	اس چیز (قرآن) کو جو تم تک تمہارے رب کی
(مائدہ: ۶۸)	طرف سے اتاری گئی ہے۔

فرمایا کہ اگر یہ لوگ سچے دل سے ایمان اور تقویٰ کی راہ اپنائیں اور توراۃ و انجیل کا

Marfat.com

حق ادا کرتے ہوئے قرآن کی بے لاگ پیروی کا عہد کریں تو جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ اس دنیا کے اندر بھی وہ خدا تعالیٰ کے بے پایاں انعامات سے اپنے کو ہمکنار کریں گے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ	اور اگر وہ توراۃ اور انجیل کو (پوری طرح)
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ	قائم کرتے ساتھ ہی اس چیز (قرآن) کو جو ان
مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ	تک ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ	ہے تو وہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے
اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ	پیروں کے نیچے سے۔ ان میں ایک گروہ
مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝	جادۂ اعتدال پر ہے اور ان میں زیادہ تر
(مائدہ: ٦٦)	ہیں جو برا ہے جو یہ کرتے رہے ہیں۔

شرک و بت پرستی کا المیہ

جہاں تک شرک و بت پرستی کا سوال ہے، اس کا دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور بھی نمایاں ہے۔ اس لئے کہ اس تصور کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اس کائنات کے اندر ایک نہیں بلکہ بہت سے خداؤں کی کارفرمائی ہے۔ چنانچہ اسکا ہر گروہ اپنی پسند کے کچھ بت رکھتا ہے۔ انہی سے وہ ڈرتا اور انہی سے لو لگاتا ہے اور اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے انہی معبودان باطل کی خوشی یا ناخوشی کے جذبے سے کرتا ہے۔ اگرچہ اس صورت میں بڑی حد تک وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کے لیے آزاد ہوتا ہے اس کا جی اسے جو سمجھاتا ہے کرتا ہے، جس چیز کو چاہتا ہے اپنے لیے حلال کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے حرام ٹھہرا لیتا ہے۔ اپنی پوری زندگی میں من مانے طریقوں پر عمل پیرا ہوتا ہے اور پوری ڈھٹائی سے اس خود ساختہ پوری شریعت کو انہی معبودوں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان بتوں اور مورتیوں کے کچھ پجاری اور پنڈے اور سماج میں ان کے بااثر نمائندے اور معتقدین ہوتے ہیں اور عظیم اکثریت کے حامل اپنے ماتحتوں اور سماج کے کمزور عناصر کو وہ اپنے اپنے پسند کردہ طریقے پر چلنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح اس نظام شرک و بت پرستی سے وابستہ زندگی ٹکڑیوں اور شکستگیوں کا شکار

Marfat.com

ہوتی ہے۔ ہر گروہ بس اپنے آپ میں مگن ہوتا ہے کہ اس نے جو راستہ اپنا رکھا ہے وہی سب سے عمدہ اور اچھا راستہ ہے۔ بقیہ دوسرے تمام لوگ بے راہ اور ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھانے والے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کا ہر گروہ گمراہی میں ایک دوسرے سے بڑھا ہوا اور جادۂ مستقیم سے بہت دور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے تفریق دین کے طریقے سے اجتناب کی تلقین کے ساتھ اہل شرک کی اس روش سے بھی اسی طرح اجتناب کی تلقین کی۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ اس نے جس دین کا راستہ دکھایا ہے۔ وہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے عین ہم آہنگ ہے۔ انسان نے "عہد الست" میں اس کا اقرار کیا ہے اور اس کے رگ و ریشے میں یہ چیز سرایت کئے ہوئے اور اس کے ہر بن مو سے یہی صدا بلند ہوتی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ	سو تم اپنے رُخ کو سیدھا کرو دین کے لئے
حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ	یکسو ہو کر۔ یہ اللہ کی (ٹھہرائی) فطرت ہے جس
النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ	پر اس نے (تمام) انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اس
اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ	کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا
لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	راستہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا	کی طرف جھکے ہوئے رہو۔ اور اسی سے ڈرو
الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	اور نماز قائم کرو۔ اور شرک کرنے والوں میں
مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ	سے نہ ہو۔ ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے
كَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا	دین کے حصے بخرے کئے اور ٹکڑیوں میں
لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○	بٹ گئے۔ جب کہ ہر جتھا اس پر خوب مگن
(روم: ۳۰-۳۲)	ہے جو اس کے پاس ہے۔

تفریق دین کی جملہ صورتوں کی ممانعت اور وحدت دین کے قیام کی عملی صورت:

آگے قرآن نبیؐ کے واسطے سے اپنے ماننے والوں کو ان تمام لوگوں سے بیزاری کا حکم

Marfat.com

دیتا ہے جنہوں نے خدا کے بتائے ہوئے ایک دین کو چھوڑ کر تفرق و انتشار کی مختلف شکلیں اختیار کر لی ہیں اور اپنے کو بے شمار ٹولیوں میں تقسیم کر لیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ	ضرور جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے
وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي	کئے اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے تمہارا ان سے
شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ	کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو بس اللہ
ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○	کے حوالہ ہے۔ پھر وہ انہیں ضرور بتائے گا
(انعام: ۱۵۹)	جو یہ کرتے رہے تھے۔

ہمارے ائمہ تفسیر میں بہت سے لوگوں نے اس آیت کریمہ کا مصداق یہود و نصاریٰ وغیرہ مختلف گروہوں کو قرار دیدیا ہے۔ جسے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:

والظاهر ان الآية عامة	ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص
في كل من فارق دين الله	کے سلسلے میں جو اللہ کے دین سے الگ
وكان مخالفا له فان الله	راستہ اختیار کرے اور اسے تسلیم نہ کرے اس
بعث رسوله بالهدى و	لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (آخری) رسولؐ
دين الحق ليظهره على الدين	کو (کامل) ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا
كله وشرعه واحد لا اختلاف	ہے تاکہ اسے دوسرے تمام ادیان (اور
فيه ولا افتراق فمن اختلف	نظامہائے زندگی) پر غالب کرے۔ آپ کی
فيه (وكانوا شيعا) اى فرقا	لائی ہوئی شریعت ایک ایسی وحدت ہے
كاهل الملل والنحل والاهواء	جس کے اندر کسی قسم کے اختلاف اور افتراق
والضلالات فان الله تعالى	و انتشار کی گنجائش نہیں۔ سو اب جو کوئی اس
قد برأ رسوله صلى الله عليه	میں اختلاف کرے (وکانوا شیعا) اور مختلف
وسلم مما هم فيه [1]	ٹکڑیوں میں بٹ گئے یعنی کہ وہ مختلف ٹولیو

---

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۶۔

Marfat.com

اور جماعتوں میں تقسیم ہوگئے۔ جیسا کہ خواہشات نفس اور گمراہوں کی رسیا مختلف فرقوں اور گروہوں کا معاملہ ہے۔ تو یہ بے راہ روی کی جس کھڈ میں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بالکلیہ دامن کش رہنے کا حکم دیا ہے۔

آیت کریمہ:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (انعام، ۱۵۲)

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (بے کم و کاست) اس کی پیروی کرو۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسری پگڈنڈیاں نہ پکڑو۔ جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے بچھڑا کر ادھر ادھر کر دیں۔

بھی اپنے اندر یہی عموم لئے ہوئے ہے۔ جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ دین کی آخری کڑی ـــــ اسلام ـــــ اور اس کی لائی ہوئی شریعت کے علاوہ کسی اور دوسرے طریقے اور راستے کی پیروی کو تفرق و انتشار کا مظہر قرار دیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ

کہو کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے رب نے تمہارے اوپر کن باتوں کو حرام کیا ہے۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور اپنی اولاد کو جان سے نہ مارو فاقہ کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلے ہوں یا چھپے۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ
اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

(الانعام: ۱۵۱-۱۵۲)

اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے اس
کی اس نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور
یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ
کے جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ
کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول کو پورا
کرو انصاف سے۔ ہم کسی جان پر اس کی طاقت
سے اوپر کا بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب
بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ وہ (متعلق
شخص) تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور
اللہ کے پیمان کو پورا کرو۔ اسکی اس نے تم کو
تاکید کی ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔

اس کے بعد زیر بحث آیت کریمہ ہے۔ جس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

يقول تعالى ذكره وهذا
الذي وصاكم به ربكم
ايها الناس في هاتين الآيتين
من قوله قل تعالوا اتل
ما حرم ربكم عليكم وامركم
بالوفاء به هو صراطه يعني
طريقه ودينه الذي ارتضاه
لعباده مستقيما يعني قويما
لا اعوجاج به عن الحق
فاتبعوه يقول فاعملوا به

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور وہ چیز جس کی تم
کو تمہارے رب نے تلقین کی ہے۔ اے لوگو
ان دونوں آیتوں میں "قل تعالوا اتل ما
حرم ربکم علیکم الخ" "کہو آؤ میں تم کو پڑھ کر بتاؤں
کہ تمہارے رب نے تمہارے۔ اوپر کن باتوں
کو حرام کیا ہے" وہ اس کا راستہ یعنی اس کا
طریقہ اور دین ہے جسے اس نے اپنے بندوں
کے لئے پسند کیا ہے۔ "مستقیما" سیدھا یعنی
بالکل درست جس کے اندر حق سے کوئی انحراف
نہیں۔ پس تم سب اس کی (پوری پوری)

Marfat.com

واجعلوه لانفسكم منهاجا تسلكونه فاتبعوه ولا تتبعوا السبل يقول ولا تسلكوا طريقا سواه ولا تركبوا منهجا غيره ولا تبعوا دينا خلافه من اليهودية والنصرانية والمجوسية وعبادة الاوثان وغير ذلك من الملل فانها بدع وضلالات فتفرق بكم عن سبيله يقول فتشتت بكم ان اتبعتم السبل المحدثة التي ليست لله بسبل ولا طرق ولا اديان اتباعكم اياها عن سبيله يعني عن طريقه ودينه الذي شرعه لكم وارتضاه و والاسلام الذي وصى به الانبياء وامر به الامم قبلكم[1]

پیروی کرو۔ فرماتے ہیں کہ پس تم اس پر عمل کرو اور اس کو اپنا طریقہ زندگی بناؤ جس پر تم چلو۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ چلو" ولا تتبعوا السبل" فرماتے ہیں کہ اور اس کے سوا کسی اور طریقہ پر نہ چلو اور زندگی کا کوئی اور نہج و انداز اختیار نہ کرو۔ اور اس کے مخالف کسی دوسرے دین (طریقہ زندگی) کے طلبگار نہ ہو۔ یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور بتوں کی پرستش وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ سب تمام کی تمام بدعتیں اور گمراہیاں ہیں" فتفرق بکم عن سبیلہ" سو وہ تمہیں اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر دوسری مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ دیں۔ فرماتے ہیں کہ پس تمہیں بالکل بکھیر کر رکھ دے گی اگر تم نے نو ایجاد طریقوں کی پیروی کی جو نہ اللہ کے راستے ہیں، نہ اسکے طریقے اور دین، ان کی پیروی اسکے (اللہ کے) راستے سے یعنی اس کے طریقہ اور دین سے جسے اس نے تمہارے لیے ٹھہرایا ہے اور پسند کیا ہے اور یہ اسلام ہے جس کی اس نے تمام انبیاء کو تاکید کی اور تم سے پہلے تمام امتوں کو اسی کا حکم دیا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۸/۵۹۔

یہی بات حافظ ابن کثیرؒ نے قرآن کے دیگر نظائر کی روشنی میں یوں کہی ہے کہ اس آخری شریعت کے آجانے کے بعد "وحدت دین" کے سر رشتے کو تھامنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آدمی بے کم و کاست اس پورے مجموعۂ دین پر عمل پیرا ہو۔ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی کج بحثیاں کرے، نہ کسی حکم سے بچ نکلنے کی تدبیریں نکالے۔ اس روش کو چھوڑ کر اہل ایمان کسی صورت اپنے کو تفرق انتشار سے بچا نہیں سکتے:

قال علی ابن ابی طلحة عن ابن عباس فی قوله (ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله) وفی قوله (ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه) ونحو هذا فی القرآن قال امر الله المومنین بالجماعة و نهاهم عن الاختلاف و التفرقة واخبرهم انه انما هلك من کان قبلهم بالمراء والخصومات فی دین الله [1]	علی ابن طلحہ نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قول "ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله" اور تم الگ الگ پگڈنڈیاں نہ پکڑو جو وہ تمہیں اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر ٹکڑے ٹکڑے کردیں نیز اس کے ارشاد "ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه"، یہ کہ تم دین پر (ٹھیک ٹھیک) قائم رہو اور اس کے سلسلے میں الگ الگ راہیں نہ اپناؤ" ساتھ ہی ان جیسی قرآن کی دوسری آیتوں کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اجتماعیت و یک زبانی کا حکم دیا ہے اور انہیں اختلاف و انتشار سے منع کیا ہے اور انہیں آگاہ کیا ہے کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے تو اسی اللہ کے دین میں شکوک و شبہات نکالنے اور لڑنے جھگڑنے سے۔

اسی طرح امام رازیؒ اس کے تحت آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پوری

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۰۔

شریعت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ پچھلی تمام شریعتوں کی ناسخ اس شریعت کے آجانے کے بعد اس کے دامن کو بتمام وکمال پکڑ کر ہی آدمی اپنے کو ضلالت وگمراہی سے بچانے میں کامیاب ہو سکتا ہے:

(المسئلة الثالثة) انه تعالى لما بين فى الآيتين المتقدمتين ما وصى به اجمل فى آخره اجمالا يقتضى دخول ما تقدم فيه ودخول سائر الشريعة فيه فقال وان هذا صراطى مستقيما فدخل فيه كل ما بينه الرسول صلى الله عليه وسلم من دين الاسلام وهو المنهج القويم والصراط المستقيم فاتبعوا جملته وتفصيله ولا تعدلوا عنه فتقعوا فى الضلالات وعن ابن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم انه خط خطا ثم قال هذا سبيل الرشد ثم خط عن يمينه وعن شماله خطوطا ثم قال هذه سبل على كل

(تیسرا مسئلہ) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب گذشتہ دو آیتوں میں واضح کر دیا کہ اس نے کس بات کی تاکید کی ہے تو آخر میں اس کا وہ خلاصہ پیش کر دیا جس میں پچھلی تمام باتیں اور پوری شریعت داخل ہے۔ چنانچہ فرمایا: "وان ہذا صراطی مستقیما"، اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا الخ تو اس میں ہر وہ چیز داخل ہو گئی جس کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی نسبت سے وضاحت کی ہے۔ اور یہی ٹھیک طریقہ اور سیدھا راستہ ہے پس تم تمام وکمال اور جملہ تفصیلات کے ساتھ اس کی پیروی کرو اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرو جس کے نتیجے میں تم گمراہیوں میں پڑے بغیر نہ رہو گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے ایک (سیدھا خط) کھینچا پھر فرمایا کہ یہ ہدایت کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں اور بائیں بہت سے خطوط کھینچے پھر فرمایا کہ یہ مختلف پگڈنڈیاں ہیں جن میں ہر پگڈنڈی پر ایک شیطان بیٹھا

Marfat.com

سبیل منہا شیطان یدعو الیہ ثم تلا ھذہ الآیۃ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ [۱]

ہوا ہے جو آدمی کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: "وان ہذا صراطی مستقیما فاتبعوہ" اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (تمام و کمال صرف) اسی کی پیروی کرو۔ الخ

گروہ انبیائؑ کی یک زبانی

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین اپنی بنیادوں کے اعتبار سے ایک رہا ہے۔ حالات کی رعایت سے زندگی سے متعلق صرف تفصیلی قوانین میں جزوی طور پر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور یہی وہ چیز ہے جسے اختلاف شرائع کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی ذریت کو دین کے اسی سچے سیدھے راستے پر چھوڑ گئے۔ جس پر لوگ کسی کجی اور انحراف کے بغیر عمل کرتے رہے۔ بعض تفسیری روایات کے مطابق یہ صورت حال ایک ہزار سال تک قائم رہی[۲]۔ بعد میں ایسا ہوا کہ لوگوں نے مختلف انداز سے اس میں کجیاں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ جنہیں دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے حضرات انبیاءؑ کا سلسلہ جاری کیا۔ جو وقفہ وقفہ سے اس دنیا میں آتے اور لوگوں کو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتے رہے۔ بعد کے ادوار میں خاص طور پر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے یہاں آپسی بغض و حسد اور باہمی آویزشوں اور چپقلشوں کے نتیجے میں یہ اختلاف نسبتہً زیادہ شدت اختیار کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ طالبین حق کے لئے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکلنے کا سامان کیا اور اب قیامت تک کے لئے تنہا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر آدمی ازل میں دکھائے ہوئے حق تعالیٰ کے سیدھے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے:

---

[۱] مفاتیح الغیب: ۴/۱۷۷۔ [۲] تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵۰/۲۷۰

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً	(تمام) لوگ ایک طریقے پر تھے۔ سو اللہ
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ	نے اپنے نبیوں کو بھیجا خوشخبریاں سنانے
وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ	والے اور ڈرانے والے بناکر اور ان کے ساتھ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ	کتاب کو اتارا حق کے ساتھ تاکہ وہ لوگوں کے
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا	درمیان فیصلہ کرے اس معاملہ میں جس میں
فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا	وہ جھگڑ پڑے ہیں۔ اور (اب) جو اس میں
الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ	جھگڑے ہیں وہ جنہیں وہ (کتاب) دی گئی
مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ	اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں
بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ	آئیں۔ آپس کی عداوت اور دشمنی کی بنا پر۔
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا	تو وہ حق جس کے معاملے میں ان لوگوں کا جھگڑا تھا اللہ نے اس کے سلسلے میں اپنے حکم سے ان لوگوں
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ	کو سیدھی راہ دکھادی جو (آج) ایمان لائے ہیں۔
وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ	اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝	رہنمائی کرتا ہے۔

(بقرہ: ۲۱۳)

کچھ دوسرے لوگوں نے جو شرک و بت پرستی کا راستہ اختیار کیا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر بہت سے خداؤں کے سامنے اپنے سرنیاز کو خم کرنے لگے، قرآن نے کہا کہ یہ بھی ازل میں دکھائے ہوئے اللہ کے صاف اور سیدھے راستے سے اسی انحراف کا نتیجہ تھا:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے
مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ	ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا	اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے ہاں
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ	سفارشی ہیں۔ کہو کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى	کرتے ہو جسے وہ جانتا ہے نہ آسمانوں میں
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ	نہ زمین میں۔ اس کی ذات پاک ہے اور وہ

Marfat.com

وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝	بہت بلند ہے اس سے جو یہ (اس کے ساتھ
(یونس:۱۸)	دوسروں کو) ساجھی ٹھہراتے ہیں۔

فرمایا کہ اگر پہلے سے اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ دنیا میں قبول حق کے لئے انسانوں کو ایک خاص مدت تک مہلت دی جاتی رہے گی تو ان کے اس "ظلم عظیم"، پر دیر نہ لگتی جو ان کا کام تمام کر دیا جاتا:

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً	اور (تمام) لوگ جو تھے بس ایک راستہ
وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا	پر تھے۔ پھر ان کے جھگڑے شروع ہوئے
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ	اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ	(مہلت دیئے جانے کی) نہ گذر چکی ہوتی تو
يَخْتَلِفُوْنَ ۝	ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اس معاملہ
(یونس:۱۹)	میں جس میں کہ یہ جھگڑتے ہیں۔

دین اسلام کا یہی بنیادی پیغام تھا کہ جسے دنیا میں ہر رسول بلا استثناء اپنی اپنی قوم تک پہنچاتا رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی بدقسمتی سے لوگوں نے حق کی اس سیدھی اور سچی شاہراہ کو چھوڑ کر انحراف کی صورتیں اپنائیں اور مختلف پگڈنڈیاں نکال لیں:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ	اے رسولو کھاؤ پاک صاف چیزوں سے اور
الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا	بھلے کام کرو۔ ضرور میں دیکھتا ہوں جو تم کرتے
اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَ	ہو اور یہ تمہاری جماعت ہے ایک طریقے
اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً	کی اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھی سے
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْۤا	ڈرو۔ پھر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے معاملہ
اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ	کو اپنے بیچ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ٹولیوں
بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝	میں بٹ کر۔ ہر ٹولی مگن ہے اس چیز پر
(مومنون:۵۱-۵۳)	جو اس کے پاس ہے۔
اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً	ضرور یہ تمہاری امت ہے ایک طریقہ

Marfat.com

وَاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝

(انبیاء: ۹۲-۹۳)

کی اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو۔ لیکن انہوں نے اپنے معاملہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (حالانکہ) سب ہم تک پلٹنے والے ہیں۔

اسلام — واحد راہ نجات

البتہ آخری رسولؐ کے آجانے کے بعد اب گذشتہ رسالتوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔ دنیا کی دوسری قوموں کا کیا ذکر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی نجات بھی اب اسی سے وابستہ ہے کہ وہ اس کی دکھائی ہوئی روشنی پر عمل پیرا ہوں اور اس آخری شریعت کو بتمام و کمال اپنالیں۔ جو اس کی لائی ہوئی کتاب کے صفحات میں محفوظ ہے۔ اس کے بغیر ان کے لئے راہِ راست کو پانے کے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی کوئی صورت نہیں:

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(مائدہ: ۱۵-۱۶)

اے اہل کتاب تمہارے پاس میرا رسول آگیا ہے جو تمہارے لئے کھول رہا ہے ان بہت سی چیزوں کو جو تم کتاب کی چھپاتے تھے اور بہت سے صرف نظر کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی ہوئی کتاب آگئی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ سجھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کی پیروی کریں سلامتی کے راستوں کو اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اپنے حکم سے اور ان کی ٹھیک راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اب تنہا یہی وہ راستہ ہے جسے اپنا کر یہ لوگ اپنے کو رحمت ایزدی کا مستحق بنا سکتے ہیں:

Marfat.com

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(اعراف: ۱۵۶-۱۵۷)

فرمایا میرا عذاب میں اس سے دوچار کروں گا جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو پھیلی ہوئی ہے۔ سو میں اسے لکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (آج) اس رسول امی نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ جو انہیں حکم دیتا ہے بھلائی کا اور انہیں بُرائی سے منع کرتا ہے وہ ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے پاک صاف چیزوں کو اور ان کے اوپر حرام ٹھہراتا ہے گندی ناصاف چیزوں کو۔ وہ ان سے ان کے بوجھ اور ان کی بیڑیوں کو اتارتا ہے جو ان پر تھیں۔ پس آج، جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی پشت پناہی کی اور اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

چنانچہ آگے پوری انسانیت کو خطاب کر کے آپ کو اس اعلان کا حکم ہوا کہ اب قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کی نجات اس سے وابستہ ہے کہ وہ اس آخری رسولؐ پر ایمان لائیں اور کسی تحفظ اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر جملہ معاملات زندگی میں اس کی اطاعت و پیروی کو اپنے لئے لازم پکڑ لیں :

Marfat.com

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(اعراف: ۱۵۸)

کہو کہ اے لوگو میں تم تمام کے تمام تک اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول امی نبی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر اور اس کی (پوری طرح) پیروی کرو۔ امید کہ تم راہ یاب ہو۔

آپ کا لایا ہوا دین اپنی تکمیلی شریعت کے ساتھ خدائی تعلیمات کا آخری ایڈیشن ہے۔ جس نے گذشتہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝

(مائدہ: ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور تمہارے لئے دین کی نسبت سے اسلام کو پسند کر لیا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

(آل عمران: ۱۹)

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اور جنہیں کتاب دی گئی جو انہوں نے جھگڑا کیا تو اس کے بعد کہ ان کے پاس (صحیح) جانکاری آچکی تھی۔ آپس کی دشمنی اور عداوت کی بنا پر۔ اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو (معلوم ہو کہ) اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

اس راستے کو چھوڑ کر جو کوئی دوسرا راستہ اپنائے گا، آخرت کے ابدی خسران کے دوچار ہوگا:

Marfat.com

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

(آل عمران: ۸۳-۸۵)

کیا پس وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور چیز کے طالب ہیں۔ جبکہ اس کے مطیع فرمان ہیں وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اپنی آمادگی سے یا اضطراری طور پر اور وہ اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر اتاری گئی اور جو اتاری گئی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور آل یعقوب پر، اور جو دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ کو اور (ان کے علاوہ دوسرے تمام) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں کسی کے بیچ فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے (اللہ کے) تابع فرمان ہیں۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسری چیز کا طالب ہو تو وہ اس کی طرف سے قبول نہ ہوگی اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا بصیرت افروز بیان

دین و شریعت کے اختلاف و اتحاد کے زیر نظر مسئلہ کو علامۃ العصر ابن تیمیہؒ نے بہت عمدہ طریقے سے تفصیلی انداز میں واضح کیا ہے۔ ہم ذیل میں یہ پوری بحث ان کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں۔ جو ان لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے بہت کچھ کافی ہے جو اصل دین میں انبیاء کے اشتراک کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس "مشترک دین" کی موٹی موٹی باتوں پر عمل کر لینا کافی ہے۔ انبیائی شریعتوں پر عمل کی چنداں ضرورت نہیں۔ علامہ موصوف کی اس گفتگو سے سورۂ شوریٰ کی اس مضمون

Marfat.com

کی مرکزی آیت کریمہ "شرع لکم من الدین الخ" کا صحیح موقع و محل بھی متعین ہو جاتا ہے:

و"الحقیقۃ"، حقیقۃ الدین: دین رب العالمین ھی ما اتفق علیہا الانبیاء والمرسلون، وان لکل منھم شرعۃ ومنھاج. ف"الشرعۃ" ھی الشریعۃ قال اللہ تعالٰی (لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا) وقال تعالٰی: (ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا، ولا تتبع اھوآء الذین لا یعلمون، انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئا. وان الظالمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقین)۔

و"المنھاج"، ھو الطریق قال تعالٰی: (وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناھم ماء غدقا لنفتنھم فیہ، ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذابا صعدا) فالشرعۃ بمنزلۃ الشریعۃ

"حقیقت" دین کی حقیقت، رب العالمین کے دین کی حقیقت وہ چیز ہے جس پر کہ تمام انبیاء اور پیغمبر حضرات متفق اللفظ اور یک زبان ہیں۔ اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک "شریعت" اور ایک "منہاج" ہے۔ "شرعۃ" کا مطلب ہے "شریعت" اللہ نے فرمایا: "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا"، تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ نیز فرمایا: "ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر الخ" پھر ہم نے تمہیں ٹھہرایا ہے ایک خاص طرح کی شریعت پر سو تم اس کی (ٹھیک ٹھیک) پیروی کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو نہیں جانتے۔ اللہ کے مقابلہ میں وہ تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکیں گے۔ (یہ) بے انصاف ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

"منہاج" کے معنی ہیں طریقہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وان لو استقاموا علی الطریقۃ الخ"، اور اگر وہ (مشرکین مکہ) (اسلام کے طریقہ پر جمتے تو ہم انہیں بہت زیادہ پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم انہیں اس کے سلسلے

Marfat.com

للنهر، والمنهاج هو الطريق
الذی سلك فيه والغاية
المقصودة هي حقيقة
الدين، وهي عبادة الله
وحده لاشريك له وهي
حقيقة دين الاسلام، و
هو ان يستسلم العبد
لله رب العالمين، لايستسلم
لغيره، فمن استسلم له
ولغيره كان مشركا، والله
(لايغفر ان يشرك به)
ومن لم يستسلم بل استكبر
عن عبادته كان ممن قال
الله فيه: (ان الذين
يستكبرون عن عبادتی
سيدخلون جهنم داخرين)
ودين الاسلام هو
دين الاولين والآخرين
من النبيين والمرسلين
وقوله تعالى: (ومن يبتغ
غير الاسلام دينا فلن
يقبل منه) عام فی كل زمان
ومكان.

میں آزمائیں اور جو کوئی اپنے رب کی
یاد دہانی سے منہ موڑے تو وہ اسے دشوار
گذار عذاب (کی راہ) چلائے گا۔

"شرعت" اور "شریعت" ایک ہی چیز
ہے جس کے معنی ہیں نہر اور دریا اور
"منہاج" کا مطلب ہے وہ راستہ جس سے
وہ چلے اور اس کا مقصود غائی وہ ہے جو
دین کی حقیقت ہے اور وہ ہے تنہا ایک
اللہ کی بندگی اور عبادت جس کا کوئی ساجھی
نہیں اور یہی دین اسلام کی حقیقت ہے
یعنی کہ بندہ اللہ رب العالمین کے لئے پوری
طرح جھک جائے اور کسی اور کے لئے اس
کے اندر جھکاؤ نہ رہے۔ پس جو کوئی جھکتا
ہے اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے وہ
مشرک ہوگا۔ جبکہ اللہ اسے معاف نہیں
کرسکتا کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک
کیا جائے) اور جو کوئی (اللہ کے لئے نہ جھکے
بلکہ اس کی عبادت و اطاعت سے منہ موڑے
تو وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (ضرور جو
لوگ میری عبادت (بندگی) سے منہ موڑینگے
وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل ہو کر)
اور دین اسلام ہی اگلے اور پچھلے تمام نبیوں

Marfat.com

فنوح وابراهیم ویعقوب
والاسباط وموسیٰ وعیسیٰ
والحواریون کلهم دینهم
الاسلام الذی هو عبادة
الله وحده لاشریك له
قال الله تعالیٰ عن نوح :
(یاقوم ان کان کبر علیکم
مقامی وتذکیری بآیات
الله فعلی الله توکلت ،
فاجمعوا امرکم الی قوله
(وامرت ان اکون من المسلمین)
وقال تعالیٰ : (ومن یرغب
عن ملة ابراهیم الامن
سفه نفسه ، ولقد اصطفیناه
فی الدنیا وانه فی الآخرة
لمن الصالحین ، اذ قال
له ربه اسلم قال اسلمت
لرب العالمین ، ووصی بها
ابراهیم بنیه ویعقوب
یابنی ان الله اصطفیٰ لکم
الدین فلا تموتن الا وانتم
مسلمون) وقال تعالیٰ :
(وقال موسیٰ لقومه یاقوم

اور رسولوں کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ
کا فرمان: ”اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی
اور دین چاہے تو وہ اس کی طرف سے
قابل قبول نہ ہوگا“ یہ ہر زمانہ اور ہر جگہ
کے لئے عام ہے۔

پس حضرات نوح، ابراہیم، یعقوب اور
آل یعقوب اور موسیٰ اور عیسیٰ اور ان کے
متبعین ان سب کا دین اسلام ہے جس کے
معنی ہیں تنہا ایک اللہ کی عبادت (بندگی)
جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
نوح کی زبانی فرمایا: اے میری قوم کے لوگو!
اگر تمہارے اوپر میرا یہاں رہنا اور اللہ کی
آیتوں کی یاد دہانی کرانا بہت گراں ہے
تو (معلوم ہو کہ) میرا بھروسہ اللہ پر ہے، سو
تم اپنے جیسی کر ڈالو، الخ اور مجھے حکم دیا گیا
ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں،
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”اور ابراہیم
کے طریقے سے کون بیزار ہو سکتا ہے سوائے
اس کے جو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو، جبکہ ہم نے اسے
دنیا میں منتخب فرمایا، اور وہ آخرت میں
ضرور نیکوں میں ہوگا۔ یاد کرو جبکہ اس کے
رب نے اس سے کہا کہ جھک جاؤ تو اس نے
کہا کہ میں رب العالمین کے لئے جھک گیا۔

Marfat.com

ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ
توکلوا ان کنتم مسلمین)
وقال السحرۃ : (ربنا
افرغ علینا صبرا و توفنا
مسلمین) وقال یوسف
علیہ السلام: (توفنی مسلما
والحقنی بالصالحین)
وقالت بلقیس :(اسلمت
مع سلیمان للہ رب
العالمین) وقال تعالی:
(یحکم بہا النبیون الذین
اسلموا للذین ھادوا،
والربانیون والاحبار) وقال
الحواریون (آمنا باللہ و
اشھد بانا مسلمون)
فدین الانبیاء واحد
وان تنوعت شرائعہم
کما فی الصحیحین عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال "انا معشر الانبیاء
دیننا واحد" قال تعالی
(شرع لکم من الدین
ماوصی بہ نوحا والذی

اور اسی بات کی ابراہیم نے تلقین کی اپنے
بیٹوں کو اور یعقوب کو۔ کہ اے میری اولاد
اللہ نے تمہارے لئے اس دین (اسلام)
کو منتخب فرمالیا ہے، سو جو تمہیں موت آئے
تو اسی حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار)
ہو، نیز اللہ تعالی نے فرمایا: اور موسیٰ نے
اپنے قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو!
اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس پر بھروسہ
کرو اگر تم اس کے مسلم (فرماں بردار) ہو۔
اور (پہلے کے) جادوگروں نے (جو
دولت اسلام سے مالا مال ہوئے) کہا کہ:
اے ہمارے رب ہم پر صبر کے دہانے
کھول دے اور ہماری موت ہو تو اس
حال میں کہ ہم مسلم (مطیع فرمان) ہوں (اسی
طرح حضرت یوسف نے فرمایا) خدایا! میری
موت ہو تو اس حال میں کہ میں مسلم (فرمانبردار)
ہوں اور تو مجھے نیکوں کے ساتھ ملانا ، نیز
بلقیس (ملکۂ سبا) نے کہا (میں نے سلیمان کے
ساتھ اپنے کو اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری
میں دیا) اسی طرح اللہ تعالی نے ارشاد
فرمایا: اس کے (تورات کے) ذریعہ انبیاء
جو مطیع فرمان "(الذین اسلموا) تھے فیصلہ
کرتے رہے ان لوگوں کے لئے جو یہودی

Marfat.com

اوحينا اليك، وما وصينا به ابراهيم وموسى و عيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه، كبر على المشركين ما تدعوهم اليه) وقال تعالى: (يا ايها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا انى بما تعملون عليم، وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون، فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون [1]

ہو گئے تھے، نیز اسی طرح ان کے علماء اور فقہاء، اور حضرت مسیح کے پیروؤں (حواریوں) نے کہا "ہم اللہ پر ایمان لائے اور (خدایا) تو گواہ ہو کہ ہم (تیرے) مسلم مطیع فرمان ہیں۔)

پس معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے۔ گو کہ ان کی شریعتوں میں اختلاف اور تنوع ہو۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم انبیاء کی جماعت کا دین ایک ہے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے لئے اس نے وہی دین ٹھہرایا ہے جس کی اس نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی تم تک اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو یہ کہ تم (سب) دین کو پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور اس کے سلسلے میں ٹکڑیوں میں نہ بٹو۔ مشرکوں کیلئے وہ چیز بڑی بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو (نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے رسولو! کھاؤ پاک صاف چیزوں سے اور بھلے کام کرو، میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور یہ تمہاری امت

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ: ۱۱/۲۱۸ - ۲۲۰ - طبع جدید۔

Marfat.com

ہے ایک طریقہ کی۔ اور میں تمہارا رب ہوں
سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔ پھر انہوں نے اپنے
معاملہ کو باہم ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ٹولیوں میں
بٹ کر۔ اس طور پر کہ ہر ٹولی مگن ہے اس پر
جو اس کے پاس ہے۔

دین اسلام کی یہی حقیقت علامہ موصوف نے ایک دوسرے موقع پر بھی بیان کی ہے۔ جو تمام ادوار میں پوری انبیائی جماعت کا ایک ہی دین رہا ہے۔ اور جس کی تکمیل آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی ہے۔ یہ نفیس بحث "حنیفیت" اور اس کی حقیقت کے بیان سے شروع ہوئی ہے:

و"الحنيفية" هي الاستقامة	"حنفیت" کا مطلب ہے کہ ثبات و یکسوئی
باخلاص الدين لله،	اس طور پر کہ دین کو اللہ کے لئے خالص اور
وذلك يتضمن حبه تعالى	بے آمیز کر لیا جائے اور یہ چیز اپنے اندر
والذل له لا يشرك به	دو باتوں کو شامل ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت
شيء، لا في الحب ولا في	اور اس کے لئے پستی اور اطاعت۔ اس طور
الذل، فان العبادة يتضمن	پر کہ ان دونوں ہی باتوں میں کسی دوسری چیز
غاية الحب بغاية الذل	کو ساجھی نہ کیا جائے۔ نہ محبت کے معاملہ میں۔
وذلك لا يستحقه الا الله	نہ پستی اور اطاعت کے معاملہ میں۔ اس
وحده، وكذلك الخشية	لئے کہ "عبادت کے اندر انتہائی درجہ محبت
والتقوى لله وحده، و	کے ساتھ انتہائی درجہ کی پستی اور اطاعت
التوكل على الله وحده،	دونوں باتیں شامل ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے
والرسول يطاع ويحب،	جس کی صرف تنہا اللہ کی ذات مستحق ہے۔
فالحلال ما احله والحرام	یہی حال تقویٰ اور خشیت کا ہے کہ اسے
ما حرمه، والدين ما شرعه	بھی تنہا اللہ کے لئے ہونا چاہیئے۔ اسی طرح

Marfat.com

قال تعالى: (ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فاولئك هم الفائزون) وقال تعالى (ولو انهم رضوا ما آتاهم الله ورسوله وقالوا: حسبنا الله، سيؤتينا الله من فضله ورسوله انا الى الله راغبون) وهذا حقيقة دين الاسلام والرسل بعثوا بذلك كما قال تعالى: (شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم و موسى وعيسى ان اقيموا الدين، ولا تتفرقوا فيه) وقال تعالى: (يا ايها الرسل كلوا من الطيبات، واعملوا صالحا، انى بما تعملون عليم وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون) [1]

توکل اور بھروسہ بھی صرف اللہ پر ہونا چاہئیے۔ یہی معاملہ رسول کا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے گی اور اس سے محبت بھی کی جائیگی پس حلال وہ ہے جسے اس نے حلال کر دیا اور حرام وہ ہے جسے اس نے حرام کر دیا۔ اور دین وہ ہے جسے اس نے ٹھہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس (کی ناراضگی) سے پرہیز کرتا رہے تو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں (نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور اگر وہ راضی اور مطمئن ہوتے اس پر جو ان کو اللہ نے دیا اور اس کے رسول نے اور کہتے کہ: ہمارے لیے بس اللہ کافی ہے، جلد ہی اللہ اور اس کے رسول ہمیں اپنے فضل سے نوازیں گے، ہم اللہ ہی سے لو لگانے والے ہیں، (تو ان کے لئے کیا ہی بہتر تھا) یہی دین اسلام کی حقیقت ہے۔ اور (تمام) رسولوں کو یہی پیغام دیکر بھیجا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے لئے اس نے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی نوح کو، اور جس کی ہم نے وحی کی تم تک، اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو یہ کہ تم سب

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۰ / ۶۶۴ - ۶۷۴ - علامہ موصوف دوسرے مقام پر بھی سورۂ شوریٰ (بقیہ آئندہ)

Marfat.com

اس دین کو پوری طرح قائم رکھو اور اس کے
سلسلے میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو (نیز اللہ تعالیٰ نے
فرمایا) "اے رسولو! کھاؤ پاک صاف چیزوں سے
اور بھلے کام کرو، میں جان رہا ہوں جو تم کرتے
ہو۔ اور یہ تمہاری امت ہے ایک طریقہ کی اور
میں تمہارا رب ہوں، سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔

ہر دور اور ہر زمانہ میں زندگی میں جادۂ حق پر قائم رہنے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو جو دین ملتا رہا، اس کے بنیادی ڈھانچے اور مشترک اقدار و دفعات کے علاوہ، حالات کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ایک مکمل ضابطہ حیات اور قانون زندگی بھی ہوا کرتا تھا، اور ان دونوں کے مجموعے کی بے لاگ پیروی ہی میں ہر دور کے انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح مضمر تھی، جس کے لازمی تقاضے کے طور پر آخری پیغمبرؐ اور اس کے ساتھ آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد قیامت تک کے لئے پوری دنیائے انسانیت کی تقدیر اسی مجموعہ دین سے وابستہ ہوگئی اپنی دوسری کتابوں میں بھی علامہ موصوف نے اس حقیقت کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں۔ جو اس ضمن کی دیگر آیات کے ساتھ سورہ شوریٰ کی مذکورہ مرکزی آیت کریمہ کے صحیح موقع و محل کو بھی ٹھیک طرح متعین کر دیتے ہیں:

فدین الانبیاء والمرسلین دین واحد، وان لکل من التوراۃ والانجیل شرعۃ ومنھاجا، ولھذا قال صلی اللہ علیہ وسلم، فی	تمام نبیوں اور رسولوں کا دین ایک ہے۔ البتہ تورات اور انجیل ہر ایک، کی شریعت اور طریقہ الگ الگ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے حضرت

بقیہ گذشتہ) کی آیت کریمہ "شرع لکم من الدین الخ" کا یہی موقع و محل متعین کرتے ہیں۔ اور اس کے نظائر میں یہی آیات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/۲،۲۔ مطابع المجد التجاریۃ (بدون سنۃ)۔

Marfat.com

الحديث المتفق على صحته عن ابي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم: "انا معشر الانبياء ديننا واحد" وانا اولى الناس بابن مريم، لانه ليس بيني وبينه نبي"[1]

ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم انبیائی جماعت، ہمارا دین ایک ہے۔ اور مسیح ابن مریمؑ کی پیروی وحق شناسی کا میں زیادہ حق دار ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔"

آگے وہ اسی سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:

فدين المرسلين يخالف دين المشركين المبتدعين الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا. قال تعالى: "فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون ۝ منيبين اليه واتقوه واقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين ۝

پس رسولوں کا دین مشرکوں کے دین سے الگ ہے۔ (دین کے) نوع بہ نوع طریقے ایجاد کرنے والے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ان گنت ٹولیوں میں بٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "سو تم اپنے رُخ کو بالکل ٹھیک رکھو دین کیلئے یکسو ہو کر، یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے (تمام) لوگوں کو پیدا کیا ہے، اس کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی ٹھیک دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جھکے ہوئے (ہو جاؤ) اس کی طرف اور اسی سے ڈرو۔ اور نماز قائم کرو۔ اور مشرکوں میں نہ ہو۔

---

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/۵۔ طبع مذکور۔ البتہ یہ روایت یہاں بالمعنی ہے۔ بخاری ومسلم کے الفاظ اس سے مختلف ہیں / ملاحظہ ہو: بخاری جلد ۱۔ کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام۔

من الذين فرقوا دينهم
وكانوا شيعا كل حزب بما
لديهم فرحون ٥ (سورة الروم
٣٠-٣٢) قال تعالیٰ: "وجعلنا
ابن مريم وامه آية وآويناهما
الى ربوة ذات قرار معين ٥
يا ايها الرسل كلوا من
الطيبات واعملوا صالحا
انى بما تعملون عليم ٥ وان
هذه امتكم امة واحدة
وانا ربكم فاتقون" وقال فى
الآية الاخرىٰ: "فاعبدون
فتقطعوا امرهم بينهم زبرا
كل حزب بما لديهم فرحون"
(سورة المومنون: ٥٠-٥٢)

وقال تعالیٰ: شرع لكم من
الدين ما وصى به نوحا
والذى اوحينا اليك وما
وصينا به ابراهيم وموسىٰ
وعيسىٰ ان اقيموا الدين
ولا تتفرقوا فيه كبر على
المشركين ما تدعوهم
اليه، الله يجتبى اليه من

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین
کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے اور ان گنت ٹولیوں
میں بٹ گئے۔ ہر ٹولی مگن ہے اس پر جو اس
کے پاس ہے۔" (روم: ۳۰-۳۲) اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: اور ہم نے ابن مریم اور اس کی
ماں کو نشانی قرار دیا۔ اور ہم نے ان دونوں
کو پناہ دی ایک ٹیلے پر جو سکون والا اور
چشمے والا تھا۔ اے رسولو! کھاؤ پاک صاف
چیزوں سے اور بھلے کام کرو۔ میں جاننے
والا ہوں جو تم کرتے ہو۔ یہ تمہاری امت
ہے ایک طریقہ کی اور میں تمہارا رب ہوں
سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔" اور دوسری آیت
میں فرمایا: سو تم میری ہی عبادت (بندگی)
کرو، پھر انہوں نے اپنے معاملہ کو باہم ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالا ٹولیوں میں بٹ کر۔ اس طور پر
کہ ہر ٹولی مگن ہے اس پر جو اس کے پاس ہے۔
(مومنون: ۵۰-۵۲)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے تمہارے
لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی
نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی تم تک اور
جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم اور موسیٰ اور
عیسیٰ کو یہ کہ تم سب اس دین کو ٹھیک قائم
رکھو اور اس کے سلسلے میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو

یشاء ویھدی الیہ من ینیب "(سورۃ الشوریٰ) [1]	مشرکوں پر وہ چیز بہت گراں ہے جسکی طرف تم انہیں بلاتے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی طرف چن لیتا ہے اور اپنی طرف راہ بتاتا ہے اسے جو (اسکی طرف) جھکتا ہے ، (شوریٰ: ۱۳)

خدا کی اس بندگی اور اس انبیائی دین کی پیروی کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جملہ معاملات زندگی میں اپنے وقت کے رسول کی پیروی کو لازم پکڑ لیا جائے۔ اس طرح ہر بعد والا نبی سابق شریعت کو منسوخ کرتے ہوئے یہ سلسلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ جن کی لائی ہوئی شریعت انسانیت کا آخری ضابطہ حیات ہے۔ جسے بے چون وچرا تسلیم نہ کرکے انسان اپنے کو سلسلہ نبوت میں رخنہ اندازی کا مجرم بناتا ہے۔ جس کا انجام جہنم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔ آگے علامہ موصوف اس نکتے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں :

" فھذا دین الاولین والآخرین من الانبیاء و اتباعھم ھو دین الاسلام وھو عبادۃ اللہ وحدہ لا شریک لہ، وعبادتہ تعالیٰ فی کل زمان ومکان بطاعۃ رسلہ علیھم السلام فلا یکون عابد اللہ من عبدہ بخلاف ما جاءت بہ رسلہ، کالذین قال	پس یہی اگلے اور پچھلے تمام نبیوں اور ان کے پیروکاروں کا دین ہے، یعنی دین اسلام۔ جس کا مطلب ہے ایک اللہ کی بندگی (عبادت) جو تنہا ہے اور جس کا کوئی ساجھی نہیں اور ہر زمانہ اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی اس عبادت کی صورت ہے کہ اس کے رسولوں کی پیروی اختیار کی جائے۔ پس کوئی شخص اللہ کی بندگی کرنے والا نہیں ہو سکتا جو اس کی بندگی کرتا ہے اس طریقہ کے خلاف جو اس کے رسول

---

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح : ۱/ ۵، ۶ - محولہ بالا۔

Marfat.com

تعالیٰ فیھم: "ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ" (سورۃ الشوریٰ: ۲۱) فلا یکون مومنا بہ الامن عبدہ بطاعۃ رسلہ، و لایکون مومنا بہ ولاعابدا لہ الامن آمن بجمیع رسلہ واطاع من ارسل الیہ، فیطاع کل رسول الی ان یاتی الذی بعدہ، فتکون الطاعۃ للرسول الثانی، ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، قال تعالیٰ "وما ارسلنا من رسول الالیطاع باذن اللہ" (سورۃ النساء: ۶۴)

ومن فرق بین رسلہ فآمن ببعض وکفر ببعض کان کافرا، کما قال تعالیٰ: "ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا

لے کر آئے ہیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کا معاملہ ہے جن کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہے "کیا ان کے کچھ ساجھی ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ دین ٹھہرایا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی" (شوریٰ: ۲۱) پس اللہ پر ایمان رکھنے والا وہی شخص ہوگا جو اس کے رسولوں کی پیروی کرتے ہوئے اس کی بندگی کرے۔ اور اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کی بندگی کرنے والا وہی شخص ہوگا جو اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور اس رسول کی پیروی کرے جو اس تک بھیجا جائے پس اس طرح ہر (پہلے) رسول کی پیروی کی جاتی رہے گی یہاں تک کہ اس کے بعد والا (رسول) آجائے جس کے بعد اس دوسرے رسول کی پیروی ضروری ہوگی۔ اور جو کوئی رسول کی پیروی کرے تو اس نے گویا اللہ کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا تو اسی لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے" (نساء: ۶۴)

اب جو کوئی اس کے رسولوں کے بیچ امتیاز کرتا ہے۔ پس کسی پر ایمان لاتا ہے اور کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Marfat.com

بین اللہ ورسلہ و	یقیناً جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کا
یقولون نومن ببعض	اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ
ونکفر ببعض ویریدون	فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے بیچ
ان یتخذوا بین ذلک سبیلاہ	اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ پر ایمان رکھتے ہیں اور
اولئک ھم الکافرون حقا	کچھ کا انکار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس
واعتدنا للکافرین عذابا	کے بیچ ایک راہ پکڑیں، یہی لوگ پکے کافر
مھیناہ والذین آمنوا باللہ	ہیں اور ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے رسوا
ورسلہ ولم یفرقوا بین	کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان
احد منھم اولئک سوف	لائیں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور ان
یوتیھم اجورھم وکان	میں سے کسی کے بیچ فرق نہ کریں تو یہ ہیں کہ
اللہ غفورا رحیماہ	جلد ضرور اللہ انہیں ان کا بدلہ دے گا۔ اور
(سورۃ النساء: ۱۵۰-۱۵۲)[۱]	اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
	(نساء: ۱۵۰-۱۵۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے

دور آخر میں اسرار شریعت کے مایہ ناز عالم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں آیت زیر بحث میں مذکور "وحدت دین" اور دین و شریعت کے مسئلہ اور ان کے باہمی ربط و تعلق کو بہت اچھے انداز میں حل کیا ہے۔ اور "اقامت دین" کی بعض تفسیروں سے محدود تصور دین کی جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اسے پوری طرح زائل کر دیا ہے۔ موصوف اس بحث میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا اندازہ ان کے باندھے ہوئے باب سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناہج مختلفۃ۔

---

[۱] حوالہ سابق: ۱۲، ۱۳۔

یعنی اس چیز کی وضاحت کا باب کہ دین کی اصلیت درحقیقت ہمیشہ سے ایک ہی ہے البتہ تشریعیں اور طریقے ہر زمانہ میں الگ الگ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے موصوف آیت زیر بحث کے ساتھ اس مضمون سے متعلق دوسری آیتیں نقل کرتے ہیں ساتھ ہی ان کے سلسلے میں اسلاف سے بیان کی گئی تفسیروں کو بھی بیان کر دیا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: (شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ) قال مجاھد اوحیناك یا محمد وایاھم دینا واحدا، وقال تعالیٰ: (وان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا امرھم بینھم زبرا کل حزب بما لدیھم فرحون) یعنی ملۃ الاسلام ملتکم فتقطعوا یعنی المشرکین والیھود والنصاریٰ وقال تعالیٰ: (لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا) قال ابن عباس: سبیلا وسنۃ وقال تعالیٰ: (لکل امۃ جعلنا منسکا ھم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اس نے تمہارے لئے وہی دین ٹھہرایا ہے جس کی اس نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی ہے (اے پیغمبر) تم تک اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ (لوگو) دین (کی وحدت) کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ کا شکار نہ ہو۔ مجاہد نے کہا کہ اے محمد ہم نے تم کو اور ان سب لوگوں کو ایک ہی دین کی تاکید کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اے انبیائی گروہ) یہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو تو انہوں نے اپنے بیچ اپنے معاملہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر دھڑا مگن ہے اس پر جو اس کے پاس ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ اسلام کا طریقہ ہی تمہارا طریقہ ہے، تو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اس سے مراد مشرکین اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے

Marfat.com

ناسکوہ) یعنی شریعۃ ھم عاملون بہا لہ

ایک شرعت اور ایک منہاج ٹھہرایا ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد راستہ اور طریقہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر امت کے لئے ہم نے ایک منسک ٹھہرایا جسے وہ اختیار کرنے والے تھے۔ اس سے مراد ہے شریعت اور قانون زندگی جس پر کہ وہ لوگ عمل پیرا رہے۔

اس کے بعد موصوف نے اس مسئلہ کی جو وضاحت کی ہے کہ وہ محدود تصور مذہب کے کھر کو پوری طرح چھانٹ دینے والی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں " اقامت دین " کے الفاظ سے وحدت دین کی جو بات کہی گئی ہے اور جسے پوری انبیائی جماعت کا مشترکہ سرمایہ قرار دیا گیا ہے اس کا تعلق، جیسا کہ عام طور پر غلط فہمی ہے، دین کے کسی خاص جزء اور مذہب کے محدود تصور سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ چیز ایک خاص انداز میں دین و شریعت کے پورے مجموعے کو شامل ہے۔ اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام پر عمل اور اس کے انفرادی و اجتماعی جملہ امور و مسائل میں اس کی نازل کردہ شریعت کی بے لاگ پیروی، یہ کچھ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوص نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر دور اور ہر زمانہ میں اسی ایک پیغام کے داعی اور علمبردار رہے ہیں " اقامت دین " کے لفظوں میں انبیائی دعوت کی جس مشترکہ بنیاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا تعلق مجرد عقائد اور معروف عبادات ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی نکاح وطلاق، عدل و انصاف کا قیام، مظالم کا ازالہ، حدود و تعزیرات کا نفاذ اور اعداء دین سے جہاد وقتال وغیرہ اجتماعی زندگی کے اہم ترین امور و معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں۔ یہی اصل دین ہے جس کی طرف آیت کریمہ میں " اقامت دین " کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اور مکی سورہ کے اندر اس کا حوالہ دے کر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی نسبت سے اہل

لہ حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۸۶۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ ۱۳۷۳ھ۔

Marfat.com

عرب کی وحشت اور اجنبیت کو دور کرنا ہے۔ کہ تمہاری طرف سے اس پیغام اور اس دعوت کی مخالفت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جبکہ یہ کوئی نیا پیغام اور کوئی نئی دعوت نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جو پوری انبیائی جماعت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ جن سے یہ پوری طرح آشنا بلکہ ایک طرح سے اپنے کو ہی ان کا مخلص اور پیرو قرار دیتے ہیں۔ پوری انبیائی جماعت کی بنیادی دعوت اور ان کے مقاصد ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ ان کے درمیان اختلاف صرف ان مقاصد کے حصول سے متعلق احکام کی جزئیات میں رہا ہے۔ جسے اصطلاح میں 'شریعت' کے نام سے جانا جاتا ہے آخری پیغمبر کی بعثت کا مقصد اس کے سوا دوسرا نہیں کہ وہ شریعت کے اس باب کو اتمام و تکمیل کی آخری منزل پر پہنچا کر پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کرتے ہوئے سلسلۂ نبوت کے خاتمہ کا اعلان کر دے۔ جبکہ دنیا کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ آخری قانون سازی پچھلی تمام دفعات کی منسوخی کا اعلان ہوتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی اس بحث کو ان کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے جس میں آخر میں دین و شریعت کے فرق کو واضح کرنے کے لئے انہوں نے بعض مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اصل دین اور انبیائی دعوت کی مشترک بنیادوں کی وضاحت وہ ان لفظوں میں کرتے ہیں:

اعلم ان اصل الدین	جاننا چاہیئے کہ دین کی اصل ایک ہے جس
واحد اتفق علیہ الانبیاء	پر تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں۔ اختلاف
علیہم السلام وانما الاختلاف	صرف شریعتوں اور طریقوں میں رہا ہے اس
فی الشرائع والمناھج، تفصیل	کی تفصیل یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام
ذلک انہ اجمع الانبیاء علیہم	اللہ کی توحید پر یک زبان ہیں کہ تنہا اسی کی
السلام علی توحید اللہ	عبادت کی جائے اسی سے مدد طلب کی جائے
تعالی عبادۃ واستعانۃ و	اور اسے ہر اس چیز سے پاک مانا جائے جو اس
تنزیہہ عما لا یلیق بجنابہ	کی ذات عالی کے شایان شان نہ ہو۔ اس
وتحریم الالحاد فی اسمائہ	کے اسماء وصفات میں کج روی کو حرام سمجھا
وان حق اللہ علی عبادہ	جائے۔ نیز یہ کہ اللہ کا اپنے بندوں پر حق

ان يعظموه تعظيما لا يشوبه
تفريط وان يسلموا وجوههم
وقلوبهم اليه وان يتقربوا
بشعائر الله الى الله وانه
قدر جميع الحوادث قبل
ان يخلقها وان لله ملائكة
لا يعصونه فيما امرو يفعلون
ما يومرون وانه ينزل
الكتاب على من يشاء من
عباده ويفرض طاعته على
الناس وان القيامة حق و
البعث بعد الموت حق
والجنة حق والنار حق و
وكذلك اجمعوا على انواع
البر من الطهارة والصلاة
والزكاة والصوم والحج و
التقرب الى الله بنوافل
الطاعات من الدعاء والذكر
وتلاوة الكتاب المنزل من
الله وكذلك اجمعوا على
النكاح وتحريم السفاح و
اقامة العدل بين الناس
وتحريم المظالم واقامة الحدود

ہے کہ وہ اس کی ایسی تعظیم کریں کہ اس کے
اندر کسی قسم کی کوتاہی کا شائبہ نہ ہو اور دل
وجان سے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کردیں۔
اور ان شعائر کے ذریعہ سے جنہیں اللہ نے
اپنی عظمت کے نشان ٹھہرائے ہیں اس کی
قربت حاصل کریں۔ نیز یہ کہ کائنات میں
پیش آنے والے تمام واقعات کو اس نے
مقدر کر رکھا ہے اس سے پہلے کہ وہ انہیں
وجود میں لائے۔ نیز یہ کہ اللہ کے فرشتے ہیں
جو جس بات کا وہ حکم دے اس میں ذرہ برابر
نافرمانی نہیں کرسکتے اور وہ وہی کرتے ہیں
جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ
اپنے جس بندے پر چاہتا ہے کتاب اتارتا
ہے اور اس کی پیروی کو دوسرے تمام لوگوں
پر لازم قرار دیتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت
برحق ہے۔ موت کے بعد اٹھایا جانا برحق ہے
جنت برحق ہے۔ دوزخ برحق ہے۔ اسی
طرح نیکی کی دوسری صورتیں ہیں جن پر تمام
انبیاء یک زبان ہیں۔ جیسے کہ پاکی، نماز، زکاۃ
روزہ، حج نیز نفل عبادات مثال کے طور
پر دعاء، ذکر، قرآن کی تلاوت جو اللہ کی طرف
سے نازل کردہ ہے ، کے ذریعہ اللہ سے قربت
حاصل کرنے کی کوشش۔ اسی طرح وہ اس

Marfat.com

علی اهل المعاصی والجهاد	پر یک زبان ہیں کہ نکاح حلال ہے اور بدکاری
مع اعداء اللہ والاجتہاد	حرام ہے۔ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف
فی اشاعۃ امر اللہ ودینہ	کا قیام ضروری ہے ظلم و نا انصافی کی تمام صورتیں
فھذا اصل الدین ولذلک	حرام اور ممنوع ہیں۔ گناہوں کے ارتکاب کرنے
لم یبحث القرآن العظیم	والوں پر حدود اللہ کا نفاذ ضروری ہے اللہ کے
ماھیۃ ھذہ الاشیاء الاما	دشمنوں سے جہاد کیا جانا لازم اور اللہ کے دین
شاء اللہ فانھا کانت مسلمۃ	اور اسکے حکم کو پھیلانے اور عام کرنے میں جان کھپانا
فیمن نزل القرآن علی السنتھم[1]	ضروری ہے۔ اصل دین اسی چیز سے عبارت ہے اسی
	لئے قرآن حکیم نے ان چیزوں کی حقیقت و ماہیت
	اور انکی اہمیت و ضرورت سے شاذ و نادر ہی کہیں تعرض کیا
	ہے اسلئے کہ یہ ان لوگوں کے ہاں مسلمات کی قبیل
	سے تھیں جنکی زبان پر کہ قرآن نازل ہوا۔

شریعتوں کے اختلاف اور ان کی نوعیت کی وضاحت وہ آگے اس طرح کرتے ہیں :

وانما الاختلاف فی صور	اختلاف صرف ان چیزوں کی صورتوں اور انکے
ھذہ الامور واشباحھا فکان فی	اظہار کی شکلوں میں ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام
شریعۃ موسیٰ علیہ السلام الاستقبال	کی شریعت میں نماز بیت المقدس کیطرف رخ
فی الصلوٰۃ الی بیت المقدس وفی	کرکے پڑھی جاتی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ
شریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم	وسلم کی شریعت میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے
الی الکعبۃ وکان فی شریعۃ موسیٰ	پڑھنے کا حکم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں
علیہ السلام الرجم فقط وجاءت	(زنا کی سزا) صرف سنگسار کیا جانا تھی۔ ہماری
شریعتنا بالرجم للمحصن والجلد	شریعت میں سنگسار کئے جانے کی سزا شادی شدہ

[1] حوالہ مذکور : ۱/۸۷۔

Marfat.com

لغيره وكان في شريعة موسىٰ	کیلئے اور غیر شدہ کے لئے کوڑے کی سزا تجویز
عليه السلام القصاص فقط و	ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں (قتل
جاءت شريعتنا بالقصاص و	کی سزا) صرف قصاص یعنی جان کے بدلہ جان
الدية جميعا على ذلك	تھی۔ ہماری شریعت میں قصاص اور دیت یعنی
اختلافهم في اوقات الطاعات	خوں بہا دونوں صورتوں کی گنجائش رکھی گئی۔
وآدابها واركانها [1]	یہی معاملہ مختلف انبیاء علیہم السلام کے یہاں
	عبادات کے اوقات ان کے آداب اور انکے ارکان
	و شرائط کے اختلاف کا بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ شریعتوں کا اختلاف احکام کی جزئیات کا اختلاف ہے۔ جو نا قابل لحاظ ہے۔ اصل چیز جو پوری انبیائی جماعت کے ہاں مسلم اور متفق علیہ رہی ہے اور جس کا دوسرا نام ہی وحدت دین اور اقامت دین ہے۔ اس کا تعلق پوری انسانی زندگی اور اس کے انفرادی و اجتماعی جملہ معاملات و مسائل سے ہے۔ آخری شریعت نے جزئیات کی پوری تفصیل کے ساتھ ان کے مقاصد و مطالب کو اپنے صفحات میں بتمام و کمال محفوظ کر دیا ہے اور قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کی فوز و فلاح اور اس کی نجات اس پورے مجموعۂ دین کی مخلصانہ پیروی میں مضمر ہے۔

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

خصائص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے اس تفصیلی مطالعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے سلسلے سے جاری ہونے والے دین "اسلام" کا تصور مذہب فکر و عمل کی کن وسیع جہتوں کو محیط ہے۔ اور کس طرح وہ عام معنوں میں "خدا اور بندے" تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کو اپنے دائرے میں لیتا اور جملہ معاملات زندگی میں خدائی شریعت کی بے لاگ پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہمارے سامنے مزید روشن ہو جاتی ہے جب ہم ان حضرات گرامی کے اوصاف و خصوصیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کا قرآن نے ان کے حالات و واقعات کے بیان میں بار بار ذکر کیا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شخصیت کے مطالعہ میں عام طور پر ذہن ایک خاص دائرے سے آگے نہیں بڑھتا۔ ان کی شخصیت کے تصور کے ساتھ ہی نگاہیں بالعموم ان کی خشیت و انابت، تقویٰ و طہارت اور خدا کے حضور عجز و زاری جیسے اوصاف و خصوصیات پر رک جاتی ہیں:

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (ص: ۴۴)	کیا ہی بہترین بندہ تھا وہ (ایوب) ضرور وہ جھکنے والا تھا۔
وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا (مریم: ۱۳)	اور ہم نے اسے (یحیٰ کو) اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی دی اور وہ ڈرنے والا تھا۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ۔ (ہود: ۷۵)	ضرور ابراہیم بڑا بردبار (اپنے رب کے حضور) گڑگڑانے والا اور (اس کی طرف) پلٹنے والا تھا۔

لیکن ان حضرات گرامی کی ان صفات خصوصیات کے ساتھ قرآن بار بار اور کافی کثرت سے ان کے بعض دوسرے اوصاف وکمالات کا بھی ذکر کرتا ہے جن کا تعلق صاف طور پر زندگی کے اجتماعی امور ومسائل سے ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے اندر ان حضرات کی تشریف آوری صرف اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ کسی محدود معنی میں "خدا اور بندے" کے درمیان رشتہ استوار کر دیں۔ بلکہ ساتھ ہی ان کا دائرہ نفوذ فکر وعمل کے وسیع ترین گوشوں تک وسیع ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے اندر انتہائی دوررس اور ہمہ گیر تبدیلیوں کا مطالبہ کرتے ہیں پورے نظام زندگی کو ایک خاص رخ پر چلانا اور خدائی مرضیات کو اس کے اندر جاری وساری کرنا ان کی بعثت کے اہم ترین مقاصد سے ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اس حیثیت کا اندازہ قرآن میں ذکر کردہ ان کے درج ذیل اوصاف وخصوصیات سے ہوتا ہے:

قوت فیصلہ اور قوت علم

حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ نمایاں ترین وصف ہے قرآن نے تقریباً ہر نبی کے بیان میں اس کا تذکرہ کیا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں ارشاد ہوا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا	اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے
وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ	اسے حکم اور علم عطا کیا۔ اور ہم خوب کاروں
(یوسف: ۲۲)	کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا	اور لوط ہم نے اسے حکم اور علم
(انبیاء: ۷۴)	عطا کیا۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی اس دولت سے نوازا گیا:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا	سو ہم نے اس معاملہ کو سلیمان کو سمجھا دیا
اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا	اور (داؤد اور سلیمان) ہر ایک کو ہم نے
(انبیاء: ۷۹)	حکم اور علم عطا کیا۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ کو بھی یہ نعمت عطا ہوئی :

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (قصص: ۱۴)	اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچا اور اس کی اٹھان پوری ہو گئی تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔

وحی الٰہی کے فیضان سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو علم حقیقی کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جس کے بعد ان کے سامنے دنیا و آخرت کے تمام حقائق روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے اندر جہل و نادانی کی تاریکی سے نکل کر علم و بصیرت کے اُجالے میں آجاتے ہیں۔ اور زندگی کے انفرادی معاملات سے لے کر اس کے اہم سے اہم اجتماعی معاملات تک ہر جگہ حق و صواب کا راستہ ان کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے۔ جملہ معاملات زندگی سے متعلق ان کے اندر بے مثال قوت فیصلہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اجتماع انسانی کے نازک سے نازک مسائل میں وہ دو ٹوک رائے دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت بالا میں علامہ زمخشری نے "حکم" کی یہی تفسیر کی ہے :

(حکما) حکمۃ وھو العلم بالعمل واجتناب ما یجھل فیہ .... وقیل حکما بین الناس وفقھا[1]	'حکم' کا مطلب ہے حکمت یعنی اس بات کی واقفیت کہ آدمی کو کیا کرنا چاہیے اور اس چیز سے احتراز جس میں اسے ناواقف کہا جائے ایک اور بات یہ کہی گئی ہے کہ حکم کے معنی ہیں (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) لوگوں کے درمیان فیصلہ اور (ہر طرح کے معاملات کی) سمجھ۔

معارف قرآنی کے ایک دوسرے رمز آشنا نے لفظ کے دیگر نظائر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے یہ وسیع معنی بیان کئے ہیں :

معنی الحکم فاعلم انہ ایضا	"حکم" کے معنی تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل : ۱/۶۴۸

Marfat.com

مثل الحكمة يطلق على القول المشتمل على القضاء الحق الواضح الذي قضي بالعلم وهذا من استعمال الكلمة العامة في احسن افرادها قال تعالى (وكذلك انزلناه حكما عربيا ولئن اتبعت اهواءهم بعد ما جاءك من العلم مالك من الله من ولي ولا واق) وهكذا استعمال الحكم في معنى القوة اذا اريد به الفهم الصائب قال تعالى (يا يحيى خذ الكتاب بقوة وآتيناه الحكم صبيا) ؎۱

"حکمت" کی طرح ہے جو بولا جاتا ہے اس بات کے لئے جو ٹھیک اور واضح فیصلہ پر مشتمل ہو اور جو صحیح جانکاری کی بنیاد پر کیا گیا ہو۔ یہ گویا عام لفظ کا استعمال ہے جو اس کے بہترین افراد کے لیے کیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اسے (قرآن کو) اتارا ہے عربی فیصلہ (حکم) بنا کر اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو اس کے پیچھے کہ تمہارے پاس (صحیح) 'علم' آچکا ہے تو اللہ کے بالمقابل تمہارا کوئی دوست اور بچانے والا نہ ہوگا۔ اسی طرح 'حکم' کا استعمال 'قوت' کے معنی میں بھی ہوتا ہے اس صورت میں اس کا مطلب ہوتا ہے ٹھیک سمجھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے یحییٰ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے اسے (معاملات کی) ٹھیک سمجھ عطا کی بچپن ہی میں۔

یہ آیت کریمہ سورۃ مریم کی ہے۔ اس میں لفظ "حکم" کی علامہ ابن کثیر نے یہ تشریح کی ہے:

(وآتيناه الحكم صبيا) اي الفهم والعلم والجد والعزم والاقبال على الخير والاكباب عليه والاجتهاد فيه ؎۲

(اور ہم نے اسے حکم عطا کیا بچپن میں) یعنی (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) سمجھ، علم، سنجیدگی اولوالعزمی، بھلائی کی طرف متوجہ ہونا، اس کیلئے اپنی قوتوں کو مرتکز کر دینا اور اس کے سلسلے میں انتہا درجہ کی کوشش۔

؎۱ علامہ فراہی: مفردات القرآن: ۳۶/

؎۲ تفسیر ابن کثیر: ۱۱۳/۳

Marfat.com

"حکم" کی تفسیر میں علامہ فراہیؒ نے آگے اس سلسلے کی آیات زیر بحث کا بھی حوالہ دیا ہے:

وقال تعالیٰ (ولوطا اتیناہ حکما وعلما ونجینہ الآیۃ) فذکر العلم بعد الحکم لیعلم ان الحکم ھھنا ھو الحکم الحق فانہ لا یکون الا بالعلم وھکذا قولہ تعالیٰ فی موسیٰ (ولما بلغ اشدہ واستویٰ آتیناہ حکما وعلما) وایضا وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شاھدین ففھمناھا سلیمان وکلا آتینا حکما وعلما [1]	اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور لوط ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا اور اسے نجات بخشی الخ یہاں پر حکم کے بعد علم کا ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) حکم (فیصلہ) کا مطلب یہاں ٹھیک فیصلہ ہے اس لئے کہ وہ علم کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے سلسلے میں ارشاد ہے: اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ گیا اور اس کی اٹھان پوری ہو گئی تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔ نیز (فرمایا) اور یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس میں کسی گروہ کی بکریوں نے چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے اس (معاملہ) کو سلیمان کو سمجھا دیا اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم سے نوازا تھا۔

نبوی خصائص کی ان تشریحات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات دنیا کے اندر عام اور مروجہ معنوں میں محدود مذہبی زندگی کے گذارنے نہیں آتے۔ بلکہ اپنی مثال ذاتی زندگیوں کے ساتھ قومی واجتماعی معاملات کی ذمہ داریاں بھی ان کے ساتھ اسی طرح لگی ہوتی ہیں۔ اپنی نبوی زندگی میں وہ ان جملہ امور و مسائل سے پوری طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں اور فرد سے لیکر

---

[1] مفردات: ۳۷

Marfat.com

ریاست تک کی ذمہ داریوں کو کامیابی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ

اسی طرح کا ایک دوسرا وصف قرآن ان حضرات گرامی کا "معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ" (حکمت اور فصل خطاب) بیان کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں فرمایا:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَآتَيْنَاهُ	اور ہم نے اس کے اقتدار کو مضبوط کیا اور
الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص: ۲۰)	اسے "حکمت" اور "فصل خطاب" عطا کیا۔

مفسر مجاہدؒ نے آیت کریمہ میں "حکمت" کے معنی "عقل اور فہم" بیان کئے ہیں۔[۱]
اور علامہ فراہی نے اس کی یہ جامع تشریح کی ہے:

واما الحكمة فهي اسم	رہی "حکمت"، تو یہ نام ہے اس قوت کا جس
للقوة التي منها ينشأ القضأ	سے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) ٹھیک
بالحق. قال تعالى فى نعت	فیصلہ ابھرتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد
داؤد (وآتيناه الحكمة وفصل	کی صفت میں فرمایا: اور ہم نے اسے "حکمت"
الخطاب) فذكر الاثر بعد	اور "فصل خطاب" عطا کیا۔ تو اثر کا ذکر
القوة التي هي مصدر	کیا اس قوت کے بعد جو کہ اس اثر کا
ذلك الاثر[۲]	مصدر اور منبع ہے۔

اسی طرح "فصل خطاب" کے معنی علامہ نے یہ بیان کئے ہیں:

فصل الخطاب وهو	"فصل خطاب" کا مطلب ہے (جملہ معاملات
القول الحق والواضح	زندگی سے متعلق) ٹھیک اور درست بات
عند العقل والقلب[۳]	جو عقل اور قلب کے نزدیک بالکل واضح ہو۔

علامہ زمخشری نے اس کے دائرے کو اس طرح مزید وسعت دی ہے:

---

[۱] تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۰۔ [۲] مفردات القرآن: /۲۴۔ [۳] حوالہ سابق: /۳۴، ۳۵

Marfat.com

فصل الخطاب الفاصل	"فصل خطاب" یعنی فیصلہ کن بات جو صحیح
من الخطاب الذی یفصل	اور غلط، حق اور باطل، درست اور نادرست
بین الصحیح والفاسد والحق	کو بالکل الگ کر دے اور یہاں اس سے مراد
والباطل والصواب والخطاء	ہے آں جناب کا فرمان، مقدمات، حکومت کے
وھو کلامہ فی القضایا والحکومات	معاملات اقتدار و سلطنت کی تدبیریں اور
وتدابیر الملك والمشورات [1]	اس سے متعلق مشوروں اور تجاویز کے سلسلے ہیں۔

"حکمت" یعنی معاملہ فہمی کی قوت جس کے نتیجے میں آدمی زندگی کے تمام مسائل میں صحیح فیصلے تک پہونچ جائے اور حق و انصاف کا راستہ اس کے سامنے بالکل واضح ہو جائے اور جس کے ذریعہ وہ دوسرے معاملات کے علاوہ حکومت و سلطنت کے معاملات و مسائل سے پوری طرح عہدہ برآ ہو سکے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں بھی اس وصف سے نوازے جانے کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خانوادہ انسانی تاریخ کا وہ خوش قسمت ترین خانوادہ ہے جس کے اندر بکثرت انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اور تاریخ کے طویل عرصے تک دنیائے انسانیت پر انہیں ہمہ جہتی سیادت و قیادت حاصل رہی اور آخر میں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی جن کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن خانوادۂ براہیمی کو عطا ہونے والے انعامات کی تفصیل میں کہتا ہے:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ	کیا یہ (اہل کتاب) (اہل ایمان) لوگوں سے
مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ	جلتے ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں انعام اپنے سے عطا کیا
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ	ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے خانوادۂ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (نساء: ۵۴)	ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی زندگی میں کسی محدود دائرہ کار کے پابند نہیں ہوتے بلکہ زندگی کے پھیلے ہوئے معاملات و مسائل ان سے متعلق ہوتے ہیں۔

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۲۲۹

Marfat.com

اور انفرادی و اجتماعی تمام معاملات و مسائل سے وہ عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ انہیں حکمت و معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ کی صلاحیت جملہ معاملات زندگی سے متعلق عطا ہوتی رہے اور وہ ان تمام معاملات میں اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت کا پورا پورا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بیان میں قرآن نے دیوانی مقدمہ کی ایک متعین مثال بھی پیش کی ہے جس کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے:

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ	اور یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جبکہ وہ ایک
فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ	کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس
غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ	میں کچھ لوگوں کی بکریوں نے چر لیا تھا اور ہم
شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ	ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے اس
وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا	معاملہ کو سمجھا دیا سلیمان کو۔ اور ان میں سے
(انبیاء: ۷۸، ۷۹)	ہر ایک کو ہم نے قوت فیصلہ و علم سے نوازا تھا۔

قوت علم وعمل

ایسا ہی ایک وصف قرآن ان حضرات انبیاء علیہم السلام کا علم وعمل کی قوتوں سے بدرجۂ اتم آراستہ ہونا بتاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ و یعقوبؑ وغیرہ مختلف انبیاءؑ کے ذکر میں فرمایا:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ	اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق
وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَ	اور یعقوب کو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے
الْأَبْصَارِ ۝ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ	تھے۔ ہم نے انہیں چھانٹ کر ایک خاص کام
بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَ	کے لئے الگ کیا (دوسرے) گھر کی یاد کیلئے۔
إِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ	اور وہ ضرور ہمارے نزدیک چنے ہوئے
الْأَخْيَارِ ۝ وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ	لوگوں میں سے تھے۔ اور یاد کرو اسماعیل
وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ	یسع اور ذوالکفل کو اور یہ سب بہترین

Marfat.com

مِنَ الْاَخْيَارِ (ص: ۴۵-۴۸) لوگوں میں سے تھے۔

اس آیت کریمہ میں ان حضرات گرامی کی خصوصیت "ہاتھوں والے اور آنکھوں والے" (اولی الایدی والابصار) قرار دی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ایک طرف یہ حضرات جسمانی قوت سے بدرجۂ اتم آراستہ ہوتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ کی طاعت و بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے انفرادی و اجتماعی دائروں سے متعلق اس کی طرف سے عائد کردہ دوسری گراں بار ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔ ساتھ ہی انہیں ذہنی اور دماغی قوت بھی اسی طرح بڑھی ہوئی ملتی ہے جس کے ذریعہ وہ تمام پیش آمدہ مسائل سے بہتر سے بہتر طریقے پر عہدہ برآ ہو سکیں۔ نازک سے نازک مسائل کو وہ آسانی کے ساتھ حل کرلیں اور اپنی ذمہ دارانہ زندگی کے دشوار گذار سفر میں انہیں کسی بھی موقع پر حیرانی و سراسیمگی کا سامنا نہ ہو۔

مفسرین کے سرخیل علامہ ابن جریر طبریؒ نے "اولی الایدی والابصار" کی یہی تفسیر بیان کی ہے:

ویعنی بالایدی القوۃ یقول اھل القوۃ علی عبادۃ اللّٰہ وطاعتہ ویعنی بالابصار انھم اھل ابصار القلوب یعنی بہ اولی العقول للحق [1]	"ایدی" سے مراد ہے قوت و قدرت۔ فرمایا جارہا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت و بندگی پر بھرپور قدرت رکھنے والے تھے۔ اور "ابصار" کا مطلب ہے کہ وہ دلوں کی آنکھوں والے تھے۔ یعنی کہ حق کو دیکھنے اور اسے سمجھنے کی ان کے اندر بہترین فہم و فراست موجود تھی۔

دوسرے الفاظ میں حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہی بات کہی ہے:

(اولی الایدی والابصار) یعنی بذلک العمل الصالح والعلم النافع والقوۃ فی العبادۃ والبصیرۃ النافذۃ [2]	"اولی الایدی والابصار) ہاتھوں اور آنکھوں والے۔ اس سے مراد ہے صالح عمل، نفع بخش علم، عبادت و طاعت میں قدرت، قوت اور بڑھی ہوئی بصیرت اور دور نگاہی۔

---

[1] جامع البیان: ۲۲/۱۰۹

[2] تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۰

Marfat.com

ایک دوسرے جلیل القدر نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا بھی قرآن نے یہی وصف بیان کیا ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ	اور یاد کرو ہمارے بندے داؤد کو جو ہاتھ
إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص: ۱۷)	والا تھا ضرور وہ (خدا کے حضور) بڑا پلٹنے والا تھا

جس کی تفسیر علامہ طبریؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

ويعنى بقوله "ذا الايد"	اللہ تعالیٰ کے قول "ذا الاید" کا مطلب ہے
ذا القوة والبطش الشديد	کہ قوت والا اور سخت پکڑ والا اللہ کی
فى ذات الله والصبر على	ذات اور اس کی طاعت و بندگی پر
طاعته [1]	جمنے کے معاملہ میں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اوصاف و خصوصیات کے بیان میں قرآن نے یہ جو ان کے "ہاتھ اور آنکھ والے" "اولی الایدی والابصار" کا تذکرہ کیا ہے، علامہ ابن قیمؒ اس کے دائرے کو مزید وسعت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دونوں خصوصیات ان حضرات انبیاءؑ کی طرف سے دین کی فہم و بصیرت کے ساتھ پوری دنیا میں حق و انصاف کا بول بالا اور اس کے غلبہ و نفاذ کا عنوان ہیں:

واذكر عبادنا ابراهيم واسحاق	"اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق
ويعقوب اولى الايدى والابصار	اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے
فالايدى القوة فى تنفيذ الحق	تھے"۔ تو ہاتھوں سے مراد حق کے نفاذ کی قوت
والابصار البصائر فى الدين	اور آنکھوں سے مراد دین کی فہم و بصیرت ہے
فوصفهم بكمال ادراك الحق	تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بدرجۂ اتم حق کے فہم و ادراک
وكمال تنفيذه [2]	اور بدرجۂ اتم اس کے غلبہ و نفاذ کی خصوصیت سے
	متصف گردانا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۲۲/۸۶

[2] الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی/۶۳، طبع مذکور

Marfat.com

ظاہر ہے خدا اور بندے تک محدود تصور مذہب اور اس کی نمائندہ مذہبی زندگی کے لئے اس زبردست "جسمانی قوت"، اور بے مثال "علمی بصیرت"، کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت

نیکی اور بھلائی کے جملہ امور کی انجام دہی اور ان کے سلسلے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنا، حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت بھی قرآن نے ایک سے زائد مقامات پر بیان کی ہے۔ سورۂ انبیاءؑ میں اس مقدس گروہ کے سرخیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے ذکر کے بعد فرمایا :

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	ہم نے انہیں مقتدیٰ بنایا، جو ہمارے حکم کے
بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ	مطابق راہ بتاتے تھے اور ہم نے ان تک وحی
الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ	کی بھلائی کے کام کرنے کی اور نماز قائم کرنے
الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ	کی اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری عبادت
(آیت : ۷۳)	(بندگی) کرنے والے تھے۔

آگے اسی زمرۂ صالحین میں، حضرت نوحؑ، داؤد و سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے اوصاف حمیدہ کے بیان میں فرمایا :

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي	ضرور وہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے
الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا	سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ
وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ	ہمیں پکارتے تھے شوق سے اور ڈر کر اور وہ
(آیت : ۹۰)	ہمارے لئے سر جھکانے والے تھے۔

ان دو آیات کریمہ میں بھلائی کرنے "فعل الخیرات"، اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے "مسارعت فی الخیرات"، کی جو بات کہی گئی ہے، وہ اپنے اندر بڑا عموم رکھتی ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ ان حضرات گرامی کے اندر خوف و خشیت اور ذاتی طہارت و پاکیزگی کے علاوہ زندگی کے اندر ہمہ جہتی بھلائیوں کے حصول اور یہی نہیں بلکہ اس کے سلسلے میں ایک دوسرے

Marfat.com

سے آگے بڑھ جانے کا ایسا جذبہ تھا جو کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اپنے دامن زندگی کو ہمہ جہتی نیکیوں اور بھلائیوں سے بھرنے کی ان کے یہاں ایسی پیاس تھی جو کسی طرح بجھنے کو تیار نہ تھی۔ قرآن نے ان دونوں مقامات پر بھلائی "خیرات" کے الفاظ مطلق استعمال کئے ہیں جس نے کسی تخصیص کے بغیر شریعت کی نظر میں معتبر ہر طرح کی نیکیوں اور بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اس کا اندازہ ہم اس لفظ کے دیگر قرآنی نظائر کی روشنی میں کر سکتے ہیں۔

سورۂ مومنون میں اہل ایمان بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ	ہاں وہ جو (اپنی پوری زندگی میں) اپنے رب
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ	سے ڈر کر رہتے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں پر
هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝	ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ جو کسی طرح اپنے رب
وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا	کا ساجھی نہیں ٹھہراتے ہیں اور وہ جو کوئی چیز
یُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ	(غریبوں اور کمزوروں کو) دیتے ہیں تو ان کے دل
مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ	میں ڈر ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹنے
اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝	والے ہیں یہی لوگ ہیں جو "بھلائیوں" (خیرات)
اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی	میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے والے
الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝	اور ان کے لئے ایک دوسرے پر بڑھنے
(آیات: ۵۵ - ۶۱)	والے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں اپنی پوری زندگی میں رب سے ڈر کر رہنے، اس کی آیتوں پر ایمان، شرک و بت پرستی اور غیر اللہ کی بندگی کا ہر طرح سے انکار اور کمزور بندگان خدا کی خبر گیری، ان تمام ہی باتوں کو "بھلائی کے کاموں میں سبقت" "مسارعت فی الخیرات" میں شامل قرار دیا گیا ہے جس نے دوسرے لفظوں میں پوری اسلامی شریعت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

معلوم ہے کہ اسلام کی نظر میں بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کی اصطلاح بڑے وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں پورے نظام زندگی میں تبدیلی کی نقیب ہے[1]

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب "معروف و منکر" شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔

Marfat.com

قرآن "نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت" "مسارعت فی الخیرات" میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کو شامل قرار دیتا ہے۔ حق پرست اہل کتاب، جنہیں اپنے اسی وصف کی بنا پر حلقہ بگوشِ ایمان ہونے کی توفیق نصیب ہوئی ان کے سلسلے میں قرآن نے فرمایا :

لَيْسُوا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ	سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں کچھ ہیں جو (حق
اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيَاتِ	پر) قائم ہیں یہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے
اللّٰهِ آنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ	ہیں رات کے وقتوں میں اور یہ سجدے گذارتے
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	ہیں۔ یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	دن پر اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ	منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں ایک
يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ	دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں
وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ٥	اور یہی لوگ نیکوکاروں میں ہیں اور یہ بھلائی کا جو
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ	کام بھی کریں گے اس میں ان کی ناقدری
يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ٥	نہ ہوگی اور اللہ جاننے والا ہے انھیں جو
(آل عمران: ۳: ۱۱۳-۱۱۵)	(اس سے) ڈرنے والے ہیں۔

قبلہ رو ہو کر نماز کی ادائیگی ہر نبی کی دعوت کا لازمی جز رہی ہے جس کے سلسلے میں عبوری طور پر بعض مصالح کے تحت تاریخ کے ایک طویل عرصے میں دوسری سمت بھی رُخ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جب سلسلۂ نبوت کی تکمیل ہوئی اور الٰہی شریعت اپنی آخری تکمیلی شان میں جلوہ گر ہوئی تو دوسری بہت سی عبوری رعایتوں کی طرح یہ رعایت بھی ختم کر دی گئی۔ اور تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز کی ادائیگی کے بعد اہل ایمان کو روئے زمین پر توحید کے پہلے نشان اور اللہ کے پہلے گھر "کعبۃ اللہ الحرام" کی طرف رُخ پھیر لینے کی تاکید کے ساتھ قیامت تک کے لئے قبلہ کی یکسوئی کا حکم ہوا[1]۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ جنہیں اپنی گروہی عصبیتوں کے دباؤ میں آخری نبیؐ کے ذریعہ صحیح دین براہیمی کا احیا کسی صورت نہ بھاتا تھا۔ انہوں نے اسلام کی دیگر بہت سی تعلیمات پر ناک بھوں چڑھانے اور انہیں اپنی تنقید و اعتراض کا ہدف

---

[1] تفسیر الجلالین /۲۹، طبع بیروت ۱۴۰۳ھ

Marfat.com

بنانے کے ساتھ اس "تحویل قبلہ" کو بھی اپنی چہ میگوئیوں اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنایا تو قرآن نے صاف لفظوں میں کہا کہ ان کی الزام تراشیوں کا ذرا نوٹس لینے کی ضرورت نہیں۔ آخری پیغمبر اور آپ کے پیرو بحکم خدا "بیت المقدس" کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اب اسی کے حکم سے انہوں نے اپنا رخ "خانہ کعبہ" کی طرف موڑ لیا ہے تو اس پر اعتراض کا کیا موقع ہے؟ قرآن نے اہل ایمان کے اس حکم شریعت پر عمل کو "استباق فی الخیرات" بھلائی کے کاموں میں سبقت قرار دیا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا	اور ہر کسی کے لئے (قبلہ کی) ایک سمت رہی
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا	ہے جس کا وہ رُخ کرنیوالا رہا ہے۔ سو (اب) تم
تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا	"بھلائی" کے کاموں میں سبقت دکھاؤ تم جہاں
إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	کہیں ہو گے اللہ تم کو لا اکٹھا کرے گا۔ ضرور اللہ ہر
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ	چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور تم جہاں کہیں سے
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	نکلو تو اپنا رُخ مسجد حرام کی جانب کرو ضرور
وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا	یہی چیز تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے
اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝	اور اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے جو تم
(بقرہ: ۱۴۹-۱۴۹)	کرتے ہو۔

یہ تو خیر صرف ایک حکم شریعت پر عمل کی بات تھی، دوسرے مقام پر قرآن نے ہر نبی کے دور کی پوری اور خاص طور پر آخری نبی کی لائی ہوئی تکمیلی شریعت کی تمام و کمال پیروی کو "استباق فی الخیرات" سے تعبیر کیا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے جب حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایک وصف "بھلائی کے کام کرنا" "فعل الخیرات" اور "نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرنا" "مسارعت فی الخیرات" بیان کیا ہے تو اس کی نظر میں اس کے مضمرات کتنے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ چیز فکر و عمل کی کن وسیع ترین جہتوں کو محیط ہو گی:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ	اور ہم نے تم تک کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	جو مصداق ہے اپنی سے پچھلی کتابوں کا اور ان پر

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً
وَاحِدَةً وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا
آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ
إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ٥

(مائدہ: ۴۸)

نگراں ہے سو اب تم ان (اہل کتاب) کے درمیان
فیصلہ کرو اس چیز (آخری کتاب) کے مطابق جسے
اللہ نے (اب) اتارا ہے اور تمہارے پاس جو حق
آگیا ہے اسکے مقابلہ میں ان کی خواہشات کی پیروی
نہ کرو تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے الگ شریعت اور
طریقہ ٹھہرایا اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک جماعت
بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو آزمائے
اس میں جو اس نے تم کو دیا ہے سو تم بھلائی کے کاموں
میں ایک دوسرے پر بازی لیجانیکی کوشش کرو
اللہ ہی کیطرف تم سب کو پلٹنا ہے سو وہ تمہیں آگاہ
کریگا ان باتوں سے جن میں کہ تم جھگڑتے تھے۔

حکومت و سربراہی

اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن ان حضرات انبیاء علیہم السلام کو "حکومت و سربراہی" کی خصوصیت سے متصف گردانتا ہے۔ سورۂ انعام میں حضرت نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق و یعقوب، داؤد و سلیمان، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ اٹھارہ جلیل القدر پیغمبروں کے ذکر کے بعد فرمایا:

أُولٰئِكَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ يَكْفُرْ
بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا
لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ٥

(آیت: ۸۹)

یہ لوگ ہیں کہ ہم نے انہیں کتاب حکومت اور
نبوت سے نوازا سو اگر یہ (اہل کتاب) اس (نبوت)
کی ناقدری کریں تو ضرور کچھ دوسرے لوگوں
کو ہم نے اس کا ذمہ دار بنا دیا ہے جو اس کی نا
قدری کرنے والے نہیں ہیں۔

امام رازیؒ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں اس کے تین الفاظ "کتاب" "حکم" اور "نبوت" کے سلسلے میں اس تمہیدی بیان کے بعد کہ یہ تینوں الفاظ حرف عطف "و" کے ساتھ آئے ہیں جس کا لازمی تقاضا

Marfat.com

"مغائرت" ہے کہ یہ تینوں چیزیں الگ الگ ہوں اور ان سے تین مختلف حقیقتوں کی نشاندہی کی گئی ہو، لفظ "حکم" کے سلسلے میں حکومت وسیادت کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرات انبیاء کو اس کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز گردانتے ہیں :

واعلم ان الحکام ثلاث طوائف (احدھا) الذین یحکمون علی بواطن الناس وعلی ارواحھم وھم العلماء (وثانیھا) الذین یحکمون علی ظواھر الخلق وھم السلاطین یحکمون علی الناس بالقھر والسلطنۃ (وثالثھا) الانبیاء وھم الذین اعطاھم اللہ تعالیٰ من العلوم والمعارف مالاجلہ بھا یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحھم وایضا اعطاھم من القدرۃ والمکنۃ مالاجلہ یقدرون علی التصرف فی ظواھر الخلق ولما استجمعوا ھذین الوصفین لاجرم کانوا ھم الحکام علی الاطلاق [1]	معلوم ہونا چاہیئے کہ حکومت کرنیوالے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو لوگوں کے باطن اور ان کی روحوں پر حکومت کرتے ہیں یہ علماء ہیں۔ دوسرے وہ جو مخلوق کے ظاہر پر حکومت کرتے ہیں یہ بادشاہ ہوتے ہیں جو لوگوں پر غلبہ وقہر اور قوت وسطوت سے حکومت کرتے ہیں، تیسری جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ علوم ومعارف کا وہ خزانہ عطا کرتا ہے کہ اسکے ذریعہ انہیں مخلوق کے باطن اور اسکی روحوں پر قبضہ وتصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ انہیں وہ (دنیوی) قوت وشوکت بھی عطا کرتا ہے جس کی بدولت وہ خلق خدا کے ظاہر پر اختیار وتصرف کی بھی قدرت حاصل کر لیتے ہیں، چونکہ یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام اپنی ذات میں) ان دونوں ہی اوصاف کے جامع ہوتے ہیں تو کسی شک وشبہ کے بغیر یہی اس کے مستحق ہیں کہ انہیں علی الاطلاق حکمراں اور صاحب اقتدار تسلیم کیا جائے۔

[1] مفاتیح الغیب : ۴/۸۸

Marfat.com

اس تمہیدی بیان کے بعد امام موصوف ان الفاظ کی جو تشریح کرتے ہیں وہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ انسانی زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام یہ وسیع وہمہ جہت کردار مذہب کے مروجہ محدود و ناقص تصور کو تہ و بالا کرتا اور اس کے کھوکھلے پن کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیتا ہے۔

چنانچہ آگے فرماتے ہیں:

اذا عرفت هذه المقدمة	جب تم نے یہ مقدمہ سمجھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا قول:
فقوله آتيناهم الكتاب اشارة	"آتیناہم الکتاب" ہم نے انہیں کتاب دی اشارہ
الى انه تعالى اعطاهم العلم	ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
الكثير وقوله الحكم اشارة	بہت زیادہ علم سے نوازا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول:
الى انه تعالى جعلهم حكاما	حکم "حکومت" (یعنی ہم نے انہیں حکومت
على الناس نافذى الحكم	دی) اشارہ ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
بحسب الظاهر وقوله والنبوة	لوگوں پر حکمراں قرار دیا کہ ظاہر کے اعتبار سے (بھی)
اشارة الى المرتبة الثالثة	لوگوں پر ان کا حکم چلتا ہے آگے اللہ تعالیٰ کا قول:
وهى الدرجة العالية الرفيعة	"نبوت" (ہم نے انہیں نبوت دی) یہ اشارہ ہے
الشريفة التى يتفرع على	تیسرے رتبہ کی طرف۔ اور یہ سب سے اونچا، بلند
حصولها حصول المرتبتين	اور باعزت درجہ ہے کہ اسکے حصول پر ہی سابقہ
المقدمتين وللناس فى هذه	دونوں مرتبوں کا حصول ممکن ہے۔ ان تینوں
الالفاظ الثلاثة تفسيرات	(قرآنی) الفاظ کی دوسری بہت سی تفسیریں کی
كثيرة والمختار عندنا	گئی ہیں لیکن ہمارے نزدیک پسندیدہ اور قابل
ماذكرناه [1]	ترجیح بات وہی ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا۔

آپ نے دیکھا کہ امام موصوف نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکومت وسیادت کے سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز کر کے انہیں دنیا کا سب سے بڑا اور عظیم المرتبت "قائد اور لیڈر" گروہ بتایا ہے جب کہ

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

ہمارے ہاں ماضی قریب تک صورت تھی کہ غالبًا محدود تصور مذہب کے حق میں کئے گئے پروپیگنڈے کے زیر اثر بہت سے سکہ بند "علماء" کی طرف سے ان "اہل علم" کو ضال و مضل گردانا اور ان کے خلاف فتووں کی بوچھار کی گئی جنہوں نے محض وقت کی زبان میں لوگوں کو بات سمجھانے کی خاطر ان حضرات گرامی کے لئے "قائد" اور "لیڈر" کی اصطلاحیں استعمال کیں۔[1]

لیکن یہ سر تا سر ذہن کی نارسائی اور فہم کا قصور ہے۔ گروہ انبیاء کی مذکورہ فہرست میں خانوادۂ ابراہیمی چھایا ہوا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن نے اس خانوادہ کو رسالت و پیغمبری (کتاب و حکمت) کے ساتھ حکومت و سلطنت (ملک عظیم) عطا کئے جانے کو اس کے اوپر اپنے ایک عظیم احسان کے طور پر یاد کیا ہے۔ جبکہ کفر و شرک کی لعنت میں گرفتار اور اسی کے سبب خدا کی لعنت کردہ قوم یہود کا ایک طبقہ خانوادۂ اسماعیل میں آخری نبی کی بعثت کے سبب حسد و عداوت کی آگ میں بھن کر، اپنے اوپر اس قدیمی خدائی احسان کو بھول چکا تھا۔ :

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ	کیا یہ (اہل کتاب) جلتے ہیں لوگوں (اہل ایمان)
مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ	سے اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا ہے
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ	تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے خانوادۂ ابراہیمی کو کتاب
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم	و حکمت عطا کی اور ہم نے انہیں بہت بڑی
مُّلْكًا عَظِيمًا (نساء: ۵۴)	سلطنت سے نوازا۔

آخری نبی کی بعثت سے قبل خانوادۂ ابراہیمی پر خدا تعالیٰ کے ان ہمہ جہتی انعامات کی بارش حضرت یعقوب کی نسل "بنی اسرائیل" پر ہوئی۔ جس کی دیگر رفعات کے ساتھ ان کی "حکومت و سیادت" کا تذکرہ بھی قرآن نے دوسرے مقامات پر اسی اہتمام سے کیا ہے :

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ	اور ہاں ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت

[1] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی بھی آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "صاحب سیاست کبریٰ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لابد لصاحب السیاسۃ الکبریٰ جس کا کم سے کم ترجمہ عظیم ترین سیاسی لیڈر greatest political leader ہی کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۱۱۹۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۳ھ

Marfat.com

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ	اور نبوت دی۔ اور انہیں پاک وصاف چیزوں
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ	سے روزی دی اور انہیں (اپنے وقت میں)
(جاثیہ:۱۶)	تمام دنیا والوں پر فضیلت بخشی۔

سیاسیات کی دنیا میں آج بھی "بادشاہت"، وہ آخری ادارہ ہے جس کے اندر سطوت واقتدار آخری طور پر مرتکز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے بادشاہوں کے علاوہ قوم بنی اسرائیل کے اندر بہت سے نبیوں کو بھی اس بلند مقام پر فائز کیا :

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ	اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے
اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ	میری قوم کے لوگو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو
جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ	یاد کرو جبکہ اس نے تم میں نبی بنائے اور تمہیں
مُلُوكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا	بادشاہ ٹھہرایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جس سے اس
مِّنَ الْعٰلَمِينَ	نے دنیا والوں میں سے کسی کو سرفراز
(مائدہ: ۲۰)	نہیں فرمایا۔

جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے سلسلے میں اس کی صراحت موجود ہے کہ :

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً	اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں نائب ٹھہرایا
فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ	ہے سو تم لوگوں کے درمیان انصاف کے
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى	ساتھ حکومت کرو اور خواہش کے پیچھے نہ
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ	چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے
(ص: ۲۶)	بھٹکا دے۔

اور حضرت سلیمانؑ کی زبانی یہ دعا منقول ہے :

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي	وہ عرض پیرا ہوا کہ پروردگار میری بخشش کر
مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِّنْ	اور مجھے وہ حکومت دے کہ میرے بعد کوئی
بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ	(دوسرا) اس کا سزاوار نہ ہو سکے۔ ضرور تو
(ص: ۳۵)	بڑا عطا کرنے والا ہے۔

Marfat.com

یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ دنیوی جاہ وجلال کے ساتھ نوامیس فطرت کو آپ کے قابو میں دیدیا گیا، جس کا تذکرہ اس کے فوراً ہی بعد ہے کہ :

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي	سو ہم نے ہوا کو اس کے زیر تصرف کر دیا جو چلتی
بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝	اسکے حکم سے سبک خرامی سے جہاں کہیں وہ پہنچنا
وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ	چاہتا نیز شیطانوں (سرکش جنوں) کو ایک سے
وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ	ایک عمارت ساز اور غوطہ زنی کرنیوالے۔ دوسرے
هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ	وہ جو بیڑیوں میں جکڑے ہوتے یہ ہماری بخشش
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَإِنَّ لَهُ	ہے سو تم احسان کرو (انہیں چھوڑ دو) یا روکے
عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝	رکھو اس کا کچھ حساب نہیں اور ضرور اس کیلئے
(ص : ۳۶ - ۴۰)	ہمارے نزدیک قربت اور بہترین ٹھکانا ہے۔

انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی وہ وسیع کردار ہے جس کے پیش نظر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اندر انبیاء بنی اسرائیل کے لئے صاف طور پر "سیاسی رہنما" کی اصطلاح استعمال کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کانت بنو اسرائیل تسوسھم	بنی اسرائیل کی نگرانی و خبر گیری کا فریضہ (انکے)
الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ	انبیاء انجام دیتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت
نبی وانہ لا نبی بعدی [1]	ہوتا اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا۔ البتہ اب
	میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہوگا۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں کہ :

ای یتولون امورھم	یعنی کہ وہ ان کے (جملہ) معاملات کے ذمہ دار
کما یفعل الامراء والولاۃ	ہوتے تھے۔ جیسا کہ امراء اور والین سلطنت کا
بالرعیۃ، والسیاسۃ القیامُ	معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیاست کا

---

[1] مسلم جلد ۲۔ کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول

علی الشیئ بما یصلحہ [1] — مطلب ہے چیز کی نگرانی اور اس کے لیے ہر اس بات کا اہتمام جو اس کی بہتری اور بھلائی کے لیے ضروری ہو۔

انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ کردار اس کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ان کے ہاتھوں لائے ہوئے طریقہ زندگی کا دائرۂ کار کیا ہے؟ اور ان کی تعلیمات سے ابھرنے والا تصورِ مذہب زندگی میں اپنے لئے کن جہتوں کا مطالبہ کرتا ہے؟

امامت وسیادت

اس کے علاوہ قرآن عام طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایک وصف ان کا "امام" اور "قائد" ہونا قرار دیتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ان حضرات کی حیثیت آج کے معروف معنوں میں "مذہبی رہنماؤں" کی نہیں بلکہ یہ بہمہ وجوہ اپنے وقت میں قوم کے مقتدیٰ اور رہبر ہوتے ہیں۔ قوم کے لئے اپنے جملہ معاملات زندگی میں ان کے احکام وہدایات کی پیروی ضروری ہوتی ہے۔ اس سے ہٹ کر وہ جو راستہ بھی اپنائے گی وہ بے دینی کا راستہ ہوگا۔ اور اس کے نتیجے میں اسے دنیا وآخرت کے دوگونہ نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ "امام" کے معنی "مقتدیٰ اور مطاع" معروف ہیں:

الامام الموتم بہ انسانا کان یقتدی بقولہ وفعلہ او کتابا او غیر ذلک محقا کان او مبطلا [2] — "امام" یعنی وہ جس کی اقتدار کی جائے چاہے وہ انسان ہو جس کے کہ قول یا فعل کی پیروی اختیار کی جائے یا وہ کتاب ہو یا اور کوئی چیز۔ اس سے قطع نظر کہ وہ برسرِحق ہے یا برسرِباطل۔

انبیائی جماعت کے سرخیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وصف قرآن نے یہی بتایا:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ — اور یاد کرو جبکہ ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ

---

[1] شرح مسلم للنووی بر مسلم، حوالہ مذکور

[2] المفردات فی غریب القرآن، الراغب الاصفہانی : ۲۲/

Marfat.com

بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط (بقرہ: ۱۲۴)

باتوں میں آزمایا جنہیں اس نے پورا کر دکھایا۔ فرمایا کہ ضرور میں تمہیں لوگوں کا مقتدیٰ بنانے والا ہوں۔

دوسری جگہ پورے گروہ انبیاء کے سلسلے میں اسے عام رکھا ہے۔ آیت کریمہ اس سے پہلے گذر چکی ہے :

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ (انبیاء: ۷۳)

اور ہم نے انہیں مطاع ومقتدیٰ بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق (لوگوں کو) راہ بتاتے۔ اور ہم نے ان تک وحی کی بھلائی کے کام کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی۔ اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔

جب یہ حضرات بہمہ وجوہ انسانیت کے مقتدیٰ اور سرتراپائے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ان کی تعلیمات سے تشکیل پانے والا دین اور ان کے ہاتھوں لایا ہوا نظام زندگی بھی اپنے ماننے والوں سے ان کی پوری زندگی میں اپنی پیروی کا مطالبہ کرے۔ اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں تنہا اسی کی حکمرانی تسلیم کی جاتے۔ اس سے ہٹ کر زندگی میں ایک قدم اٹھے، نہ اس جادۂ مستقیم سے سرِ مو انحراف ہونے پائے۔

بارگاہ رب العزت سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا "امام" اور "مقتدیٰ" قرار پانا اپنے اندر کیا مضمرات رکھتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کی زندگیوں پر ان کا کیسا کچھ اثر ہونا چاہیئے، اس کا صحیح اندازہ ہم اس لفظ کے دیگر قرآنی استعمالات کی روشنی ہی میں کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چیزوں کی پہچان ان کی ضد سے ہوتی ہے۔ کفر وضلالت کے سرغنوں کو اپنی قوم میں کیا مقام حاصل ہوتا ہے، کس طرح وہ اس کے لئے "مطاع مطلق" کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے کسی حکم وفرمان کے آگے کسی کی سرتابی کی مجال نہیں ہوتی ہے۔ قرآن کفر وضلالت کے ایسے ہی سرغنوں کے لئے "امام" اور "ائمہ" کے الفاظ استعمال کرتا ہے :

فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ

تو (مسلمانو) کفر کے اماموں سے جنگ کرو۔

اَیۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ یَنۡتَهُوۡنَ ۝	ان کے معاہدوں کا کچھ لحاظ نہیں۔ امید
(توبہ: ۱۲)	کہ (اس طرح) وہ (آئندہ) باز رہیں گے۔
وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّدۡعُوۡنَ	اور ہم نے انہیں (گمراہی کا) امام و سردار
اِلَی النَّارِ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ	بنایا جو (لوگوں) کو دوزخ کی طرف بلاتے
لَا یُنۡصَرُوۡنَ (قصص: ۴۱)	ہیں اور قیامت کے دن انکی کچھ مدد نہ ہوگی۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے تو ان کے ماننے والوں کے تئیں اس کے مضمرات کتنے وسیع ہوں گے۔ اس کا صاف مطلب ہوگا کہ جب تک وہ اپنی پوری زندگی میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر ان کی رہنمائی و رہبری تسلیم نہ کریں، بندگی رب کا حق ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ لفظ "امام" اور "ائمہ" کے صحیح مفہوم اور اس کی واقعی وسعت و ہمہ گیری پر سورۂ قصص کی وہ آیت کریمہ بھی روشنی ڈالتی ہے جس میں فرعون کی طرف سے طویل عرصہ تک بنی اسرائیل کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہنے کے بعد زمین میں حکومت و اقتدار سے نوازے جانے کی بشارت دی گئی ہے:

وَنُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ	اور ہم چاہتے ہیں کہ (اب) ان لوگوں پر احسان
اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ	کریں جو زمین میں دبائے گئے اور انہیں (ملک)
اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ۝ وَنُمَکِّنَ لَهُمۡ فِی	کا امام اور حکمراں بنائیں اور انہیں جانشین
الۡاَرۡضِ وَنُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ	ٹھہرائیں ان کے لئے زمین کا اقتدار مستحکم کریں
هَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ	اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکریوں
مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ	کو دکھادیں وہ چیز جس کا وہ اندیشہ
(آیات: ۵-۶)	رکھتے تھے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خصائص کے بیان میں بھی ہمیں اس لفظ کو اسی وسعت اور عموم پر رکھنا ہوگا۔

انبیاءؑ ـــــ خدائی لشکر مزید برآں قرآن صاف لفظوں میں حضرات انبیاء علیہم السلام

کو "خدائی لشکر" قرار دیتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا	اور ضرور ہماری بات گذر چکی ہے اپنے
لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ	فرستادہ بندوں کے حق میں۔ ضرور یہی ہیں
لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ	جو فاتح و منصور ہوں گے اور ضرور
جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝	ہمارا لشکر ہی غالب اور سرخ رُو
(صافات: ۱۷۱-۱۷۳)	ہوگا۔

لغت میں "جند" کے معنی فوج اور لشکر کے معروف ہیں اور اس کے وظیفۂ حیات سے ہر شخص واقف ہے جو ہوتی ہی اس لئے ہے کہ مخالف قوت کا قلع قمع کر دے۔ اور جب اس کی کمان کائنات میں قوت وسطوت کے محور و مرکز ذات باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں کسی اور کے ٹکنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کتاب حکمت ہے اس کا ہر ہر لفظ حقائق و معارف کا گنجینہ اور فکر و نظر کی گتھیوں کو کھولنے والا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے "جند" "لشکری" کا لفظ استعمال کرکے اس نے قیامت تک کے لئے تصور مذہب کی نسبت سے غلط فہمیوں کے پردے کو چاک کر دیا ہے۔ جس کا نمایاں ترین پہلو ہے کہ یہ حضرات عام اور معروف معنوں میں "مذہبی رہنما" اور "روحانی پیشوا" نہیں ہوتے۔ بلکہ دنیا کے اندر باطل شیطانی قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہونا ان کا وظیفۂ حیات ہوتا ہے۔ اور خدائی مدد کے نتیجے میں وہ اپنی ہر مہم میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] بہت سے مفسرین نے غالباً سورہ کے مکی ہونے کے سبب یہاں "غلبہ و نصرت" سے حجت و برہان کا غلبہ مراد لیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ "غلبہ و نصرت" جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے وضاحت کی ہے، بہمہ وجوہ دنیا و آخرت دونوں کو حاوی ہے (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۴) بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں دنیا کے فتح و نصرت کے پہلو کو غالب ہونا چاہئیے۔ ورنہ لفظ "جند" کے استعمال کی معنویت باقی نہیں رہے گی۔ آگے قرآن نے کفار مکہ کی طرف سے عذاب کی جلدی مچانے کا یہ جواب دیا ہے:

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝	کیا پس وہ (دنیا میں) ہمارے عذاب کی جلدی
فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ	مچاتے ہیں۔ تو جب یہ ان کے صحن خانہ میں اتریگا

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دوسرے موقع پر بھی قرآن نے انہیں اسی طرح باطل قوتوں کے مقابلہ میں کامیابی وکامرانی کا مژدہ سنایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ	ضرور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی	دشمنی رکھتے ہیں یہی ہیں جو بُری طرح رسوا
الْاَذَلِّیْنَ ۝ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ	ہوں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ غلبہ و فتح
اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ	مندی میری اور میرے رسولوں کی ہو گی،
لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (مجادلہ: ۲۰-۲۱)	ضرور اللہ طاقت والا بڑی سطوت والا ہے۔
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ	ضرور ہم فاتح و منصور کریں گے اپنے رسولوں
اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا	کو اور ان کو جو ایمان لائے دنیا کی زندگی
وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ ۝	میں اور اس دن بھی جب کہ (روز قیامت)
(غافر: ۵۱)	گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

اس سے آگے قرآن نے انبیاء کے مخلص پیروؤں کی زندگی کا نقشہ بھی یہی کھینچا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں اسکے دین کا کلمہ بلند کرنیکی خاطر میدان کارزار میں پوری بے جگری کیساتھ داد شجاعت دیتے ہیں اور اللہ کی مدد سے دشمنوں پر غلبہ پاکر دنیا و آخرت کی نعمتوں سے شاد کام ہوتے ہیں" ربی"، "ربانی"، مترادف الفاظ ہیں[1] جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسرے انسانوں کے تئیں ہمہ وجوہ دین و دنیا کی بھلائیوں کا اہتمام کر کے[2] شریعت کے مقصد کی تکمیل اور انبیاء کی پیروی کا حق ادا کرتے ہیں اس گروہ کی خصوصیت

(بقیہ صفحہ گزشتہ) فساء صباح المنذرین (آیات: ۱۷۶، ۱۷۷) تو ان ڈرائے جانیوالوں کی صبح بہت بُری ہو گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر دھاوا بولا تو آپ کی زبان مبارک پر اسی آیت کریمہ کا حوالہ تھا: "اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین"، (صحیحین بحوالہ ابن کثیر: ۴/۲۵)

اس سے بھی آیت زیر بحث میں دنیا کے غلبہ و نصرت کے پہلو کو تقویت ملتی ہے۔

[1] الکشاف للزمخشری: ۱/۲۴۰۔ نیز المفردات فی غریب القرآن للاصفہانی/۱۸۳۔

[2] جامع البیان: ۳/۲۱۳۔

Marfat.com

قرآن یہ بیان کرتا ہے :

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران : ۱۴۶-۱۴۷)	اور کتنے نبی رہے جن کے ساتھ ملکر بہت سے "ربیوں" نے جنگ کی. تو ان کے اندر اس پر کچھ کمزوری نہ پیدا ہوئی جو انہیں اللہ کے راستہ میں پیش آیا. نہ وہ ہمت ہارے اور نہ مضمحل ہوئے اور اللہ ایسے ہی جمنے والوں کو پسند کرتا ہے ان کی جو دعا رہی تو بس یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور اپنے کام میں ہمارے حدود سے تجاوز کو (نظر انداز فرما) اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافر لوگوں پر غلبہ و نصرت عطا فرما۔

Marfat.com

آخری نبی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

زندگی کی وسیع جہتوں کا احاطہ کرنے والی حضرات انبیاء علیہم السلام کے اوصاف وخصوصیات کی جو تفصیل اب تک پیش کی گئی ہے وہ اس بات کی وضاحت کے لئے بہت کافی ہے کہ اس سے تشکیل پانے والے تصور مذہب کے صحیح خدوخال کیا ہیں؟ اور انسانی زندگی میں وہ اپنے لئے کس رول اور کس کردار کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن یہ باب نامکمل رہے گا جب تک سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وخصوصیات پر بھی ایک نظر نہ ڈالی جائے۔ جن کے ذریعہ اس دین قویم کا اقصائے عالم میں بول بالا ہوا۔ اور دنیائے انسانیت کے سامنے اسے اپنی واقعی تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے کا موقع ملا۔

حکم خدا کی بے لاگ پیروی

قرآن میں سورۂ احزاب آخری نبیؐ کے حقوق کے بیان کی سورہ ہے۔ جس میں امت محمدیہ کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ گذشتہ قوموں کی تقلید نہ کرکے اپنے نبیؐ کے ادب واحترام کا حق ادا کرے گی۔ پچھلی امتوں نے اپنے نبیوں کی ناقدری کی۔ انہیں طرح طرح سے ستایا اور ایذا پہنچائی۔ اس امت کو حکم ہوا کہ ان کی روش کے برعکس اپنے رسول پر عقیدت محبت کے پھول نچھاور کرکے ہی وہ دنیا وآخرت کی سعادتوں سے اپنے کو ہمکنار کرسکے گی۔ اسی حق شناسی کی خاطر قرآن نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف وخصوصیات کا ذکر بڑے وجد انگیز انداز میں کیا ہے:۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے نبی ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوشخبری
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا	سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف

Marfat.com

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ٥ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَہُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا ٥ (۴۵-۴۷)

اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑا انعام ہے۔

ان اوصاف عالیہ کے بیان کے بعد ہی اگلی آیت میں فرمایا :

وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰہُمْ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ٥ (۴۸)

اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو۔ اور ان کی ایذارسانی سے صرف نظر کرو۔ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ اور اللہ جو نگراں ہے تو (تمہارے لیے) کافی ہے۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف عالیہ کا حق اسی وقت ادا کر سکتے ہیں اور یہ ان اوصاف کا لازمی اور صریح تقاضا ہے کہ وہ خدائی شریعت کو بے کم و کاست اور کسی ایک شوشے کی تبدیلی کے بغیر لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور مخالفتوں کے طوفان کی کوئی بے پروا کئے بغیر اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام و فرامین کی بے لاگ پیروی کو لازم پکڑ لیں ماحول اور حالات کی ناسازگاری اور سماج کے کسی دباؤ کے نتیجے میں آپ اپنی جگہ سے ایک انچ ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور کوئی بڑی سے بڑی دھمکی اور ڈراوا آپ کو اس سلسلے میں ایک لمحہ کے لئے بھی متاثر نہ کر سکے۔ اور ہو بھی کیسے سکتا تھا جبکہ آپ کو تاکید کر دی گئی تھی کہ جملہ معاملات زندگی میں آپ خدائی شریعت کے پابند ہوں گے :

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْہَا وَلَا تَتَّبِعْ اَہْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ٥ اِنَّہُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُہُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ٥ (جاثیہ: ۱۸-۱۹)

پھر ہم نے تمہیں ٹھہرایا ہے ایک الگ شریعت پر سو تم (پوری پوری) اسکی پیروی کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے۔ اللہ کے مقابلہ میں وہ تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکیں گے۔ اور (یہ) ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

Marfat.com

اس داعیٔ حق کے پیغام کا ابتدائی نکتہ ہی یہ تھا کہ دینِ حق کے بے کردار مخالفین تمہیں خدا کے راستے سے ایک انچ ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں :

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝	اور تم بات نہ مانو جھوٹے قسم کھانے والے
هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ	رسوائے زمانہ کی۔ بڑا عیب چیں لگانے بجھانے
لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ	میں یکتا۔ حد درجہ بخیل سرکش اور گنہگار۔ درشت
بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ	خو اور سب سے بڑھ کر بد نسل۔ (اسے غرہ اس
ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ (قلم: ١٠-١٤)	کا ہے کہ) وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔

عقائد و عبادات کا معاملہ ہو یا شریعت اور قانونِ زندگی کا خدائی فرمان کے مقابلے میں، نبی کے لئے کسی قسم کی مصالحت کی گنجائش نہیں :

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا	تو جھٹلانے والوں کی بات نہ مانو۔ وہ چاہتے کہ
لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ (ایضاً: ٨-٩)	تم نرم ہو جاؤ تو وہ بھی نرمی دکھائیں۔

مخالفین دعوت کو ہمیشہ کے لئے مایوس کر دینے کے لئے آخری نبیؐ کے ذریعہ یہ اعلان کرا دیا گیا کہ میں اس کتاب اور اس کی لائی ہوئی شریعت میں شمہ برابر تبدیلی کا مجاز نہیں۔ مجھے اس ضابطۂ حیات کو بے کم و کاست پوری دنیائے انسانیت تک پہنچانا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی پوری زندگی میں کسی کمی بیشی کے بغیر اس کی پوری پوری پیروی کرنی ہے :

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا	اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی
بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ	ہیں جو بالکل کھلی اور واضح ہوتی ہیں تو وہ لوگ جو
لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا	ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ
أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ	کوئی دوسرا قرآن لاؤ۔ یا اس میں ترمیم کر دو۔ کہو کہ
أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ	مجھے اسکا اختیار نہیں کہ میں اپنے جی سے اس میں
أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ	ترمیم کروں۔ میں تو پیروی اسی کی کرونگا جس کی
إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ	مجھ تک وحی کی جا رہی ہے۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں
(یونس: ١٥)	اپنے رب کی نافرمانی کروں ایک بڑے دن کے عذاب سے۔

تبیین احکام

اسی طرح پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف بھی قرآن نمایاں طور پر بیان کرتا ہے کہ زندگی کے جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں خدائی احکامات و ہدایات کو کھول کر بیان کرنا آپ کی بعثت کے اہم مقاصد سے ہے۔ دنیائے انسانیت فکر و عمل کی جن کجرویوں میں گرفتار ہے اور زندگی کے مختلف دائروں میں جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے جو طریقے اور ضابطے اس نے اختیار کر رکھے ہیں، اس کو اس بھنور سے نکال کر خدائی مرضیات کی صحیح شاہراہ پر لگا دینا اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات و مسائل میں خدائی احکام و ہدایات کی روشنی دکھا دینا، آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہ اہم ترین خصوصیت ہے جس کا قرآن نے ایک سے زائد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا
رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ	ہے جو تمہارے لئے باتوں کو کھولکر بیان کرتا ہے
مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا	رسولوں کے ایک وقفہ کے بعد تاکہ تم (آئندہ)
جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ	نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت سنانے
فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ	والا یا ڈرانے والا نہیں آیا۔ تو معلوم ہو کہ تمہارے
وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	پاس ضرور بشارت سنانے والا اور ڈرانیوالا آگیا
(آیت: ۱۹)	ہے۔ اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

علامہ رشید رضا مصری نے آیت پاک میں "باتوں کو کھول کر بیان کرنے" (تبیین) کو جملہ معاملات اور زندگی کے تمام دائروں تک وسیع مانا ہے:

وھذا ھو الرسول محمد	یہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، عرب کے اُمّی
النبی العربی الامی الذی لم	نبی جنھوں نے کبھی کوئی چیز نہیں سیکھی پڑھی۔ وہ
یتعلم شیئا، وھو یبین لکم	تمہارے لئے رسولوں کے سلسلے کے منقطع اور
علی فترۃ ای انقطاع من	عرصہ دراز سے آسمانی وحی کے رکے رہنے کے

Marfat.com

الرسل، وطول عهد على
الوحي، جميع ما تحتاجون
اليه من امر دينكم، وما
يصلح به امر دنياكم، من
العقائد الحق التي افسدتها
عليكم نزعات الوثنية، و
الاخلاق والآداب الصحيحة
التي افسدها عليكم
الافراط والتفريط في الامور
المادية والروحية، والعبادات
والاحكام التي تصلح بها
اموركم الشخصية والاجتماعية[1]

بعد وہ تمام چیزیں کھول کر بیان کر رہے ہیں
جن کی تمہیں ضرورت ہے اپنے دین کے معاملہ
سے اور جس سے کہ تمہاری دنیا سنور سکے۔
برحق عقائد جن کے اندر تمہارے اوپر بت
پرستی کے حملوں نے خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔
اور صحیح اخلاق و آداب جن کے سلسلے میں مادی
اور روحانی امور کے سلسلے میں افراط و تفریط
نے تمہارے لئے گڑبڑیاں پیدا کر دی ہیں۔ اسی
طرح یہ پیغمبر تمہارے لئے عبادات و احکام
کو کھول کر بیان کرتے ہیں جس سے کہ
تمہارے انفرادی و اجتماعی جملہ امور و
معاملات سنور جائیں۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خصوصیت اسی سورہ میں دوسرے مقام پر بدیں الفاظ بیان کی گئی ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ
رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا
كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُم
مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝
(آیت: ۱۵)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا
ہے جو تمہارے لئے (تمہاری) کتاب کی ان
بہت سی چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے
تھے۔ جبکہ بہت سی چیزوں سے وہ صرف نظر کرتا ہے
ضرور تمہارے پاس آگئی ہے اللہ کی طرف
سے روشنی اور کھلی ہوئی کتاب۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی چھپائی ہوئی باتوں کے کھولنے

---

[1] تفسیر المنار: ۶/ ۳۱۹

Marfat.com

کا مطلب ہے کہ زندگی کے مختلف دائروں سے متعلق جن بے شمار احکام وقوانین پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا تھا، اور اپنی خدا بیزاری اور دنیا داری کے سبب جن سے پہلو تہی کرنے کو وہ تقاضائے دانشمندی سمجھتے تھے، آخری رسول ان کے اس خبث باطنی کو آشکار کرنے کے ساتھ، آخری طور پر ان کے چھپائے ہوئے احکام وقوانین کو روشنی میں لاتا اور دنیائے انسانیت کو ان سے روشناس کراتا ہے۔ اس مقام رسولؐ کی اس صفت "تبیین" کا مطلب وعظ وتلقین نہیں بلکہ احکام وقوانین کا واضح بیان ہے۔ صاحب جلالین نے صراحت کی ہے:

(قد جاءکم رسولنا)	"تمہارے پاس آگئے ہیں ہمارے رسول" یعنی
محمد (یبین لکم)	محمدؐ جو تمہارے لئے کھول کر بیان کر رہے ہیں" یعنی
شرائع الدین [1]	(جملہ معاملات زندگی سے متعلق) دین کے احکام وقوانین۔

یہی حقیقت ہے جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں بیان کی گئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ اخلاقی اور قانونی ہر دو پہلو سے بالکل دیوالیہ ہو چکے تھے۔ یہ قوم فکری زوال کا بھی شکار تھی اور عملی طور پر بھی یہ زوال کی آخری حدوں کو چھو چکی تھی۔ بھلائیوں (معروف) سے اسے بیر تھا اور برائیوں (منکر) کی یہ رسیا ہو چکی تھی۔ اس کی قانونی زندگی اور بھی اتھل پتھل کا شکار تھی، اس نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے رکھا تھا اور قانون میں بیجا موشگافیاں کر کے اس کے سلسلے میں اپنے اوپر عجیب عجیب جکڑ بندیاں عائد کر لی تھیں۔ آخری نبیؐ کے ذریعہ اسے ان تمام مصیبتوں سے نجات ملی جس نے ان کے سامنے حق وصواب کے راستے کو بالکل روشن کر دیا اور ان کی اخلاقی اصلاح کے ساتھ احکام وقوانین کے دائرے میں ان کی اصلاح ودرستگی کا حق ادا کر دیا۔ ان خصوصیات کے حامل نبی کی مخلصانہ پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص کا مستحق گردانا:

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ	فرمایا کہ میرا عذاب میں اس سے دوچار کرونگا
اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ	جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز تک پھیلی

---

[1] تفسیر الجلالین/ ۱۳۹۔ محولہ ایڈیشن

Marfat.com

شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ	ہوئی ہے۔ تو ضرور میں اسے لکھوں گا ان لوگوں
وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ هُمْ	کے لئے جو ڈرتے ہیں، جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور
بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ	وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یہی
یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ	لوگ ہیں جو (آج آخری) رسول اُمی نبی کی
الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا	پیروی کرتے ہیں جسے یہ اپنے ہاں تورات و
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ جو انہیں بھلائی کا
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ	حکم دیتا ہے اور انہیں بُرائی سے منع کرتا ہے
عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ	ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے
الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ	اور گندی چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتا ہے۔
الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ	اور ان کے اوپر سے ان کے بوجھ کو اتارتا
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ	اور ان بیڑیوں کو (کاٹتا ہے) جو ان
(آیات: ۱۵۶-۱۵۷)	پر تھیں۔

اور یہ کچھ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا خصوص نہیں، بلکہ آخری رسولؐ کی یہ ذمہ داری پوری انسانیت کی نسبت سے ہے۔ گروہ انسانی میں فکر و عمل کے پائے جانے والے بے شمار اختلافات اور اخلاقی اور قانونی زندگی کے تہ در تہ تضادات، ان میں سے ہر ایک معاملے میں صحیح راستے کی نشاندہی اور حلال و حرام کی توضیح[1] آخری پیغمبرؐ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ قرآن میں ان احکام و ہدایات کا اجمالی بیان ہے اور رسول اس کی تفصیل پیش کرتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ	اور ہم نے تم تک یاد دہانی (قرآن) اتاری ہے
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ	تاکہ تم لوگوں کے لئے (جملہ معاملات زندگی سے
یَتَفَکَّرُوْنَ ۝	متعلق) اس چیز کو کھول کر بیان کر دو جو ان
(نحل: ۴۴)	تک اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔

---

[1] تفسیر الجلالین/ ۳۵۱

Marfat.com

آگے یہی بات ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (نحل: ۶۴)

اور ہم نے تمہارے اوپر جو کتاب اتاری ہے تو اسی لیے تاکہ تم ان (مشرکین عرب کیلئے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) ان تمام چیزوں کو کھولکر بیان کردو جن میں کہ انکا جھگڑا ہے۔ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں۔

اس آیت کریمہ میں کتاب (یعنی قرآن) کو اتار کر رسول کو اس کے مخاطبین میں برپا جن اختلافات کے سلسلے میں صحیح موقف کی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے، اس کا تعلق صرف انکا رو عقائد ہی سے نہیں۔ بلکہ اس میں ان کی قانونی نظام کے اختلافات کی توضیح بھی اسی طرح شامل ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے قوم عرب کی اپنی شرک وبت پرستی کے معاملے میں خود مختاری کے ذکر کے ساتھ تحلیل وتحریم کے قانونی دائرے میں بھی اس کی خود مختاری کا اعلان ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (نحل: ۳۵)

اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو اس کے سوا ہم کسی دوسری چیز کی پرستش نہ کرتے نہ ہم ایسا کرتے نہ ہمارے آباء واجداد۔ اور نہ ہم اس کی مرضی کے بغیر (اپنے جی سے) کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔

قرآن کہتا ہے کہ یہ صرف آخری نبی کی بات نہیں، بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں جو رسول بھی آتے تو اسی لئے کہ مخاطب قوم میں فکر وعمل کی جملہ بے اعتدالیوں کو ختم کر کے ان کے سامنے منشا الٰہی کو واشگاف انداز میں بیان کردیں، اور اخلاقی اور قانونی زندگی کے ہر دائرے سے متعلق وہ تفصیلی احکام وہدایات فراہم کر دیں۔ جن کے بعد اسے کسی دوسری سمت دیکھنے کی حاجت نہ رہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

اور (اے نبی تم سے پہلے) ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں بات کرتا تاکہ وہ ان کے لیے (تمام معاملات زندگی میں) باتیں کھول کر بتا سکے۔ تو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ

Marfat.com

مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝	کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ پر لگاتا ہے۔ اور
(ابراہیم: ۴)	وہ بڑا غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

فصلِ خصومات

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ خصوصیت ہے جو انسانی زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے وسیع کردار کا پتہ دیتی ہے۔ سورۂ مائدہ میں قرآن کی صورت میں آخری شریعت کے آجانے کے بعد تورات وانجیل کی منسوخی کا اعلان کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ	اور ہم نے تم تک یہ کتاب اتاری ہے
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	حق کے ساتھ جو مصداق ہے اپنے سے پہلی
مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	کتاب (توراۃ) کا اور اس پر نگراں ہے سو اب
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	تم ان (اہل کتاب) کے درمیان فیصلہ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ	کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے اور
مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ	اس حق کے مقابلہ میں جو تمہارے پاس آگیا ہے
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ	ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ تم میں سے
اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً	ہر ایک کے لئے ہم نے ایک الگ شریعت
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ	اور طریقہ ٹھہرایا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ	کو ایک جماعت بناتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا)
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ	تاکہ تم کو آزمائے اس میں جو اس نے تم کو دیا
بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَ	ہے۔ سو تم بھلائیوں کی طرف لپکو۔ اللہ ہی
اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے۔ سو وہ تم کو جتادے
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ	دے گا اس سے جس میں کہ تم جھگڑتے تھے۔
احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ	اور یہ کہ (اب) تم ان کے درمیان فیصلہ کرو

Marfat.com

بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْكَ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ
اللّٰہُ اَنْ یُّصِیْبَہُمْ بِبَعْضِ
ذُنُوْبِہِمْ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ
النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ○ اَفَحُكْمَ
الْجَاہِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ
یُّوْقِنُوْنَ ○

(مائدہ: ۴۸-۵۰)

اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے۔ اور ان
کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اور تم ان سے
بچو کہ اللہ نے تم تک جو کچھ اتارا ہے اس کے کسی حصہ
سے تم کو ہٹا کر تم کو آزمائش میں نہ ڈال دیں تو
اگر اب یہ رو گردانی کریں
تو سمجھ لو اللہ اب یہی چاہتا ہے کہ انہیں انکے
کچھ گناہوں کا مزہ چکھائے اور ضرور زیادہ تر
لوگ نافرمان ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں
تو اللہ سے بڑھ کر بہتر فیصلہ اور کس کا ہو سکتا ہے
ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھیں۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف اسی قدر نہ تھی کہ آپ خدائی دین کو بے کم و کاست لوگوں تک پہونچا دیں۔ بلکہ الٰہی شریعت کا نفاذ بھی آپ کے ذمہ اسی طرح تھا۔ انسانوں کے کسی طبقہ کی مرضی اور خواہش کا کوئی لحاظ کئے بغیر آپ کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کے معاملات آخری شریعت کے مطابق فیصل کریں۔ اور اس طرح اس کا ایسا بول بالا کریں۔ کہ پوری انسانی دنیا میں اس کے عطا کردہ قانونی نظام کی بالادستی قائم ہو جائے۔ دوسرے مقامات پر بھی قرآن نے آپ کا یہی مرتبہ و مقام واضح کیا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ
بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰہُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ
خَصِیْمًا ○ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اِنَّ
اللّٰہَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○

(نساء: ۱۰۵-۱۰۶)

ضرور ہم نے تم تک یہ کتاب اتاری ہے حق
کے ساتھ تاکہ تم تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ
کرو اسکے مطابق جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے۔ اور
تم (اس سے منہ موڑنیوالے) خیانت کاروں کیلئے
جھگڑنے والے نہ ہو۔ اور اللہ سے گناہوں کی معافی چاہو
ضرور اللہ بڑا معاف کرنیوالا، رحم کرنیوالا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا

سو اسی لئے سو تم بلاؤ (لوگوں کو اللہ کی طرف)

Marfat.com

اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ○

(شوریٰ: ۱۵)

اور جمے رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور تم ان (اہل شرک) کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ میں اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے (یعنی قرآن) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف سے کام لوں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے لئے ہمارے کام ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کام۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اب کوئی حجت بحث نہیں اللہ ہم دونوں کو اکٹھا کرے گا۔ اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

مسلمان امت پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ حق ہے جس میں کسی قسم کی ڈھیل اور تساہل اور بچ نکلنے کا کوئی سوال نہیں۔ راہ ایمان پر گامزن رہنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کے ہر حکم اور ہر فیصلے کو دل کی پوری آمادگی کے ساتھ تسلیم کرے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ

(احزاب: ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے سزاوار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا اختیار رہ جائے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ (نور: ۵۱)

ایمان والوں کی بات تو بس یہ ہونی چاہیے کہ جب انہیں بلایا جائے اللہ اور اسکے رسول کی طرف تاکہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ یہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مانا۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ

سو تیرے رب کی قسم یہ (اہل کتاب) ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ تمہیں ثالث

Marfat.com

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (نساء: ۶۵)

نہ بنائیں ان جملہ معاملات میں جو کہ ان کے درمیان اٹھیں۔ ساتھ ہی یہ اپنے جی میں کوئی تنگی نہ پائیں اس سے جو تم فیصلہ کر دو۔ اور یہ پوری طرح سر تسلیم خم نہ کر دیں۔

سیاسی رہبر

اس کے ساتھ ہی قرآن صاف لفظوں میں آپ کو سیاسی رہبر کا مقام عطا کرتا ہے۔ جملہ معاملات زندگی میں انبیاء کی پیروی ہر نبی کی دعوت میں بلا استثناء موجود رہی ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء: ۶۴)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اسی لئے کہ (جملہ معاملات زندگی میں) اس کی پیروی اختیار کی جائے اللہ کے حکم سے۔

آخری رسولؐ کے سلسلے میں قرآن نے یہ تاکید کی کہ اللہ کی پیروی کا حق ادا کرنے کے لئے اس کے رسول کی بے لاگ پیروی ضروری ہے :

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (نساء: ۸۰)

اور جس نے رسول کی پیروی کی سو ضرور اس نے اللہ کی پیروی کی۔ اور جو کوئی رد گردانی کرے تو ہم نے ایسوں پر آپ کو پہریدار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

رسولؐ کے قانونی حق کے علاوہ اس سے محبت و تعلق کا بھی یہ ایک صریح تقاضا ہے جس میں کوتاہی کر کے آدمی اپنے کو صحیح ایمانی حالت پر باقی نہیں رکھ سکتا :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا

کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو سو تم میرے پیچھے چلو تو اللہ بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو بخشے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنیوالا۔ کہو کہ پیروی

Marfat.com

اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ○ (آل عمران: ۳۱-۳۲)

کرو اللہ کی اور رسول کی سو اگر یہ مُنہ موڑیں تو معلوم ہو کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

جملہ معاملات زندگی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بے لاگ پیروی کی ان تاکیدات کے ساتھ سورۂ نساء کے اندر قرآن نے اسے "اولوالامر" کی اطاعت کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ "سیاسی رہبری" اپنے پورے مفہوم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا حق ہے جسے کسی بھی درجے میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ آپ امت کے مربی و محسن اور اس کے روحانی پیشوا ہونے کیساتھ اسی طرح اس کے "سیاسی اور پارلیمانی رہبر" بھی ہیں۔ جن کے کسی حکم اور کسی اشارے سے کسی مسلمان کو سرتابی کی مجال نہیں۔ آپ کی اس "سیاسی رہبری" کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص ایمان و اسلام کا حق ادا نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح جیسا کہ وہ خدانخواستہ آپ کی محبت و عقیدت اور ادب و احترام میں کمی کر کے اس کی ادائگی سے قاصر رہتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (آیت: ۵۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو پیروی کرو اللہ کی اور پیروی کرو رسول کی اور اپنے میں سے اصحاب امر کی۔ اس کے باوجود اگر تمہارے درمیان نزاع و کشمکش ہو تو اسے لوٹاؤ اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو یہ تمہارے لئے زیادہ اچھا اور انجام کار کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔

نظامِ کفر و شرک کے لئے آخری چیلنج

اسی کے پہلو بہ پہلو قرآن و حدیث کے مطالعہ سے آپؐ کی ایک اور حیثیت بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپؐ قیامت تک کے لئے نظام کفر و شرک کے لئے آخری چیلنج ہیں۔ ایک خاص پہلو سے آپ کی بعثت کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ دنیا کے تمام ادیان اور تمام

نظامہائے فکر و عمل پر آپؐ کے لائے ہوئے دین 'اسلام کا ہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء ہو جائے۔ اور تمام ادیان باطلہ اور خدا بیزاری اور انکار خدا پر مبنی افکار و نظریات کے لئے زمین ایسی تنگ ہو جائے کہ ان کے لئے کہیں سر چھپانے کے لئے جگہ نہ رہے۔ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا یہ وہ لازمی اور ناگزیر جزء ہے جس کی تکمیل کا ذمہ اس خداوند ارض و سماء نے لے رکھا ہے جس کے دست قدرت کا اسیر یہ تمام عالم آب و گل ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت منتظر ہے۔ اور دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی مجال نہیں جو اس کے کسی ارادے میں آڑے آنے کی جرأت کر سکے۔ جس کا لازمی تقاضا ہے کہ تمام ادیان اور جملہ نظامہائے فکر و عمل کے بالمقابل، علاوہ دلیل و برہان اور علم و معرفت کے، اس دین برحق کو سیاسی غلبہ اور اقتدار کی قوت و شوکت بھی حاصل ہو:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ	وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ	بھیجا ہے ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ	اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کردے
كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ○ (توبہ: ۳۳)	خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رشید رضا مصریؒ نے بجا طور پر کہا ہے:

ومعناه انه تعالى يعلى	اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو
هذا الدين ويرفع شانه	بلندی عطا کرے گا اور اس کے معاملہ کو اونچا
على جميع الاديان بالحجة	اٹھائے گا دوسرے تمام ادیان و مذاہب
والبرهان، والهداية و	اور نظامہائے زندگی پر، دلیل و برہان کے
العرفان، والعلم والعمران	پہلو سے، ہدایت و عرفان کے پہلو سے، علم
وكذلك السيادة والسلطان	و تمدن کے پہلو سے اور ساتھ ہی سیادت و
...... ولم يكن لدين من	قیادت اور حکومت و اقتدار کے پہلو سے
الاديان مثل هذا التاثير	...... اس سے پہلے کسی دوسرے دین و
الروحي والعقلي والمادي	مذہب کو روحانی، عقلی، مادی، اجتماعی اور

والاجتماعی والسیاسی الا للاسلام وحدہ ۱ؔ | سیاسی ہر پہلو سے وہ اثر آفرینی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ چیز تنہا صرف اسلام کے حصہ میں آئی۔

امام رازیؒ ایک دوسرے انداز سے اس سے بہت پہلے اس حقیقت کی نشاندہی ان لفظوں میں کر چکے ہیں:

واعلم ان ظهور الشیٔ علی غیرہ قد یکون بالحجۃ وقد یکون بالکثرۃ والوفور وقد یکون بالغلبۃ و الاستیلاء ومعلوم انہ تعالیٰ بشر بذلک ولا یجوز ان یبشر الا بامر مستقبل غیر حاصل وظهور ہذا الدین بالحجۃ مقرر معلوم فالواجب حملہ علی الظهور بالغلبۃ ۲ؔ	معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی چیز کا دوسری چیز پر غلبہ کبھی تو حجت و برہان کے پہلو سے ہوتا ہے اور کبھی کثرت و فراوانی کے پہلو سے اور کبھی غلبہ واستیلاء کے پہلو سے۔ اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (آیت بالا میں) اس کی خوشخبری سنائی ہے۔ اور خوشخبری جو سنائی جاتی ہے تو وہ کسی ہونے والی بات کی سنائی جاتی ہے جو بر وقت حاصل نہ ہو۔ حجت و برہان کے پہلو سے اس دین کا غلبہ اور تفوق طے شدہ اور معلوم و معروف ہے تو ضروری ہے کہ اس غلبہ و تفوق کو (سیاسی) بالادستی اور (دنیوی) قوت و شوکت پر محمول کیا جائے۔

سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے ہاتھوں لائے ہوئے دین حق کے بالمقابل انسانیت کے آغاز سے لے کر قیامت تک جو ادیان و مذاہب اور افکار و نظریات پائے گئے اور آئندہ پائے جا سکتے ہیں، ان کے دو ہی عنوان ہیں۔ کفر اور شرک۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں غیروں کو ساجھی مان کر اس کی احدیت و صمدیت کو سبوتاژ کرنے کا نام 'شرک' اور انکار خدا اور خدا بیزاری پر مبنی جملہ نظامہائے فکر و عمل کا جامع عنوان 'کفر' ہے۔ اس آیت کریمہ میں اہل شرک

۱ؔ تفسیر المنار: ۱۰/۲۹۱۔ ۲ؔ مفاتیح الغیب: ۴/۴۳۷

Marfat.com

کی مرضی کے علی الرغم (ولو کرہ المشرکون) فرما کر غلبہ کی بات کہی گئی ہے۔ دنیا کے دوسرے باطل افکار و نظریات پر اس دین حق کے غلبہ و تسلط کی بشارت اس سے پہلے کی آیت کریمہ میں دی گئی ہے۔ جس میں قرآن نے اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے اہل کفر کی مرضی کے علی الرغم نور اسلام کے اتمام کی بشارت دی ہے:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ○ (توبہ: ۳۲)	یہ (دین کے دشمن) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (اسلام) کو بجھا دیں اپنے منہ سے۔ اور اللہ کو اس کے سوا ہر بات سے انکار ہے کہ وہ اپنی روشنی کو پورا کرکے رہے۔ خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

ان آیات کریمہ سے پہلے مشرکین مکہ اور سرزمین عرب کے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے۔ جنھوں نے انحراف و انکار خدا پر مبنی تمام طرح کی گمراہیوں کو اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا۔ دوسرے مقام پر بھی شرک و کفر کی جملہ صورتوں کے جامع اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ذکر کے بعد قرآن نے ان دونوں ہی نظاموں کے علمبرداروں کی مرضی کے علی الرغم ان کے پسندیدہ ادیان و افکار پر دین اسلام کے بہمہ وجوہ غلبہ کی بات دہرائی ہے:

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ○ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ○ (صف: ۸-۹)	یہ (دشمنان دین) چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی (اسلام) کو بجھا دیں اپنے منہ سے۔ حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کرکے رہیگا خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ اسے دوسرے تمام ادیان و مذاہب پر غالب کر دے۔ خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

حدیث کے اندر بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وصف بیان ہوا ہے اور آپ کا ایک صفاتی نام "الماحی" تجویز کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کے لئے

نظام کفر و شرک کو کہیں سر اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:

ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر ... الخ [1]

میرے بہت سے نام ہیں میں محمد (تعریف کیا ہوا) ہوں میں احمد (بہت تعریف کرنیوالا) ہوں میں ماحی "مٹانیوالا" ہوں یعنی وہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر (و شرک اور دوسری تمام گمراہیوں) کو نیست و نابود کرے گا۔

دور اول میں آپ کی اس خصوصیت کا ظہور کس طرح ہوا۔ اس کی تفصیل کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

فالماحی: ھو الذی محا اللہ بہ الکفر، ولم یمح الکفر باحد من الخلق ما محی بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم، فانہ بعث واھل الارض کلھم کفار، الا بقایا من اھل الکتاب، وھم بین عباد اوثان، ویھود مغضوب علیھم، ونصاری ضالین، وصابئۃ دھریۃ، لا یعرفون ربا ولا

پس "ماحی" وہ ہے جس کے ذریعہ اللہ نے کفر کو مٹایا۔ اور مخلوق میں کسی کے ذریعہ اس نے کفر کو نہیں مٹایا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کے مٹانے کا اہتمام ہوا۔ اس لئے کہ جس وقت آپ کی بعثت ہوئی زمین والے تمام کے تمام کافر تھے۔ سوائے اہل کتاب کے کچھ بچے کھچے لوگوں کے۔ لوگ یا تو بتوں کے پرستار تھے، یا خدا تعالیٰ کے غضب کردہ یہود یا گمراہ نصاریٰ۔ یا صابی لوگ جو دہریہ تھے جو نہ خدا کو مانتے تھے، نہ آخرت کے قائل تھے۔

---

[1] مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم، بخاری جلد ۱۔ کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ مؤطا جلد ۲۔ کتاب الجامع، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان، باب ماجاء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

معادا، وبین عبادالکواکب	دوسرے ستارہ پرست اور آگ کے پجاری
وعبادالنار، وفلاسفۃ	تھے۔ ورنہ فلاسفہ تھے جنہیں انبیائی شریعتوں
لایعرفون شرائع الانبیاء	سے آشنائی تھی۔ نہ وہ ان کا اقرار کرتے تھے۔
ولا یقرون بہا، فمحا اللہ	پس اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ ان سب کو مٹا
سبحانہ برسولہ ذلک	دیا یہاں تک کہ اللہ کا دین دوسرے تمام
حتی ظہر دین اللہ علی کل	دینوں (اور نظامہائے فکر وعمل) پر غالب
دین، وبلغ دینہ مابلغ اللیل	آگیا۔ اس کے دین کی شعاعیں وہاں تک پہنچیں
والنہار، وسارت دعوتہ	جہاں تک کہ دن رات کی گردش ہے اور آپ
مسیرالشمس فی الاقطار[1]	کی دعوت کی کرنوں سے اقصائے عالم منور ہوا۔

جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں آپ کی اس خصوصیت کے مضمرات کتنے وسیع ہوں گے۔ اور کس طرح شرک وبت پرستی کے ساتھ فکر وعمل کے ان تمام دھاروں کو روئے زمین سے مٹا دینا آپ کے بعد آپ کے امتیوں کے عین فریضہ منصبی میں شامل ہوگا جو جو کسی بھی انداز اور کسی بھی عنوان سے انسان کو خدا سے دور اور اس سے بیزار کرنے والے ہوں۔

آپ کی اس حیثیت کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ معروف معنوں میں صرف دعوت وتبلیغ اور وعظ وارشاد ہی کے مرد میدان نہ ہوں، بلکہ تلوار کا پرتلا بھی آپ کے ہاتھ میں لازماً موجود ہو اور روئے زمین میں بندگی رب کے نفاذ اور شرک وکفر کے استیصال کے لئے مسلح جد وجہد بھی آپ کے عین فرائض منصبی میں شامل ہو۔ یہی حقیقت ہے جس کی نشاندہی آپ نے دوسری حدیث میں فرمائی ہے:

بعثت بالسیف حتی	مجھے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے۔ یہاں تک کہ
یعبد اللہ لاشریک لہ	(پورے روئے زمین پر) تنہا اللہ کی بندگی کی

---

[1] ابن قیم الجوزیہ: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱/۹۴۔ تحقیق وتخریج: شعیب الارنؤوط، عبدالقادر الارنؤوط۔ موسسۃ الرسالہ، بیروت، طبع ثامن ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

Marfat.com

وجعل رزقی تحت ظل	جائے اور اس کا کوئی ساجھی نہ ہو، اور میری
رمحی وجعل الذلۃ والصغار	روزی میرے نیزے کے سائے تلے رکھی گئی
علی من خالف امری[1]	اور ذلت ورسوائی اس کا مقدر ٹھہرادی
	گئی جو میرے معاملہ کی مخالفت کرے۔

اور یہی حقیقت ہے کہ جسے دوسرے مقام پر آپ نے بدیں الفاظ واضح فرمایا ہے:

امرت ان اقاتل الناس	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ
حتی یشہدوا ان لا الٰہ	کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے
الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت	سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں
بہ فاذا فعلوا ذلک عصموا	اور جو (ہدایت) میں لیکر آیا ہوں اسے مانیں پس
منی دمائہم واموالہم	جب وہ ایسا کریں تو میری طرف سے انکی جان
الا بحقہا وحسابہم علی اللہ[2]	اور مال کی حفاظت کی ضمانت ہے سوائے اس کہ
	ان پر کوئی حق عائد ہوتا ہو (اس سے ہٹ کر) ان
	کا حساب اللہ کے اوپر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ظاہری طور پر ایمان واسلام کا اقرار کرکے بھی آدمی اپنے اندر کفر ونفاق کو چھپائے ہو سکتا ہے، اس لئے اس صورت کو تو اللہ کے حوالہ کئے بغیر چارہ نہیں، لیکن اس سے ہٹ کر جب تک لوگ اسلام کے مقابلہ میں اپنے حق خود اختیاری سے دستبردار نہ ہوں گے، اسلام سے ان کی حالت جنگ قائم رہے گی۔ خدا کی سرزمین میں وہ اس کے عطا کردہ دین کی نعمت سے محروم رہ کر ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کا حق ہے لیکن شرک وکفر کی غلاظت میں خود گرنے کے ساتھ دوسرے بندگان خدا کو انہیں اس میں گرانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اسلام کی عطا کردہ سہولتوں اور رعایتوں کے ساتھ

---

[1] مسند احمد: ۲/ ۵۰، ۹۲۔

[2] مسلم جلد ۱ کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا الخ۔ نیز مسند احمد: ۲/ ۳۴۵، ۳۹۴۔

Marfat.com

وہ مغلوب و بے اختیار ہو کر تو بے شک رہ سکتے ہیں، لیکن خدا کی زمین پر اس سے مُنہ موڑنے کے ساتھ اس سے اکڑ کر چلنے کا حق انہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس طور پر کہ اپنے کو جہنم میں گرانے کے ساتھ انہیں دوسرے بندگان خدا کو بھی اس میں جا ڈھکیلنے کا پورا موقع اور سہولت میسر ہو۔ اگر وہ پُر امن طور پر اپنی اس حیثیت کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں تو پیغمبر اسلام اور اس کے امتیوں کی تلوار ان سے اس کا فیصلہ کرائے گی۔ مسلح جدوجہد سے ان کی قوت وشوکت اس طرح پامال کر دی جائے گی کہ خدا کی سرزمین پر ان کے لئے اکڑ کر چلنے اور باغی اور سرکش بن کر رہنے اور دوسرے بندگان خدا کو اس راہ پر لگانے کا دور دور تک کوئی موقع نہ رہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (بقرہ: ۱۹۳)	اور ان سے (دین کے دشمنوں سے) جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔
وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال: ۳۹)	اور ان سے (اعدائے اسلام سے) جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔

صدر اول میں اسلام ان تمام حیثیتوں سے اپنی حقانیت کا لوہا منوا چکا ہے۔ اور جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، قیامت سے پہلے ایک بار پھر ہمہ گیر شکل میں اس دین حنیف کا اقصائے عالم پر بول بالا ہوگا۔ زمین کا چپہ چپہ اسلام کا کلمہ پڑھے گا۔ اور روئے زمین پر کہیں کفر و شرک کا نشان نہ ہوگا[1] لیکن اس سے پہلے بھی اسلام کے نام لیوا جہاں اور جب کہیں اس دین سے اپنی بے آمیز وفاداری کا ثبوت فراہم کر کے، زمین پر غلبہ و استیلاء کی سنت الٰہی کی شرط پوری کر دیں گے تو یقیناً دیر نہ ہوگی کہ نظام عالم کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور پوری دنیا پر ان کا پھریرا لہرائے گا۔ نظام شرک و کفریت و نابود ہو کر رہے گا۔ اور اس کے نام لیواؤں کے لئے کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ مل سکے گی۔ غلبہ و تسلط

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۴۹، ۳۵۰۔

Marfat.com

اس دین کا خاصہ ہے۔ اس کے علمبردار جب کبھی اس راہ کی اپنی داخلی رکاوٹوں کو دور کر دیں گے، نصرت و فتح مندی ان کے ہم رکاب اور کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومنے کے لئے منتظر ہو گی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے ہے کہ:

الاسلام یعلو ولا یعلیٰ[1] — اسلام سر اٹھا کر رہنے کے لئے آیا ہے جھک کر رہنے کے لئے نہیں آیا ہے۔

---

[1] بخاری تعلیقا۔ جلد ا۔ کتاب الجنائز۔ باب اذا اسلم الصبی فمات ہل یصلی علیہ الخ۔ بخاری کی یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس پر موقوف ہے جسے امام بخاری نے حسب معمول ترجمۂ باب میں نقل کیا ہے۔ حوالہ سابق۔ دارقطنی کے یہاں یہ روایت انہی الفاظ میں حضرت عائذ بن عمرو مزنی سے مرفوع ہے۔ البتہ اس کے دو راوی مجہول ہیں، نصب الرایۃ للاحادیث الہدایہ للزیلعی: ۳/۲۱۳۔ طبرانی، بیہقی ان کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت معاذ بنؓ جبل کے واسطوں سے الفاظ کے فرق سے اسے بطور مرفوع حدیث بیان کیا ہے۔ اور اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔ نصب الرایہ، حوالہ سابق۔

Marfat.com

قرآن کے خصائص

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اوصاف وخصوصیات کے ساتھ ہمیں اس پہلو سے آپ کی لائی ہوئی کتاب اور اسلام کے دستور اساسی کی خصوصیات پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اسلام کی صورت میں خدائی پیغام کا جو سلسلہ چلا آتا ہے اور جس کی تکمیل سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عمل میں آئی، یہ پیغام اپنی مکمل ترین صورت میں اسی کتاب مبین کے صفحات میں مندرج ہے۔ انسانی زندگی میں مذہب اسلام کا دائرۂ کار کیا ہے۔ اور معاملات زندگی میں وہ بندگانِ خدا کو کس شاہراہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ زندگی میں اپنا جو دائرۂ کار اسلام کی نمائندہ یہ کتاب متعین کرتی ہے اور بنی نوع انسان کو فکر وعمل کے جن سانچوں میں ڈھالنا چاہتی ہے۔ اسلام کا ان سے مطالبہ بھی بعینہٖ یہی ہے۔ اور ہدایت الٰہی کے آخری ایڈیشن ہونے کی حیثیت سے "مذہب" کے اسی تصور کو وہ ساری دنیا میں جاری وساری دیکھنا چاہتا ہے۔

زمانہ کی عجیب نیرنگی اور ستم ظریفی ہے کہ دنیا میں مرضیات الٰہی کا اپنی آخری وسعتوں کے ساتھ علم بلند کرنے والی برگزیدہ شخصیتوں —— حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم —— کو کچھ ہوشیار لوگ انتہائی محدود اور تنگ معنی میں "روحانی پیشوا" باور کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اور انسانوں کی عظیم اکثریت نے کمال سادہ لوحی کے ساتھ انکے اس فیصلے کو آمنا صدقنا کہا۔ انبیائی فہرست آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ نتیجے کے طور پر دیگر انبیاء ورسل کی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم "روحانی پیشوا"

Marfat.com

قرار پائے تو آپ کے ہاتھوں لائی ہوئی کتاب، ہدایت ربانی کے آخری ایڈیشن کو بھی لوگوں نے ایک خاص اور محدود معنی میں "مذہبی صحیفہ" سمجھا۔ جس کا زیادہ سے زیادہ جو کوئی مقصد ہو سکتا تھا تو وہ یہ کہ مروجہ محدود معنوں میں وہ انسان کا خدا سے رشتہ جوڑ دے۔ اس دنیا سے ہٹ کر لوگوں کو کچھ "دوسری دنیا کی باتیں بتا دے اور ان کے اندر کچھ اعلیٰ اخلاق اور اوصاف کی آبیاری کر دے۔ حالانکہ اعلیٰ پیمانے اور بہت ہی مضبوط بنیادوں پر زندگی کی اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی تکمیل کے ساتھ، مادی پہلوؤں سے بھی زندگی کی تنظیم اور سیاسی، سماجی اور معاشی ہر پہلو سے اس کی ترتیب و تنسیق کو یہ کتاب اسی طرح اپنا موضوع و مقصود قرار دیتی ہے۔ چنانچہ اپنے خصائص کے بیان میں اس نے اپنی معنوی اور روحانی حیثیت کے ساتھ زندگی کی مادی تنظیم اور اس سے تعلق رکھنے والی اپنی اوصاف و خصوصیات کو بھی اسی اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت کر دینے کے ساتھ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تشنگی اور ابہام کو باقی نہیں رہنے دیا ہے۔

عالمگیر پیغام

اس سلسلے میں سب سے پہلے جو چیز توجہ طلب ہے وہ قرآن کا عموم اور اس کی عالمگیری ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ پوری انسانی برادری کو اپنا مخاطب قرار دیتا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ زندگی کی تنظیم کا جو نقشہ اس کے پیش نظر ہے اور گروہ انسانیت کو دنیا و آخرت کی ہمہ جہتی فلاح و کامرانی کی جس شاہراہ پر وہ گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس کے تخاطب کی اس وسعت اور عموم کے ساتھ اس سے حاصل ہونے والا پیغام بھی اسی طرح وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ جب اس کتاب کا تخاطب رنگ و نسل کی قید سے آزاد اور لسانی و جغرافیائی حدبندیوں سے پرے ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کا عطا کردہ ضابطۂ حیات بھی اسی طرح مکمل اور ہمہ جہت ہو۔ چنانچہ وہ صاف اور صریح لفظوں میں کہتا ہے کہ اس کا نزول تمام دنیا جہان کے لئے ہوا ہے اور قرآن کسی تخصیص اور تحدید کے بغیر جملہ معاملات زندگی میں ان کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سامان فراہم کرتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ: ۱۸۵)	رمضان کا مہینہ جس میں کہ قرآن اترا، اس میں ہدایت کا سامان ہے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق دنیا کے) تمام انسانوں کیلئے ساتھ ہی یہ رہنمائی کی کھلی باتوں اور فیصلہ کن چیز پر مشتمل ہے۔
وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا (اسراء: ۱۰۶)	اور اس قرآن کو ہم نے الگ الگ ٹکڑوں میں رکھا ہے تاکہ آپ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنائیں (اور آگے بھی اسی کا سلسلہ دراز رہے) اور ہم نے اسے مرحلہ وار اتارا ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کا نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (اسراء: ۱۰۶)	انتہائی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کن چیز (قرآن) اتارا تاکہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کیلئے ڈرانیوالا بنے۔
وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط (انعام: ۱۹)	اور میرے پاس وحی کی گئی ہے اس قرآن کی تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں ساتھ ہی (ہمیشہ کے لئے) ان تمام لوگوں کو حق بات پہنچے۔
اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ (زمر: ۴۱)	ہم نے یہ کتاب تمہارے اوپر اتاری ہے (دنیا کے) تمام انسانوں کے لئے حق کے ساتھ۔ پس جو کوئی راہ پکڑے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور تم ان پر چوکیدار نہیں ہو۔

Marfat.com

پورے قرآن کی پیروی

قرآن کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے والا بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کتاب عام رائج معنوں میں، خدا اور بندے، تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کے لئے دستور العمل اور مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتی ہے۔ اس میں اگر ایک طرف انسان کو ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک خدا کے لئے یکسو ہونے، اس سے اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے، اس کی یاد کو ہر وقت دل میں بسائے رکھنے، اسی طرح فضائل اخلاق سے آراستہ ہونے اور ان تمام چیزوں کو جنھیں رذائل اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے ان سے مجتنب رہنے کی تلقین کی گئی ہے، تو اسی کے پہلو بہ پہلو انسانی زندگی کی تنظیم اور انسان کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی سے متعلق تفصیلی احکام و ہدایات بھی فراہم کی گئی ہیں اس کتاب کے اندر ہمیں صرف توحید، رسالت اور آخرت ہی کے مضامین دیکھنے کو نہیں ملتے، نیکیوں اور بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں ہی سے بچنے کی بات نہیں ملتی، بلکہ اس کے ساتھ ہی نکاح وطلاق، وراثت و مالیات، حدود و قصاص، صلح و جنگ اور حکومت و سلطنت سے تعلق رکھنے والے تفصیلی قوانین و ضوابط بھی بیان کئے گئے ہیں۔ بارگاہ رب العزت کی طرف سے پہلے دن سے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اس کتاب ـــــ قرآن ـــــ کی صورت میں زندگی کا جو مکمل دستور العمل تم کو دیا جا رہا ہے کسی تجزیہ و تقسیم اور کسی تحدید و تخصیص کے بغیر اول سے آخر تک تمہارے لئے اس کی پیروی ضروری ہے۔ تنہا یہی وہ چیز ہے جو انسان کو رحمت ایزدی سے ہمکنار کر سکتی ہے:

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ	یہ کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے برکت
مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا	والی پس تم (کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر) اس
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	کی (پوری پوری) پیروی کرو اور اللہ سے
(انعام: ۱۵۵)	ڈرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	پیروی کرو (پوری پوری) ان تمام باتوں

مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ	کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو کارساز نہ بناؤ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔
(اعراف: ۳)	
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ	پیروی کرو ان تمام بہترین باتوں کی جو تم تک اتاری گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو کچھ خبر نہ ہو۔
(زمر: ۵۵)	

امت کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بار بار اسی کی تاکید کی گئی:

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام: ۱۰۶)	پیروی کرو ان تمام چیزوں کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک وحی کی گئی ہیں اور مشرکوں سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ راستہ کچھ آسان نہیں، قرآن کے دکھائے ہوئے طریقۂ زندگی اور اس کے عطا کردہ ضابطۂ حیات کے حق میں لوگ اپنے پسند کردہ نظامہائے حیات سے آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اس لئے صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھامے بغیر اس راہ پر ثابت قدمی نہیں دکھائی جا سکتی:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ	اور پیروی کرو اس پورے نظام زندگی کی جس کی تم تک وحی کی جا رہی ہے اور جمے رہو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ہو جائے
(یونس: ۱۰۹)	اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔
فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	پس اس لئے (تم لوگوں کو) بلاؤ (دین کی طرف) اور جم جاؤ جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا

Marfat.com

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ	ہے اوران کی خواہشات کی پیروی
مِنْ كِتٰبٍ	نہ کرو اور کہو کہ میں ایمان رکھتا ہوں (پوری
(شوریٰ : ۱۵)	پوری) اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے۔

خدا تعالیٰ کی ذات پر غیر معمولی اعتماد و توکل کے ذریعہ ہی اس منزل کو سر کیا جا سکتا ہے سورۂ احزاب میں معاشرتی زندگی سے متعلق وہ تعلیمات بیان کی گئیں جو اس وقت کے سماجی ڈھانچے کے لئے کسی صورت قابل قبول نہ تھیں۔ چنانچہ اس کے آغاز ہی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کر دی گئی کہ :

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ	اور پیروی کرو ان تمام باتوں کی جو تم تک
اِنَّ اللّٰہَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	وحی کی جا رہی ہیں تمہارے رب کی طرف سے
خَبِيْرًا وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰہِ وَكَفٰى	بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور اللہ
بِاللّٰہِ وَكِيْلًا (آیت : ۳۰)	پر بھروسہ رکھو اور کافی ہے جو اللہ نگراں ہے۔

خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے ساتھ ہی مذہب اسلام کی نمائندہ اس کتاب نے قدم قدم پر اپنی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو انسانی زندگی کے اندر اس کے وسیع دائرہ کار کا پتہ دیتی ہیں۔

ہمہ گیر تعلیمات

ان میں پہلی نمایاں ترین چیز اس کتاب کی ہمہ گیری اور اس کی ہمہ جہت تعلیمات ہیں قرآن نے بے شمار مقامات پر اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ حقائق کو کھولنے والی کتاب "کتاب مبین" ہے :

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ	اے اہل کتاب تمہارے پاس آگیا ہے
رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا	ہمارا رسول جو تمہارے لئے کھول رہا ہے

كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (مائدہ: ۱۵)	ان بہت سی باتوں کو جو تم چھپاتے تھے (اپنی) کتاب (توراۃ) سے جبکہ وہ بہت سی چیزوں کو نظر انداز کرتا ہے تمہارے پاس اللہ کیطرف سے روشنی اور کھلی کتاب آگئی ہے۔

قریب کے ادوار میں مختلف اسباب وعوامل کے تحت فکر اسلامی پر پژمردگی واضمحلال کی جو کیفیت چھائی رہی ہے، اس کے نتیجے میں اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے لوگ بھی، قرآن حکیم کے اس طرح کے بیانات کو ایک خاص دائرے میں محصور کر دینے کے عادی رہے ہیں۔ تفسیر کی بہت سی مسندوں اور حلقہائے درس میں بھی قرآن کے "کتاب مبین" ہونیکا مطلب غالباً کم ہی اس سے آگے بڑھتا ہوگا کہ یہ ایسی کتاب ہے جو انسان کی انفرادی زندگی یا زیادہ سے زیادہ اس کے اخلاقی اور سماجی مسائل سے متعلق احکام وہدایات فراہم کرتی ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جب کہ فکر اسلامی تازہ اور جاندار تھی، امت کا ذہن اس سلسلے میں بالکل صاف تھا اور وہ اس کے دائرے کو جملہ معاملات زندگی تک وسیع سمجھتی تھی۔ مفسر ابن جریر نے آیت کریمہ میں "کتاب مبین" کے معنی یہ بیان کئے ہیں:

"کتاب مبین یعنی کتابا فیہ بیان ما اختلفوا فیہ بینھم من توحید اللہ وحلالہ وحرامہ وشرائع دینہ وھو القرآن الذی انزلہ علی نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یبین للناس جمیع ما بھم الحاجۃ من امر دینھم ویوضحہ لھم حتی یعرفوا حقہ من باطلہ"[1]	"کتاب مبین" اور کھلی ہوئی کتاب" یعنی وہ کتاب جس میں وضاحت ہے ان باتوں کی جن کے سلسلے میں یہ لوگ (اہل کتاب) باہم بڑے اختلافات کا شکار تھے۔ اللہ کی وحدانیت اسکی حلال کردہ چیزیں اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں اور اسکے دین کے تفصیلی قوانین۔ اور یہ قرآن ہے جسے اس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے جو لوگوں کیلئے کھول کر بیان کرتا ہے ان تمام باتوں کو جن کی انہیں ضرورت ہے اپنے دین کے معاملہ میں اس چیز

---

[1] جامع البیان: ۶/۹۲—۹۳

Marfat.com

کو وہ ان کے سامنے واشگاف انداز میں
رکھ دیتا ہے تاکہ حق کو باطل سے ممیز کرلینے
میں ان کے لئے کوئی کھٹکا نہ رہے۔

آگے کی آیت کریمہ میں بھی اس کتاب کا اسی طرح کا ایک وصف بیان کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی چاہنے والوں کو، سلامتی کے راستوں، کی رہنمائی کرتا اور انہیں "تاریکیوں" سے نکال کر "روشنی" سے ہمکنار کرتا ہے:

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ	اللہ اس (کتاب) کے ذریعہ ان لوگونکو جو اس
سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ	کی خوشنودی کے طلب گار ہوں، سلامتی کے
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهِ	راستونکی رہنمائی کرتا ہے اور انہیں تاریکیوں
وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ	سے نکال کر اجالے میں لاتا ہے اپنے حکم سے۔ اور
(مائدہ: ۱۶)	ان کی سیدھے راستے کیطرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کے اس بیان کو بھی عام طور پر محدود اور تنگ معنی ہی میں لیا جاتا ہے جس کا زیادہ سے زیادہ منشا ہوتا ہے کہ آدمی ایک خاص دائرے میں دینی زندگی بسر کرے اور خدا سے اپنا تعلق جوڑ کر اپنے کو جنت کا مستحق بنالے۔ جب کہ آیت کریمہ میں "سلامتی کے راستوں" کی بات عام اور مطلق ہے اور دیگر مسالک و مذاہب کے مقابلہ میں اس سے اسلام بحیثیت نظام زندگی کے مراد ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی اس دین کو اس کی مکمل شریعت کے ساتھ دانتوں سے پکڑلے اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اس آخری مکمل ضابطۂ حیات سے اپنی پوری زندگی میں سرِمو تجاوز و انحراف کا مرتکب نہ ہو۔ اسی طرح "تاریکیوں" کا مطلب پورا نظام کفر و شرک ہے جبکہ دنیا کے اندر فکر و عمل کی تمام گمراہیاں انہیں دو دائروں میں محصور ہیں اور سیدھی راہ پانے کا مطلب ہے کہ آدمی ان تمام بے اعتدالیوں سے دامن بچا کر اپنی پوری زندگی میں اسلام کے دامن کو مضبوط تھام لے۔ گذشتہ آیت کی طرح مفسر طبریؒ نے اس آیت کریمہ کو بھی اسی طرح عام قرار دیا ہے:

(سبل السلام) سبیل اللہ "سبل السلام" "سلامتی کے راستے" یعنی

Marfat.com

الذی شرعه لعباده و
دعاهم الیه واتبعت به
رسله وهو الاسلام الذی
لایقبل من احد عملا الا
به لا الیهودیة ولا النصرانیة
ولا المجوسیة (ویخرجهم
من الظلمات الی النور)
یهدی بهذا الکتاب المبین
من اتبع رضوان الله الی
سبل السلام وشرائع
دینه (من الظلمات) یعنی
من ظلمات الکفر والشرک
الی نور الاسلام وضیائه
(ویهدیهم الی طریق مستقیم)
ویرشدهم ویسددهم
الی طریق مستقیم وهو
دین الله القویم الذی
لا اعوجاج فیه له

اللہ کا راستہ جسے اس نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کیا ہے اور اس کی پیروی کی انہیں دعوت دی ہے اور اسی کا پیغام دیکر اپنے تمام رسولوں کو بھیجا ہے۔ اور یہ اسلام ہے جسکے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کی طرف سے کسی عمل کو قبول نہیں کریگا خواہ وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا مجوسیت (یا کوئی اور چیز) "ویخرجهم من الظلمات الی النور" اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ اس واضح کتاب کے ذریعہ جو اس کی خوشنودی کی پیروی کرتے ہیں انکی سلامتی کے راستوں اور اپنے دین کے تفصیلی قوانین کی طرف رہنمائی کرتا ہے "من الظلمات" "تاریکیوں سے نکال کر" یعنی کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی اور اسکی ضیاباری کیطرف "ویهدیهم الی طریق مستقیم" اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھے راستے کیطرف" یعنی انہیں راہ بتاتا ہے اور صحیح رہنمائی دیتا ہے سیدھے راستے کیطرف۔ اور یہ اللہ کا راستی کا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں قرآن کے روشنی (نور) اور حقائق کو کھولنے والی کتاب (کتاب مبین)

حوالہ سابق ص۹۳

Marfat.com

ہونے کے تین فائدے بیان کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی کے طلب گاروں کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے۔ اپنے حکم و مرضی سے انہیں تاریکیوں سے نکال کر "روشنی" میں لاتا ہے۔ اور (زندگی میں) انہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک وسیع النظر مفسر قرآن نے اس کے پہلے فائدے 'سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی' کی یہ وسیع اور جامع تشریح کی ہے جس نے آخرت کے علاوہ پوری انسانی زندگی اور اس کے اندر آدمی کی ہمہ جہت مصروفیات کا احاطہ کر لیا ہے:

وقد ذكر الله لهذا النور	اللہ تعالیٰ نے اس نور کے تین فائدے بیان
ثلاث فوائد (الاولى) انه	کئے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ اس کے ذریعہ جو اسکی
يهدى به الله من اتبع	خوشنودی کے طلب گار ہوتے ہیں، انہیں
رضوانه سبل السلام اى	سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے
من اتبع منهم ما يرضيه	یعنی جو کوئی اس نور پر ایمان لاکر اس چیز کی
تعالى بالايمان بهذا النور	پیروی اختیار کرتا ہے جو اللہ کو خوش کرنیوالی
يهديه ـــــ هداية	ہے تو وہ اسکی رہنمائی کرتا ہے۔ رہنمائی جس کے
دلالة تصحبها العناية	ساتھ اسکی خاص توجہ اور مدد شامل ہوتی ہو
والاعانة ـــــ الطرق التى	ـــ ان راستوں کی طرف جن کے ذریعہ وہ
يسلم بها فى الدنيا والآخرة	دنیا و آخرت میں ہر اس چیز سے بچ جاتا ہے جو
من كل ما يرديه ويشقيه	اسے نامرادی اور محرومی سے ہمکنار کرنیوالی ہو
فيقوم فى الدنيا بحقوق	چنانچہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حقوق اپنے
الله تعالى وحقوق نفسه	نفس کے روحانی و جسمانی حقوق اور انسانوں
الروحية والجسدية و	کے حقوق ادا کرنیوالا بن جاتا ہے۔ وہ دنیا
حقوق الناس فيكون	کی حلال و پاک چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے
متمتعا بالطيبات مجتنبا	اور حرام و ناپاک سے دامن کش رہتا ہے،
للخبائث، تقيا مخلصا صالحا	اللہ سے ڈرنے والا، اس کے لئے یکسو، نیکی

Marfat.com

مصلحا ویکون فی الآخرة
سعیدا منعما، جامعا بین
النعیم الحسی الجسدی و
النعیم الروحی العقلی وخلاصة
هذه الفائدة انه یتبع
دنیا یجد فیه جمیع الطرق
الموصلة الی ما تسلم به
النفس من شقاء الدنیا
والآخرة، لانه دین السلام
والاخلاص لله ولعبادہ،
دین المساواۃ والعدل
والاحسان والفضل ۱؎

کے راستے پر عمل پیرا اور دوسروں کو اس پر
لگانے والا اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت
کے اندر بھی خوش بخت اور اللہ کی نعمتوں سے
شادکام ہوتا ہے حسی اور جسمانی اور عقلی اور روحانی
دونوں طرح کی نعمتیں اسے بیک وقت حاصل
ہوتی ہیں۔ اس فائدہ کا خلاصہ یہ کہ اسطرح سے
وہ ایسے دین کی پیروی کرتا ہے جس میں اسے وہ
تمام راستے مل جاتے ہیں جن پر وہ چل کر دنیا و
آخرت کی ہر طرح کی بدبختیوں سے بچ جاتا ہے
اسلئے کہ یہ سلامتی کا دین ہے۔ اللہ کیلئے یکسوئی
اور اسکے بندوں کیلئے بے لوثی کا دین۔ عدل و
انصاف اور مساوات کا دین جس میں خوب کاری
اور حسن سلوک اور فضل و احسان کا دور
دورہ ہوتا ہے۔

یہی بات ہے جو قرآن نے دوسرے مقام پر نسبتًا اختصار کے ساتھ اپنے مقصد نزول کو بیان کرتے ہوئے کہی ہے:

ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ
مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ
(بقرہ: ۱۸۵)

دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا
سامان ہدایت و رہنمائی کی کھلی ہوئی باتیں
اور فیصلہ کن چیز۔

'لوگوں کے لئے رہنمائی اور رہنمائی کی کھلی باتیں'، قرآن کا یہ وصف اور خصوصیت بھی، جسے عام طور پر محدود اور تنگ معنوں میں لیا جاتا ہے، اپنے اندر بھی عموم اور وسعت رکھتا ہے،

۱؎ تفسیر المنار: ۶/۳۰۵

Marfat.com

جس کے مضمرات میں دین کی عام اور معروف باتیں ہی نہیں، بلکہ حدود و فرائض اور حلال و حرام کا پورا نظام شامل ہے:

واما قولہ ھدی للناس فانہ یعنی رشاد الناس الی سبیل الحق وقصد المنھج واما قولہ بینات فانہ یعنی واضحات من الھدی یعنی من البیان الدال علی حدود اللہ و فرائضہ وحلالہ وحرامہ [۱]	اللہ تعالیٰ کا قول "ہدی للناس" انسانوں کے لئے ہدایت کا سامان، تو اس کا مطلب ہے کہ یہ (قرآن) لوگوں کو حق کے راستے اور صحیح طرز حیات کی طرف رہنمائی کرتا ہے اللہ کا قول "بینات" تو اسکا مطلب ہے ہدایت و رہنمائی کی کھلی باتیں یعنی وہ بیان و وضاحت جو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدود کو، اس کے فرائض کو اور اس کے حلال و حرام کو صاف صاف بتا دے

جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی اپنے سلسلے میں عمومی اور بظاہر سادہ انداز میں اس طرح کی جو صفات و خصوصیات، بیان کرتا ہے:

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ (اسراء: ۹)	یہ قرآن (جملہ معاملات زندگی میں) رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو سیدھا اور درست ہے۔
اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ (یٰس: ۶۹)	یہ تو صرف یاد دہانی اور کھولنے والا قرآن ہے (جو زندگی کے تمام معاملات میں انسان کیلئے حق و راستی کو کھول کر پیش کر دیتا ہے)
کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (ابراہیم: ۱)	یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تم دنیا کے تمام انسانوں کو ہر طرح کی تاریکیوں سے نکال کر (صحیح نظام زندگی کے) اجالے میں لا دو۔

---

[۱] جامع البیان: ۲/۸۲

Marfat.com

وغیرہ بے شمار آیات۔ ان کا دائرہ بھی اسی طرح وسیع ہے۔ اور عام اور معروف مذہبی زندگی میں محصور نہ ہو کر اس کے یہ اوصاف و خصائص پورے نظام زندگی میں انقلاب اور تبدیلی کے نقیب ہیں اور دوسرے تمام طریقہائے زندگی سے یکسو ہو کر پوری انسانی زندگی میں خدائی قانون و شریعت کی بے لاگ پیروی کی دعوت دیتے ہیں۔

مکمل ضابطہ حیات

اس کے ساتھ ہی قرآن اپنا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ زندگی کا مکمل ضابطہ و دستور عطا کرتا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے اندر انسانی زندگی کی تنظیم اور اس سے متعلق جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں مکمل اور تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دنیائے انسانیت کے سامنے واشگاف انداز میں اس اظہار و اعلان کا حکم ہوا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (انعام: ۱۱۴)	کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کے فیصلے کی تلاش میں ہوں جبکہ اس نے تم تک وہ کتاب اتاری ہے جس میں (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) تفصیل ہے۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب "المنار" نے بجا طور پر کہا ہے:

انزل اليكم الكتاب مفصلا فيه كل مايصح به الحكم — فانزاله مشتملا على الحكم التفصيلى للعقائد والشرائع وغيرها على لسان رجل منكم امى مثلكم هو اكبر دليل	'انزل الیکم الکتاب مفصلا' تم تک مفصل کتاب آتاری یعنی اسکے اندر ہر وہ چیز موجود ہے جسکے ذریعہ فیصلہ کرنا درست ہو سکتا ہے اتارا جانا اس طور پر کہ یہ عقائد اور قوانین وغیرہ جملہ امور سے متعلق تفصیلی فیصلے پر مشتمل ہے۔ تمہارے ہی درمیان کے ایک آدمی پر جو تمہارے ہی جیسا ان پڑھ ہے سب سے

Marfat.com

واوضح آیۃ علی انہ	بڑی دلیل اور واضح ترین نشانی ہے
من عند اللہ تعالیٰ	کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی اور
لامن عند غیرہ [1]	کی طرف سے نہیں۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے اپنا یہی وصف بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ	اور یقیناً ہم ان تک ایسی کتاب لے کر
فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى	آئے ہیں، جس کی ہم نے پوری پوری تفصیل
وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔	کی ہے، علم کی بنیاد پر، جو ہدایت اور رحمت
(اعراف: ۵۲)	ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔

جس کی تشریح میں بھی اسے معاد و معاش کے جملہ مسائل پر حاوی قرار دیا گیا ہے:

ای ولقد جئنا ھؤلا الناس	یعنی کہ ہم یقیناً ان لوگوں کے لئے ایک عظیم الشان
بکتاب عظیم الشان، کامل	کتاب لے کر آئے ہیں جو بیان و وضاحت
التبیان، وھو القرآن، فصلنا	میں کامل ہے۔ یہ قرآن ہے جس کی آیتوں کی ہم
آیاتہ تفصیلا علی علم منا	نے تفصیل کی ہے۔ اس لئے کہ ہم جانتے تھے
بما یحتاج الیہ المکلفون	کہ مکلف قرار دیئے گئے بندوں کو اپنے نفس
من العلم والعمل لتزکیۃ	کے تزکیہ اور اپنی فطرت کی تکمیل کے لئے
انفسھم، وتکمیل	علم و عمل کے کس سامان کی ضرورت ہے
فطرھم، وسعادتھم فی	جس کے ذریعہ وہ معاش و معاد ہر ایک
معاشھم ومعادھم [2]	کی ہمہ جہتی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

پھر اس تفصیل کی وضاحت کرتے ہوئے کہ اس سے مراد مسائل کی جزئیات و فروعات نہیں ہیں، بلکہ مسائل کی کلی تبیین و توضیح ہے اور اس کے دائرے میں قرآن نے کسی ابہام

---

[1] تفسیر المنار: ۱۰/۸

[2] حوالہ سابق ص۲۴۱

Marfat.com

واشکال کے بغیر زندگی کے حقائق کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

ففی القرآن تفصیل کل	پس قرآن کے اندر ہر چیز کی تفصیل ہے
شیئ نحتاج الیہ فی امر	جس کی کہ ہمیں اپنے دین کے سلسلے میں
دیننا اسھب حیث ینبغی	ضرورت ہے بس یہ ہے کہ جہاں اس نے
الاسھاب، واوجز حیث	ضرورت سمجھی ہے بات خوب پھیل کر کہی
ینبغی الایجاز [1]	ہے اور جہاں اس کا تقاضا تھا ایجاز و
	اختصار سے کام لیا ہے۔

جزئیات و فروعات کی تفصیل کا اہتمام یہ کتاب بالواسطہ کرتی ہے جس کی وضاحت علامہ زمخشریؒ نے ان لفظوں میں کی ہے:

فان قلت کیف کان القران	اگر تم کہو کہ قرآن کس طرح "تبیانا لکل شیئ"
تبیانا لکل شیی، قلت	ہر چیز کی وضاحت ہے (اشارہ ہے آیت کریمہ
المعنی انہ بین کل شیی	وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
من امور الدین حیث	شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً، نحل: ۸۹
کان نصا علی بعضھا واحالۃ	جس پر گفتگو آگے آرہی ہے) ..... تو میں کہونگا
علی السنۃ حیث امر فیہ	کہ اس نے دین سے تعلق رکھنے والے معاملات
باتباع رسول اللہ صلی اللہ	میں ہر چیز کی وضاحت کر دی ہے بعض چیزوں
علیہ وسلم وطاعتہ و	کے سلسلے میں قرآن کے خاص نصوص ہیں اور
قیل وما ینطق عن الھوی،	کچھ چیزوں کو اس نے سنت کی طرف پلٹایا
وحثا علی الاجماع فی قولہ	ہے، جن کے سلسلے میں اس نے رسول اللہ
ویتبع غیر سبیل المومنین	صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا حکم
ورضی رسول اللہ صلی	دیا ہے اور کہا گیا کہ "وما ینطق عن الھوی"

---

[1] حوالہ مذکور

Marfat.com

الله علیہ وسلم لامتہ	اور وہ (پیغمبر) خواہش نفس سے نہیں بولتا
واتباع اصحابہ والاقتداء	اس کے ساتھ ہی اجماع امت کی پیروی پر
بآثارھم فی قولہ صلی اللہ	ابھارا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ویتبع غیر
علیہ وسلم اصحابی کا	سبیل المومنین[۲] "، اور جو کوئی مسلمانوں
لنجوم بایہم اقتدیتم	کے راستہ کے علاوہ کی پیروی کریگا" الخ مزید
اھتدیتم وقد اجتھدوا	برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے
وقاسوا ووطأوا طرق القیاس	لوگوں سے صحابہ کرام کی پیروی اور ان کے
والاجتہاد فکانت السنۃ	نقش قدم پر چلنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے
والاجماع والقیاس والاجتہاد	دیکھا۔ ارشاد ہوا کہ میرے صحابہ ستاروں کے
مستندۃ الی بیان الکتاب	مانند ہیں تم ان میں سے جن کی بھی پیروی کروگے
فمن ثمہ کان تبیانا	راہ یاب ہوگے چنانچہ ان حضرات نے قیاس و
لکل شیئ[۱]	اجتہاد سے کام لیا اور قیاس و اجتہاد کی راہیں
	ہموار کیں پس سنت، اجماع اور قیاس و

---

[۱] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۶۴۷ - ۶۴۸، کلکتہ ۱۲۷۲ھ

[۲] یہ پوری آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ	اور جو کوئی رسول سے دشمنی کرے، اس کے
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ	بعد کہ اس کے سامنے ہدایت روشن ہو کر آگئی
سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَ	اور مسلمانوں کے راستے سے ہٹ کر پگڈنڈی
نُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَ	پکڑے تو جس سمت اس نے جانے کا فیصلہ کیا ہم بھی اسی
سَاءَتْ مَصِيرًا	سمت اسے جانے دیں گے اور (پھر) اسے جہنم میں داخل
(نساء: ۱۱۵)	کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

جو امت میں حجیت اجماع کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔

Marfat.com

اجتہاد سب کا سرا کتاب کی وضاحت،
سے جڑا ہوا ہے۔ اس طرح یہ کتاب (قرآن)
ہر چیز کی وضاحت 'تبیانا لکل شیٔ' ہے۔

مفسر خازنؒ نے بھی آیت کی تفسیر میں اس نکتے کی وضاحت کی ہے:

تبیانا لکل شیئ یعنی من امور الدین اما بالنص علیہ او بالاحالۃ علی ما یوجب العلم من بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین ما فی القرآن من الاحکام والحدود والحلال والحرام وجمیع المامورات والمنھیات واجماع الامۃ فھو ایضا اصل ومفتاح لعلوم الدین[1]	"تبیانا لکل شیٔ" ہر چیز کی وضاحت یعنی دین کے امور کی۔ یا تو براہ راست نص کے ذریعہ یا اس چیز کی طرف راجع کر کے جس سے علم یقینی حاصل ہو سکے، یعنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات اور آپ کے بیانات۔ اس لئے کہ قرآن میں جو احکام، حدود، حلال و حرام اسی طرح وہ تمام چیزیں جن کا حکم دیا گیا ہے۔ یا ان سے منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے قول و فعل کے ذریعہ) ان سب کی توضیح و تفصیل کا حق ادا کر دیا ہے۔ نیز اجماع امت جو خود بھی علوم دین کی بڑی اصل اور کنجی ہے۔

سورۂ یونس میں بھی ایک جگہ قرآن کی یہی صفت بیان ہوئی ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	یہ قرآن ایسا نہ تھا جو گھڑ لیا جائے، اللہ کے علاوہ، بلکہ یہ مصداق ہے، اپنے سے پہلی بشارتوں کا، اور اسکے اندر (جملہ معاملات زندگی کے متعلق) احکام کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل: ۴/ ۹۰، مطبعہ علمیہ، مصر

(آیت: ۳۷) ہے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

جس کی تفسیر حافظ ابن کثیرؒ نے ان لفظوں میں کی ہے:

ای وبینا الاحکام والحلال والحرام بیانا کافیا شافیا حقا لامریۃ فیہ من اللہ رب العالمین، کما تقدم فی حدیث الحارث الاعور عن علی بن ابی طالب فیہ خبر ما قبلکم ونبأ ما بعدکم وفصل ما بینکم، ای خبر عما سلف وعما یاتی، و حکم فیما بین الناس بالشرع الذی یحبہ اللہ ویرضاہ[1]	یعنی ہم نے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) احکام اور حلال وحرام کی ایسی توضیح وتفصیل کر دی ہے کہ جو بالکل کافی شافی ہے نیز یہ کہ یہ قرآن حق ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے جیسا کہ حارث اعور کی روایت میں گذرا جسے وہ حضرت علی سے بیان کرتے ہیں کہ "اس کے اندر تم سے پہلے کے واقعات اور بعد کے حالات کی تفصیل اور تمہارے درمیان ہونیوالے جملہ معاملات کا فیصلہ ہے"، یعنی کہ اسکے اندر تفصیل ہے ان واقعات کی جو گذر چکے اور جو آئندہ پیش آنیوالے ہیں اور اس کے اندر دنیا کے تمام انسانوں کے درمیان پیش آنیوالے جملہ امور ومعاملات کا فیصلہ ہے، اس شریعت کے مطابق جو اللہ کو پسند ہے اور تنہا جسے ہی اب اس کی رضا حاصل ہے۔

سورۂ نحل میں اس کتاب مبین کے متعلق ارشاد ہوا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (آیت: ۸۹)	ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے جس کے اندر تمام چیزوں کی وضاحت ہے اور جو ہدایت ورحمت ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۴۱۷

Marfat.com

اس کی تشریح میں بھی اسے دنیوی زندگی اور معاش و معاد کے جملہ مسائل کا احاطہ کرنے والا بتایا گیا ہے:

قال ابن مسعود قد بین لنا	ابن مسعودؓ نے کہا کہ اللہ نے ہمارے لئے
فی ھذا القران کل علم و	اس قرآن میں ہر علم اور ہر چیز کی وضاحت
کل شیئ، وقال مجاھد: کل	کردی ہے۔ مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ تمام حلال و
حلال وحرام وقول ابن مسعود	وحرام کی۔ اور ابن مسعودؓ کا قول زیادہ جامع
اعم واشمل فان القرآن	اور وسعت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ قرآن
اشتمل علی کل علم نافع من	میں ماضی میں جو واقعات گذرے اور مستقبل
خبر ما سبق وعلم ماسیاتی	میں جو احوال پیش آئیں گے ان سب سے متعلق
وکل حلال وحرام، و	تمام مفید علم موجود ہے۔ اسی طرح تمام حلال
ما الناس الیہ محتاجون	وحرام اور تمام چیزیں جن کی اپنی دنیا اور
فی امر دنیاھم ومعاشھم	معاش و معاد کے سلسلے میں لوگوں کو ضرورت
ومعادھم لہ	ہے، وہ اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔

صاحب جلالین نے بھی یہی بات کہی ہے:

(تبیانا) بیان (لکل شیئ)	(تبیانا) وضاحت (لکل شیئ) ہر چیز کی یعنی کہ
یحتاج الیہ الناس من	ہر اس چیز کی جس کی کہ لوگوں کو ضرورت
امر الشریعة لہ	ہے دین و شریعت کے معاملہ سے۔

دوسرے موقع پر اسے ہمہ جہتی ہدایات کی تعلیم کا ذریعہ بتایا۔ سراپا رحمت ذات باری تعالیٰ نے انسان کو قرآن کا علم عطا کیا۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اس نے دین و دنیا ہر ایک سے تعلق رکھنے والے جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات

لہ حوالہ مذکور ص ۵۸۲

لہ تفسیر جلالین / ۲۵۸ - طبع جدید

Marfat.com

فراہم کردیں:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (رحمٰن: ۱-۴)

رحمٰن، جس نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا اور اس کو واضح شریعت کا علم عطا کیا۔

علامہ ابن جریر طبریؒ نے البیان کی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے:

والصواب من القول فی ذلك ان يقال معنى ذلك ان الله علم الانسان مابه الحاجة اليه من امر دينه ودنياه من الحلال والحرام والمعايش والمنطق وغير ذلك مما به الحاجة اليه لان الله جل ثناؤه لم يخصص بخبره ذلك انه علمه البيان بعضا دون بعض بل عم فقال علمه البيان فهو كما عم جل ثناؤه[1]

اس سلسلے میں صحیح بات ہے کہ کہا جائے کہ اسکے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ تمام چیزیں سکھائی ہیں جن کی کہ اسے ضرورت ہے، دین ودنیا کے سلسلہ میں، حلال وحرام معشیت کے طریقوں اور بولیوں سے متعلق، نیز ان کے علاوہ وہ تمام چیزیں جن کی کہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس نے وضاحت کا علم عطا کیا، کسی قسم کی تخصیص نہیں کی ہے کہ اس نے کچھ چیزوں کا علم عطا کیا اور کچھ کا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے۔ فرمایا کہ "اس کو ہر طرح کی وضاحت وتشریح کا علم عطا کیا" پس چاہئے کہ وہ ایسے ہی عام رہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے اسے عام رکھا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر قرآن نے اپنا یہ وصف ـــــ ایک سے زائد بار بیان کیا ہے:

كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ ثُمَّ

یہ کتاب ہے جس کی آیتیں (پہلے تو) مختصر اور

---

[1] ابن جریر: ٢٧/٦١

فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (ہود: ۱)	گتھی ہوئی رکھی گئیں پھران کی بہمہ وجوہ تفصیل کی گئی اس ذات کی طرف سے جو سرتاپا حکمت اور معلومات کا سرچشمہ ہے۔
كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (فصلت: ۳)	یہ کتاب ہے جس کی آیتوں کی ہر طرح سے تفصیل کی گئی، عربی قرآن، ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

ان کی تشریح میں بھی قصص و مواعظ ہی نہیں، بلکہ علی الاطلاق احکام وقوانین کی بات کہی گئی ہے۔ صاحب جلالین نے ان دو آیتوں کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

بينت بالاحكام والقصص والمواعظ [1]	اس کی آیتوں کی وضاحت کی گئی (جملہ امور سے متعلق) احکام، قوانین قصص وواقعات اور پند و مواعظ کی باتوں سے۔

اور قرآن ہی پر کیا موقوف اس نے تو اپنے وقت اور حالات کے لئے، توراۃ کا بھی یہی وصف بیان کیا ہے:

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ۔ (انعام: ۱۵۴)	پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ان لوگوں پر اپنے احسان کی تکمیل کرتے ہوئے جو خوب کار تھے اور اسکے اندر (دین و دنیا سے متعلق) ہر چیز کی تفصیل تھی اور ہدایت و رحمت تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین حاصل کریں۔

پیمانۂ حق و باطل

دنیا میں ابتدائے آفرنیش سے اسلام اور غیر اسلام کی جو جنگ برپا ہے اسلام اور

---

[1] حوالہ سابق صفحات ۲۸۳، ۶۲۹

جاہلیت کا جو معرکہ بپا ہے اور ہر ایک کا نمائندہ نظام زندگی دوسرے پر اپنا جو غلبہ و تسلط چاہتا ہے، اس پورے معرکہ کی حقیقت دو لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے کہ یہ حق و باطل کی جنگ ہے۔ حضرات انبیا علیہم السلام کے ذریعہ آنے والا دین، جس کا آخری ایڈیشن وہ کامل ضابطہٴ حیات ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیائے انسانیت کو ملا، حق ہے، اس سے ہٹ کر انسانوں کے گھڑے ہوئے انکار خدا یا خدا کی ذات میں انحراف و بے اعتدالی —— جسے قرآن کفر و شرک کی دو جامع اصطلاحوں سے یاد کرتا ہے —— پر مبنی جتنے نظامہائے زندگی آج تک پائے گئے یا آئندہ پائے جا سکتے ہیں۔ یہ سب کا سب باطل ہے۔ اپنی دیگر اوصاف و خصوصیات کے علاوہ اس معرکہٴ حق و باطل میں اپنی فیصل کن حیثیت کو قرآن بھی اپنا ایک نمایاں صفت قرار دیتا ہے۔ مفسرین کرام نے آیات ذیل میں قرآن کے وصف۔ فرقان۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (بقرہ: ۱۸۵)	دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہدایت اور ہدایت و رہنمائی کی کھلی ہوئی باتیں۔ اور فیصلہ کن چیز۔
وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ (آل عمران: ۳-۴)	اس نے توراۃ اتاری اور انجیل اس سے پہلے (اپنے وقت کے) تمام انسانوں کیلئے ہدایت بنا کر، اور اب فیصلہ کن چیز (قرآن) اتاری۔

کے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں:

والفرقان يعني والفصل بين الحق والباطل [1]	"فرقان" فیصلہ کن چیز۔ یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن چیز۔
ومفرقا بين الحق والباطل والحلال والحرام [2]	حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے پھاڑ کر الگ کرنے والی چیز۔

---

[1] جامع البیان: ۲/۸۲

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۶

Marfat.com

وھو الفارق بین الھدیٰ	یہ (قرآن) الگ کر دینے والا ہے،
والضلال، والحق والباطل	ہدایت اور گمراہی کو، حق اور باطل کو اور
والغی والرشاد [1]	راست روی اور کج روی کو۔

سورۂ فرقان کا آغاز ہی اس آیت کریمہ سے ہوا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	انتہائی بابرکت ہے وہ ذات جس نے
عَلٰى عَبْدِهٖ	اپنے بندے پر "فرقان" یعنی فیصلہ کن
(آیت: ۱)	چیز اتاری۔

یہاں بھی اس کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں:

ولھذا اسماہ ھھنا الفرقان	اسی وجہ سے اس (قرآن) کو یہاں "فرقان"
لانہ یفرق بین الحق و	فیصلہ کن چیز کہا، اس لئے کہ یہ حق و
الباطل، والھدیٰ و	باطل، ہدایت و گمراہی، راست روی
الضلال، والغی والرشاد،	اور کج رہی اور حلال و حرام کے درمیان
والحلال والحرام [2]	فرق و امتیاز کرتا ہے۔

سورۂ اسراء کی آیات ذیل قرآن کی اس حیثیت کو مزید کھولنے والی ہیں:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ	کہو کہ حق آگیا اور باطل بجھ گیا اور باطل
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥ وَنُنَزِّلُ	تو بجھنے والا ہی تھا۔ اور ہم قرآن کی صورت
مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ	میں وہ چیز اتارتے ہیں جو بہمہ وجوہ شفا
رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ	اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے۔ جبکہ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ٥	ظالم نافرمانوں کے لئے یہ نقصان پر نقصان
(آیات: ۸۱، ۸۲)	ہی میں اضافہ کرے گا۔

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۲۴۴

[2] حوالہ سابق: ۲/۶۲۳

جو لوگ اس کتاب کا دامن مضبوطی سے تھامتے ہیں اور اس کے ذریعہ خوف خدا کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیتے ہیں، حق تعالیٰ اس کی برکت سے ان کے اندر ایسی قوت تمیز اور قوتِ فیصلہ عطا کر دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر قدم پر صحیح کو غلط اور حق کو باطل سے ممتاز کر لیتے ہیں اور اپنے جملہ معاملات و مسائل میں ان کے لئے خدا تعالیٰ کی دکھائی ہوئی راہ بالکل واضح اور روشن ہو جاتی ہے جب کہ اس کی برکت سے وہ آخرت کی لازوال کامرانیوں سے بھی ہمکنار ہوں گے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا	اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو تو
اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ	وہ تم کو ایک فیصلہ کن چیز سے بہرہ ور کرے گا
عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ	اور تم سے تمہاری کوتاہیوں کو دور
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝	کرے گا اور تم کو بخشے گا، اور اللہ بڑے
(انفال : ۲۹)	فضل والا ہے۔

مفسر مجاہدؒ نے آیت کریمہ میں لفظ "فرقان" کو دنیا و آخرت دونوں کے لئے حاوی قرار دیا ہے :

فرقانا قال مخرجا فی الدنیا	"فرقانا" فرمایا کہ دنیا و آخرت میں نجات
والآخرة [1]	اور خلاصی کا سامان۔

دوسرے مفسر محمد بن اسحاقؒ نے اسے مزید وسعت دی ہے :

فرقانا ای فصلا بین الحق	"فرقانا" یعنی فیصلہ کن چیز حق و باطل
والباطل [2]	کے درمیان۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے یہ دل لگتی بات کہی ہے :

فان من اتقی اللہ بفعل	جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اس طور پر کہ اسکے

---

[1] جامع البیان : ۹ / ۱۳۸

[2] حوالہ سابق ص ۱۳۹

Marfat.com

اوامرہ وترک زواجرہ وفق لمعرفۃ الحق من الباطل فکان ذلک سبب نصرہ ونجاتہ ومخرجہ من امور الدنیا وسعادتہ یوم القیامۃ وتکفیر ذنوبہ .... وسببا لنیل ثواب اللہ الجزیل کقولہ تعالیٰ (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) [1]

اوامر پر عمل پیرا ہوگا اور اس کی منہیات سے اجتناب کرے گا۔ اسے حق کو باطل سے ممتاز کرنے کی پرکھ عطا ہوگی پس یہ چیز اسکے لئے دنیا کے معاملات سے کامیاب عہدہ برآ ہونے۔ اس کے بچ نکلنے اور اسکی نصرت و کامرانی کا ذریعہ ہوگی جبکہ ساتھ ہی وہ قیامت کے دن خوش بختیوں سے ہمکنار ہوگا اور اسکے گناہوں کو زائل کیا جائیگا۔ نیز یہ چیز اس کے لئے اللہ کے بے پایاں اجر و ثواب کو حاصل کرنیکا ذریعہ بنے گی۔ جیساکہ فرمایا ہے: اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو اور اسکے رسول پر ایمان لاؤگے تو وہ تم کو اپنی رحمت کے دو حصے عطا کرے گا اور تمہارے لئے روشنی کا سامان کرے گا (جس سے تمہارے دنیا و آخرت دونوں کے معاملات روشن ہوجائیں) جسمیں تم چلوگے اور تمہاری بخشش کریگا اور اللہ بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

(حدید: ۲۸)

آخرت کے علاوہ معاملات دنیا میں اہل ایمان کو حاصل ہونے والی یہی روشنی ہے جس کا تذکرہ سورۃ انعام میں کیا گیا ہے۔ جب کہ کفر و شرک کے اندھیروں میں پڑے ہوئے لوگ اس سے سرتاسر محروم ہوتے ہیں۔ وسیع تر معاملات زندگی میں اس آخری کتاب کی رہنمائی

---

[1] ابن کثیر: ۲/۳۰۲

Marfat.com

قبول کرنے کے ساتھ اس سلسلے کی بعض اہم ہدایات، ساتھ ہی بعض اصولی تاکیدات کے بعد ارشاد ہوا :

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ	کیا وہ جو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندگی عطا
وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ	کی اور اس کے لئے روشنی ٹھہرائی جسے لیکر وہ
فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ	(دنیا میں) لوگوں کے درمیان چلتا ہے اسکے
فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ	مانند ہو جائیگا جو تاریکیوں پر تاریکیوں میں
مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ	پڑا ہو اور اس سے (کبھی) نکلنے والا نہ ہو اسی
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	طرح کافروں کے لئے وہ اعمال کھبا دیئے
(آیت : ۱۲۲)	گئے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

اختلافات کا مرجع

کتاب اللہ کا اسی طرح کا ایک وصف قرآن یہ بتاتا ہے کہ وہ انسانی زندگی میں پائی جانے والے اختلافات وتضادات کا ایک ہی مرجع ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی دنیا فکر وعمل کی جس صورت حال سے دوچار ہے اسے ہم ایک لفظ میں بیان کر سکتے ہیں۔ وہ فکر وعمل کے بے شمار دائروں میں اختلافات کا شکار ہے۔ اس طور پر کہ معاملہ کا ہر فریق مدعی ہے کہ حق وصواب کا راستہ اس کے پاس ہے۔ معاملات زندگی میں فیصلے کے لئے اس نے جو اصول متعین کئے ہیں اور ان کی روشنی میں عمل کے لئے اپنے لئے جو راہیں تجویز کی ہیں، اس سے نہ بہتر نہ کوئی فکر ہے اور نہ زندگی کے لئے اس سے اچھی کوئی شاہراہ عمل تجویز کی جا سکتی ہے۔ فکر وعمل کے ان بے شمار مختلف اور متضاد دھاروں میں قرآن اپنے تئیں اس بات کا مدعی ہے کہ حق وصواب کی کسوٹی صرف اس کے پاس ہے۔ فکر ونظر کے دوسرے تمام حلقوں کے دعوے غلط اور بے بنیاد ہیں۔ جہاں یا تو عقل نارسا کی کارفرمائی ہے یا ہدایت ربانی کے چہرے کو انسانی ہاتھوں نے اس طرح دغدار کر رکھا ہے کہ اب اس کی صحیح شناخت مشکل ہے اور یہ پتہ لگانا بالکل ناممکن ہو گیا ہے کہ اس کا کون سا حصہ خدائی مرضیات کا آئینہ دار ہے۔ اور کتنا حصہ وہ ہے جو لوگوں کی خواہشا

Marfat.com

اوران کی دنیوی حرص وآز کا مظہر ہے۔ انسانی زندگی میں اب یہ مقام صرف ہدایت ربانی کے آخری ایڈیشن ——— قرآن ——— کو حاصل ہے:

تَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (نحل: ۶۳: ۶۴)

قسم اللہ کی ہم نے تم سے پہلے گروہوں کے پاس رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال ہی کو کھبائے رکھا سو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے اور ہم نے تمہارے اوپر جو کتاب اتاری ہے تو اسی لئے کہ تم (دنیا کے) لوگوں کے لئے کھول دو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق تمام) ان چیزوں کو جن میں ان کا اختلاف ہے اور یہ ہدایت و رحمت ہے ان کے لئے جو ایمان لائیں۔

کتاب اللہ کی یہ مرجعیت زندگی کے تمام دائروں کے لئے ہے اور کسی تحدید و تخصیص کے بغیر اس کی یہ حیثیت جملہ معاملات زندگی کو محیط ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ صراحت کرتے ہیں:

ثم قال تعالیٰ لرسوله انه انما انزل علیك الكتاب لتبین للناس الذی یختلفون فیه فالقرآن فاصل بین الناس فی كل ما یتنازعون فیه [1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ یہ کتاب ہم نے تم پر اس لئے اتاری ہے تاکہ تم (دنیا کے تمام) انسانوں کے سامنے کھول دو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) تمام باتوں کو جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ پس قرآن کی حیثیت قول فیصل کی ہے لوگوں کے درمیان جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں جن کی بابت ان کے درمیان باہم نزاع اور کشمکش ہو۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۷۴

Marfat.com

یہی بات قرآن نے دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کہی ہے، جہاں اس کتاب کے بجائے براہ راست اس کے بھیجنے والے کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ	اور جس چیز کے سلسلے میں بھی تمہارا
فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ	اختلاف ہو، تو اس کا فیصلہ اللہ کی
اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ	طرف (راجع) ہے۔ وہی میرا صاحب ہے
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ٥	اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی
(شوریٰ: ۱۰)	طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس آیت کریمہ کو بھی علامہ موصوف نے اسی عموم کا حامل قرار دیا ہے:

(وما اختلفتم فیہ فحکمہ	اور جس چیز کے سلسلے میں بھی تمہارا اختلاف ہو
الی اللہ) ای مہما اختلفتم	تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (راجع) ہے
فیہ من الامور، وھذا	یعنی (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) جن امور
عام فی جمیع الاشیاء	ومسائل کے سلسلے میں بھی تمہارا اختلاف ہو۔
(فحکمہ الی اللہ) ای ھو	یہ بات عام ہے تمام چیزوں کے سلسلے میں
الحاکم فیہ بکتابہ	(فحکمہ الی اللہ) سو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف
وسنۃ نبیہ صلی اللہ	(راجع) ہے یعنی وہی اس کے سلسلہ میں فیصلہ
علیہ وسلم کقولہ جل	کرنے والا ہے۔ اپنی کتاب کے ذریعہ اور
وعلا (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي	اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ
شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ	جیسا کہ دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ کا فرمان
(ذٰلکم اللہ ربی) ای الحاکم	ہے: "سو اگر تمہارا جھگڑا ہو کسی چیز کے سلسلے
فی کل شیءٍ (علیہ	میں تو اسے پلٹاؤ اللہ اور اس کے رسول کی
توکلت والیہ انیب) ای ارجع	طرف" (نساء: ۵۹) (ذٰلکم اللہ ربی)
فی جمیع الامور[1]	وہی میرا صاحب ہے، یعنی وہی حاکم ہے ہر چیز

---

[1] حوالہ سابق: ۴/۱۰۸

Marfat.com

کے سلسلے میں۔ (اسی پر میں بھروسہ کرتا
ہوں اور اسی کی طرف پلٹتا ہوں یعنی جملہ
معاملات زندگی کے سلسلے میں (اسی کی
طرف) رجوع کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ آیت زیر بحث میں زندگی کے معاملات و مسائل میں خدا تعالیٰ کے مرجع و حکم ہونے کی جو بات کہی گئی ہے، اس کا دائرہ زندگی کی وسیع جہتوں کو محیط ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظیر میں علامہ موصوف نے جو آیت کریمہ پیش کی ہے۔ اس کا تعلق زندگی کی تنظیم کے آخری سرے یعنی حکومت و سیاست سے ہے جس میں خدا اور رسولؐ کے ساتھ مسلمانوں کو خدا اور رسولؐ کی وفاداری و اطاعت کی شرط کے ساتھ اپنے اصحاب امر، کی مخلصانہ اور بے لوث اطاعت کا حکم دیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو (اپنے تمام معاملات زندگی میں) اللہ
وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ	اور رسول اور اپنے میں سے 'اصحاب امر' کا کہا مانو۔ پھر اگر
مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ	تمہارا جھگڑا ہو کسی چیز میں تو اسے پلٹاؤ
فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ	اللہ اور رسول کی طرف۔ اگر تم ایمان
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔
ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ؀	یہی زیادہ بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ
(نساء: ۵۹)	سے زیادہ اچھا ہے۔

اختلافات میں خدا تعالیٰ کو مرجع بنانے کا مطلب ہے کہ اس کی نازل کردہ آخری کتاب کی طرف رجوع کیا جائے جو قیامت تک کے لئے روئے زمین پر اس کی ایک ہی نمائندہ ہے اس کی قولی و عملی تبیین و توضیح حق تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کی ہے۔ اپنی زندگی بھر کتاب اللہ کے بعد ان اختلافات کا مرجع بہ نفس نفیس آپؐ کی ذات گرامی رہی۔ آپ کے بعد یہ کام اس کتاب کی آپؐ کی قولی و عملی تشریحات سے لیا جائے گا جسے سنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے:

Marfat.com

(فان تنازعتم فی شیئ	پھر اگر تمہارا جھگڑا ہو کسی چیز میں تو اسے
فردوہ الی اللہ) ای الی کتابہ	پلٹاؤ اللہ کی طرف (یعنی اسکی کتاب کی طرف
(والرسول) مدۃ حیاتہ و	(اور رسول کی طرف) یعنی اس کی زندگی
بعدہ الی سنتہ [1]	میں اور اس کے بعد اس کی سنت کیطرف۔

قرآن کی اس مرجعیت کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے جب ہم انسانی زندگی میں اختلاف وتضاد کی ابتداء اور اس کے تاریخی تسلسل کے قرآنی موقف پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسانی جماعت فکر وعمل کی ایک ہی شاہراہ پر قائم تھی۔ بعد میں ایسا ہوا کہ مختلف اسباب وعوامل کے تحت لوگوں کے اندر فکر ونظر کے اختلافات رونما ہوئے اور زندگی کے اندر عمل کی راہیں ہر ایک نے الگ الگ قرار دے لیں۔ فکر وعمل کے ان اختلافات کو مٹا کر انہیں جادہ حق پر استوار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر زمانہ میں اپنے انبیاء بھیجے اور انہیں وہ کتابیں دیں جن کے ذریعہ اس خدائی مشن کی تکمیل ہوتی رہی۔ انبیائی تاریخ کے تسلسل میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بنیادی مخاطبین اہل کتاب یہود ونصاریٰ ان اختلافات اور تضادات کا آخری مظہر تھے جنہیں اس گرداب سے نکالنے اور دنیا میں فکر وعمل کی صحیح شاہراہ پر لگانے کے ساتھ آخرت کی ابدی زندگی میں فوز وفلاح سے ہمکنار کرنے کے لئے قرآن کی صورت میں وہ نسخہ شفاء عطا کیا گیا جس سے ان کے ساتھ ہی، قیامت تک کے لئے، پوری دنیائے انسانیت کی تقدیر وابستہ ہو گئی۔ اب رہتی دنیا تک کے لئے انسانی زندگی میں فکر وعمل کے جو اختلافات وتضادات بھی پائے جائیں ان سب کا آخری مرجع ومعول یہی کتاب ہے، جسے چھوڑ کر انسان کبھی راہ حق وصواب سے ہمکنار نہیں ہو سکتا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً	(ابتداء میں دنیا کے تمام) لوگ ایک
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ	گروہ (اور ایک ہی طریقہ پر) تھے (بعد میں اختلاف
وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ	کا شکار ہوئے) پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوش

---

[1] تفسیر الجلالین ۱/۱۱۱ طبع جدید

Marfat.com

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا
فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ
إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ
بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا
اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ
بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ
(بقرہ : ۲۱۳)

خبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر
اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کیساتھ
تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے ان
تمام معاملات میں جن میں ان کا اختلاف ہے
اور یہ جو اختلاف کا شکار ہوئے وہ جنھیں کتاب
دی گئی (اہل کتاب یہود و نصاریٰ) تو اسکے
بعد کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آئیں
آپس کی سرکشی اور دشمنی کی بنا پر۔ تو اب
جو لوگ ایمان لائے اللہ نے اس حق کے سلسلے
میں جس میں پچھلے لوگ اختلافات کا شکار ہوئے
ان کی (راہ صواب کیطرف) رہنمائی کی اور اللہ جسے
چاہتا ہے راہ صواب کیطرف رہنمائی عطا کرتا ہے۔

اب قیامت تک کے لئے قرآن کا دکھایا ہوا ہی راستہ ہے جسے پکڑ کر انسان اپنی زندگی میں فکر و عمل کے اختلافات سے بچنے کی صورت نکال سکتا ہے:

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا
فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
(انعام : ۱۵۳)

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا، سو تم اس کی
پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ لگو
جو اس کی اصل شاہراہ سے ہٹا کر تمہیں لے
کر دور نکل جائیں۔

مقدمات کا فیصلہ

اس کے ساتھ ہی قرآن نے اپنا یہ وصف و امتیاز بھی واضح کر دیا ہے کہ کسی محدود معنی میں وہ دعوت و تلقین اور وعظ و ارشاد کی کتاب نہیں بلکہ وہ قیامت تک کے لئے انسانوں کے درمیان خدا کی آخری عدالت ہے اور لوگوں کے درمیان ابھرنے والے تمام امور و مسائل اور ان کے

Marfat.com

تمام مقدمات ونزاعات کا فیصلہ اب اسی کے مطابق ہونا ہے۔ ہدایت الٰہی کے اس آخری ایڈیشن کے آجانے کے بعد دوسرے تمام آسمانی صحائف اب منسوخ ہیں۔ ان صحائف کی دیگر خصوصیات کے ساتھ انسانوں کے درمیان "حکم" بننے کی صفت وصلاحیت بھی اب آخری طور پر اس کتاب عزیز کے اندر مرکوز ہو گئی ہے۔ خدائی عدالت اپنی پوری تکمیلی شان کے ساتھ اس کتاب کے اندر جلوہ گر ہے۔ گذشتہ تمام صحف سماویہ کا ست اور نچوڑ اس کتاب کے اندر آگیا ہے اور اب قیامت تک کے لئے تنہا یہی کتاب ہے جو ان کے اندر ہونے والی انسانی تحریفات اور کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کا آخری پیمانہ ہے۔ اپنی اس حیثیت میں کتاب اللہ کے سامنے آجانے کے بعد جس طرح کسی خدا بیزار یا اس کی ذات وصفات میں بے اعتدالیوں کے شکار گروہ انسانیت کے لئے اس سے ہٹ کر زندگی کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا اور اپنے اندر پیدا ہونے والے معاملات ومسائل کا فیصلہ کسی دوسری سمت سے طلب کرنا محض اس کی ہوا پرستی، اور خواہشات نفس کی اندھی پیروی کا آئینہ دار ہے، اسی طرح، اس کتاب کے آجانے کے بعد، توحید ورسالت کے دعویدار کسی گروہ کا اس سے انحراف کا رویہ اپنانا اور اپنے معاملات ومقدمات کا فیصلہ منسوخ صحائف سے طلب کرنا اسی ایک ہی حقیقت کا غماز ہے کہ یہ لوگ جادۂ حق سے ہٹ کر محض اپنی خواہشات ومیلانات کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ اپنے معاملات زندگی میں ان لوگوں کا جو رویہ بھی ہو، حق وصداقت کے اس آخری ایڈیشن کے آجانے کے بعد تمہیں لوگوں کے مقدمات کا جو فیصلہ کرنا ہے، اسی کے مطابق کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کا عطا کردہ یہ آخری دستور حیات ہے جس سے قیامت تک کے لئے جملہ معاملات زندگی میں سرمو انحراف کی گنجائش نہیں۔ زمانۂ نزول قرآن میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں انہیں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ ملنے کی امید ہوتی، وہاں تو وہ آپ سے رجوع کرتے، بقیہ معاملات ومقدمات وہ اپنی اپنی کتابوں کی مرجعیت واستناد کا دعویٰ کرتے۔ ان کی اس دوہری پالیسی کو خواہش نفس کا فریب قرار دیتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید ہوئی :

Marfat.com

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا

(مائدہ : ۴۸)

اور ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ جو مصداق ہے اپنے سے پہلی کتابوں کا اور ان پر نگراں ہے تو اب تم ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ اس (کتاب) کے مطابق جسے اللہ نے اتارا ہے اور تمہارے پاس جو حق آگیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ زندگی ٹھہرایا (سو اب اس آخری شریعت کے بعد پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہیں)

مزید فرمایا :

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ

(ایضاً : ۴۹)

اور یہ کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اس (کتاب) کے مطابق جسے اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچکر رہو کہ اللہ نے جو تم پر اتارا ہے اسکے کسی حصہ سے باز رکھ کر یہ تمہیں آزمائش میں نہ ڈال دیں۔ پس اگر اب یہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے ان کو پکڑ لے اور سچ ہے کہ یہ اکثر و بیشتر لوگ نافرمان ہیں۔

فرمایا کہ قرآن کی اس عدالت کو چھوڑ کر یہودیت و نصرانیت کی پناہ پکڑنے کی کوشش اسلام کے بجائے جاہلیت کی بارگاہ میں حاضری کے مرادف ہے۔ بہترین عدالت اللہ کی ہے جس کی تنہا نمائندگی اب یہ قرآن کرتا ہے :

Marfat.com

اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ	کیا پس یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا	ہیں۔ اور اللہ سے اچھا فیصلہ کس کا
لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ	ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو
(ایضاً: ۵۰)	یقین رکھیں۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے اپنی یہ قانونی حیثیت واضح کردی ہے کہ اب قیامت تک کے لئے لوگوں کے درمیان فیصلہ کا یہ ایک ہی ذریعہ ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ	ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے حق کے
لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰكَ	ساتھ تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔
اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ	اس چیز کے ذریعہ جسے اللہ نے تمہیں دکھایا ہے
خَصِیْمًا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ	اور تم خیانت کاروں کے حمایتی نہ بنو اور
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝	اللہ سے مغفرت کے طالب بنو۔ بیشک اللہ
(نساء: ۱۰۵، ۱۰۶)	بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

صاحب جلالین نے بما اراك اللّٰہ سے مراد قرآن ہی لئے ہیں:

(لتحكم بين الناس	(تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اس
بما اراك الله) اعلمك	چیز کے ذریعہ جسے اللہ نے تمہیں دکھایا ہے یعنی
الله فيه [1]	جسے اللہ نے تمہیں اس (قرآن) میں بتایا ہے۔

اور بات قرآن ہی کی نہیں ایک خاص دائرے کے اندر سابق آسمانی صحائف کو بھی وہ اسی وصف کا حامل قرار دیتا ہے۔ توراۃ جس کے لفظی معنی ہی قانون اور شریعت[2] کے ہیں، اس کے سلسلے میں قرآن کہتا ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى	ہم نے توراۃ اتاری، جس کے اندر راہنے

---

[1] تفسیر الجلالین / ۱۲۱ طبع جدید

[2] تفسیر المنار: ۳/ ۱۵۵ - نیز ۶/ ۳۹۸

Marfat.com

وَنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

(مائدہ : ۴۴)

وقت میں تمام معاملات زندگی سے متعلق) ہدایت اور روشنی تھی۔ اسکے ذریعہ (عرصۂ دراز تک) انبیاء جو مطیع فرمان تھے تمام طرح کے معاملات کے فیصلے کرتے رہے۔ انلوگوں کیلئے جو بعد میں یہودی بن گئے، اسی طرح (ان کے بعد اس قوم کے) علماء و رہبان (یہ خدمت انجام دیتے رہے) اسلئے کہ انہیں اللہ کی کتاب کا محافظ اور نگراں بنایا گیا تھا اور وہ (دنیا و آخرت ہر جگہ) اس پر گواہ تھے۔

آگے اس کی حاکمانہ حیثیت کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے جسے اسلام نے اپنے باں جوں کا توں قبول کرلیا ہے اس تاکید کے ساتھ کہ جو کوئی اس خدائی فیصلہ سے روگردانی کرے وہ سخت بے انصافی کا مجرم ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(ایضاً : ۴۵)

اور ہم نے ان کے (یہود کے) اوپر اس میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت۔ اسی طرح زخموں کا (برابر سرابر) بدلہ (قصاص) ہے۔ پس جو کوئی اس کا صدقہ کر دے (یعنی اپنے پر کی گئی زیادتی کے یا اس کے کسی حصے کو معاف کردے اور اس سے دست بردار ہوجائے) تو یہ اس کے لئے (اس کے گناہوں کا) کفارہ ہے اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا

Marfat.com

ہے تو یہی لوگ بے انصاف ہیں۔

اسی طرح انجیل اپنے اندر حکمت و موعظت کا غالب پہلو رکھنے کے باوجود، احکام و قوانین سے خالی نہ تھی اس لئے اس کے ماننے والوں کو اپنے معاملات و مقدمات کو اس کے مطابق فیصلہ کرنے کی تاکید کی گئی:

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا	اور چاہیئے کہ انجیل والے فیصلہ کریں کہ
أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ	اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں اتارا
بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ	ہے، اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس
هُمُ الْفَاسِقُونَ	کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی
(مائدہ: ۴۷)	لوگ نافرمان ہیں۔

تورات کی یہ خصوصیت قرآن نے اس سے پہلے ہی بیان کر دی تھی۔ یہود کا حال تھا کہ وہ تورات کے احکام سے بچنے اور اپنے لئے رعایتوں کی امید میں آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت کا رخ کرتے تھے۔ اسی پس منظر میں ارشاد ہوا:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ	اور کیسے وہ تم کو ثالث بناتے ہیں جب
التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ	کہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا
ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ	فیصلہ صاف موجود ہے۔ پھر اس کے بعد
وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝	بھی وہ روگردانی کا راستہ اپناتے ہیں اور
(مائدہ: ۴۳)	یہ ایمان رکھنے والے نہیں۔

تورات کا یہ وصف کہ وہ ہدایت و روشنی کا سامان "ہدیٰ و نور" ہے، ابھی گذرا، انجیل کا بھی یہ وصف قرآن نے بیان کیا ہے:

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى	ان (نبیوں) کے پیچھے ہم نے عیسیٰ بن مریم
ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ	کو بھیجا جو اپنے سے پہلے تورات کا مصداق
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ	تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں
الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ	ہدایت اور روشنی تھی (اس وقت کے تمام

Marfat.com

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (مائدہ: ۴۶)

معاملات سے متعلق) اور وہ مصداق تھی اپنے سے پہلے کی توراۃ کی اور وہ ہدایت و نصیحت تھی ڈر رکھنے والوں کے لئے۔

ان دونوں پر ہدایت اور نور کے معنی ان دونوں کتابوں کا جامع احکام ہونا ہے:

(هدی و نور) هدی من الضلالة وبيان للاحكام[1]

(ہدایت اور روشنی) یعنی ہدایت گمراہی سے اور (اپنے وقت کیلئے جملہ معاملات زندگی سے متعلق) احکام قوانین کی وضاحت۔

صاحب "المنار" نے یہی بات مزید وضاحت سے کہی ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ: ۴۴) ....

"ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے"

ای انا نحن نزلنا التوراة على موسى مشتملة على هدى فى العقائد والاحكام خرج به بنوا سرائيل من وثنية المصريين و ضلالهم، على نور ابصروا به طريق الاستقلال فى امور دينهم ودنياهم[2]

یعنی ہم نے موسیٰ پر تورات اتاری جس کے اندر عقائد و احکام ہر ایک کی ہدایت موجود تھی جس کے ذریعہ بنی اسرائیل مصریوں کی بت پرستی اور گمراہی سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اسی طرح (اس کے ذریعہ) انہیں وہ روشنی حاصل ہوئی جس سے انہوں نے دین و دنیا ہر ایک کے معاملات میں استقلال و ثابت قدمی کی راہ دیکھ لی۔

جہاں تک قرآن کا سوال ہے اس نے اپنی یہ خصوصیت روز اول ہی سے واضح کر دی تھی:

---

[1] تفسیر الجلالین / ۱۴۴، ۱۴۵۔ طبع جدید

[2] تفسیر المنار: ۶ / ۳۱۷

Marfat.com

يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (بینۃ: ۲، ۳)	(یہ) رسول پاک نوشتوں کی تلاوت کرتا ہے جس میں انتہائی مضبوط احکام ہیں۔

عدل وانصاف کا قیام

قرآن کا آخری نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں بے لاگ طریقے پر عدل وانصاف کے قیام کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت یہ قرار دی ہے کہ وہ رہتی دنیا تک کے لئے عدل وانصاف کی ترازو ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝ (شوریٰ: ۱۵)	اللہ ہی ہے جس نے کتاب اتاری حق کے ساتھ اور اسے (انصاف کا) ترازو قرار دیا اور تمہیں کیا پتہ کہ شاید قیامت قریب ہو۔

آیت کریمہ میں "میزان" کے معنی عدل وانصاف کے ہیں۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے:

یقول تعالیٰ ذکرہ اللہ الذی انزل ھذا الکتاب یعنی القرآن بالحق والمیزان یقول وانزل المیزان و ھو العدل لیقضی بین الناس بالانصاف ویحکم فیھم بحکم اللہ الذی امر بہ فی کتابہ [1]	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اسی کی ذات ہے کہ جس نے یہ کتاب یعنی قرآن اتارا ہے حق کے ساتھ اور میزان۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اور اس نے میزان اتارا" اور یہ عدل ہے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان (معاملات کو) انصاف سے چکائے۔ اور ان کے سلسلے میں اللہ کے اس حکم کے مطابق فیصلہ کرے جس کا کہ اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۲۵/۱۳

Marfat.com

حافظ ابن کثیرؒ بھی "الکتاب" میں قرآن کے ساتھ بقیہ کتب سماویہ کو شامل کرنے کیساتھ "میزان"، کی یہی تشریح کرتے ہیں :

(انزل الکتاب بالحق) یعنی الکتب المنزلة من عندہ علیٰ انبیائہ (والمیزان) وھو العدل والانصاف [1]	"اس نے کتاب اتاری حق کے ساتھ یعنی وہ تمام کتابیں جو اس کی طرف سے اسکے نبیوں پر اتاری گئیں۔" اور میزان" اور یہ عدل و انصاف ہے۔

اس صدی کے عظیم مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ" الکتاب" سے مراد قرآن اور" المیزان" کو اس کا بیان قرار دیتے ہیں اور اس کے معنیٰ میزان عدل بتاتے ہیں[2]۔ یہی بات سورۂ رحمٰن میں بڑے وجد انگیز انداز میں کہی گئی ہے۔ جس کا آغاز" قرآن سکھانے" کے عظیم انعام الٰہی سے اور اس تمہیدی سلسلۂ بیان کا خاتمہ دنیا میں میزان کے قیام اور اس کے عملی نمونے پر سختی سے کاربند ہونے کی تلقین پر ہوتا ہے :

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ (آیات : ۱-۹)	رحمٰن، جس نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا اور اس کو گویائی عطا کی۔ سورج اور چاند ایک اندازے کے پابند ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ ریزی کرتے ہیں آسمان کو اس نے بلند کیا اور ایک میزان رکھا (جس سے وہ حکم الٰہی کا پابند ہے)، (اسی طرح اس نے دنیا کے نظام کے لئے میزان رکھا اور حکم دیا کہ لوگو) (اس میزان عدل کے مظہر، ترازو میں سرکشی کی راہ نہ اپناؤ۔ ناپ تول کو انصاف سے ٹھیک رکھو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر : ۴/۱۱۰ [2] تدبر قرآن : ۶/۱۵۷ طبع دوم

Marfat.com

سورۂ رحمٰن انعامات الٰہی کے بیان کی سورہ ہے، جس کا آغاز سراپا رحمت ذات الٰہی کے اس صفت کے اولین مظہر "قرآن کی تعلیم" سے ہوا ہے۔ جس کی عظمت اور اہمیت کے پیش نظر اس کے بیان کو انسان کی پیدائش پر بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اس 'رحمت' سے مخاطب اول "انسان" کا ذکر ہوا۔ حق تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ سے استفادہ و فیض یاب ہونے کے لئے فہم و ادراک اور عقل و شعور کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ان صلاحیتوں کی ترجمان اور مظہر "قوت گویائی" (بیان) کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد کائنات میں برپا اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جن میں سر فہرست سورج اور چاند ہیں جو ایک متعین رفتار اور مدار پر گردش کرتے ہیں جس سے علاوہ ان کی اور منفعتوں کے دنوں اور تاریخوں کے تعین کی عظیم ترین سماجی اور تمدنی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ چاند اور سورج اپنی اس مفوضہ ذمہ داری کی ادائیگی سے خدا تعالیٰ کی تابعداری اور اس کے حضور اپنی معنوی سرفگندگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، تو آسمان کے ستارے اور زمین کے درخت بھی مختلف انداز سے انسانوں کی نفع بخشی کی خدمت انجام دے کر، ستاروں کی متعین رفتار اور ان کا انسانوں کے لئے دلیل راہ کام دینا، درختوں کا انسانی تمدن کی مختلف النوع ضروریات کا پورا کرنا، اسی طرح ان کے سائے کی متعین سمت، خدا کے حضور اپنی تکوینی سجدہ ریزی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کی بلندی اور مضبوطی، ساتھ ہی اس کی دوسری خصوصیات زمین پر انسانی وجود کی بقا کی ضامن ہیں۔ کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کے ان عظیم انعامات اور انسانی وجود کے بقا کے ان مادی اہتمامات کی تفصیل کے بعد، ان سب میں بڑھ کر اس کے عظیم ترین "معنوی اہتمام" کی طرف توجہ دلائی جس کے ذریعہ ہی روئے زمین پر حقیقی معنوں میں انسانی وجود کی بقا شرمندۂ معنی ہوتی ہے یعنی میزان، عدل و انصاف کی ترازو "والسماء رفعہا ووضع المیزان" جس کے بغیر اس کائنات کا اخلاقی اور معنوی طور پر اسی طرح درہم برہم ہو جانا یقینی ہے جس طرح کہ مثال کے طور پر اس صورت میں جب کہ اس کائنات سے تکوینی طور پر خدائی حفاظت اور انتظام اٹھ جائے۔ عدل و انصاف کا یہی بے لاگ پیمانہ ہے جس کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے[1]۔ اور جس کے ہمہ گیر تقاضوں کی پوری تفصیل اس

---

[1] تدبر قرآن: ۷/ ۱۳۰

Marfat.com

نے اپنے صفحات میں بیان کی ہے۔ (جیسا کہ سورہ کے آغاز ہی میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے) انسانی زندگی میں اس عدل وانصاف کے قیام کا اولین مظہر لوگوں کا باہمی لین دین اور ناپ تول کے معاملہ میں ٹھیک اور درست راستہ پر قائم رہنا ہے۔ کسی بھی انسانی سماج میں عدل وانصاف کے چلن کے ناپنے کا یہ وہ پیمانہ ہے جو صاف بتا دیتا ہے کہ زندگی کے دوسرے معاملات میں اس کے ہاں ان اعلیٰ قدروں کی کتنی آبیاری ہوگی جو سماج ...... اس خاص دائرے میں عدل وانصاف فراہم کرنے سے قاصر ہوگا۔ زندگی کے دوسرے دائروں میں اس کا یہ قصور بدرجۂ اولیٰ نمایاں ہوگا[1] حافظ ابن کثیرؒ نے اس مختصر تفسیر میں یہ بات پوری کہدی ہے:

(والسماء رفعها ووضع	"آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان (ترازو)
المیزان) یعنی العدل کما	رکھا" یعنی عدل وانصاف جیسا کہ اللہ تعالیٰ
قال تعالیٰ (لقد ارسلنا	نے فرمایا: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو
رسلنا بالبینات وانزلنا	واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کیساتھ
معهم الکتاب والمیزان	کتاب اور میزان "پیمانہ" اتارا تاکہ لوگ
لیقوم الناس بالقسط) و	(زندگی میں) عدل وانصاف کو قائم کریں
هکذا قال ههنا (الا تطغوا	اسی طرح یہاں فرمایا کہ (الا تطغوا فی المیزان)
فی المیزان) ای خلق	"یہ کہ تم میزان 'پیمانہ' میں سرکشی نہ کرو" یعنی
السموات والارض بالحق	کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق اور عدل
والعدل لتکون الاشیاء	کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ (اس طرح دنیا کی)
کلها بالحق والعدل، ولهذا	تمام چیزیں حق وعدل کی آئینہ دار بن جائیں
قال تعالیٰ (واقیموا الوزن	اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم ناپ
بالقسط ولا تخسروا المیزان)	تول کو انصاف سے ٹھیک ٹھیک رکھو اور
ای لا تبخسوا الوزن بل	ناپ تول میں کمی نہ کرو یعنی کہ ناپ تول میں

---

[1] حوالہ سابق

زنوا بالحق والقسط	ڈنڈی نہ مارو بلکہ حق وانصاف کیساتھ
کما قال تعالیٰ وزنوا	تولو جیساکہ اللہ نے دوسرے موقع پر فرمایا:
بالقسطاس المستقیم[1]	اور ٹھیک ٹھیک تول سے تولو۔ (وزنوا

بالقسطاس المستقیم) اسراء: ۲۵)

سورۂ حدید میں قرآن حکیم کے علاوہ بقیہ تمام کتب سماویہ کا بھی نمایاں ترین وصف یہی عدل وانصاف بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کے ساتھ کتاب کے ساتھ عدل وانصاف، (میزان) کو اتارا[2] جس کا ابتدائی عملی نمونہ ناپ و تول کا وہ پیمانہ (میزان) ہے جس کے ذریعہ لوگ آپس میں عدل وانصاف کے ساتھ لین دین کرتے اور اس طرح زندگی کے بقیہ تمام امور و معاملات میں اس کی ضمانت حاصل کرتے ہیں[3] عدل وانصاف کے اس پیمانے کو اتارنے کا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ قرار دیا کہ لوگ جملہ معاملات زندگی میں بے لاگ طریقے پر حق وانصاف کو قائم کریں۔ زندگی کے تمام دائروں سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جائے اور زمین پر ہر جگہ اور ہر سطح پر عدل وانصاف کا بول بالا ہو جائے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ	بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ	دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور
لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔	میزان (پیمانہ) اتارا تاکہ لوگ (دنیا میں)
(حدید: ۲۵)	عدل وانصاف قائم کریں۔

قرآن کو انسانی زندگی عدل وانصاف کی یہ آبیاری اس قدر عزیز ہے کہ وہ اس کے لئے محض وعظ و تلقین اور تذکیر و نصیحت پر اکتفا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ اگر مخالف طاقتیں ظلم و ناانصافی کی روش پر اڑی ہوں اور دنیا کے اندر اسی بے انصافی و حق تلفی کا چلن عام کرنے پر

---

[1] ابن کثیر: ۴/ ۲۷

[2] ابن کثیر: ۴/ ۳۱۴، تفسیر الجلالین، ۷۲۳ طبع جدید

[3] ابن جریر: ۲۷/ ۱۲۲

Marfat.com

انہیں اصرار ہو تو اس صورت میں اسلام مسلح جدوجہد کے ذریعہ ان کا سر کچل دینے کی تلقین کرتا ہے بزور شمشیر ان کی شوکت کو پامال کر دیا جائے یہاں تک کہ دنیا سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جائے اور زمین کا چپہ چپہ عدل و انصاف کا کلمہ گو ہو جائے یہی مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اور میزان کے ساتھ لوہے کو اتارا جس کے اندر علاوہ بے شمار انسانی اور تمدنی فوائد کے خاص طور پر جنگی قوت کی صلاحیت ہے فرمایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بعثتِ انبیاء کے اہم ترین مقاصد سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی زندگی میں اس کے لازمی مواقع لا کر سچے اہل ایمان کا امتحان کرتا ہے کہ کون لوگ ہیں جو غیب میں رہ کر اور بن دیکھے اس مقدس جنگ میں اللہ کے رسول کا ساتھ دے کر دنیا و آخرت میں اپنی سرخ روئی کا سامان کرتے ہیں۔ اور دوسرے کون ہیں جو اس میدان میں پیچھے رہ کر دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کو اپنا مقدر بناتے ہیں:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ	اور ہم نے لوہا اتارا جس کے اندر سخت (جنگی)
بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ	قوت ہے (اور اس کے علاوہ) لوگوں کیلئے
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ	طرح طرح کے فائدے ہیں (تاکہ دنیا کے اندر
مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ	حق و باطل کا معرکہ بپا ہو) اور اللہ پرکھے کہ
بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ	کون ہیں جو اسکی اور اسکے رسولوں کی غیب
(حدید: ۲۵)	میں رہتے ہوئے مدد کرتے ہیں۔ بے شک
	اللہ قوت والا، غلبہ والا ہے۔

اگر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں جن کی زندگی انبیائی مشن کی تکمیل کا نقطۂ کمال ہے تو آپؐ کی لائی ہوئی کتاب بھی آسمانی صحائف کا آخری ایڈیشن ہے جس نے انسانی زندگی میں عدل و انصاف کی آبیاری اور ظلم و ناانصافی کے خاتمہ کو اپنے اندر آخری طور پر سمو رکھا ہے۔ اب قیامت تک کے لئے دنیا میں عدل و انصاف کا چلن ہونا ہے تو وہ اسی آخری صحیفۂ محمدی کے ذریعہ ممکن ہے، عدل و انصاف کے مضامین اپنی آخری تکمیلی شان کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہیں۔ حق و صداقت کا یہ وہ آخری لازوال خزانہ ہے جس سے منہ موڑ کر انسانی زندگی میں ان اعلیٰ قدروں کی آبیاری کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا:

Marfat.com

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا
وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
(انعام : ۱۱۵)

اور (اب قرآن کی صورت میں) تیرے رب
کی بات سچائی اور عدل میں اوج کمال کو
پہنچ گئی ہے۔ اسکی باتوں کو کوئی بدلنے والا
نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ کا مصداق آخری طور پر یہی قرآن حکیم ہے اور یہ اسی کتاب کے صفحات عالیہ کا بیان ہے جب کہ اس سے پہلے کا سلسلۂ کلام اسی سے متعلق ہے :

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِي حَكَمًا
وَّهُوَ الَّذِي اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ
الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ
آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
يَعْلَمُونَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ
مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ
(انعام : ۱۱۴)

کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو حکم اور ثالث
بنانا چاہوں جب کہ وہی ہے جس نے تم تک
(جملہ معاملات زندگی سے متعلق احکام وہدایات
پر مشتمل) تفصیلی کتاب اتاری ہے اور جنہیں
(تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے
ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے نازل
کردہ حق کے ساتھ ہے۔ سو تم ہرگز شک
کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

انسانی زندگی کی تنظیم اور اس کے نظم واستحکام کے سلسلے میں جو وسیع ترین تعلیمات قرآن نے دی ہیں اور انسان کی ہمہ جہتی فلاح پر مشتمل جو جامع نظام زندگی وہ عطا کرتا ہے ان سب کا مرکزی نکتہ اسی عدل وانصاف کی آبیاری اور اس کا قیام واستحکام ہے۔ یہی بنیادی محور ہے، جس کے گرد اس کی اجتماعی تعلیمات کا پورا نظام گردش کرتا ہے۔

شعائرِ اسلام کی گواہی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے چار چیزوں کو شعائرِ اسلام کی اہم ترین دفعات سے شمار کیا ہے۔ گویا کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے خاص طور پر اسلام کا تشخص قائم ہوتا اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ان کے بغیر مذہب اسلام کا کوئی تصور نہیں کیا سکتا ہے یعنی قرآن، کعبہ، نبیؐ اور نماز۔[1] اس سلسلے میں جہاں تک نبیؐ اور قرآن کا سوال ہے تو آپ نے دیکھا کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے ان کے اثر و نفوذ کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور کس طرح یہ دونوں کسی خاص حد میں محصور نہ ہو کر پوری انسانی زندگی پر اپنا عمل دخل چاہتے ہیں۔ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح، آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کس طرح کسی خاص دائرے تک محدود نہ ہو کر فکر و نظر کے تمام گوشوں کو متاثر کرتی اور پوری انسانی زندگی کو اپنی لائی ہوئی ہدایات کا تابع بناتی ہے جس کا نقطۂ کمال یہ ہے کہ پورے روئے زمین پر اسلام کا کلمہ بلند ہو جائے، اقصائے عالم پر اسلام کا پھریرا لہرانے لگے، اس طور پر کہ کفر و شرک، باطل ادیان و مذاہب اور خدا بیزاری اور انکار خدا پر مبنی جملہ نظامہائے زندگی کے لئے کہیں سر چھپانے کی جگہ باقی نہ رہے۔ یہی حال قرآن کا ہے کہ وہ فکر و نظر کے کسی خاص گوشے تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کو اپنا مطمح نظر قرار دیتا، اس کے جملہ مسائل کو اپنا موضوعِ بحث بناتا اور اس کے تمام گوشوں سے متعلق واضح تعلیمات و ہدایات دے کر انسان کو اپنے جملہ امور و مسائل میں مرضیاتِ الٰہی کا پابند بناتا اور پوری دنیا میں ان کے نفاذ اور قیام کا علم بلند کرتا ہے۔

خانہ کعبہ کی ہمہ جہتی برکات

ان اہم ترین شعائرِ اسلام میں سے بقیہ دو کا معاملہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۷۰

خانۂ کعبہ کو عام طور پر محدود معنوں میں اہل اسلام کا مذہبی اور روحانی مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن اس کے سلسلے میں حسب ذیل صراحت کرتا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔	اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے محترم گھر کو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے (دہمہ جہتی) بقار کا ذریعہ بنایا۔ (مائدہ: ۹۷)

جو اخروی زندگی کی برکتوں کے ساتھ، دنیوی زندگی کی برکتوں کو بھی اسی طرح شامل ہے۔ علامہ راغب اصفہانیؒ نے اس کی یہی تشریح کی ہے:

(قیامًا لِلنّاس) ای قوامالھم یقوم بہ معاشھم و معادھم۔[1]	(قیاماً للناس) یعنی لوگوں کے لئے (ہمہ جہتی) بقار کا ذریعہ جس کے ذریعہ کہ ان کی معاش و معاد (دنیا و آخرت) دونوں کی بہتری کا سامان ہو سکے۔

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر کعبۃ اللہ کی دنیوی خیر و برکت کے پہلو کو بار بار ابھارا ہے۔ اسلام سے قبل عربوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا عام چلن تھا اور ہر طرف بدامنی اور بے اطمینانی کی فضا رتھی۔ چلتے ہوئے قافلے دن دہاڑے لوٹ لئے جاتے تھے اور کسی شخص کے جان و مال کی تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ صرف مکہ کے باشندوں کا خانۂ کعبہ کا متولی اور اس کا پروہت ہونے کے سبب، اس صورتِ حال سے استثنار تھا۔ جو اپنی اس حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاں چاہتے بے کھٹکے سفر کرتے اور اندرونِ ملک پورے امن اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ قرآن نے باشندگانِ مکہ کو اپنے اس احسان کی یاد ان لفظوں میں دلائی:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ۔	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے (ان کے لئے) امن کا گوارہ ایک حرم بنایا ہے جب کہ حال یہ ہے کہ (دوسرے) لوگ ان کے آس پاس سے اچک لئے جاتے ہیں۔ کیا پس وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ (عنکبوت: ۶۷)

---

[1] المفردات فی غریب القرآن / ۴۲۸۔

Marfat.com

خانۂ کعبہ کی اس مامونیت نے مکہ کی سرزمین کو ایک بڑی تجارتی منڈی میں تبدیل کر دیا تھا۔ جسکی وجہ سے علاوہ دوسری اشیاء ضرورت کے، اس وادیٔ غیر ذی زرع میں خاص طور پر اشیاء خوردونوش اور پھلوں کی بہتات رہتی تھی۔ مکہ کے بعض کمزور قبائل کے لوگوں نے قرآن کی دعوت قبول کرنے میں اپنی اس رکاوٹ کا اظہار کیا کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو عرب کے طاقت ور قبائل ہمیں نگل جائیں گے، اور اس سرزمین میں ہمارا آزادانہ چلنا پھرنا محال ہو جائے گا۔ قرآن نے کہا کہ یہ کیا عذر لنگ ہے جب کہ اس حرم پاک کی بدولت اس پورے شہر کی عظمت و تقدس کا اول روز سے عرب کا بچہ بچہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کی بنیاد پڑنے سے لے کر آج تک ایک دن کے لئے بھی اس کی حیثیت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ حالتِ کفر میں تو تم امن و چین کے اس شہر میں پورے سکون و اطمینان سے رہو، لیکن اسلام لانے کے بعد تمہاری جان و مال کے تحفظ کی ضمانت نہ رہے۔[1]

وَقَالُوٓا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا ؕ اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۔ (قصص: ۵۷)	اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے تمہارے ساتھ (اس آخری) ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں ہماری سرزمین سے اچک لیا جائے گا۔ کیا ہم نے امن کے گہوارے ایک حرم کو ان کے اختیار میں نہیں دیا جس تک ہر چیز کے پھل سمیٹ کر لائے جاتے ہیں۔ یہ ہمارے پاس سے (ان کیلئے) روزی کا سامان۔ پھر بھی ان کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

کعبۃ اللہ کی مرجعیت اور اس کے ذریعہ امن و چین ہونے کے احسانِ عظیم کا ذکر قرآن نے دوسرے مقام پر بھی کیا ہے:

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ۔ (بقرہ: ۱۲۵)	اور یاد کرو جب کہ ہم نے بیت اللہ کو (دنیا کے) تمام لوگوں کے لئے مرجع اور گہوارۂ امن ٹھہرایا۔

---

[1] ابن کثیر: ۳۹۵/۳۔

Marfat.com

اس کی مرجعیت کا یہ عالم تھا یہ گویا صحرائے عرب کا دل تھا، جس کی طرف لوگ کھنچ کر ہر چہار طرف سے آتے تھے اور امن وچین کی کیفیت یہ تھی کہ آدمی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھتا تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، جب کہ عین اس کے پڑوس کے علاقوں میں ہر طرح کی ظلم وزیادتی اور لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم ہوتا تھا[1]

کعبۃ اللہ کی مامونیت کا یہ فائدہ تو ان کو حضر میں بھی تھا اور سفر کا حال یہ تھا کہ اہل مکہ اور ان میں بھی خاص طور پر قریش اس کی تولیت وجانشینی کے طفیل، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کا سفر بے کھٹکے کرتے اور اپنی تجارت کو دن دونی رات چوگنی فروغ دیتے تھے۔ یہ لوگ نضر بن کنانہ کی اولاد سے تھے۔ اس لئے کوئی شخص ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا[2]۔ یہی نہیں بلکہ جو شخص ان کے ساتھ شامل اور ان کے قافلے میں شریک ہو جاتا تھا اسے بھی لوگ اسی عزت واحترام کا مستحق گردانتے تھے۔ کاروبار اور تجارت کے علاوہ دیگر اسفار کے لئے بھی یہ لوگ اپنی اس حیثیت کا پورا فائدہ اٹھاتے تھے[3]۔ سورۂ قریش میں قرآن نے ان پر اپنے اسی انعام واحسان کا ذکر کر کے، خدا کی خالص بندگی کے لئے ان کے جذبات کو مہمیز دی ہے:

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ	اس لئے کہ ہم نے قریش کے لئے مانوس کیا۔
رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ.	ان کے لئے مانوس کیا جاڑے اور گرمی کے (تجارتی)
فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ	سفروں کو۔ تو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی
الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَ	بندگی کریں۔ جس نے کہ انھیں بھوک سے
آمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ. (آیات ۱-۴)	کھلایا اور ڈر سے امان میں رکھا۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب قرآن اپنے اس عظیم ترین روحانی مرکز کے سلسلے میں صرف اس کی اخروی حیثیت پر اکتفا نہ کر کے، اس کی دنیوی برکات وفوائد کو اس اہتمام سے بیان کرتا ہے تو کیا زندگی میں دین ودنیا کی تقسیم کی بات اس کے لئے قابلِ تصور بھی ہو سکتی ہے۔

---

[1] تفسیر الجلالین:۲۶۱۔ [2] تفسیر الجلالین: ۸۲۲ [3] ابن کثیر: ۵۵۳/۴

Marfat.com

اور پھر کیا اس کے نمائندہ دین اسلام کے نزدیک مذہبیت و دین داری کا کوئی ایسا نقشہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے جس میں مذہب کو معاملاتِ دنیا سے کاٹ کر محض خدا اور بندے تک محدود کر دیا گیا ہو ؟

حجِ بیت اللہ کے دنیوی فوائد

اللہ کے اسی گھر کی زیارت وطواف، اس کے پاس قربانی نیز اسی سلسلے کے دیگر اعمال کی انجام دہی کا نام "حج" ہے جو ایک اہم ترین عبادت اور اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے۔ عرب جاہلیت میں دین براہیمی کے جو نشانات باقی رہ گئے تھے ان میں ایک یہ حج بھی تھا۔ لیکن دوسری چیزوں کی طرح اس کے اندر بھی بہت سی بدعات وخرافات نے رواج پا لیا تھا۔ اسلام نے دینِ براہیمی کے تمام بقایا کی اصلاح وتجدید اور انھیں ان کے اصل مقام پر لا کھڑا کرنے کے ساتھ حج کے سلسلے میں بھی بہت سی اصلاحات کیں اور اسے اس کے اصل براہیمی رنگ پر قائم کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بہت سی چیزیں جو اسلام کے پہلے اس میں رائج تھیں، ممنوع قرار پائیں اور بہت سی دفعات کا اضافہ کیا گیا۔ عرب جاہلیت میں خرید و فروخت اور تجارت اور کاروبار کا اس موسم میں بڑے پیمانے پر رواج تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس سلسلے میں اس کی تجویز کردہ اصلاحات کے پیشِ نظر بہت سے لوگوں کو خیال ہوا کہ بہت سی دوسری ممنوعات کی طرح کہیں یہ خرید وفروخت اور تجارت بھی اس عبادتِ عظمیٰ کی شان کے منافی نہ ہو۔ جس میں ملوث ہو کر ہم اس کے تقدس کو پامال کریں اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ اس وقت کے مسلمانوں کا زبانِ قال یا حال سے یہی سوال تھا جس کے جواب میں قرآن شریف کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی[1]۔ جس میں بتایا گیا کہ نگاہوں میں خوشنودیٔ رب کے ہمہ وقتی استحضار اور اعمالِ حج کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کے ساتھ، ضمنی طور پر اس عبادتِ الٰہی کو ادا کرتے ہوئے، دنیوی فائدہ بھی حاصل کر لیا جائے تو چنداں حرج نہیں۔ ان حدود

---

[1] ابن کثیر: ۱/ ۲۳۹ - ۲۴۰ -

کو ملحوظ رکھتے ہوئے حج کے اندر خرید و فروخت اور کاروبار کی اجازت ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (بقرہ: ۱۹۸)	تمہارے لئے کچھ حرج نہیں کہ تم (حج کے سفر میں) اپنے رب کے فضل (روزی) کی تلاش میں لگو۔

اعمالِ حج کی ادائیگی کا یہ موسم جس میں رحمتِ ایزدی خاص طور پر بندوں کی طرف متوجہ اور ان کی بخشش و مغفرت کے لئے بہانے کی تلاش میں ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے بدقسمت ہوتے ہیں جنھیں انوار و تجلیاتِ الٰہی کا یہ ہجوم بھی انھیں فکرِ دنیا میں انہماک سے باز نہیں رکھ پاتا۔ چنانچہ ان کی تمام توجہ اور ذھن اسی متاعِ حقیر کی طلب میں لگا ہوتا ہے جب کہ دوسرے وہ خوش نصیب ہوتے ہیں جو اگرچہ اپنی دنیا سے غافل نہیں ہوتے لیکن اصلاً ان کی توجہ فکرِ آخرت پر مرکوز ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بیک وقت دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کی دعا مانگتے ہیں۔ جس کے دائرے کی وسعت کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے کہ دنیا کی بھلائی کے اندر ہر طرح کی راحت و آرائش، عمدہ مکان، کشادہ روزی، آرام دہ سواری وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں جنھیں عام طور پر دنیاداری کی علامت اور دنیاداروں کی زندگی کا شیوہ قرار دیا جاتا ہے قرآن ایسے لوگوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کے موزوں صلہ اور انھیں جلد سے جلد بدلہ چکائے جانے کی خوش خبری دے کر ان کی توصیف و تحسین کرتا نظر آتا ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اُولٰٓئِكَ	سو جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ (اس سے پہلے) اپنے آباؤ اجداد کی یاد میں لگتے تھے بلکہ اس سے بھی سرگرمی سے اس کی یاد کا اہتمام کرو۔ تو لوگوں میں سے کچھ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائی دے اور آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور دوسرے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے دور رکھ۔

Marfat.com

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ (بقرہ: ۲۰۰ - ۲۰۲)	یہی لوگ ہیں جن کے لیے اس کا حصہ ملے گا جو انھوں نے کمایا۔ اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

دوسرے موقع پر بھی قرآن نے حج بیت اللہ کو دنیا و آخرت کے ہمہ جہتی فوائد کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ آخرت کا فائدہ تو ظاہر ہے، اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کا فائدہ یہ کہ قربانی سے پہلے اور اس کے بعد اس کے جانوروں سے آدمی مختلف طرح سے اٹھاتا ہے اسی طرح کاروبار اور تجارت کے غیر معمولی مواقع اس موسم میں اسے حاصل ہوتے ہیں[1]۔ دین حنیفی کے مجدد اعظم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں میں حج کے اعلانِ عام کے بعد اس کے انہی ہمہ جہتی فوائد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج: ۲۷ - ۲۸)	اور لوگوں میں اعلان کر دو حج کا۔ وہ تم تک آئیں گے پیدل اور (طول مسافت سے) دبلی ہو جانے والی سواریوں پر جو آئیں گی (کثرتِ استعمال سے) گہرے ہو جانے والے راستوں سے۔ تاکہ وہ (لوگ) اپنے لیے (ہمہ جہتی) فوائد کو پہنچیں۔

اور قربانی کے گوشت سے فائدہ اٹھانے کی تو صاف صراحت ہے۔ چنانچہ آگے ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (حج: ۲۸ - ۲۹)	اور وہ اللہ کا نام لیں (حج کے) متعین دنوں میں ان جانوروں پر جن کی اللہ نے انھیں روزی دی ہے سو تم کھاؤ ان سے اور خستہ حال محتاج کو کھلاؤ۔ پھر چاہیئے کہ وہ اپنی میل کچیل کو دور کریں اور اپنی نذروں کو پوری کریں اور (اللہ کے اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

---

[1] ابن کثیر: ۳/ ۲۱۶۔

قربانی کے جانوروں سے مختلف انداز سے فائدہ اٹھانے کی بات آگے بھی کہی گئی ہے:

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ (حج : ۳۲)	تمہارے لئے ان میں مختلف طرح کے فائدے ہیں (قربانی کے) مقررہ وقت تک۔ پھر ان کا (قربانی کے لئے) آپہنچنا ہے (اللہ کے) قدیمی گھر (اور اس کے آس پاس) تک۔

قربانی کے لیے خاص کیے جانے سے پہلے تو آدمی ایسے جانور سے مختلف انداز سے فائدہ اٹھاتا ہی ہے کہ اس کا دودھ پیتا، اس کے بال اور اون کام میں لیتا، اس پر سواری کرتا اور اس سے نسل کشید کرتا ہے، اس کے بعد بھی جائے قربانی (خانۂ کعبہ) تک پہنچنے سے پہلے پہلے حسب ضرورت اس کے دودھ اور سواری کے لئے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے[۱] آگے یہی بات ان لفظوں میں کہی گئی ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ (حج : ۳٦)	اور (قربانی کی) اونٹنیوں کو ہم نے شعائر اللہ سے ٹھہرایا ہے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی (فائدے) کی مختلف صورتیں ہیں۔

اس مقام پر بھی اس کی بھلائی اور فائدے کے بیان میں ضرورت کی صورت میں اس سے دودھ اور سواری کا فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے[۲]

غور کیجیے کہ خدا تعالیٰ کے حضور فداکاری و للٰہیت کے اس آخری مظہر، حج بیت اللہ کے اندر جب اسلام نے آخرت کی بھلائیوں اور منفعتوں کے ساتھ دنیا کی بھلائی اور منفعت کو نظر انداز نہیں کیا ہے تو پھر دین و دنیا کی تقسیم کی بات اس کے لئے کیوں کر قابل قبول ہو سکتی ہے اور اسی سے دینداری اور مذہبیت کا کوئی تصور اس کے لیے کیوں کر گوارا ہو سکتا ہے جس میں اسے دنیا اور معاملاتِ دنیا سے کاٹ کر صرف خدا اور بندے تک محدود کر دیا گیا ہو؟

---

[۱] ابن کثیر: ۲۲۰/۳۔ [۲] حوالہ سابق: ۲۲۲۔

Marfat.com

نماز

نماز جو اہم ترین شعائرِ اسلام کی آخری دفعہ اور اس کے ارکانِ خمسہ میں اقرار کلمہ کے بعد سرفہرست ہے[1] دینِ اسلام کا اس کے بغیر کوئی تصور نہیں کہ یہ وہ چیز ہے جسے تنہا کفر و ایمان کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا گیا ہے[2] قرآن و حدیث میں اس کی صرف اسی طرح کی خصوصیات نہیں بیان کی گئی ہیں کہ یہ اللہ کی یاد کو دل میں بسانے کا بہترین ذریعہ ہے[3] نماز کے نقطۂ عروج سجدے کے اندر بندہ اللہ سے حد درجہ قریب ہوجاتا ہے[4] اس حال میں اسے حق تعالیٰ سے وہ قربت و معیت حاصل ہوتی ہے جس کا کسی دوسری صورت میں تصور نہیں کیا جاسکتا[5] نماز میں بندہ اپنے رب سے راز و نیاز کی کیفیت میں ہوتا ہے[6] اور جب تک وہ نماز میں ہوتا ہے فرشتے اس کے لئے رحمت و سلامتی کی دعائیں کرتے ہوتے ہیں[7] لیکن نماز کی ان اوصاف و خصوصیات کے ساتھ قرآن اس کا دوسرا اہم ترین وصف بھی بیان کرتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ. وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ. (عنکبوت: ۴۵)	اور نماز قائم کرو۔ ضرور نماز روکتی ہے بےحیائی اور برائی (کے کاموں) سے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

---

[1] مشہور حدیث (بنی الاسلام علی خمس الخ) کا مضمون۔ بخاری جلد ۱ کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس الخ۔ مسلم جلد ۱ کتاب الایمان باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام۔ [2] ترمذی جلد ۲ ابواب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلوٰة۔ نیز صحیح مسلم جلد ۱ کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوٰة۔ [3] طٰہٰ: ۱۴۔ [4] علق: ۱۹۔ [5] مسلم جلد ۱ کتاب الصلوٰة، باب مایقال فی الرکوع والسجود۔ [6] بخاری جلد ۱ کتاب مواقیت الصلوٰة۔ باب المصلی یناجی ربہ۔ [7] بخاری جلد ۱ کتاب الاذان، باب فضل صلوٰة الجماعة۔ مسلم جلد ۱ کتاب المساجد باب فضل الصلاة المکتوبة فی جماعة الخ۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کے اندر اس کی بے پناہ روحانی اور معنوی بھلائیوں کے ساتھ، سماج کو بدی اور بے حیائی سے پاک صاف رکھنے کی بھی غیر معمولی صلاحیت ودیعت ہے۔ 'فحشاء'، ہر وہ بات یا کام جس کی برائی بڑھی ہوئی اور نمایاں ہو[1] اسی طرح 'منکر' ہر اس عمل کو شامل ہے جس کے برے ہونے کا فیصلہ عقلِ صحیح کردے، کبھی کبھی اس کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرنے میں عقل ٹھٹھکتی ہے تو اس صورت میں شریعت اس کا فیصلہ کر دیتی ہے۔[2]

انسانی سماج میں پائی جانے والی تمام طرح کی برائیاں اور خرابیاں، فحشا و منکر، جن سے باز رکھنے کا نماز ایک موثر ہے، ان کی وسعت و عموم کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی جامع ترین آیتِ کریمہ جو برائی اور بھلائی، خیر و شر کے جملہ مفاہیم کو بدرجۂ اتم محیط ہے[3] اس میں حق تعالیٰ تین اہم ترین باتوں کا حکم دینے کے ساتھ جن تین چیزوں سے منع کرتا ہے ان میں سے ایک بغاوت و سرکشی 'بغی' کو چھوڑ کر دو یہی 'فحشاء' اور 'منکر' ہی ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا
وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ	اور رشتہ داروں کو دینے کا۔ اور منع کرتا ہے بے حیائی
وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (نحل: ۹۰)	برائی اور سرکشی سے۔

اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داریاں کیسی ہمہ جہتی اور ہمہ گیر ہیں، وہ اپنے ماتحت عوام کا بہمہ وجوہ ذمہ دار اور ان کے جملہ دینی و دنیوی مفادات کا نگراں ہوتا ہے[4] قرآن اسے دو مختصر لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری ہے کہ زندگی کے تمام دائروں میں شریعت کی قرار دادہ معروفات کا نفاذ عمل میں لائے۔ اسی طرح جملہ معاملاتِ زندگی سے متعلق شریعت

---

[1] الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن / ۳۸۰۔ [2] حوالۂ سابق / ۵۰۵۔ [3] مستدرک حاکم عن ابن مسعودؓ، بحوالہ تفسیر الجلالین / ۳۵۹۔ [4] فالامام الّذی علی الناس راع و ھو مسؤل عن رعیتہ الخ، بخاری جلد ۲۔ کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول الخ، مسلم جلد ۲ کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر الخ

Marfat.com

نے جن چیزوں کو برا، منکر قرار دیا ہے، سماج کے اندر سے وہ انھیں جڑ بیڑ سے اکھاڑ پھینکے، قرآن کہتا ہے کہ اسلامی سربراہ حکومت کے اندر یہ قوت وصلاحیت نماز کے قیام ہی سے پیدا ہوتی ہے

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِا	وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم
لْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ حج : ۴۱)	دیں اور برائی سے منع کریں۔

نماز کے اندر حق تعالیٰ کے حضور پنج وقتہ پیشی کے ذریعہ انسان اپنے اندر اس کے روبرو مسئولیت اور جواب دہی کا جو احساس پیدا کرتا ہے، اس کی برکت سے وہ اپنی پوری زندگی میں نفس وشیطان کے چنگل سے بالکلیہ نجات حاصل کرلیتا اور اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا پاس ولحاظ رکھنے والا بن جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے کو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم کرلیتے ہیں وہ اپنی پوری زندگی میں نفس وشیطان کے گھیرے میں پڑ کر خواہشاتِ نفس کے اسیر اور خدا اور خلقِ خدا سے بالکل آنکھیں بند کر کے ان کی اندھی پیروی میں لگ جاتے ہیں۔ بے لگام زندگی، ان کا ایک ہی مطمحِ نظر ہے، اس کے نتیجے میں وہ آزادانہ جدھر چاہتے ہیں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایسے کسی شخص کا وجود سماج کے لئے کتنا بڑا بوجھ اور خالص دنیوی نقطۂ نظر سے معاشرہ کے لئے کس قدر تباہ کن ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا	سو ان کے بعد وہ ناخلف آئے جنھوں نے نماز ضائع
الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ	کردی اور خواہشات کی پیروی میں لگ گئے، سو
یَلْقَوْنَ غَیًّا۔ (مریم : ۵۹)	جلد ضرور وہ اس سرکشی کے انجام سے دوچار ہونگے

نماز کے ذریعہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے جو زندہ اور شعوری تعلق قائم ہوتا ہے، اس کے اثر سے وہ حق تعالیٰ سے وفاداری کے ساتھ اس کے بندوں کے لئے بھی حد درجہ فکرمند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے بعد اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے بھی وہ اسی طرح بے چین ہوتا ہے۔ اس کی مستقل کوشش ہوتی ہے کہ کس طرح ان کی زیادہ سے زیادہ معاونت کرے اور ان کے کام آئے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان اس کیفیت سے عاری

Marfat.com

ہے قرآن، اس کی نماز کو غفلت اور دکھاوے کی نماز قرار دیتا ہے۔ ایسے شخص کی نماز کس کام کی جو صرف اپنی ذات میں مگن ہو۔ دوسرے بندگانِ خدا کو معمولی استعمال کی چیزیں بھی دینے میں اس کی جان نکلتی ہو۔ قرآن ایسے نمازی کو اللہ تعالیٰ کی سخت ترین وعید کا مستحق گردانتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ (ماعون: ۴-۷)

سو تباہی ہے نمازیوں کے لئے۔ جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو محض دکھاوا کرتے ہیں، اور ضرورت کی معمولی چیزوں سے ہاتھ روکتے ہیں۔

نماز چھوڑنے کا لازمی اثر ہے کہ آدمی صرف اپنے مفادات کے لئے جیتا اور بندگانِ خدا سے بالکل آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ قیامت میں جہنم میں داخل کئے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے کافروں کی زبانی اس کی صراحت موجود ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۔ (مدثر: ۴۲-۴۴)

تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی۔ وہ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

نماز چھوڑتا ہی وہ شخص ہے جو دنیا کی زندگی کو اپنا آخری مطمحِ نظر قرار دے لیتا ہے۔ اس کی ساری جدوجہد اور تمام تگ ودو اسی کے مفادات کے لئے ہوتی ہے جنھیں وہ کسی بھی قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس راستے میں دنیا کے دوسرے انسانوں کے حقوق جس طرح بھی پامال ہوں اور ان کے مفادات پر جیسی کچھ ضرب پڑے اور وہ جیسے کچھ مجروح ہوں اور اس کے نتیجے میں انھیں جس قدر زیادتیوں اور بے انصافیوں کا سامنا کرنا پڑے دنیا کے اس بے نمازی حریص کو اس کی کچھ پرواہ نہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ (اعلیٰ: ۱۴-۱۷)

ضرور کامیاب ہوا جس نے پاکی اختیار کی۔ اور اپنے رب کا نام یاد کیا سو نماز پڑھی۔ بات یہ ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالاں کہ آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجیحِ دنیا کے نقطۂ نظر کا حامل شخص تمرد و سرکشی

Marfat.com

میں اپنی آخری حد کو پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے ہی، دنیا کے اندر بھی اس کے اس رجحان کی تباہ کاریاں کچھ کم نہیں۔ وہ اپنے مفادِ دنیا کی راہ میں کسی رکاوٹ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں وہ اپنی سرکشی کی چکّی میں ہر کس و ناکس کو پیس سکتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۔ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ (نازعات: ۳۷-۳۹)

سو رہا وہ جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو (ایسوں کا) ٹھکانا بس وہی دوزخ ہے۔

یہی فکرِ آخرت سے غافل سرکش انسان ہے جو خود نماز پڑھتا ہے نہ دوسروں کو نماز پڑھنے دیتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ۔ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۔ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۔ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۔ (علق: ۶-۱۰)

ہرگز نہیں (بلکہ بات یہ ہے کہ) انسان سرکشی کرتا ہے۔ اس پر کہ وہ اپنے کو دیکھتا ہے کہ بے نیاز ہو گیا۔ ضرور تیرے رب کی طرف واپس ہونا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں اس کو جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے

ایسا ہی شخص جو اپنے آپ میں مگن ہوتا ہے، دنیا میں اکڑتا اور اتراتا پھرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ہدایت الٰہی سے منہ موڑتا اور نماز سے بے نیازی برتتا ہے:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۔ (قیامہ: ۳۱-۳۳)

سو نہ اس نے تصدیق کی، نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی۔ پھر چل دیا اپنے بال بچوں میں اکڑتا ہوا۔

اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں نماز کا اہتمام کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ ان کی زندگی کا نقشہ ہی اور ہوتا ہے۔ اس کی بدولت انھیں خدا تعالیٰ سے ربط و تعلق کی جو بے بہا دولت نصیب ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں جنت کی ابدی نعمتوں سے جس طرح وہ شادکام ہوں گے وہ اپنی جگہ، دنیا کے اندر بھی ان کی زندگی بڑی مثالی ہوتی ہے۔ نماز کی برکت سے ان کا وجود انسانی سماج کے لئے سرتاپا رحمت بن جاتا ہے۔ یہ بندگانِ خدا کے حقوق کو ہر

طرح سے ادا کرنے والے اور ہر شخص عزت و آبرو کے سلسلے میں ان سے امان میں ہوتا ہے اسی طرح یہ امانتدار وعدے کی وفا کرنے والے ہوتے ہیں۔ نماز کے ذریعہ ان کے اندر آخرت کی جوابدہی کا جو زندہ اور پائیدار احساس پیدا ہو جاتا ہے، یہ اس کے لازمی ثمرات ہیں۔ جب کہ اس نعمت سے محروم انسان اس سے بالکل برعکس خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، سورۂ معارج کی آیاتِ ذیل اسی حقیقت کی آئینہ دار ہیں:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا۔ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا۔ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا۔ إِلَّا الْمُصَلِّينَ۔ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ۔ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ۔ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ۔ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ۔ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ۔ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

بے شک انسان بڑا ہی بے صبرا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے برائی چھوئے تو حد درجہ واویلا مچانے والا اور جب اسے بھلائی چھوئے تو بڑا ہاتھ روکنے والا سوائے نمازیوں کے، جو اپنی نماز پر پابندی اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں متعین حق ہے۔ مانگنے والے کے لئے اور نادار کے لئے اور وہ جو بدلہ کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب کا ڈر رکھتے ہیں۔ ہنوز ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے بے فکر نہ ہوا جائے۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں سے اور ان سے جو ان کے ہاتھ کی ملک (باندیاں) ہیں۔ تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ سو جو کوئی اس سے آگے کی خواہش کرے تو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور پیمان کا لحاظ کرنے والے ہیں۔ اور وہ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نماز کی غیر معمولی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ

Marfat.com

يُحَافِظُوْنَ۔ أُوْلٰئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔ (۱۹۔۳۵) جنتوں میں، باعزت ہوں گے۔

نمازی بندوں کے ان اوصافِ عالیہ کے اختتام پر دوبارہ اسی نماز کے اہتمام اور اس کی محافظت کے وصف کو دوہرایا گیا ہے جس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کے اندر زندگی کی یہ اعلیٰ قدریں اسی نماز کا براہِ راست نتیجہ اور لازمی ثمرہ ہیں۔ دوسرے مقام پر بھی تقریباً انہی الفاظ میں نماز کے اندر خشوع اور بہمہ وجوہ اس کی حفاظت و اہتمام کو ایمان والوں کی امتیازی خصوصیات اور ان کی زندگی کے اندر پائے جانے والے اہم ترین ہمہ جہت اوصاف کے وجود اور ان کی نشوونما کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ دنیا کے اندر لوگوں کے لئے سرتاپا رحمت ہونے کے ساتھ آخرت کی زندگی میں جنت کی ابدی نعمتوں سے شادکام ہوں گے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ أُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ۔

(مومنون: ۱-۱۱)

ضرور کامیاب ہوئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور وہ جو فضولیات سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور وہ جو پاکیزگی پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان (باندیوں) کے جو ان کے ہاتھ کی ملکیت ہیں، تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں جو اس سے آگے کا خواہش مند ہو تو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور پیمان کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی غیر معمولی نگہداشت رکھنے والے ہیں یہی لوگ ہیں جو وراثت پانے والے ہیں۔ یہ فردوس کی وراثت پائیں گے۔ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اسلام اپنے رکن اول نماز، کی یہ اوصاف وخصوصیات بیان کرتا ہے اور نمازی بندے کی زندگی میں اس کے ان مطلوبہ نتائج کو اس کا لازمی ثمرہ

Marfat.com

تصوّر کرتا ہے تو فی الجملہ انسان اور انسانی زندگی کے سلسلے میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہو سکتا ہے جو دین اپنی اہم ترین عبادت کو، جس کے اندر اخبات و تبتّل کا پہلو نمایاں ہے، اس طرح اٹوٹ طور پر معاملاتِ دنیا سے جوڑے ہوئے ہے، تو انسانی زندگی کے اس سے آگے کے موضوعات کے پیش نظر اس کے لئے دین و دنیا کی دوئی کی بات کیوں کر قبول ہو سکتی ہے۔ اور کیا ایسے کسی دین کے سلسلے میں یہ سوچا بھی جا سکتا ہے کہ وہ معاملاتِ دنیا سے کٹ کر عام اور محدود معنوں میں اپنے کو صرف خدا اور بندے تک محدود رکھے۔ اور اس رائج الوقت تصور کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو کہ دین و مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے۔ دنیا کی زندگی اور اس کے معاملات و مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہے، نہ ہونا چاہئیے؟

روزہ اور زکوٰۃ

اسلام کی عباداتِ چہارگانہ میں صرف دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔ روزہ اور زکوٰۃ، ان کی دنیوی برکت کے پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لینی مناسب ہے۔ زکوٰۃ، جو اسلام میں بندگانِ خدا کی معاشی حاجت روائی کا دوسرا عنوان ہے، اس کی دنیوی برکت کا پہلو اتنا نمایاں ہے کہ اس کی طرف چنداں اشارے کی بھی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔ اگر سوال کیا جائے کہ اسلام کیا ہے؟ تو عملی طور پر اس کا جواب دو عنوانوں میں مرتکز ہو جاتا ہے یعنی خدا کے حقوق کی ادائیگی اور بندگانِ خدا کے حقوق کی پہچان۔ نماز پہلے حق کی ادائیگی کا مظہر ہے اور زکوٰۃ دوسرے کی پہچان کا عنوان انسانی سماج میں ہمیشہ سے دو طرح کے لوگ پائے جاتے رہے ہیں، دولت مند اور مالدار، اور غریب اور نادار۔ معاشی مسئلہ ہمیشہ سے انسان کا اہم ترین مسئلہ رہا ہے۔ غذا، لباس اور رہائش اس کی زندگی کی بنیادی ضروریات ہیں۔ ان کا مناسب انداز سے انتظام نہ ہو تو آدمی منتشر ہو جاتا اور اس کی زندگی ناہمواریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال، صرف دنیا کے نقطۂ نظر سے بھی، کسی سماج کے لئے اطمینان کا باعث نہیں ہوتی۔ اس کے ہوتے ہوئے معاشرے کے صحت مند ارتقاء کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ لوگ جنہیں اللہ نے صاحبِ ثروت بنایا اور مال و دولت سے نوازا ہے وہ ان

Marfat.com

لوگوں کے کام آئیں اور ان کی معاشی کفالت کا سامان کریں جو اللہ کی ان نعمتوں میں کم حصہ پائے ہوئے ہیں اور جن کے اپنے وسائل ان کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے ناکافی ہیں کمزوروں اور ناداروں کے ساتھ یتیموں اور معذوروں وغیرہ کا طبقہ بھی ہر سماج میں ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے مسائل کے حل کی بھی یہی ایک صورت ہے۔ اسلام میں صدقہ وزکوٰۃ انسان کے اسی اہم ترین مسئلہ کے حل کی بے مثال موثر اور کارگر تدبیر ہے۔

محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنے محبوب مال سے اپنے ہاتھ کو خالی کرکے انسان اپنے اندرون کی صفائی اور تزکیۂ باطن کا سامان کرتا ہے۔ دنیا جس مال و دولت کو سینت سینت کر رکھتی ہے اور جس کے سلسلے میں اسے مشکل ہی سے خیال آتا ہے کہ اپنے مسائل اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے سوا اس میں کسی دوسرے کا حصہ بھی ہو سکتا ہے، بندۂ مومن کا اس مال سے محض خدا کے حکم کی تعمیل اور اس کی خوشنودی کی خاطر برابر ہاتھ جھاڑتے رہنا، اس کے اندر سے حب دنیا کے جراثیم کو بار بار نکالتا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کی زندگی کا ہر لمحہ فکرِ آخرت کے احساس سے لبریز رہنے لگتا ہے۔ وہ دنیا کی بندگی سے نکل کر صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔ اور صرف اس کی مرضیات کا حصول ہی دن رات کا اس کا وظیفۂ حیات بن جاتا ہے۔ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ جس بندۂ مومن کی یہ کیفیت ہو اس کے اندر زر پرستی، حبِّ دنیا، ریاو نمائش، فخر و غرور اور خود غرضی ونفسانیت کا کوئی شائبہ رہ جائے۔ دنیا کے جابر و متکبر اپنی اکڑفوں کا مظاہرہ اور خدا کے بندوں پر اپنی خدائی کا سکہ جمانے کے لئے جس مال و دولت کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتے ہیں، بندۂ مومن اسے راہِ خدا میں خرچ کرکے اس کے بالکل برعکس فروتنی وخاکساری کے جذبات کو پروان چڑھاتا اور بندگانِ خدا کے لئے اس کا وجود سر تا پا رحمت بن جاتا ہے۔ اندرون کی کثافتوں اور باطن کی آلائشوں سے اگر یہ بندۂ خدا پاک وصاف نہیں ہوگا تو پھر اور کس کے سلسلے میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

قرآن نے زکوٰۃ وصدقات کی اس روحانی اور معنوی برکت کا تذکرہ بھی نمایاں طور پر کیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۔

تم ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو۔ جس کے ذریعہ تم انھیں پاک صاف کرو اور ان کے باطن کا میل نکالو۔ اور ان پر دعائیں بھیجو۔ (توبہ : ۱۰۳)

Marfat.com

سرتاپا اخلاص کا مظہر ہے جہاں ریا وٗ نمود کے لئے دور دور تک پر مارنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ آدمی رات و دن کا بڑا حصہ بھوک پیاس کی شدت میں بسر کرتا ہے اور اپنی جائز خواہشات کی تکمیل سے باز رہتا ہے۔ لیکن چہرے بشرے کی معمولی علامات کے سوا باقی اس کے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ بہت آسانی کے ساتھ اپنے کو روزہ دار باور کراتے ہوئے اس کی پابندیوں کو توڑ سکتا ہے۔ عام حالات میں اتنے طویل وقفہ میں اس کے لئے کھا، پی لینے اور دوسری بندشوں کو لانگ جانے کی پوری گنجائش ہوتی ہے لیکن بندۂ مومن ان نفسانی اور شہوانی خواہشات سے بہت بلند ہو کر محض خدا کی خوشنودی کے حصول کی خاطر روزے کی تمام پابندیوں کا حق ادا کرتا ہے۔ اس عبادت کا یہی امتیاز ہے جس کے پیش نظر بارگاہِ ایزدی سے اعلان ہوتا ہے دیگر تمام طاعات وعبادات سے الگ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں بطور خاص ہی اس کا بدلہ دوں گا:

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر امثالها الى سبع مائة ضعف قال الله عز وجل الا الصوم فانه لي وانا اجزي به يدع شهوته وطعامه من اجلي [1]

انسان کے ہر عمل میں بھلائی کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوائے روزے کے۔ اس لئے کہ وہ (خاص) میرے لئے ہے۔ اور میں (خاص طور پر ہی) اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ میری خاطر اپنی جنسی خواہش اور کھانے پینے کو بالکل تج دیتا ہے۔

لیکن اسلام میں روحانیت کی مظہر یہ عظیم ترین عبادت بھی دنیا اور دنیا کے مسائل سے بالکل غیر متعلق نہیں۔ زبان زد عوام وخواص ہے کہ جس گروہ اور جس طبقے کو دو بیماریاں لگ جائیں دنیا میں کوئی چیز اسے ہلاکت وبربادی کے منہ میں جانے سے بچا نہیں سکتی۔ بطن و فرج۔ یعنی غذا کی انسانی ضرورت میں بیجا تکلفات وتنوعات اور جنسی خواہش کی تکمیل میں حدّ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ کتاب الصیام، باب فضل الصیام، صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الصوم باب فضل الصوم۔

اعتدال سے تجاوز۔ روزہ انسانی سماج کو ان دونوں ہی مہلک بیماریوں سے نجات دلانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جہاں تک غذا کی خواہش کو کم کرنے کا سوال ہے تو اس کے سلسلے میں تو اس کی تاثیر اظہر من الشمس ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ انسان کی جنسی خواہش کو حدِ اعتدال میں رکھنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ روزہ کی حالت میں دن کے چوبیس گھنٹے کے لمبے وقفے میں اپنی اس جائز خواہش کی تکمیل سے باز رہنے کی مشق کر کے، صرف فرض روزوں کی ادائیگی کی صورت میں بھی، سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں آدمی اس تربیت کا فائدہ اٹھاتا اور اپنی زندگی میں اس کے نمایاں اثرات محسوس کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر نفل روزوں کی بھی توفیق ہو جائے تو پھر تو اس کی اس تاثیر میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ روزہ کی بھوک پیاس سے آدمی کو جو جسمانی کمزوری ہوتی ہے اس کی یہ برکت اپنی جگہ ہے کہ اس کے ذریعہ خود بخود آدمی کی شہوانی قوت ٹوٹتی اور اس کی بدولت وہ شیطان کے حملوں کو ناکام بنانے کی بے پناہ قوت اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کے نوجوانوں کو خطاب کر کے تاکید فرمائی کہ ان میں سے جو لوگ مالی اور جسمانی لحاظ سے اس کی قوت رکھتے ہیں وہ عقدِ نکاح کر کے اپنی نگاہ اور شرم گاہ کی حفاظت کا سامان کریں اور جن کے اندر اس کی استطاعت نہ ہو وہ کثرت سے نفل روزے رکھیں اس لئے کہ یہ انسان کی شہوانی قوت کو کم کرنے اور اسے قابو میں رکھنے کا بڑا موثر ذریعہ ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ [1]	اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں جو کوئی قوت رکھتا ہو تو چاہیئے کہ شادی کرلے۔ اس لئے کہ یہ نگاہ کو بچانے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے کا سب سے بہتر اور موثر ذریعہ ہے۔ اور جو ایسا نہ کرسکے تو چاہیئے کہ (نفلی) روزے رکھے اس لئے کہ یہ چیز اس کے لئے اس کی شہوت کو توڑنے کا کام دے گی۔

[1] بخاری جلد ۲، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، مسلم جلد ۱ کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت الیہ نفسہ ووجد مؤنۃ الخ

Marfat.com

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی معاشی اہمیت کا پہلو بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ اپنی ان روحانی اور معنوی برکتوں کے ساتھ وہ سماج کے ناداروں اور کمزوروں کے معاشی مسئلہ کا بہترین حل بھی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انھیں دیگر ارکانِ اسلام کی تعلیم کی تاکید کے ساتھ زکوٰۃ کی تعلیم میں اس کے اسی پہلو کو نمایاں کیا :

فَاِنْ ھم اطاعوا لذٰلك فاعلمهم ان اللّٰه قد افترض عليهم صدقة فی اموالهم توخذ من اغنيائهم و ترد فی فقرائهم [1]

سو اگر وہ تمہاری اس سے پہلی بات مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور ان کے غریبوں میں لوٹائی جائے گی۔

روزہ

اسلام کی عباداتِ چہارگانہ میں روزہ کے اندر امتیاز کے بعض وہ پہلو ہیں جس نے اسے خاص طور پر حق تعالیٰ کی نگاہوں میں محبوب بنا دیا ہے۔ نماز کے سلسلے میں آدمی اگر سنن و نوافل کا گھر میں اہتمام بھی کرے تو فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کے لئے پنج وقتہ مسجد کی حاضری ضروری ہے۔ یہ چیز لوگوں کے مشاہدہ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتی، جس سے متعلق شخص کے اندر ریاؤ نمود کے خدشے کے سر اٹھا لینے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صدقہ و زکوٰۃ بھی آدمی کتنا ہی چھپ چھپا کر دے، لوگوں کے علم میں یہ چیز کسی نہ کسی طرح آ ہی جاتی ہے۔ اس صورت میں بھی آدمی کے اندر یہ شرکِ خفی [2] در آنے کا موقع نکال سکتا ہے۔ جہاں تک حج کا سوال ہے تو وہ تو سرتاپا اظہار ہے ہی۔ جس کے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ روزہ ان عباداتِ سہ گانہ کے برعکس

---

[1] بخاری جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ۔ مسلم جلد ۱ کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشہادتین وشرائع الاسلام۔ [2] حدیث کے اندر ریا و نمود کو شرکِ خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ احمد و بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الآداب، باب الریاء والسمعۃ

Marfat.com

حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کی شرح میں اسی چیز کو روزے کا اصل مقصود قرار دیا ہے:

وفیہ اشارۃ الی ان المطلوب من الصوم فی الاصل کسر الشھوۃ۔ — اس میں اشارہ ہے کہ روزہ کا اصل مقصود و مطلوب شہوانی قوت کو توڑنا ہے۔ [1]

علاوہ ازیں روزہ کے اندر آدمی بھوک پیاس کی شدت کو برداشت کر کے اپنے اندر کارزارِ حیات میں شدائد و محن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اس کی بدولت وہ زندگی کے اندر بڑی سے بڑی تکلیف کو برداشت اور ناموافق سے ناموافق حالات کو سہنے اور جھیلنے کی قوت پیدا کر لیتا ہے۔ دین و دنیا ہر ایک کے نقطۂ نظر سے انسان کے لئے اس قوت و صلاحیت کی جو قدر و قیمت ہے اس کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ جس شخص کے اندر ناموافق حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، دین کے تقاضے اپنی جگہ، دنیا کے اندر بھی اس سے کسی قابلِ ذکر کارنامے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ مزید براں روزے کی بھوک پیاس کے ذریعہ بندۂ مومن دوسرے بندگانِ خدا کے بھوک پیاس کے مسئلے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اپنی اس 'آپ بیتی' کی روشنی میں وہ 'جگ بیتی' کا اندازہ جس بہتر اور محسوس طریقے پر کر سکتا ہے، دوسری صورت میں یہ چیز کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کے دکھ درد کو وہ اپنا دکھ درد اور ان کے مسائل اور پریشانیوں کو اپنا مسئلہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے مہینے کو 'صبر' اور ہمدردی و غمخواری (مواساۃ) کا مہینہ قرار دیا ہے:

ھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنۃ وشھر المواساۃ۔ — یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے۔ [2]

خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب اسلام کے مخصوص شعائر اور اس کی اصطلاحی عبادات کے اندر ان کی اخروی اور روحانی برکتوں کے ساتھ آدمی کی بھلائی اور انسان کی مادی زندگی کے لئے اس قدر خیر و برکت کا سامان موجود ہے تو اس کے نظامِ زندگی کے دیگر اجزاء کے اندر یہ چیز کس قدر ملحوظ نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس کی کسی قدر تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور آگے آ رہی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اسلام کے اس آئینے کو دیکھنے کے بعد بھی کسی شخص کے لئے کہنا روا ہو گا کہ مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] فتح الباری: ۹/۸۶۔ [2] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۱، کتاب الصوم، فصل ثالث۔

Marfat.com

قرآنی دعائیں

اگر خدا تعالیٰ کے قائم کردہ شعائر اور اس کے حضور خضوع وتذلل کی مظہر عباداتِ چہارگانہ کے بغیر مذہب اسلام کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا، تو اس بارگاہِ عالی میں دعا و مناجات اور اپنی حاجت براری کی درخواست وہ چیز ہے جس کے بغیر حق تعالیٰ کی عبودیت و بندگی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں دعار کو عبادت کا مغز اور اس کا جوہر قرار دیا گیا ہے۔ الدعاء مخ العبادة[1]۔ دوسری حدیث میں اس دعار ہی کو نفسِ عبادتُ الدّعاء ھو العبادة[2]، سے تعبیر کیا گیا ہے۔ استدلال میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ کا حوالہ دیا جس میں حق تعالیٰ نے بندوں سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، آخر میں جو لوگ اپنے کبر وغرور کی وجہ سے اس سے اعراض کریں انھیں نفسِ عبادت سے مکرنے والا قرار دے کر انھیں جہنم میں داخل ہونے کی وعید سنائی گئی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ[2] (مومن : ۶۰)	اور تیرے رب نے کہا کہ مجھے دعا میں پکارو، میں تمہاری پکار کو سنوں گا۔ ضرور جو لوگ میری عبادت (بندگی) سے منہ پھیرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے رسوا ہو کر۔

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب ماجاء فی فضل الدعار۔ قال الترمذی ہٰذا حدیث غریب۔

[2] ترمذی، حوالہ سابق۔ روایت نعمان بن بشیرؓ۔ قال الترمذی ہٰذا حدیث حسن صحیح۔ ایضاً رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح جلد ۱، کتاب الدعوات، فصل ثانی۔

Marfat.com

لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کو جس دعا کی تلقین کرتا ہے اس کا تعلق محض خدا اور بندے کے معاملات، سے نہیں ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ جہنم کے عذاب سے نجات اور دوسری دنیا کی نعمتوں کی طلب کا اظہار ہو۔ دعا کے اس اولین اور اہم ترین پہلو کے ساتھ قرآنی دعاؤں کے مطالعہ سے اس سے وہ بعض گوشے بھی سامنے آتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تلقین کرنے والے مذہب اسلام کا دائرۂ عمل کن وسعتوں کا حامل ہے اور اس کا نقشہ زندگی کی کن وسیع جہتوں کو محیط ہے۔ تذلل وزاری کے وہ قیمتی ترین لمحات جن میں بندہ خدا کے حضور اپنی سپردگی اور خود حوالگی کا آخری مظاہرہ کرتا ہے اور نفس وشیطان کے تمام حجابات کو ہٹا کر حق تعالیٰ سے راز ونیاز میں مصروف ہوتا ہے۔ اپنی شبانہ روز زندگی کے ان قیمتی لمحات میں وہ اپنے رب کے حضور اپنی جن آرزوں اور تمناؤں کا ذکر کرتا ہے اور جن کے حصول کے لئے وہ رحمتِ ایزدی کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں سعی بلیغ سے کام لیا جائے، سوچا نہیں جا سکتا کہ اس خدائے بزرگ وبرتر کے عطا کردہ نظامِ زندگی کا کوئی نقشہ اور کوئی خاکہ راز ونیاز کے ان مضامین کے بغیر مکمل ہو سکے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی میں حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے بندوں کا پسندیدہ رویہ کیا ہے۔ وہ ان کے نہاں خانۂ دل کو کن احساسات وجذبات سے معمور دیکھنا چاہتا ہے۔ جس کے نتیجے ہی میں ان کے اندر وہ مطلوبہ سرگرمی پیدا ہو سکتی ہے جو خدا تعالیٰ کو خوش کر سکے اور جس کے بعد کہا جا سکے کہ انسان کے اوپر رب کی عبودیت وبندگی کا جو حق عائد ہوتا تھا وہ ادا کیا جا سکا اور زندگی میں بندوں سے حق تعالیٰ کا جو مطالبہ تھا اسے پورا کر دکھایا گیا۔

فتح ونصرت کی دعا

سورۂ بقرہ کی آخری آیات جس کے غیر معمولی فضائل حدیث میں آئے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص اس سورہ کی آخری دو آیات کو دل کی پوری بیداری اور استحضار کے ساتھ) رات میں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے بہت کچھ کافی ہیں[1]"۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۴۰۔

Marfat.com

دوسری حدیث میں آپ نے انہی آیات کے سلسلے میں فرمایا کہ "انھیں مجھے (بطور خاص) عرشِ الٰہی کے نیچے کے ایک خزانے سے دیا گیا ہے[1]"، اس سورہ کی آخری آیت اہلِ ایمان بندوں کی زبانی اس وجد انگیز دعار پر مشتمل ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ (۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں۔ اور ہم پر کوئی بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے اسے ڈالا ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم پر وہ بار نہ ڈال جسے ہم نہ اٹھا سکیں۔ اور ہم سے درگزر کر اور ہماری بخشش کر۔ اور ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہماری بگڑی بنانے والا ہے۔ سو تو کافروں پر ہمیں غلبہ و نصرت عطا فرما۔

اس دعار میں بندوں کی زبانی اپنی کوتاہیوں کی معافی اور حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت وغیرہ کی جو طلب پائی جاتی ہے، اس سلسلے میں آخری تمنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اس کا انکار کرنے والوں یا اس کی ذات و صفات میں بے اعتدالیوں کے شکار گروہوں پر بہمہ وجوہ غلبہ و نصرت عطا فرمائے۔ اس ٹکڑے کی تفسیر میں علامہ رشید رضا مصریؒ نے بہت اچھی بات کہی ہے:

(فانصرنا على القوم الكفرين) الذين اتخذوا من دونك اولياء، وجهلوا سنتك في انفسهم وفي سائر الاشياء فاعرضوا عما مددت لهم من الاسباب وجعلوا الملائكة والنبيين ومن دونهم من الارباب

'فانصرنا علی القوم الکفرین' ہم کو فتح و نصرت عطا فرما کافروں پر، یعنی ان لوگوں پر جنھوں نے تجھے چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں۔ اور جو ناواقف ہیں تیری ان سنّتوں (طریقوں) سے جو جاری ہیں ان کی ذات میں اور دوسری تمام چیزوں کے سلسلے میں۔ تو تو نے انھیں جو اسباب و وسائل پھیلا کر

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۴۱۔

Marfat.com

والذين حجبتهم سنتك الكونيه عن الايمان بالالوهية والربوبية انصرنا على الجاحدين والمرتابين منهم بالحجة والبرهان وعلى المعتدين بالسيف والسنان، وغير ذلك من اسباب حماية الحق حتى تختلف باختلاف الزمان [1]

دیئے اس کی وجہ سے انھوں نے (تجھ سے) منہ موڑا۔ اور فرشتوں اور نبیوں اور حجر سے بھی کم مرتبہ تھے انھیں رب ٹھہرالیا۔ اور وہ جو کائنات میں جاری تیری سنتوں کو دیکھنے کے باوجود خداپرستی و رب شناسی سے قاصر رہے۔ تو ہمیں غلبہ و نصرت عطا فرما ان پر جو ان میں منکر اور شک اور تردّد میں مبتلا ہیں حجت و برہان کے ذریعہ سے۔ اور جو سرکش ہیں ان پر تلوار اور تیر کمان کے ذریعہ سے۔ ساتھ ہی دوسرے ان تمام اسباب و وسائل سے جن سے حق کی حمایت ہوتی ہو اور جو حالات و زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ ایک بندۂ مومن کے اندرون میں جن کیفیات و احساسات کو موجزن ہونا چاہیئے ان میں اپنی انفرادی زندگی کی کامیابیوں، دوسرے لفظوں میں خدا اور بندے کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنے کے علاوہ، اس دین مبین کے ہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء کے لئے بھی اسے اسی طرح بے چین اور مضطرب رہنا چاہیئے اور اپنی اس آرزو کی تکمیل کی خاطر بھی خدا کے حضور بکثرت دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح اپنی کوتاہیوں پر حق تعالیٰ سے معافی اور اس کی رحمت و مغفرت کے حصول کے لئے دعا کا صرف زبانی ورد کافی نہیں۔ دین کے ناآشناؤں پر اس کے ہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء کا خواب بھی صرف زبانی دعاؤں سے شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کا صریحی تقاضا ہوگا کہ دلیل و برہان کے میدان میں اس دین قیّم کے بالمقابل دوسرے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے حیات کو بالکل نہتا اور بے زبان کر دیا جائے۔

---

[1] تفسیر المنار: ۳/۱۵۱-۱۵۲۔

Marfat.com

اور جو اس کے بعد بھی اپنی سرکشی و عناد سے باز آنے کے لئے تیار نہ ہوں ان کی قوت کو بزورِ شمشیر توڑ دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ اس دنیا میں اس دین کی تابعیت میں زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہوں اور اس نظامِ حق کے بالمقابل ان کے لئے اکڑنے اور سر اٹھا کر چلنے کا کوئی موقع نہ رہے دینِ اسلام کے ماننے والوں کا اس کے تمام مخالفین پر تلوار اور قلم ہر دو پہلو سے مکمل غلبہ و استیلا ان کے لئے جس سخت اور عظیم ترین جدوجہد کا مطالبہ کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں اس کے لازمی نتیجے کے طور پر پورے عالم پر اسلام کے بہمہ وجوہ غلبہ و استیلا کے جو ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تقاضے ہو سکتے ہیں، ان کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

وعدے کی تکمیل کی دعا

سورۂ آلِ عمران کی آخری آیات بھی قرآن کے ان مقامات میں سے ہیں جن میں اہلِ ایمان بندوں کی دعا اور بارگاہِ ایزدی سے ان کی قبولیت و استجابت کا ذکر بڑے وجد انگیز انداز میں کیا گیا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آلِ عمران کی ان آخری دس آیات سے خاص لگاؤ تھا۔ رات کے پچھلے پہر تہجد کے وقت آپ اکثر و بیشتر ان آیاتِ کریمہ کی ایک خاص کیفیت کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے[1]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ، اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ	ضرور آسمانوں اور زمین کے بنانے میں نشانیاں ہیں سمجھ والوں کے لئے۔ جو کہ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور (جب کہ وہ اپنے پہلوؤں پر) لیٹے) ہوتے ہیں۔ اور وہ غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کے بنانے میں (جس کے بعد وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بے کار پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات (اس سے)

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۳۹۔ ۴۴۴۔

Marfat.com

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ، رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ، رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔

(آل عمران : ۱۹۰ - ۱۹۴)

پاک ہے۔ سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! ضرور تو نے جسے دوزخ میں داخل کیا تو اسے رسوا کیا اور (ایسے) ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے ہمارے رب! ضرور ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو جو پکار لگا رہا تھا ایمان کی یہ کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے۔ سو اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری کوتاہیوں کا ہم سے ازالہ کر دے۔ اور ہمیں موت نیکوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب! اور ہمیں عطا کر وہ کچھ جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبانی۔ اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال۔ ضرور تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں سمجھ دار (اہل ایمان) بندوں کی دعاؤں میں، دوزخ سے نجات لغزشوں اور خطاؤں پر معافی وغیرہ کے علاوہ، آخری دعا رسولوں کی زبانی حق تعالیٰ کے کئے گئے وعدوں کی تکمیل کی مانگی گئی ہے جو اپنے اندر بڑی وسعت اور عموم رکھتی ہے۔ اس لئے کہ یہ آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے علاوہ دنیا و آخرت کے اندر اس کے ہمہ جہتی فضل و انعام کو بھی اسی طرح حاوی ہے جیسا کہ دوسرے موقع پر فرمایا ہے:۔

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

(بقرہ : ۲۶۸)

شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا ہے اور بے حیائی و بدکاری کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی طرف سے بخشش اور انعام کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ کشادگی والا، علم والا ہے۔

دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام حکومت و اقتدار اور سیاسی قوت و شوکت کو

Marfat.com

بھی شامل ہے۔ سورۂ نور میں ایمان اور عمل صالح کی روش پر عمل پیرا اہل ایمان بندوں سے اپنے وعدے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔ (آیت: ۵۵)

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ضرور تمہیں زمین میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے تھے۔ اور ضرور ان کے لئے ان کے اس دین کو قوت و شوکت عطا کرے گا جسے کہ اس نے ان کے لئے پسند کرلیا ہے۔ اور ان کے لئے اب تک کے خوف و ہراس کو امن وچین سے بدل دے گا دریں حالیکہ وہ صرف میری بندگی (عبادت) کر رہے ہوں گے۔ میرے ساتھ کسی دوسری چیز کو ساجھی نہ ٹھہرا رہے ہوں گے۔

قرآن نے پیغمبروں کے سلسلے میں اس وعدۂ الٰہی کا ذکر بھی بار بار فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ. كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (مجادلہ: ۲۰ – ۲۱)

ہاں جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں یہی ہیں جو ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور غلبہ میرا ہوگا اور میرے رسولوں کا۔ ہاں اللہ طاقت والا بڑے غلبہ والا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ، وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (صافات: ۱۷۱ – ۱۷۳)

ہاں ہماری بات گزر چکی ہے اپنے فرستادہ بندوں (رسولوں) کے لئے۔ ضرور یہی فاتح و سربلند ہوں گے اور ضرور ہمارا لشکر ہی غالب اور بالادست ہوگا۔

ان آیاتِ کریمہ کی روشنی میں آیت زیر بحث کی تفسیر میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ اس سے مراد صرف آخرت کا ثواب نہیں بلکہ دنیا کے اندر اعدائے دین کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا بھی ہے:

Marfat.com

ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك (اور اے ہمارے رب! ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبانی)

والموعود ہو الثواب یہ وعدہ کی گئی چیز (آخرت کا) ثواب اور بدلہ ہے۔

وقیل النصرۃ علی الاعداء[1] دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس سے مراد دشمنوں پر فتح و غلبہ ہے۔

بلکہ سچ یہ ہے کہ آیت کی اسی تفسیر کو صحیح اور راجح قرار دیا جانا چاہئے:

ای اعطنا ما وعدتنا من الجزاء الحسن کالنصر فی الدنیا والنعیم فی الآخرۃ[2] یعنی ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے یعنی کہ بہترین بدلہ جیسے کہ دنیا میں فتح و نصرت اور آخرت کا انعام و اکرام۔

جیسا کہ مفسرین کے سرخیل علامہ ابن جریر طبریؒ نے کہا ہے:

فتاویل الکلام اذا ربنا اعطنا ما وعدتنا علی السن رسلك انك تعلی کلمتك کلمۃ الحق بتائیدنا علی من کفر بك وحادك وعبد غیرك وعجل لنا ذلك فانا قد علمنا انك لا تخلف میعادك[3] پس اندریں صورت کلام کی تاویل یہ ہو گی کہ اے ہمارے رب ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ کیا ہے یعنی کہ تو اپنا کلمہ حق کا کلمہ بلند کرے گا ہماری مدد اور تائید سے ان لوگوں پر جنھوں نے تیرا انکار کیا اور تجھ سے دشمنی کی اور تیرے سوا دوسروں کی بندگی کی۔ اور ہمیں تو یہ چیز بہت جلد عطا کر اس لئے کہ ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے۔

عمل سے کٹ کر صرف دعاؤں پر اکتفاء مسلمان معاشرے کے اندر دورِ اضمحلال کی پیداوار

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۲۶۰۔ [2] تفسیر المنار: ۴/۳۰۴۔
[3] جامع البیان: ۴/۱۳۳۔

Marfat.com

ہے۔ ورنہ جس وقت اسلام کے نام لیواؤں کی فکر تازہ اور ان کا اعتقاد زندہ اور شعوری تھا، ان کی یہ دعائیں غیر منقطع طور پر عمل اور جدّ وجہد سے جڑی ہوئی تھیں۔ سوچا جا سکتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنے راز و نیاز میں بھی حکومت و اقتدار اور اس کے مطلوبہ تقاضوں کو فراموش نہ کر سکیں، ان کے مذہب کو معاملاتِ دنیا سے کاٹ کر خدا اور بندے تک کیوں کر محدود کیا جا سکتا ہے ان کی ان دعاؤں کا تو تقاضا ہے کہ وہ خدا کا نام لیکر اٹھیں اور تا دم آخر اس کے کلمہ کی بلندی کے لیے سرگرم کار رہیں۔ یہاں تک کہ نظام باطل اور اس کے حمایتیوں اور سرپرستوں کے لئے کوئی جائے امان نہ رہے۔ دنیا کے اندر اگر انھیں رہنا ہے تو دین حق کے زیر نگیں ہو کر رہیں۔ خدا کی سرزمین میں اس سے بغاوت اور سرکشی کی راہ اپنا کر ان کے آزادانہ پھرنے اور سر اٹھا کر چلنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔

حکومت و اقتدار کی دعا

مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں پر وہاں کے کافروں اور مشرکوں کی طرف سے مصائب و آلام کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ انسانی تاریخ کا انتہائی کرب ناک باب ہے۔ یہ مظالم جب اپنی انتہا کو پہنچ گئے تو مشیتِ ایزدی کا فیصلہ ہوا کہ اسلام کے نام لیواؤں کو اب اس دیار کو خیر باد کہہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ مسلمان آہستہ آہستہ مکہ کو چھوڑ کر مدینے میں پناہ لینے لگے۔ اور آخر وہ وقت بھی آیا جب کہ ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارۂ غیبی ملا کہ اب آپ کو بھی مکہ چھوڑ کر مدینے منتقل ہو جانا چاہیئے۔ مکہ میں پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے ماننے والے مظلومیت و مقہوریت کی جو زندگی بسر کر رہے تھے، اسے دیکھتے ہوئے، بظاہر حالات، دور دور تک یہ خیال نہ جاتا تھا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا جب کہ مصائب کے یہ بادل چھٹیں گے اور محکومیت و مغلوبیت کے دور سے نکل کر اسلام کا بول بالا ہو گا اور دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کی راہیں ہموار ہوں گی۔ انہی حالات میں سورۂ اسراء کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مکہ کے ان سخت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ، خاص طور پر، نماز تہجد کی تاکید کی گئی۔ اس خوش خبری

Marfat.com

کے ساتھ کہ بہت جلد آپؐ کی اس مظلومیت کا دور ختم ہونے والا ہے اور آخرت کے علاوہ دنیا کے اندر بھی آپؐ عزت وسربلندی کا وہ مقام ملے گا جو آپ ہی کا حصہ ہوگا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ، اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ، وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۔ (آیات : ۷۸ - ۷۹)

نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی پھیلنے تک اور فجر میں (خاص طور پر) قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ ضرور فجر کا قرآن پڑھنے میں حاضری ہوتی ہے۔ اور رات میں تہجد پڑھو یہ تمہارے لئے نفل ہے۔ ضرور امید ہے کہ تمہارا رب تم کو اٹھائے گا تعریف کے مقام پر۔

اس کے ساتھ ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے کی باعزت زندگی کی بشارت کے پہلو بہ پہلو زمین کے اندر غلبہ و اقتدار اور قوتِ قاہرہ کی دعا کی تلقین ہوئی، جس کے ذریعہ دنیا کے اندر بہمہ وجوہ اسلام اور اسلامی نظام زندگی کا غلبہ و نفاذ عمل میں آسکے۔ دشمنانِ دین کی قوت وشوکت اس طرح ٹوٹ جائے کہ اسلام کے بالمقابل ان کے لئے سر اٹھانے کا موقع نہ رہے۔ اسلام کے صحیفۂ ابدی میں شامل کرکے اللہ تعالیٰ نے پیروان نبیؐ کی زبان پر بھی قیامت تک کے لئے اس دعا کو جاری کرکے اس کی مطلوبیت ومقصودیت کا پروانہ عطا کر دیا:

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا (آیت : ۸۰)

اور کہہ کہ اے رب مجھے پہنچا عزت کی جگہ اور مجھے نکال عزت کے ساتھ۔ اور تو اپنی طرف سے میرے لئے ایک مددگار قوت ٹھہرا۔

آیت پاک میں "سلطانا نصیرا" کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں:

(واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا) قوة تنصرنی بها علی اعدائك [1]

(اور تو اپنی طرف سے میرے لئے ایک مددگار قوت ٹھہرا) یعنی وہ قوت جس کے ذریعہ تو مجھے اپنے دشمنوں پر غلبہ ونصرت عطا کر۔

---

[1] تفسیر الجلالین/ ۳۷۵۔

Marfat.com

بعض مفسرین نے اس سے " دلیل و برہان کی قوت" مراد لی ہے[1]۔ لیکن حسن بصریؒ اور مفسر قتادہؒ کی رائے "حکومت و اقتدار" ہی کے حق میں ہے:

(واجعل لی من لدنك سلطانا نصيرا) قال الحسن البصری فی تفسیرها وعده ربه لینزعن ملك فارس وعز فارس ولیجعلنه له، وملك الروم وعز الروم، وقال قتادة فیها ان نبی الله صلی الله علیه وسلم علم ان لا طاقة بهذا الامر الا بسلطان فسأل سلطانا نصیرا لكتاب الله، ولحدود الله، ولفرائض الله، ولاقامة دین الله، فان السلطان رحمة من الله جعله بین اظهر عباده ولولا ذلك

(واجعل لی من لدنك سلطانا نصيرا)، اور تو میرے لئے اپنی طرف سے ایک مددگار قوت ٹھہرا، حسن بصری نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ان سے (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے) ان کے رب نے وعدہ کیا کہ ضرور وہ فارس کی حکومت اور فارس کے شوکت و دبدبہ کو ختم کر دے گا اور اس چیز کو ان کے لئے قرار دے گا۔ اسی طرح روم کی حکومت اور روم کے شوکت و دبدبہ کو ختم کر کے ان کے لئے قرار دے گا۔ اور قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس معاملہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اقتدار کی قوت کے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایک مددگار اقتدار کی دعا کی جس کے ذریعہ اللہ کی کتاب، اللہ کے حدود، اللہ کے فرائض یہاں تک کہ اللہ کے (پورے) دین کی اقامت کا حق ادا کیا جائے۔ اس لئے کہ اقتدار اور قوت اللہ تعالیٰ کی ایک (بڑی) رحمت ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے بیچ رکھا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۹ ۔

Marfat.com

لاغار بعضهم علی بعض فاکل شدیدهم ضعیفهم۔ ؎	تو ان میں سے ایک دوسرے پر دھاوا بولتا رہتا۔ اور ان میں سے جو طاقت ور ہوتا اپنے سے کمزور کو لقمۂ تر بنا لیتا۔

علامہ ابن جریرؒ نے حسن اور قتادہ کی اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی ترجیح کے قائل ہیں۔ جس کی مزید تائید میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

واختار ابن جریر قول الحسن وقتادة وهو الارجح لانه لا بد مع الحق من قهر لمن عاداه وناواه ولهذا يقول تعالیٰ لقد ارسلنا رسلنا بالبينات، الیٰ قوله، وانزلنا الحديد) الاية وفی الحديث: ان الله ليزع بالسلطان مالا يزع بالقرآن" ای ليمنع بالسلطان عن ارتكاب الفواحش والآثام مالا يمتنع كثير من الناس بالقرآن وما فيه من الوعيد الاكيد والتهديد الشديد وهذا	ابن جریر نے حسن اور قتادہ کے قول کو پسند کیا ہے۔ اور یہی زیادہ قابل ترجیح ہے۔ اس لئے کہ حق کے لئے قوت و شوکت ایک ناگزیر چیز ہے جس کے ذریعہ اس کے دشمنوں اور مخالفوں کا قلع قمع کیا جا سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ (سورۂ حدید میں) فرماتا ہے کہ ضرور ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا واضح نشانیاں دے کر۔ تا' اور ہم نے لوہا اتارا' الخ، اسی طرح حدیث میں ہے کہ "ضرور اللہ تعالیٰ اقتدار کے ذریعہ ان چیزوں کا سدِّباب کرتا ہے جن کا کہ وہ قرآن کے ذریعہ سدباب نہیں کرتا یعنی کہ اقتدار کے ذریعہ گناہوں اور بدکاریوں کے ارتکاب کی رکاوٹ کا وہ سامان کرتا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کے ذریعہ ان سے اتنا نہ رک سکیں۔ اسی طرح اقتدار کے اندر لوگوں کو ڈرانے اور ان کی دھمکی کا کھلی کڑا اور موثر سامان ہوتا

؎ حوالۂ سابق۔

Marfat.com

ھو الواقع۔ [1] ہے۔سورۂ واقعہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن میں سورۂ بقرہ و آلِ عمران اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کی امامتِ عالم سے معزولی اور امتِ مسلمہ کی اس منصب پر بحالی کی سورتیں ہیں۔ اسی پس منظر میں اس امت کو زندگی کے مختلف دائروں سے متعلق تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں اس انعامِ عظیم پر امت کو حق تعالیٰ کا شکر گزار ہونے کی تلقین، آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دعا کے انداز میں ہوئی۔ زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ ایسے مواقع پر جملہ خبریہ، انشائیہ سے زیادہ بلیغ اور صیغۂ مضارع میں کہی گئی بات امر کے مقابلے میں کہیں زور و قوت کی حامل ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا:

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (آیت: ۲۶)	کہو کہ اے اللہ! حکومت و اقتدار کے (اصل) مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جسے چاہے حکومت سے بے دخل کر دے۔ اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی (کی کنجی) ہے۔ ہاں تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

آیت کریمہ میں اس امت کے حق میں عزت و اقتدار کی بحالی کا آخری نبیؐ کی دعوتِ مستجاب میں جو ذکر ہے، روحانیت و مادیت کے دونوں پہلو اس میں شامل ہیں۔ نبوت اور روحانی و مذہبی پیشوائی کی بنی اسرائیل سے اس امت کی طرف منتقلی اور اس پس منظر میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امتیازات حاصل ہوئے، جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ تھے، اس کے ساتھ ہی اس اقتدار کی منتقلی میں اللہ تعالیٰ کا یہ انعام بھی شامل تھا کہ اس نے آپؐ کی امت کو اقصائے عالم میں پھیلا دیا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت اور تکمیلی ضابطۂ حیات کو دنیا کے دوسرے تمام مذاہب و ادیان اور نظامہائے زندگی پر غالب و نافذ قرار دیا

---

[1] حوالۂ سابق۔

Marfat.com

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے مضمرات پر گفتگو کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے:

وفی ھٰذہ الاٰیۃ تنبیہ وارشاد الیٰ شکر نعمۃ اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وھٰذہ الامۃ، لان اللہ تعالیٰ حول النبوۃ من بنی اسرائیل الیٰ النبی العربی القرشی الامی المکی خاتم الانبیاء علی الاطلاق، ورسول اللہ الیٰ جمیع الثقلین، الانس والجن الذی جمع اللہ فیہ محاسن من کان قبلہ وخصہ بخصائص لم یعطھا نبیا من الانبیاء ولا رسولا من الرسل فی العلم باللہ وشریعتہ واطلاعہ علی الغیوب الماضیہ والاٰتیہ وکشفہ لہ عن حقائق الاٰخرۃ و نشر امتہ فی الاٰفاق فی مشارق الارض ومغاربہا واظھار دینہ وشرعہ علیٰ سائر الادیان والشرائع، فصلوٰت اللہ وسلامہ علیہ دائما الیٰ یوم الدین

اس آیت کے اندر فہمائش اور رہنمائی ہے کہ اس احسان کا شکر ادا کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس امت پر کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو بنی اسرائیل سے نکال کر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک منتقل کیا جو قریشی، امی، مکہ کے رہنے والے، علی الاطلاق پورے سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی اور تمام انسانوں اور جنوں تک اللہ کے رسول تھے۔ جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے سے پہلے تمام (نبیوں) کی خوبیاں جمع کر دی تھیں نیز آپ کو ان خصوصیات سے آراستہ کیا جنھیں کسی دوسرے نبی یا رسول کو عطا نہیں کیا۔ یہ خصوصیات ہیں اللہ اور اس کی شریعت کے متعلق آپ کو (بڑھا ہوا) علم عطا کیا جانا، آپ کو گزری ہوئی اور آئندہ ہونے والی غیب کی باتوں سے واقف کرنا۔ نیز آپ کے لئے آخرت کے حقائق کو اللہ تعالیٰ کا کھولنا اور آپ کی امت کو پوری دنیا میں مشرق کے ایک کونے سے لیکر مغرب کے دوسرے کونے تک پھیلانا، اور آپ کے دین و شریعت کو دوسرے تمام ادیان و شرائع پر غلبہ عطا کرنا۔ پس اللہ کے درود پر درود اور اس کا سلام ہو آپ پر ہمیشہ ہمیش قیامت تک کے لئے۔ جب تک کہ لیل و نہار کی یہ گردش

Marfat.com

ما تعاقب اللیل والنھار۔ [1] قائم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دعائیں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں اپنے قول وفعل کے ذریعہ قرآن کے اجمال کی تفصیل کی ہے۔ قرآنی دعاؤں کے اس پہلو کی وضاحت کے سلسلے میں بھی آپؐ نے اس تفصیل کا حق ادا کیا ہے۔ اسلام اور اسلامی نظامِ زندگی کا کوئی خاکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا جو اپنے اندر اسلامی اندازِ فکر اور طرزِ عمل کو انتہائی جامع انداز میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان دعاؤں میں اگر ایک طرف آپؐ عبودیت وبندگی کے آخری مقام پر نظر آتے اور حق تعالیٰ کے حضور سرتاپا عجز ونیاز دکھائی دیتے ہیں تو ساتھ ہی دنیوی مصالح بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتیں، اپنی دعاؤں میں آپ انھیں بھی اسی طرح یاد رکھتے ہیں۔ حضرت انسؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔ بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت ہے:

اللھم انی اعوذبك من الھم والحزن والعجز والکسل والبخل والجبن وضلع الدین وغلبۃ الرجال [2]	خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں غم وافسردگی سے، کاہلی اور درماندگی سے، بخل اور بزدلی سے، قرض کے بوجھ سے اور اغیار کے غلبہ وتسلط سے۔

اس دعا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرتاپا اپنی عجز وفروتنی کا اظہار کرتے ہوئے جن بہت سی چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ان میں آخری بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ دوسرے انسانوں کے غلبہ وتسلط سے پناہ میں رکھے۔ جس کے نتیجے میں آدمی دنیا کے اندر مظلومیت ومقہوریت کی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہو۔ اس کا اپنا ارادہ واختیار اس سے چھن جائے اور

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۵۶ [2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب التعوذ من غلبۃ الرجال
مسلم جلد ۲ کتاب الذکر والدعاء باب الدعوات والتعوذ، ترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات، باب بلا ترجمہ ص ۱۸۹

Marfat.com

وہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے کے لئے بے بس ہو۔ اس صورت میں تو خود اس کی جان و مال اور عزت آبرو کی ضمانت چھن جاتی ہے۔ اس کا کہاں موقع باقی رہتا ہے کہ وہ اپنے پسند کردہ نظام حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کا تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری انتہائی جامع دعا کے ابتدائی فقرے ہیں:

رب اعنی و لا تعن علیّ وانصرنی و لا تنصر علی وامکر لی ولا تمکر علی واھدنی ... وانصرنی علی من بغی علیّ۔ [1]	پروردگار! میری مدد کر، میرے خلاف مدد نہ کر، مجھے فتح و نصرت عطا کر، میرے خلاف فتح و نصرت عطا نہ کر، میرے لئے تدبیر کر، میرے خلاف تدبیر نہ کر، اور مجھے غلبہ و نصرت عطا کر اس کے بالمقابل جو میرے خلاف سر اٹھائے۔

اس وجد انگیز دعا کا آغاز بھی آپؐ نے اعدائے دین کے مقابلے میں اپنی فتح و نصرت کی درخواست سے کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے اندر عبدیت و بندگی کی اعلیٰ ترین مظہر حضور پاکؐ کی ذاتِ بابرکات کے سامنے مطلوبہ دینی زندگی کا جو نقشہ تھا اور جس کی تکمیل اور آبیاری کے لئے آپؐ اپنے مولیٰ کے حضور اکثر و بیشتر دست بدعا ہوتے تھے، اس کا تعلق اخلاقِ ذمیمہ سے نجات، اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کی معافی وغیرہ جیسے انفرادی زندگی سے تعلق رکھنے والے امور و معاملات ہی سے نہ تھا، بلکہ ساتھ ہی آپؐ دنیا کے اندر اپنی اور اپنی امت کی عزت و سربلندی کے لئے بھی اسی طرح فکر مند رہتے تھے، اور بارگاہِ ایزدی میں عجز و نیاز کے اپنے لمحات میں یہ چیز آپؐ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ تھا کہ آپؐ کے لائے ہوئے دین کو بھی دنیا کے اندر عزت و سربلندی کا مقام ملے چہار دانگِ عالم میں اسلام کا بول بالا ہو۔ اسلامی نظامِ زندگی کے سامنے دنیا کے دوسرے تمام نظامہائے حیات پست اور دبے رہیں اور اسلام کے نام لیواؤں کے سامنے ان کا علم بلند کرنے والوں کی گردن ہمیشہ نیچی رہے۔

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات، باب بلا ترجمہ ص ۱۹۴۔

دعا کے اسی طرح کے الفاظ ایک دوسری طویل دعا کے اندر بھی مذکور ہیں حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے اٹھیں اور اپنے اور اپنے صحابہ کے حق میں یہ دعا نہ کریں:

وانصرنا علیٰ من عادانا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔ ؎۱	اور ہمیں غلبہ و نصرت عطا فرما ان کے بالمقابل جو ہمارے دشمن ہوں۔ اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہم پر ذرا رحم نہ کریں۔

اس سے ہٹ کر بھی عام طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں دین و دنیا کا امتزاج موجود ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللھم اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ ؎۲	خدایا! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر، اور آخرت میں بھی بھلائی سے ہمکنار کر۔ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اسی طرح ایک دوسری وجد انگیز دعا کے الفاظ ہیں:

اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمة امری و اصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی آخرتی التی فیھا معادی۔ ؎۳	خدایا! میرے لئے میرے دین میں بہتری کا سامان کر جو کہ میرا ایک ہی سہارا ہے۔ نیز میرے لئے میری دنیا کی درستگی کا سامان جس میں کہ میری روزی ہے۔ اور میری آخرت کو بہتر بنا دے جہاں کہ مجھے پلٹ کر جانا ہے۔

؎۱ ترمذی جلد۲۔ ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب بلا ترجمہ ص ۱۸۸

؎۲ بخاری جلد۲۔ کتاب الدعوات، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم آتنا فی الدنیا حسنة۔ مسلم جلد۲۔ کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء باللھم آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة الخ

؎۳ صحیح مسلم جلد۲۔ کتاب الذکر والدعاء، باب فی الادعیہ۔

Marfat.com

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس امت کے لئے علی الاطلاق اسوہ اور نمونہ ہے۔ اور کسی امتیاز و تخصیص اور انتخاب و استثنار کے بغیر زندگی کے ہر دائرے میں آپ کی پیروی اسی طرح ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں دین کے ساتھ دنیا اور اس کے مصالح کو نظر انداز نہیں کرتے تو افراد امت کی جانب سے یہ چیز نظر انداز کئے جانے کے قابل کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اسلام کی اس ہمہ گیری و ہمہ جہتی کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب کا تعلق محض خدا اور بندے کے معاملہ سے ہے۔ یا یہ کہ یہ انسان کی پرائیویٹ زندگی تک محدود ہے۔ دنیا کے دوسرے معاملات و مسائل اور زندگی کے وسیع تر تقاضوں سے اسے کچھ سروکار نہیں ؟ ۔

Marfat.com

اہلِ ایمان کے اوصاف

مذہب اسلام کی انہی بنیادی حقائق واقدار کو اپنے اندر جذب کرنے کے بعد ایک مومن ومسلم کی زندگی کا وہ نقشہ سامنے آتا ہے جس کے امتیازی خدوخال کو قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن نے مختلف مقامات پر اور جگہ جگہ ان اوصاف وخصوصیات کی تفصیل بیان کی ہے جن سے ایک مسلمان کو لازمی طور پر متصف ہونا چاہئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو فکر وعمل کی جس شاہراہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ عام اور محدود معنوں میں خدا اور بندے، تک محدود نہ ہو کر وہ وسیع تر امور و مسائل کا احاطہ کرتا اور جملہ معاملاتِ زندگی میں ایک خاص رویہ اور ایک خاص طرز زندگی کا انھیں پابند دیکھنا چاہتا ہے۔ سورۂ فرقان میں 'رحمٰن' کے محبوب بندوں کے اوصاف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس کے اندر صرف یہی نہیں کہ وہ 'توحید' پر عامل، ان کی راتیں یادِ الٰہی میں بسر ہوتی اور وہ اپنی زندگی میں سرتاپا تواضع وخاکساری کا پیکر ہوتے ہیں، بلکہ انفرادی زندگی کی ان خصوصیات کے علاوہ قرآن اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے ان کے یہ اوصاف بھی بیان کرتا ہے کہ وہ اپنی معاشی زندگی میں خاص اصولوں کے پابند ہوتے، انسانی جان کا احترام کرتے اور جھوٹی گواہی کے پاس نہیں پھٹکتے ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں چلتے ہیں نرم چال اور جب جاہل ان کے منہ لگیں تو سلام کہہ کر بات ختم کر لیتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کے لئے رات گزارتے ہیں سجدے کرتے اور کھڑے ہو کر۔ اور جو عرض گزار ہوتے ہیں کہ ہمارے رب! ہم سے

Marfat.com

وَّقِيَامًا، وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ
جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ
غَرَامًا، إِنَّهَا سَاءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا، وَالَّذِينَ
إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا
وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ
ذَٰلِكَ قَوَامًا، وَالَّذِينَ
لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ
وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي
حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ
أَثَامًا، يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ
مُهَانًا.....وَالَّذِينَ
لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا
مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا،
وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ
رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا
صُمًّا وَّعُمْيَانًا، وَالَّذِينَ
يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

جہنم کے عذاب کو پھیر دے۔ ضرور اس کا عذاب سخت چمٹنے والا ہے۔ ضرور وہ بہت برا ٹھکانہ اور رہنے کی جگہ ہے۔ اور وہ کہ جب خرچ کریں تو نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی سے کام لیں بلکہ ان کا معاملہ ان دونوں کے بیچ کا ہوتا ہے۔ اور وہ کہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ اس جان کو مارتے ہیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے۔ اور جو کوئی ایسا کرے تو وہ اس گناہ کے انجام سے دوچار ہوگا۔ اس کے لئے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا۔ اور وہ اس میں ذلیل ہو کر پڑا رہے گا..... اور وہ کہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے[1] اور جب ان کا گزر بے فائدہ چیز سے ہوتا ہے تو وہ شریفانہ گزر جاتے ہیں۔ اور وہ کہ جب ان کو ان کے رب کی آیتوں کی یاد دہانی کرائی جائے تو وہ ان پر اندھے بہرے ہو کر گر نہیں پڑتے ہیں۔ (بلکہ ان پر غور و فکر کا حق ادا کرتے ہیں) اور وہ کہ جو عرض گزار ہوتے ہیں کہ ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے بیوی بچوں اور ہمارے خاندانوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک مرحمت فرما۔ اور (اس طرح) ہمیں پرہیزگاروں کا پیش رو بنا۔ یہی لوگ ہیں کہ انھیں بالاخانہ

---

[1] مفسر آلوسی نے آیت کی اسی تاویل کو راجح قرار دیا ہے۔ روح المعانی: ۵۱/۱۹۔

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا، اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا، (آیات : ۶۳ - ۷۶)

دیا جائے گا اس کے بدلہ کہ انھوں نے دنیا میں) صبر سے کام لیا۔ اور یہاں ان پر ہر طرف سے تہنیت و تبریک کی بارش ہوگی۔ یہ اس جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی بہتر ہے یہ ٹھکانہ اور یہ رہنے کی جگہ۔

آمدنی کے ساتھ، خرچ میں اعتدال اور میانہ روی، انسان کی معاشی زندگی کی کامیابی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے:

من فقه الرجل رفقه فی معیشته۔ [1] (آدمی کی سمجھ داری کی علامت ہے کہ وہ اپنی معیشت میں حزم واحتیاط سے کام لے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے:

ما عال من اقتصد۔ [2] وہ شخص بدحال نہیں ہو سکتا جو مالیات میں میانہ روی اختیار کرے۔

ان آیات کریمہ میں اہلِ ایمان بندوں کا ایک نمایاں وصف یہی بتایا گیا ہے کہ "وہ نہ توحد درجہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں، نہ حد کو پھاندتے ہوئے اپنا ہاتھ بالکل کھلا چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ اپنی مالی زندگی میں ان کا رویہ ان دو انتہاؤں کے بیچ اعتدال اور میانہ روی کا ہوتا ہے"۔ اسی طرح ان لوگوں کا "جھوٹی گواہی کے پاس نہ پھٹکنا" دیوانی قانون کی اہم ترین دفعہ ہے، یہ لوگ "انسانی جان کا احترام کرتے ہیں" جو دنیا کے کسی بھی فوجداری نظام میں سرفہرست ہے۔ ظاہر ہے رحمٰن کے بندوں کے ان اوصاف کو انفرادی زندگی کے دائرے تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا تعلق لازمی طور پر زندگی کے وسیع تر معاملات سے ہے۔

سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات میں بھی ہمیں اہل ایمان گروہ کے اوصاف کا یہی

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ۵ / ۱۹۴ - روایت حضرت ابوالدرداءؓ۔

[2] مسند احمد: ۱ / ۴۴۷۔ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

Marfat.com

وسیع دائرہ دیکھنے کو ملتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ، وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ، الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ، (آیات: ۱ - ۱۱)

ضرور کامیاب ہوئے وہ اہلِ ایمان جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اور جو بے فائدہ چیز سے بے تعلق رہتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ کا اہتمام رکھتے ہیں[1] اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان کے جو ان کے ہاتھ کی ملک (باندیاں) ہیں۔ تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں جو اس سے آگے کا طلبگار ہو تو یہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمان کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی غیر معمولی طور پر نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ یہی ہیں جو وارث ہونے والے ہیں۔ یہ فردوس کے وارث ہوں گے جس میں ان کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

آیاتِ بالا میں اہلِ ایمان بندوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اور جس کے نتیجے میں انھیں آخرت میں جنت الفردوس کی ہمیشہ کی زندگی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس میں صرف یہی باتیں نہیں ہیں کہ وہ اپنی نمازوں کا پوری طرح اہتمام کرتے، انھیں ان کے پورے آداب و شرائط کے ساتھ بجالاتے اور ان میں اپنے ظاہر و باطن کے جھکاؤ کا بھرپور لحاظ رکھتے

---

[1] کچھ لوگوں نے اس کے معنیٰ پاکیزگی اختیار کرنے کے بھی لئے ہیں۔ لیکن مفسرین کی اکثریت اس کی وہی تفسیر کرتی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی جبکہ یہ آیت مکی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ میں زکوٰۃ کے نصاب اور اس کی مقدار وغیرہ کا تعین ہوا۔ نفسِ زکوٰۃ مکہ ہی میں واجب تھی۔ اس کی تائید میں قرآن کی دوسری آیتیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو، ابن کثیر: ۲۳۸/۳، ۲۳۹۔

Marfat.com

ہیں، اور لغو باتوں اور لغو کاموں سے آخری حد تک دامن کش رہتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی ان کی یہ خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں، جس سے دنیا میں کمزور بندگانِ خدا کی حاجت روائی کا سامان ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں عفت وعصمت کا پیکر ہوتے ہیں۔ اور ان کی جنسی زندگی ایک خاص دائرے کی پابند ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی امانت وتولیت میں جو چیز اور جو کام بھی آتا ہے وہ اس کی پوری پوری حفاظت کرتے اور اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی پوری زندگی میں جس کسی سے جس نوعیت اور حیثیت کا بھی عہد وپیمان کرتے ہیں۔ اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں[1]۔

ظاہر ہے جنت الفردوس کے مستحق اہل ایمان بندوں کے یہ وہ اوصاف وخصوصیات ہیں، جن کا تعلق زندگی کے وسیع تر معاملات سے ہے۔ اور ان پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف یہ کہ وہ اپنی آخرت کو سنوارتے ہیں، بلکہ اس سے دنیا کی زندگی بھی امن وچین کا گہوارہ بنتی اور اس کے پیچیدہ مسائل کے حل کی انتہائی مضبوط ضمانتیں فراہم ہوتی ہیں۔

دوسرے مقامات پر بھی قرآن مومن بندوں کے اوصاف وخصوصیات کا تذکرہ اسی انداز میں کرتا ہے۔ سورۂ معارج میں نمازی انسانوں کے اوصاف میں فرمایا:

إِلَّا الْمُصَلِّينَ، الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ، وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ، لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ، وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ	سوائے ان نمازیوں کے، جو اپنی نماز پر پابندی اختیار کرنے والے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں متعین حق ہے مانگنے والے اور نادار کے لئے۔ اور وہ جو بدلہ کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں، ضرور ان

---

[1] اس آیت کی تفسیر میں صاحب کشاف نے کہا ہے: ویحتمل العموم فی کل ما ائتمنوا علیہ وعوھدوا من جھۃ اللہ تعالیٰ ومن جھۃ الخلق۔ (اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ عام ہو ان تمام چیزوں کے لئے جن کا کہ انھیں امین بنایا گیا، یا ان سے عہد لیا گیا، اللہ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے)، الکشاف: ۹۱۸/۲ ۔ ہم نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ، اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ، اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔ (آیات: ۲۵-۳۵)

کے رب کا عذاب بے فکر رہنے کی چیز نہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان کے جو ان کے ہاتھ کی ملک (باندیاں) ہیں۔ سو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں جو اس سے آگے کا طلبگار ہو تو یہی ہیں جو حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمان کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نماز کی غیر معمولی طور پر نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو جنتوں میں ہوں گے اور ان پر عزت و اکرام کی بارش ہوگی۔

ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے وفادار نمازی بندوں کے جن اوصاف و خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ان کی خصوصیت صرف یہی نہیں بتائی گئی ہے کہ یہ نمازوں کی پابندی کرتے اور اپنے رب کے عذاب کا ڈر رکھتے ہیں، بلکہ ساتھ ہی ان کی یہ صفات بھی بتائی گئی ہیں کہ کمزور بندگان خدا کی معاشی کفالت کا سامان کرتے ہیں، ان کے مال میں سماج کے غریب اور نادار طبقے کا مستقل حصہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی جنسی زندگی میں ایک خاص حد کے پابند ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت ملتی اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بنتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ وصف یہاں بھی نمایاں کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہر طرح کی امانتوں اور معاہدوں کی پابندی کرتے ہیں۔ مزید براں وہ معاملات میں ٹھیک ٹھیک گواہیاں دیتے اور اپنی کہی ہوئی بات پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ جب کہ یہ وہ چیز ہے جس کی بدولت سماج میں لوگوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہے بلاشبہ سوسائٹی عدل و انصاف کے اعتبار سے بالکل دیوالیہ ہو جائے اگر لوگ گواہیوں کے معاملہ میں احتیاط و دیانت کا

Marfat.com

دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں اور اپنی بات پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ نمازی بندوں کی انفرادی خصوصیات کے علاوہ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے ان کے ان اوصاف کی وسعت وہمہ گیری کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے ؟ ۔

سورۂ ذاریات میں متقی بندوں کے اوصاف کے بیان میں بھی ہمیں یہی وسعت وعموم نظر آتا ہے۔ دنیا میں اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والے یہ لوگ اپنے جن اوصاف کے نتیجے میں جنت کے ابدی انعام کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس کی تفصیل میں ان کی اس طرح کی خصوصیتوں کے ساتھ کہ حق تعالیٰ سے ان کا تعلق انتہائی مضبوط اور گہرا تھا کہ شب بیداری اور نالۂ نیم شبی ان کی زندگی کا مستقل معمول بن گیا تھا۔ رات کے سکون اور فرصت کے لمحات جس میں غافل انسان خراٹے کی نیندیں لے رہے ہوتے یا دوسرے رنگ رلیوں میں مصروف ہوتے ہیں، خوف خدا سے سرشار یہ بندے یہ وقت اپنے محبوب سے راز ونیاز میں بسر کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ان لوگوں کو جنت کا ابدی انعام صرف خدا سے اس تعلق کی بنیاد پر نہیں ملا، بلکہ خدا تعالیٰ سے ربط وتعلق کے ساتھ اس کے بندوں کے لئے فکرمندی اور ان کے حقوق کی ادائگی کے نتیجے میں وہ اس کے مستحق قرار پائے۔ چنانچہ آخر میں ان کا وصف یہ بتایا جو اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ ان کے مال میں غریبوں اور بے سہاروں کا مستقل حصہ ہوتا ہے :

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ، اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ، كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ، وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ، وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (آیات: ۱۵-۱۹)	ضرور پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں کے بیچ ہوں گے وہ شادکام ہو رہے ہوں گے اس سے جو ان کا رب انھیں عطا کرے گا۔ ضرور وہ اس سے پہلے خوب کار تھے۔ رات میں وہ بہت کم محو خواب ہوتے۔ اور بھور کے وقتوں میں اپنے لئے بخشش کے طلب گار ہوتے۔ اور ان کے مالوں میں حق ہوتا ہے مانگنے والے اور نادار کے لئے۔

کیا خدا تعالیٰ سے تعلق کے ساتھ بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی کی اس صراحت کے بعد، ان تعلیمات کے نمائندہ مذہب اسلام کے تئیں اس طرح کے کسی خیال کو حق بجانب قرار دیا جاسکتا

ہے کہ اس کا تعلق صرف خدا اور بندے کے معاملات سے ہے۔ دنیا اور اس کے امور و مسائل سے اسے کچھ سروکار نہیں؟۔

سورۂ آل عمران میں بھی اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنے والے بندوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، جس میں خدا سے پہلے بندوں کے حقوق کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ اپنے گناہوں پر شرمساری اور حق تعالیٰ سے اُن کی معافی سے پہلے ان کی یہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ خوشی اور تکلیف ہر حال میں وہ بندگان پر اپنا مال خرچ کرتے، اور اپنی پوری زندگی میں عفو و درگزر کی روش پر عمل پیرا ہوتے ہیں:

...لِلْمُتَّقِيْنَ، الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ، اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔ (آیات: ۱۳۴-۱۳۶)

ان پرہیزگاروں کے لئے، جو خرچ کرتے ہیں آرام اور تکلیف (ہر حال) میں۔ اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ (ایسے) خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ کہ جب وہ کوئی برائی کریں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو انھیں اللہ یاد آجائے سو وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کرسکتا ہے۔ اور وہ اپنے کئے پر اصرار نہ کریں۔ دریں حالیکہ انھیں (اپنے قصوروار ہونے کا) خوب پتہ ہو۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور وہ باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی خوب بدلہ ہے ایسی کارکردگی والوں کا۔

دوسرے موقع پر بھی ان متقی بندوں کے یہی اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن میں دو چیزیں 'ان کا صابر اور صادق ہونا، خاص طور پر قابل غور ہیں۔ جن کے اندر، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے، انفرادی و اجتماعی زندگی کے وسیع معاملات شامل ہیں:

Marfat.com

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّہِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ، اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔

(آل عمران : ۱۵ - ۱۷)

جو لوگ (دنیا میں اللہ سے) ڈر کر رہے ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور پاک جوڑے اور اللہ کی طرف سے خوشنودی۔ اور ایسے بندے اللہ کی نظر میں ہیں یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب! ہم ضرور ایمان لائے سو تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اسی طرح (بندگی رب پر) جمنے والے (قول و عمل کے) سچے، فرماں بردار (خدا کے لئے)، مال خرچ کرنے والے اور بھور کے وقتوں میں (اپنے گناہوں کی) معافی چاہنے والے ہوتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں اللہ سے ڈر کر رہنے والے، اپنے ایمان میں سچے اور نیکی اور بھلائی کی روش پر عمل پیرا بندوں کے اوصاف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں ایمانیات میں گہرائی اور کمزور بندگان خدا کی حاجت روائی و خبر گیری کے علاوہ دیگر خصوصیات کے ساتھ ہماری گفتگو میں ان کا ایک وصف خاص طور پر توجہ کا مستحق ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ لوگ تنگی، پریشانی بیماری، تکلیف اور مصیبت ہر حال میں صبر و استقامت کا پیکر، اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہیں۔ نیز یہ کہ میدان جنگ کے اندر بھی ان کا یہی وصف اور شعار ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کا دائرہ عمل مسجد و محراب تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ ان کا میدانِ کارمعرکہ کارزار تک بھی اسی طرح وسیع ہوتا ہے۔ یہ اپنی پوری زندگی اسلام اور اس کے مقاصد کے لئے کفن بردوش ہو کر بسر کرتے ہیں۔ خدا کا دین جب مطالبہ کرتا ہے وہ میدانِ جنگ کی طرف مردانہ وار لپکتے ہیں۔ اور وہاں بے مثال پامردی و استقامت کا مظاہرہ کر کے شجاعت و بہادری کا جوہر دکھاتے ہیں:

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ

نیکی تو ان کی ہے جو ایمان لائیں اللہ پر، آخرت

Marfat.com

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتَابِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا وَالصَّابِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ - (آیت : ۱۷۷)	کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور وہ جو مال خرچ کریں اس کی محبت کے باوجود رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر، مسافر پر اور مانگنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے میں اور وہ جو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کرنے والے جب کہ وہ عہد و پیمان باندھیں۔ اور جمنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (اللہ سے) ڈر کر رہنے والے ہیں۔

دوسرے موقع پر آخری کتاب پر ایمان رکھنے والے سمجھ دار بندوں کے بھی اسی طرح کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، جو علاوہ اور باتوں کے انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں خدا اور بندوں سے کئے گئے عہد و پیمان کا پاس کرتے، بندگانِ خدا کی حاجت روائی کا سامان کرتے اور راہِ حق میں پیش آنے والی ہر طرح کی مشکلات اور پریشانیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کے کردار کی بلندی و وسعت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے جنت کی خوش خبری کا پروانہ عطا ہوا۔ ارشاد ہوا:

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ، اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ، وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ، وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	یاد دہانی تو بس سمجھ والے حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو اللہ سے باندھے گئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور وعدے کو توڑتے نہیں ہیں، اور یہ لوگ اس چیز کو جوڑتے ہیں جسے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور وہ جنہوں نے (راہِ حق میں پیش آنے والی) مشکلات

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ، جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ - (رعد: ۱۹-۲۴)

کا مقابلہ کیا اور اس میں سے خرچ کیا جو ہم نے انھیں روزی دی کھلے اور چھپے اور جو برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے (پرلے) گھر کا (اچھا) انجام ہے۔ ہمیشگی کے باغات جن میں یہ داخلہ پائیں گے ساتھ ہی ان کے آباؤ اجداد، اہل وعیال اور خاندان کے وہ لوگ جو نیکوکار ہوں گے۔ ہر ہر دروازے سے فرشتے ان پر داخل ہوں گے کہ سلامتی ہو تم پر کہ تم (دنیا میں مشکلات کے باوجود راہ حق پر) جمے رہے سو کیا ہی بہترین ہے (اس پرلے) گھر کا یہ انجام۔

یہ گویا پوری زندگی میں رب کی راہ پر چلنے کا ان کے لئے خدائی اعلان ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد خدا کے باغیوں اور سرکشوں کے نقشۂ زندگی کو پیش کیا گیا ہے جو اس کے عین برعکس ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ - (رعد: ۲۵)

اور وہ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اسے مضبوط باندھے جانے کے بعد اور اس چیز کو کاٹتے ہیں جسے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی ہیں جن کے لئے پھٹکار اور (دوسری دنیا کا) برا گھر ہے۔

سورۂ توبہ میں سچے اہل ایمان کے سلسلے میں قرآن کے اس اعلان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے ایک خاص طرح کا معاہدہ ہو چکا ہے اور اللہ نے جنت کے عوض ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے، یہ ان کے مالک نہیں رہے، بلکہ جہاں اللہ کا حکم ہوگا انھیں جان و مال کی قربانی پیش کرنی ہوگی، چنانچہ ان کی کیفیت ہے کہ راہ خدا میں پوری بے جگری کے ساتھ لڑتے ہیں، جس میں وہ خدا کے دشمنوں کو مارتے ہیں اور اس لڑائی میں وہ مارے بھی جاتے ہیں، اس کے بعد زندگی کے اندر ان کے امتیازی اوصاف کا ذکر بڑے وجد انگیز انداز میں کیا گیا ہے :

Marfat.com

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (آیت : ۱۱۲)

(اللہ کی طرف) پلٹنے والے (اس کی) بندگی کرنے والے (اس کی) حمد کے ترانے گانے والے روزہ دار، رکوع وسجدہ کرنے والے بھلائی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے، اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کی نگہداشت رکھنے والے، اور (ایسے) ایمان والوں کو (اچھے انجام کی) خوش خبری سنادو۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خشوع وخضوع اور خدا سے تعلق کی مظہر صفات کے ساتھ آخر میں ان کا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی میں بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے ہوتے ہیں، جس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :

(الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) وهم مع ذلك ينفعون خلق الله ويرشدونهم الى طاعة الله بامرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر مع العلم بما ينبغي فعله ويجب تركه وهو حفظ حدود الله في تحليله وتحريمه علما وعملا فقاموا لعبادة الحق

(بھلائی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے) اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ بھلائی کا حکم دے کر اور برائی سے منع کر کے دوسری باتوں کے علاوہ (خاص طور پر) خلقِ خدا کی نفع رسانی کا سامان کرتے ہیں اور اللہ کی اطاعت وبندگی کے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طور پر کہ انھیں پوری واقفیت ہوتی ہے کہ کس کام کو کیا جانا چاہئے اور کس چیز کو چھوڑنا ضروری ہے۔ اور یہ ہے اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدود کی نگہداشت کہ اس نے کس چیز کو حلال کیا ہے اور کس کو حرام گردانا ہے۔ اس طرح کہ آدمی

Marfat.com

ونصح الخلق	اس سے اچھی طرح واقف ہو اور اسے عملاً
ولهذا قال	برت کر بھی دکھائے۔ پس اس طرح یہ لوگ حق
(وبشر المؤمنين)	تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور خلق خدا کی نصح و
لان الایمان	خیر خواہی دونوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ اسی
یشمل هٰذا	لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : (ایسے) اہلِ
کله والسعادة	ایمان کو خوش خبری سنا دو، اس لئے کہ ایمان
کل السعادة	کے اندر یہ تمام ہی باتیں شامل ہیں۔ اور
لمن اتصف	خوش بختی پر خوش بختی ہے ان کے لئے جو ان
به لہ	سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

اس سلسلے کا ان لوگوں کا دوسرا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ (والحافظون لحدود اللہ)، جس کا دائرہ جملہ معاملاتِ زندگی کو محیط ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں قرآن کے دوسرے نظائر پر نظر ڈالنی ہوگی جن میں ان "حدود اللہ" کی نشان دہی اور ان کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں بیوی سے جنسی تعلق کے بعض موانع کی تفصیل کے بعد فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا	یہ اللہ کی ٹھہرائی حدیں ہیں سو تم ان کے
تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ	پاس نہ پھٹکو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ	لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ
يَتَّقُوْنَ۔ (آیت: ۱۸۷)	وہ ڈر کر رہیں۔

اسی سورہ میں آگے نکاح و طلاق کے بعض اہم معاملات کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا	یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں سو تم

لہ ابن کثیر: ۲/ ۳۹۲۔

تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (آیت: ۲۲۹)

انھیں نہ پھاندو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں کو توڑے تو یہی لوگ اپنے سے دشمنی کرنے والے ہیں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (آیت: ۲۳۰)

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں جنھیں وہ کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

دوسرے موقع پر معاشرتی زندگی کے اسی اہم ترین مسئلہ "طلاق" کی بعض مزید جزئیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ (طلاق: ۱)

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں کو توڑے تو اس نے اپنے سے دشمنی کی۔

سورۂ نساء میں وراثت کی جزئیات کی تفصیل پیش کرنے کے بعد تاکید کی گئی:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (آیات: ۱۳-۱۴)

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے کہے پر چلے اسے وہ ان باغوں میں داخلہ دے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کو توڑے تو اسے وہ داخل کرے گا دوزخ میں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

دوسرے موقع پر کفارۂ ظہار کی وضاحت کے بعد فرمایا:

Marfat.com

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (مجادلہ: ۴)

اور یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فہم قرآن کا اہم ترین اصول ہے کہ قرآن کی وضاحت اس کے دوسرے نظائر کی روشنی میں کی جائے، اس لئے کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضا" [1] (قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفصیل و تشریح کرتا ہے)۔ اس روشنی میں ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ قرآن اہل ایمان کے اوصاف میں جب ان کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی میں اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کی نگہداشت کرنے والے ہوتے ہیں تو اس کا دائرہ کس قدر وسیع ہوتا ہے اور کس طرح یہ چیز کسی خاص دائرے میں محصور نہ ہوکر جملہ معاملاتِ زندگی کو اپنے احاطے میں لیتی اور اس کے اہم ترین امور و مسائل کو شامل ہوتی ہے

اسی سورہ میں دوسرے موقع پر اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کے اوصاف و خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (توبہ: ۷۱)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے کہے پر چلتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ اللہ جلد انھیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ ہاں اللہ بڑی شوکت والا، حکمت والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں خدا تعالیٰ کی رحمت کی بشارت سے نوازے جانے والے جن مومن مردوں اور عورتوں کا تذکرہ ہے، ان کے اوصاف کے بیان میں ان کی نمازوں کے اہتمام کے ساتھ، ان

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۱/۴۳۲۔ کلکتہ، تفسیر المنار: ۶/۳۹۸، التکمیل فی اصول التاویل للفراہی /۶۸۔ الدائرۃ الحمیدیہ و مکتبتہا ۱۳۸۸ھ۔ نیز علم اصول الفقہ للخلاف/۲۱۹۔ دارالقلم کویت، ۱۹۸۳ء۔

Marfat.com

کی طرف سے ادائیگیِ زکوٰۃ کی پابندی کا بھی تذکرہ ہے، جو اسلام میں کمزور بندگانِ خدا اور اسلامی ریاست کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا سب سے جامع اور اہم ترین عنوان ہے۔ اسی طرح ان کا ایک وصف یہ بتایا ہے کہ یہ لوگ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے منع کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے جس کی تشریح ابھی اوپر گزری کہ اس کے اندر جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی حدود اور اس کے حلال وحرام کا پاس ولحاظ شامل ہے۔ آگے اس کی مزید وضاحت کردی کہ یہ لوگ کسی قید وشرط کے بغیر جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی جملہ امور ومعاملات میں یہ اسی راستے کے پابند ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے دکھایا ہے۔ صرف عبادات ہی نہیں بلکہ ان کی معاشرت، ان کا اخلاق، معیشت، تمدن، سیاست ہر ایک اسی دائرے کا پابند ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے کھینچا ہے۔ اور ان تمام ہی معاملات میں یہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے پر کاربند ہوتے ہیں۔

سورۂ شوریٰ میں اہل ایمان بندوں کے اوصاف کے دائرے نے مزید وسعت اختیار کرلی ہے۔ ایمان کے تقاضوں کو صحیح طور پر پورا کرنے اور اپنے خدا پر سچے معنوں میں بھروسہ کرنے والے لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

... لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ، وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ، وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ	...ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو بچتے ہیں بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔ اور وہ جنھوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا اور نماز قائم کی اور ان کا معاملہ باہم مشورے کا ہے اور جو ہم نے انھیں روزی دی ہے اس میں سے یہ خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ کہ جب انھیں ظلم وتعدی کا سامنا ہو تو وہ اس کا مردانہ وار

Marfat.com

يَنۡتَصِرُوۡنَ ۔ (آیات: ۳۶ - ۳۹) مقابلہ کرتے ہیں۔

ان آیاتِ کریمہ میں ان اہل ایمان بندوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں اس میں ان کی نکو کاری، اخلاقِ کریمانہ اور نماز و زکوٰۃ کے اہتمام کے علاوہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی پیروی اختیار کرتے ہیں[1]۔ ان کا دوسرا وصف یہ ہے کہ یہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اور بات صرف چھوٹے موٹے امور و مسائل کی نہیں بلکہ صلح و جنگ اور ملکی اور قومی نوعیت کے مسائل بھی اس میں اسی طرح بلکہ مقدم طور پر شامل ہیں۔ چنانچہ دوسرے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں سے مشورہ کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کا تعلق خاص طور پر جنگی صورتِ حال سے ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیتِ ذیل غزوۂ بدر اور جنگِ احد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی گئی ہے:

فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ	سو تم ان سے درگزر کرو۔ (ان کی کوتاہیوں
وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ	کے لئے اللہ سے) معافی طلب کرو اور
وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ	(پیش آمدہ) معاملہ میں ان سے مشورہ
فَاِذَا عَزَمۡتَ	کرو۔ (اس کے نتیجے میں) تم جس بات کا
فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ۔	تہیہ کرو تو پھر اللہ کے بھروسہ پر (آگے
(آیت: ۱۵۹)	بڑھتے) رہو۔

ان دونوں ہی جنگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابۂ کرامؓ سے مشورہ لیا تھا۔ دوسرے غزوات کے موقع پر بھی آپؐ نے ان سے مشورہ کیا۔ آپؐ کا معمول تھا کہ دیگر امور و مسائل کے علاوہ جنگی معاملات میں آپؐ خاص طور پر حضراتِ صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ نے اس ٹکڑے کی یہی تفسیر کی ہے: (والذین استجابوا لربھم) ای اتبعوا رسلہ، واطاعوا امرہ واجتنبوا زجرہ۔ (یہ لوگ رسولوں (کے دکھائے ہوئے راستے) کی پیروی کرتے ہیں۔ (جملہ معاملاتِ زندگی میں) اللہ کے اوامر کو اختیار کرتے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں)۔ ابن کثیر: ۱۱۸/۴۔

Marfat.com

اور بسا اوقات ان کے مشوروں پر ہی پیش قدمی کا فیصلہ فرماتے تھے[1] اس سلسلے کا ان کا آخری نمایاں وصف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ظلم و جبر کے خلاف سینہ سپر ہوتے ہیں۔ ظلم و تعدی کے مقابلہ میں یہ لوگ عاجزی اور مسکنت کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اجتماعی طور پر پوری قوت کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں، لیکن مجبوری اور بے بسی سے نہیں بلکہ مقابلہ کی پوری قوت رکھتے ہوئے عزیمت کی راہ پر چل کر ایسا کرتے ہیں:

«والذین اذا اصابهم	«اور وہ کہ جب انھیں ظلم و تعدی کا سامنا
البغی هم ینتصرون)	ہو تو وہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں»
ای فیهم قوة الانتصار	اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ ان کے اوپر
فمن ظلمهم و اعتدیٰ	ظلم و زیادتی کا ہاتھ بڑھائیں ان کے اندر
علیهم لیسوا بالعاجزین	ان کے مقابلہ کی پوری قوت اور صلاحیت
ولا الاذلین بل	ہے۔ وہ مجبور و بے بس اور بالکل درماندہ
یقدرون علی الانتقام	نہیں ہیں۔ بلکہ جو کوئی ان کے خلاف چڑھائی
ممن بغیٰ علیهم	کرے وہ اس سے بدلہ لینے کی پوری اہلیت
وان کانوا مع	رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جب (دشمن)
هذا اذا قدروا	ان کی مٹھی میں آجائے تو وہ اسے معاف
عفوا[2]	کر دیں۔

سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی مطلوبہ اوصاف و خصوصیات کا ایک جامع مرقع پیش کیا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ	ضرور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ایمان
وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	والے مرد ایمان والی عورتیں، فرماں بردار
وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ	مرد اور فرماں بردار عورتیں (قول و عمل کے)

---

[1] ابن کثیر: ۱/۴۲۰۔ [2] حوالۂ سابق: ۴/۱۱۸۔

Marfat.com

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ
وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ
وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ
وَالْحٰفِظٰتِ وَ
الذّٰكِرِيْنَ
اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّالذّٰكِرٰتِ
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
عَظِيْمًا ۔ (۳۵)

سچے مرد اور (قول وعمل کی) سچی عورتیں
اور (اللہ کے راستے میں) ثابت قدم رہنے
والے مرد اور (اللہ کے راستے میں) ثابت
قدم رہنے والی عورتیں اور (اللہ کے لئے
جھکنے والے مرد اور (اللہ کے لئے) جھکنے
والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور
صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے
والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور
اپنی شرمگاہوں کی نگرانی رکھنے والے مرد
اور ایسی ہی عورتیں اور اللہ کو بہت زیادہ
یاد کرنے والے مرد اور ایسی ہی عورتیں
اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بڑے
اجر وثواب کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یہاں مومن بندوں کے ان اوصاف عالیہ میں دو چیزیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں ان کا سچا ہونا اور صفتِ صبر سے متصف ہونا۔ والصادقین والصادقات، والصابرین والصابرات قرآن کی رو سے ان اوصاف کا غالب استعمال زندگی کے انفرادی معاملات و مسائل سے زیادہ اسلامی اجتماعیت کے اہم ترین گوشے جہاد و قتال اور اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے سے ہے۔ صدق کا مطلب ہے کہ آدمی زبان سے جس بات کا اقرار کرے، اپنے عمل سے اسے سچ کر دکھائے۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنی سب سے قیمتی متاع 'جان' کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی کچھ تامل نہ ہو۔ اسی سورہ میں اس سے پہلے غزوۂ احزاب کی نقشہ کشی کرتے ہوئے جس کا دوسرا نام غزوۂ خندق ہے، جس میں تمام دشمنِ اسلام قبائل کی مشترکہ قوت مدینہ کے مسلمانوں پر آخری کاری ضرب لگانے کے لئے میدان میں نکل آئی تھی۔ کفار و مشرکین کے علاوہ تمام یہودی قبائل بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ اور منافقین کی جماعتیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ قرآن

نے اسی جان کی بازی لگانے کو اہل ایمان کی سچائی کی کسوٹی قرار دیا۔ فرمایا:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ
الْاَحْزَابَ قَالُوْا
هٰذَا مَا وَعَدَنَا
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ
صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ
اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا،
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا
عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا
تَبْدِيْلًا، لِيَجْزِيَ اللّٰهُ
الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ
الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ
عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

اور جب اہل ایمان جماعت نے (دشمن کے) جتھوں پر جتھے دیکھے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہی وہ چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کر رکھا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔ اور اس چیز نے جو کیا تو ان کے ایمان و سپردگی ہی میں اضافہ کیا۔ اہل ایمان میں وہ جیالے ہیں جنھوں نے اس چیز کو سچ کر دکھایا جس پر انھوں نے اللہ سے عہد باندھا تھا۔ سو ان میں کچھ ہیں جو اپنی گردنیں کٹا چکے اور دوسرے ہیں جو اس کے انتظار میں ہیں اور ان کے ارادے میں کمزوری نہیں آئی۔ (یہ اس لئے) تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور منافقوں کو سزا دے اگر چاہے یا (وہ توبہ کریں) اور وہ ان کی توبہ کو قبول کرے ضرور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (۲۲ - ۲۴)

دوسرے موقع پر نفاق زدہ مسلمانوں کے سلسلے میں، جن کا حال تھا کہ راہِ خدا میں جنگ کے لئے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے ان کی زبانیں خشک ہوتیں، لیکن اس کا صاف اور صریح حکم آجانے کے بعد ان پر موت کی غشی طاری ہو جاتی، فرمایا کہ صرف زبان سے نہیں بلکہ جان لڑا کر اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنا چاہیے:

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ،	فرماں برداری اور بھلائی کی بات (یہی
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ	بہتر ہے) سو جس وقت معاملہ کٹھن جائے
صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ	اس وقت اگر یہ اللہ کے تئیں اپنے سچے
خَيْرًا لَّهُمْ۔ [1]	ہونے کا ثبوت دے سکیں تو ان کے
(محمد: ۲۱)	لئے بہت بہتر ہو۔

یہی حال آیتِ بالا میں اہلِ ایمان کی دوسری مطلوبہ صفت 'صبر' کا ہے کہ اس کا تعلق بھی انفرادی زندگی سے زیادہ اجتماعیت کے اسی گوشے جہاد وقتال سے ہے۔ سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں اور کافروں کی جنگی صلاحیت کا موازنہ ان الفاظ میں کیا گیا:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اے نبی مومنوں کو جوش دلاؤ جنگ کے
عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ	لئے۔ اگر تم میں سے بیس جمنے والے
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا	(صابر) ہوں گے تو وہ دو سو پر بھاری
مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ	ہوں گے۔ اور اگر تم میں سے سو ایسے)
يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ	ہوں گے تو وہ جنھوں نے کفر کیا ان کے ہزار
كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا	پر بھاری ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ وہ لوگ
يَفْقَهُوْنَ۔ (۶۵)	ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

آگے مسلمانوں کے اندر آجانے والی کمزوری اور ان کے سابقہ عزم وارادے میں پیدا ہوجانے والی کمی کے باعث اس تناسب میں تخفیف کرتے ہوئے بھی اہلِ ایمان بندوں کی اسی صفت کا حوالہ دیا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ	اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اس لئے
اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ	کہ اسے پتہ ہے کہ (اب) تمہارے اندر

---

[1] نیز ملاحظہ ہو، توبہ: ۴۴ اور عنکبوت ۳۔

Marfat.com

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا	کمزوری آگئی ہے۔ سو (اب) اگر تم میں
مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ	سو جمنے والے (صابر) ہوں گے تو وہ
مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا	دو سو پر بھاری ہوں گے۔ اور اگر تم میں
اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ	سے ایک ہزار ایسے ہوں گے تو وہ اللہ
اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ	کے حکم سے دو ہزار پر بھاری ہوں گے
الصّٰبِرِيْنَ۔	اور اللہ ایسے ہی جمنے والے (صابروں)
(۶۶)	کے ساتھ ہے۔

اسی سورہ میں اس سے پہلے اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے نزدیک 'صبر' کا غالب استعمال جہاد و قتال ہی کے لئے ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارا
اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا	(دشمن) جماعت سے مقابلہ ہو تو پامردی
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ	دکھاؤ اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ
تُفْلِحُوْنَ، وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ	تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اس کے
وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا	رسول کے کہے پر چلو اور آپس میں جھگڑو
وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا	نہیں کہ تم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ	اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے اور (لڑائی میں)
الصّٰبِرِيْنَ۔	جمے رہو۔ ضرور اللہ ایسے جمنے والوں
(۴۵-۴۶)	(صابروں) کے ساتھ ہے۔

دوسرے مقام پر بھی غزوۂ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل اسی سیاق میں مسلمانوں کی صفت 'صبر' کا اعادہ فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ	اور یاد کرو جب کہ تم اہل ایمان جماعت
اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ	سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے بس
رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ	نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار

Marfat.com

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ	کہ تمہاری مدد کرے۔ ہاں اگر تم (لڑائی
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ	میں) جمو (صبر کرو) اور (اللہ سے) ڈرتے
تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ	رہو (جس کے نتیجے میں) یہ (فرشتے) تم
مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ	تک فی الفور پہنچیں تو یہ اپنی جگہ (مزید)
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ	تمہارا رب تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے
مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔	مدد کرے گا جو (اسی کام کے لئے) نشان
(آل عمران : ۱۲۴ - ۲۵)	زدہ ہوں گے۔

سورہ کے آخر میں مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے بھی ان کو اسی (صبر) کی تلقین کی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو (لڑائی میں)
اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا	جمو (صبر اختیار کرو) اور ایک دوسرے
وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ	پر بڑھ کر جمو اور سرحدوں پر ڈٹے رہو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؎۔ (۲۰۰)	اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم بامراد ہو۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں صدق وصبر کی اس حقیقت کو یکجا بیان کر دیا گیا ہے:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ	اور جمنے والے (صبر کرنے والے) سختی
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ	میں، تکلیف میں اور جنگ کے وقت
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔	ہیں جو ڈرنے والے ہیں۔

اس کتاب میں بار بار اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں جہاد وقتال کا مقصد ہے کہ خدا کے اس آخری دین کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ختم کیا جائے۔

؎ نیز ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ، آیات ۱۵۵، ۲۴۹، ۲۵۰ - آل عمران: ۱۷، ۱۴۲، ۱۴۶ - نحل: ۱۱۰، محمد: ۳۱ وغیرہ۔

Marfat.com

یہاں تک کہ روئے زمین پر اس دین حق کے سوا بقیہ تمام مذاہب وادیان اور باطل نظامہائے زندگی کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ کیا مومن کی ان مطلوبہ صفات اور راہِ ایمان کے اس نقشۂ زندگی کو دیکھنے کے بعد بھی کسی سمجھ دار شخص کے لئے مذہبِ اسلام کے سلسلے میں اس طرح کا خیال کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ اس کا تعلق صرف خدا اور بندے کے معاملہ سے ہے، دنیا کے معاملات اور اس کے امور و مسائل سے اسے سروکار نہیں ؟

Marfat.com

تصوّرِ مذہب

معروف دینی اصطلاحات کے آئینے میں

ہر عقیدہ و مسلک اور نظام فکر و عمل کے اندر کچھ مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں جن سے اس کا تشخص قائم ہوتا اور اس کے مزاج اور حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ مذہب اسلام کی بھی کچھ خاص اصطلاحات ہیں جن کے بغیر اس کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان، عمل صالح، عبادت، تقویٰ، احسان، خشوع، توکل، صبر وغیرہ وہ مصطلحات ہیں جو مرضیاتِ الٰہی کے اس آخری ایڈیشن، اسلام، کا ناگزیر جزء ہیں جن کو زیر بحث لائے بغیر اس دین قویم پر گفتگو و بحث کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا ان معروفِ دینی اصطلاحات کا دائرہ زندگی کے کسی خاص گوشے تک محدود ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ کیا ان کا تعلق صرف زندگی کے نجی اور انفرادی دائرے سے ہے، اس کے بقیہ امور و مسائل اور زندگی کے اجتماعی معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ قرار دینے اور زندگی کے اجتماعی امور و مسائل سے اسے بے دخل کرنے کے شور و غوغا میں جس طرح دنیا کے دوسرے ادیان و مذاہب کے ساتھ اسلام کو بھی لوگوں نے اسی صنف میں شامل سمجھا، مذہب کے خلاف اس زبردست پروپگنڈے میں ان اسلامی اصطلاحات کے سلسلے میں کچھ یہی خیال باور کر لیا گیا ہو۔ لیکن جس طرح مذہب کے تئیں اس رائج الوقت محدود تصور سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں اور اس کا دامن اس سے بری ہے، اس کی نمائندہ یہ اصطلاحات بھی اس طرح کے کسی تصور سے قطعی ناآشنا، اور اسلام کا دستور اساسی، قرآن، اس سے بالکلیہ اپنی برأت کا اعلان کرتا ہے۔

Marfat.com

ایمان اور عملِ صالح

ایمان اور عملِ صالح دین کا نقطۂ آغاز اور ساتھ ہی ایک طرح سے اس کی پوری حقیقت کا ترجمان ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے ایک سے زیادہ مقامات پر اسے اختیار کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری سنائی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (بقرہ: ۸۲)	اور وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی جنت والے ہیں جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (تغابن: ۹)	اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک عمل کرے تو وہ اس سے اس کی کوتاہیوں کو زائل کرے گا اور اسے داخلہ دے گا ان باغات میں جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔
وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔ (طلاق: ۱۱)	اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک عمل کرے تو وہ اسے داخلہ دے گا ان باغوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ نے اس کے لئے کیا ہی بہترین روزی کا سامان کیا۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔	ضرور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی ضیافت میں جنت کے اعلیٰ ترین درجے ہوں گے۔ یہ ان میں ہمیشہ

Marfat.com

خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان سے کبھی ہٹنا نہ چاہیں گے۔ (کہف : ۱۰۷ - ۱۰۸)

لیکن کیا اس ایمان کا مطلب محض کچھ غیبی حقائق کو مان لینا ہے جس کا اس دنیا کی زندگی اور اس کے امور و مسائل سے کچھ تعلق نہ ہو۔ قرآن کے مطلوبہ ایمان کا نقشہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا مطالبہ ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں دین کے جملہ مقتضیات پر عمل پیرا ہونے کے لئے کمربستہ ہو۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنا گھر بار چھوڑنے ہی نہیں بلکہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی کچھ تامل نہ ہو۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں سمجھ دار (اولوالالباب) بندوں کے ایمان کے اعلان کے ساتھ ان کی دلی کیفیات کی ترجمانی اس وجد انگیز انداز میں کی گئی ہے:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ ۔

اے ہمارے رب ہم نے سنا ایک پکار لگانے والے کو جو پکار لگا رہا تھا ایمان کی کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب تو تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم سے ہماری کوتاہیوں کو زائل کر دے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ ہو۔ اے ہمارے رب اور ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبانی اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ ہونے دے۔ ضرور تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے۔ (۱۹۳ - ۱۹۴)

اس کے جواب میں قرآن نے ایمان کے اس اقرار کے جو تقاضے بتائے ہیں اس سے

Marfat.com

پتہ چلتا ہے کہ اس کے مطلوبہ ایمان کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ جس کے اندر اپنی پوری زندگی میں دین کے تقاضوں پر عمل کے ساتھ اس کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دینا ضروری ہے۔ آخرت کی کامیابی انہی کا حصہ ہوگی جنھیں اللہ کے راستے میں مارنے اور مرنے میں کچھ دریغ نہ ہو۔ اور دین حق کے غلبہ ونفاذ اور دنیا کے اندر پائی جانے والی باطل اور طاغوتی قوتوں کا سر کچلنے کے لئے وہ ہر وقت کمربستہ ہوں:۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ	تو ان کے رب نے ان کی پکار پر لبیک
اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ	کہا کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے
مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى	والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ	مرد ہو یا عورت تم سب ایک ہی جنس سے
هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ	ہو سو جن لوگوں نے وطن کو خیرباد کہا۔
دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ	اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے
وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ	راستہ میں ستائے گئے اور وہ لڑے اور
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ	مارے گئے تو میں ضرور ان سے ان کی
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	کوتاہیوں کو زائل کروں گا اور انھیں
الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ	داخلہ دوں گا ان باغوں میں جن کے
عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ	نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اللہ کے
حُسْنُ الثَّوَابِ ؕ	پاس سے بدلہ ہوگا اور اللہ کے پاس
(۱۹۵)	بہترین بدلہ ہے۔

دوسرے موقع پر بھی قرآن نے سچے ایمان اور اس کے حاملین کی یہی صفت قرار دی کہ اللہ کے دین کو غالب اور سربلند کرنے کے لئے اپنی جان اور مال سے جہاد ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ مہاجرین اور انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اور وہ جنھوں نے ہجرت اختیار کی اور
وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا	اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ جنھوں نے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا
وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ
رِزْقٌ کَرِیْمٌ ۔ (انفال: ۷۴)

(ان مہاجرین کو) پناہ دی اور (ان کی
ہر طرح سے) مدد کی، یہی سچے ایمان والے
ہیں۔ ان کے لئے معافی اور بہترین روزی
(کا وعدہ) ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ
ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ۔ (حجرات: ۱۵)

ایمان والے تو بس وہ ہیں جو ایمان
لائیں اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر
انھیں کچھ تردد نہ رہے اور وہ جہاد
کریں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں
سے اور اپنی جانوں سے، یہی لوگ
ہیں جو سچے ہیں۔

ایک اور مقام پر ایمان کی حقیقت یہ بتائی کہ آدمی کسی شرط اور کسی تحفظ کے بغیر اپنی پوری زندگی میں خدا اور رسول کی اطاعت کا قلادہ گردن میں ڈال لے۔ اور دین کے بقیہ مطالبات کو پورا کرنے کے ساتھ اس کے لئے میدانِ جنگ میں اترنے میں اسے کچھ ہچکچاہٹ نہ ہو۔ سچے ایمان کا یہ ایسا بدیہی تقاضہ ہے جس کے بغیر اس کی کوئی تصویر مکمل نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوا:

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ
الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا
اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ
بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا
وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ
وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ
اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ

ایمان والوں کا کہنا تو بس یہ ہوتا ہے
جب انھیں بلایا جائے اللہ اور اس کے
رسول کی طرف تاکہ وہ (رسول) ان کے
درمیان فیصلہ کرے، کہ وہ کہیں کہ ہم نے
سنا اور مان لیا اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب
ہیں۔ اور جو کوئی مان کر رہے اللہ کی اور
اس کے رسول کی اور اللہ کا ڈر رکھے اور
اس (کی نافرمانی) سے بچ کر رہے تو
یہی لوگ ہیں جو بامراد ہیں۔ اور انھوں نے

Marfat.com

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔

(نور : ۵۱ - ۵۴)

قسمیں پر قسمیں کھائیں اللہ کی کہ (اے نبیؐ) اگر تم انھیں حکم دوگے تو وہ (جنگ کے لیے) ضرور نکلیں گے۔ کہو کہ قسمیں کھاکر بات نہ بناؤ۔ بھلی طرح مان کر دو تو یہ بہتر ہے۔ ضرور اللہ کو پتہ ہے جو تم کرتے ہو۔ کہو کہ بات مانو اللہ کی اور بات مانو رسول کی۔ سو اگر یہ روگردانی کریں تو اس پر (پیغمبر پر) تو اس کی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ اس پر رکھا گیا ہے۔ اور ان پر اسی کی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ ان پر رکھا گیا ہے۔ اور اگر تم اس کی (نبی کی) بات مانوگے تو راہ یاب ہوگے۔ اور رسول پر تو بس کھلے طور پر پہنچا دینا ہے۔

بدر کے موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم میں بشری تقاضے سے مسلمانوں کے اندر باہم کچھ رنجشیں ہوگئیں۔ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن نے دل کی کدورتوں کو نکالنے کے ساتھ خدا اور رسولؐ کی بے لاگ اطاعت کا حکم دیا اور بعد میں اس سلسلے کی دوسری تدبیریں بتائیں جن سے دنیا کی محبت ختم ہو اور دوسری تمام چیزوں سے آزاد ہوکر خالص اللہ کی رضا پیدا ہو۔ قرآن ان دونوں ہی باتوں کو سچے ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا مطلوبہ ایمان انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں، بلکہ صلح وجنگ کے اہم ترین اجتماعی امور ومسائل بھی اس کے دائرے میں اسی طرح شامل ہیں:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا

(اے نبیؐ) لوگ تم سے جنگ میں ہاتھ آنے والے مال (انفال) کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ جنگ میں ہاتھ لگنے والے مال

Marfat.com

ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ، اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ، اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ، اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۔

(انفال: ۱-۴)

(انفال) اللہ اور رسول کے ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو درست کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اگر تم ایمان والے ہو۔ ایمان والے تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل ہل جائیں اور جب ان کے اوپر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو یہ چیز ان کے ایمان میں اضافے کا موجب ہو۔ اور یہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو دراصل ایمان والے ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس (بلند) درجات اور (گناہوں) کی معافی اور بہترین روزی ہے

سود اجتماعی زندگی کی کتنی بڑی لعنت ہے۔ جس کے جنگل میں پھنس کر آج کی متمدن دنیا بھی کراہ رہی ہے۔ اس کی نحوست سے عالمی معیشت خطرے میں اور دنیا کے کمزور انسانوں کی زندگی اجیرن ہے۔ قرآن اس لعنت سے اپنے کو دور رکھنے کو ایمان کا صریح تقاضا بتاتا ہے فرمایا:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۔

(بقرہ: ۲۷۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو بچا کھچا سود رہ گیا ہے اس سے ہاتھ اٹھالو اگر تم (سچے معنوں میں) ایمان رکھتے ہو۔

Marfat.com

دوسرے موقع پر قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان خواتین سے ایمان کی بیعت لیتے ہوئے اس کی جن دفعات کی نشاندہی کی ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے مطلوبہ تصورِ ایمان کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ جس کے اندر انفرادی زندگی کے اعمال کی انجام دہی کے ساتھ، اجتماعی زندگی کی اہم ترین دفعات بھی شامل ہیں۔ ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ	اے نبی جب تمہارے پاس اہلِ ایمان
الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا	عورتیں آئیں تم سے بیعت کرنے کے لئے
یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا	اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز
وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ	کو ساجھی نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی
وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا	اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو جان
یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ	سے ماریں گی اور نہ وہ (بدکاری کا) کوئی
بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ	تہمت باندھ کر لائیں گی اسے گڑھتے ہوئے
وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ	اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ اور نہ وہ
فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ	کسی بھلائی کے کام میں تمہاری نافرمانی
لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ	کریں گی تو تم ان سے بیعت کرو اور اللہ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ	سے ان کے لئے گناہوں کی معافی چاہو۔
رَّحِیْمٌ۔	ضرور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے
(ممتحنہ: ۱۲)	والا ہے۔

قرآن کی ان تصریحات کی روشنی میں صاحب 'نظام القرآن' کی ایمان کی مطلوبہ کیفیت اور قرآن کی نظر میں مومن کی مطلوبہ تصویر کی یہ تفسیر آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہے:

فالمومن من آمن	پس مومن وہ ہے جو ایمان لائے اللہ
باللہ وآلائہ	پر اور اس کی قدرتوں اور نشانیوں پر
وآیاتہ واذعن	اور اس کے احکام کو بے چون وچرا مانے
لاحکامہ وسلم	اور اس کے سامنے بالکلیہ سر تسلیم خم کردے

Marfat.com

له كليته فملئ بالرضا لكلما قضى فكما ان الايمان للعقل هدى ونور فكذلك هو للقلب صلاح و طهور فيفيض على الرأى والارادة معا ويحيط با العلوم والاعمال جميعا، فالمؤمن فى اصطلاح القرآن هو العابد لله الذى حقق عبوديته بالايقان لآياته والاذعان لاحكامه محبته ورضى۔ ؎

پس پروردگار کا جو فیصلہ ہو اس پر وہ پوری طرح راضی اور مطمئن ہو۔ پس اگر ایمان ایک طرف عقل کے لئے رہنمائی کا سامان اور روشنی کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف دل کی پاکی اور اس کی بہتری کا وسیلہ۔ پس اس کا اثر رائے اور ارادے دونوں پر بیک وقت پڑتا ہے۔ اور تمام علوم اور جملہ اعمال کو اپنے دائرے میں لے لیتا ہے۔ پس قرآن کی اصطلاح میں مومن وہ ہے جو (بہمہ وجوہ) اللہ کی بندگی کرنے والا (عابد) ہے۔ جو اپنی بندگی (عبودیت) کو پوری طرح سچ کر دکھائے۔ اس طور پر کہ اسے اسکی آیتوں پر گہرا یقین ہو۔ اور (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) وہ اس کے احکام کے لیے پوری طرح سرفگندہ ہو۔ اور اس میں (اللہ کی) محبت اور (اس کی) خوشنودی کی دوگونہ کیفیت شامل ہو۔

عملِ صالح

یہی حال "عمل صالح" کا ہے جو قرآن کی نظر میں وسیع تر معاملاتِ زندگی کو حاوی ہے۔ قرآن کا "عمل صالح" ہمارے ہاں مروجہ "نیک کام" یا "نیکی اور بھلائی کے کام" کے مرادف نہیں، بلکہ اس کے اندر انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام کام اور ان دونوں سے تعلق رکھنے والے جملہ فرائض و واجبات شامل ہیں۔ اسلام کے اجتماعی مقاصد کی اہم ترین دفعہ ہے کہ دنیا

؎ تفسیر سورۃ العصر: ۱۰۔ مطبوعہ فیض عام علی گڑھ ۱۳۲۶ھ۔

کے اندر بے لاگ طریقے پر عدل وانصاف قائم ہو۔ اور ظلم و ناانصافی کی جملہ صورتوں کا خاتمہ عمل میں آئے۔ قرآن اپنے ماننے والوں کو اس عدل وانصاف کے قیام کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کرتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اٹھ کھڑے
كُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰهِ	ہو اللہ کے واسطے حق وانصاف کی
شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ	گواہی دینے والے بن کر۔ اور کسی قوم کی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا	دشمنی تم کو اس کا قصوروار نہ بننے دے کہ
تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ	تم عدل وانصاف سے ہٹ جاؤ۔ عدل و
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا	انصاف سے کام لو یہی خوفِ خدا سے
اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا	قریب تر بات ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔
تَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ : ۸)	ضرور اللہ کو پتہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

آگے اس فریضے کی ادائیگی کو 'عمل صالح' قرار دے کر قرآن انھیں 'بڑے بدلے' کی بشارت دیتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان سے جو
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ	ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ وَالَّذِیْنَ	لئے معافی اور بڑا بدلہ ہے۔ اور وہ جنھوں
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ	نے کفر کا راستہ اپنایا اور ہماری آیتوں کو
اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ (مائدہ : ۹-۱۰)	جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

سورۂ نحل کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو وہ اہم ترین تعلیمات دی ہیں جو انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے وسیع ترین دائروں کا احاطہ کرتی ہیں، عدل وانصاف کا اہتمام ظلم و تعدی سے اجتناب اور انفرادی واجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں عہد و پیمان کی پابندی وغیرہ:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ	ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل وانصاف اور
وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی	احسان وخوب کاری کا اور رشتہ داروں

Marfat.com

الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ
الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ، وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ
اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا
تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ
تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ
اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ،
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ
نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ
بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا
تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ
دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ
اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ، وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ
فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ
تَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ

کو دینے کا اور روکتا ہے بے حیائی ،
برائی اور بغاوت و سرکشی سے وہ تم کو
نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل
کرو۔ اور اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرو،
جب تم اسے باندھو اور قسموں کو نہ توڑو
ان کے مضبوط اقرار کے بعد جب کہ تم نے
اپنے اوپر اللہ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ضرور
اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس
عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنے سوت
کو مضبوط کاتنے کے بعد اسے توڑ کر ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو باہم فتنہ و
فساد کا ذریعہ ٹھہراتے ہو تاکہ ایک جماعت
دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ والی
بن جائے۔ اس کے ذریعہ تو بس اللہ تمہیں
آزمانا چاہتا ہے۔ اور ضرور قیامت کے
دن وہ تمہارے لئے کھول دے گا اس
چیز کو جس کے سلسلے میں تم باہم جھگڑتے
تھے۔ اور تم اپنی قسموں کو باہم فتنہ و فساد
کا ذریعہ نہ ٹھہراؤ کہ اس کے نتیجے میں پاؤں
پھسل جائے جب کہ وہ جم چکا تھا اور
تم برے انجام کا مزہ چکھو اس وجہ سے
کہ تم نے اللہ کے راستے سے روکا اور تمہارے
لئے بڑا عذاب ہو۔ اور چھوٹی قیمت کے

Marfat.com

عَظِيْمٌ، وَلَا تَشْتَرُوْا	بدلہ اللہ کے عہد کا سودا نہ کرو۔ ضرور وہ
بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِنَّمَا	چیز جو اللہ کے پاس ہے تمہارے لئے
عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ	زیادہ بہتر ہے اگر تم جاننا چاہو۔ جو کچھ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، مَا	تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور
عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ	جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا
اللّٰهِ بَاقٍ وَّلَنَجْزِيَنَّ	ہے اور ہم ضرور انھیں جو دنیا میں اللہ
الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ	کے راستے پر) جمے رہے ان کا
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا	بدلہ چکائیں گے ان کی بہترین کارکردگی
يَعْمَلُوْنَ۔ (آیات: ۹۰-۹۶)	کے باعث جس پر وہ کاربند تھے۔

قرآن ان جملہ تعلیمات و ہدایات کو 'صالح عمل' میں شامل قرار دیتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا 'عملِ صالح' کا تصور کتنا وسیع ہے اور کس طرح وہ زندگی کے کسی خاص دائرے میں محدود نہ ہو کر اس کے وسیع تر امور و معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے فوراً بعد فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا	جو کوئی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى	اور وہ ایمان والا ہو تو ہم اس کے لئے
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ	ضرور بہترین زندگی گزارنے کا سامان
حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ	کریں گے۔ اور ہم انہیں ضرور بدلہ
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا	چکائیں گے اس بہترین کارگردگی کا
يَعْمَلُوْنَ۔ (نحل: ۹۷)	جس پر وہ عمل پیرا رہے۔

بار بار اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے دینی زندگی کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی میں حتی المقدور دین کے تقاضوں پر عمل کے ساتھ، اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ اس راستے میں آدمی کا ہر قدم اور معمولی رقم کا خرچ کرنا بھی اللہ کے ہاں غیر معمولی اجر و ثواب کا حامل ہے۔ قرآن اہل ایمان گروہ کی اس اجتماعی کوشش کو بھی 'عملِ صالح' شمار کرتا ہے۔ مدینہ کے کمزور مسلمانوں کو جو راہِ خدا میں جہاد اور

اپنا مال خرچ کرنے سے کتراتے تھے، اس کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ	مدینہ والوں اور جو ان کے اردگرد بدو
وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ	ہیں ان کے لئے زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ کے
أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ	رسول سے پیچھے رہ جائیں اور اس کی جان
وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ	کے مقابلہ میں انھیں اپنی جانیں زیادہ
نَفْسِهِ، ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ	عزیز ہوں۔ اس لئے کہ انھیں اللہ کے
ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ	راستے میں جو کوئی پیاس، تھکن اور کمزوری
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ	لاحق ہوتی ہے، اسی طرح وہ جس کسی مہم
مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ	پر نکلتے ہیں جس سے کافروں کا قافیہ تنگ
مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ	ہو اور دشمن پر وہ جو کامیابی بھی حاصل
بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ	کرتے ہیں تو اس کے بدلے ان کے لئے
أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ، وَلَا يُنْفِقُونَ	نیک عمل (عمل صالح) لکھا جاتا ہے ضرور
نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً	اللہ (ایسے) خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں
وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا	کرتا۔ اسی طرح وہ (اس راستے میں) جو کوئی
إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ	چھوٹی یا بڑی چیز بھی خرچ کرتے ہیں تو
اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا	یہ ان کے لئے لکھ لی جاتی ہے تاکہ اللہ
يَعْمَلُونَ۔	انھیں بدلہ دے اس بہترین کارکردگی کا
(توبہ: ۱۲۰-۱۲۱)	جو یہ انجام دیتے رہے۔

سورۂ فتح کے اندر "عمل صالح" کا یہ پہلو مزید ابھرا ہوا ہے۔ جہاں فتح مکہ کی بشارت کے ساتھ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے جانے والے دین حق کی اسی طرح دنیا کے تمام مسالک و مذاہب اور نظامہائے زندگی کے بالمقابل ہمہ جہتی غلبہ و استیلاء کی بات کہی گئی ہے۔ اس کے بعد اصحاب رسولؐ کی وہ خصوصیات بتائی گئی ہیں، جن کی بدولت اس دین حق کے اس طرح غلبہ کی راہ ہموار ہوگی۔ جس کا نمایاں ترین پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ کافروں یعنی خدا کے دشمنوں اور باغیوں کے

مقابلے میں انتہا درجہ سخت اور شمشیر بے نیام ہوں گے۔ اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ ان کی قوت و شوکت کو توڑ کر دین حق کے مقابلے میں انھیں بالکل بے دست و پا نہ کر دیں گے۔ اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وہ اپنے بھائیوں کے لئے اسی قدر نرم اور سرتاپا لینت و رحمت ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے تعلق باللہ کی گہری داخلی کیفیت کا بیان ہے جس کے نتیجے ہی میں ان کے اندر باطل کے لئے سینہ سپر ہونے کی یہ قوت و صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور دین حق کے اس چمن زار انسانیت کی سرسبزی و شادابی روز افزوں ترقی پذیر ہوتی ہے۔ قرآن ان کی ان جملہ کیفیات کو 'عمل صالح' سے تعبیر کرتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ	ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس
عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ	میں سرتاپا مہر و محبت، تم انھیں دیکھو گے
تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ	رکوع و سجدہ کرتے (اس کے ذریعہ)
فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا	وہ اللہ کی عنایت اور اس کی رضا کے
سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ	طلب گار ہوتے ہیں۔ سجدے کے
اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ	نشان سے ان کے چہروں میں ایک
فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ	خاص چمک ہوتی ہے۔ یہ ان کی مثال
فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ	ہے تورات میں اور یہ ان کی مثال ہے
اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ	انجیل میں اس کھیتی کی طرح جس نے اپنا
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی	انکھوا نکالا پھر اس میں کچھ طاقت آئی
عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ	پھر وہ موٹا ہوا پھر وہ پوری طرح جم کر
الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ	تیار ہو گیا۔ جسے دیکھ کر کسان مگن ہوتے
بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ	ہیں تاکہ ان (پیروانِ رسول) کے ذریعہ
اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ کافروں کا قافیہ تنگ کرے۔ اللہ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	نے وعدہ کر رکھا ہے ان میں سب سے

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (آیت : ۲۹)

جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے معافی کا اور بڑے بدلہ کا۔

دوسرے موقع پر آلات جہاد کی تیاری کو 'عمل صالح' سے تعبیر فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ، اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (سبا : ۱۰-۱۱)

اور ہاں ہم نے داؤد کو اپنے خاص انعام سے نوازا تھا یہ کہ اے پہاڑو جھک جاؤ اس کے ساتھ اور ساتھ ہی چڑیاں بھی (اور اس کے ساتھ مل کر رب کی حمد کے ترانے گاؤ) اسی طرح ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کیا (یہ کہتے ہوئے) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (مضبوطی کے لئے) حلقے چھوٹے چھوٹے رکھو اور اے (داؤد اور ان کی قوم کے) لوگو! نیک عمل کرو۔ ضرور میں دیکھنے والا ہوں جو تم کرتے ہو۔

اسلام کی نظر میں ظلم انتہائی ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔ اور جس طرح کسی پر ظلم اور دست درازی کرنا گناہ ہے، اس کا سہنا اور ظالم کے مقابلہ میں نرم چارہ بننا بھی اس سے کم گناہ نہیں۔ اسی لئے وہ اپنے ماننے والوں کو ظلم کا مقابلہ کرنے اور اس کے بالمقابل سینہ سپر ہونے کی تلقین کرتا ہے قرآن اہل ایمان بندوں کی اس کوشش کو بھی 'عمل صالح' قرار دیتا ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا

سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور جلد ان لوگوں کو جنھوں نے

Marfat.com

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (شعراء : ۲۲۷) ظلم کیا معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے لئے کونسا ٹھکانا پاتے ہیں۔

دنیا میں انسان کی گمراہی کا ایک سبب خواہشاتِ نفس کا غلبہ اور ان کی بے قید اطاعت ہے۔ انہی کے دباؤ سے آدمی دنیا میں آزاد اور بے لگام زندگی بسر کرنے کے لئے شرک و بت پرستی کا راستہ اپناتا، یا وہ فلسفے ایجاد کرتا ہے جو خدا سے بے نیاز کر کے اس کے لئے اباحی زندگی کا لائسنس دے سکیں۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے 'عمل صالح' کا حق آدمی اسی وقت ادا کر سکتا ہے جب کہ وہ اس راستے کو چھوڑ کر اپنی پوری زندگی میں بندگیٔ رب کی راہ پر لگ جائے۔ انبیاء کے ناخلف جانشینوں کے ذکر کے بعد فرمایا :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا، اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا۔

سو ان (نبیوں) کے بعد وہ ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشاتِ نفس کے غلام بن گئے تو جلد وہ اس گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ سوائے اس کے جو (اللہ کی طرف) پلٹے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو یہ لوگ ہیں جنھیں جنت میں داخلہ ملے گا۔ اور ان کے انعام واکرام میں ذرا کمی نہ ہو گی۔ (مریم : ۵۹ - ۶۰)

اپنی پوری زندگی میں کفار و مشرکین خدا سے بغاوت و سرکشی کی جس روش پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اس کے برعکس اقرارِ خدا کی بنیاد پر زندگی بسر کرنا یہی چیز 'عمل صالح' ہے کہ خدا کی مرضی سے ہٹ کر آدمی کا ایک قدم نہ اٹھنے پائے۔ جہنم میں کافروں کی زبانی قرآن نے اس حقیقت کا اعلان ان لفظوں میں کرایا :

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ

اور وہ جنھوں نے کفر کیا ان کے لئے جہنم کی آگ ہو گی ان کا کام تمام نہیں کیا

Marfat.com

فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ	جائے گا جو وہ موت کی نیند سو جائیں
مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِىْ	اور نہ ان سے اس کے عذاب کو ہلکا
كُلَّ كَفُوْرٍ، وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ	کیا جائے گا۔ اسی طرح ہم ہر کافر کو بدلہ
فِيْهَا رَبَّنَا اَخْرِجْنَا	دیتے ہیں۔ اور وہ اس میں چیخیں گے کہ
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ	ہمارے رب! ہمیں (اس سے) نکال دے
الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ۔	تو ہم نیک عمل کریں گے اس کے برعکس
(فاطر: ۳۶ - ۳۷)	جو ہم (پہلے) کرتے رہے تھے۔

اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں آدمی خدا اور رسولؐ کے آگے جھک جائے اور ان کی رضا کے حق میں اپنی مرضی سے بالکلیہ دست بردار ہو جائے، اس کا نام 'عملِ صالح' ہے، جس پر قرآن روزِ جزا دوہرے اجر کی بشارت سناتا ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ	اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے
رَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ	رسول کے لئے فرماں برداری اختیار کرے
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا	اور نیک عمل کرے تو ہم اس کا بدلہ دوبار
لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا۔	دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہترین
(احزاب: ۳۱)	روزی تیار کر رکھی ہے۔

سورۂ طلاق میں معاشرتی زندگی کی اہم ترین تعلیمات کی تفصیل کے بعد ارشاد ہوا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ	سو اللہ سے ڈرو اے سمجھ والو جو ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ	لائے ہو ضرور اللہ نے تم تک ایک
اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا،	یاد دہانی (ذکر نے والا) اتارا ہے۔ یعنی
رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ	رسول جو تم پر اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے جو حقائق کو
اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ	کھولنے والی ہیں تاکہ وہ جو ایمان لائے
لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اور نیک عمل کئے انھیں تاریکیوں سے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ	نکال کر روشنی میں لائے۔ اور جو کوئی

Marfat.com

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ	ایمان لائے اللہ پر اور نیک عمل کرے
بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ	وہ اسے داخلہ دے گا ان باغوں میں جن
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا قَدْ	وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے
اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔	اس کے لئے کیا ہی بہترین روزی کا
(طلاق : ۱۰-۱۱)	سامان کیا۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے نقطۂ نظر سے "عمل صالح" کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان دوسری باتوں کے علاوہ خاص طور پر معاشرتی زندگی کے اہم ترین دائرے میں خدائی احکام و مرضیات پر عمل کرنے والا اور ان سے سرمو تجاوز و انحراف کا مرتکب نہ ہو۔

اس کے علاوہ قرآن نے دین کے مختلف تقاضوں کی نشان دہی کر کے بھی "عمل صالح" کی حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔ ایک موقع پر "سود" کی نابرکتی کو واضح کر کے اس سے بچنے کو "عمل صالح" سے تعبیر فرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي	اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقہ و خیرات کو بڑھاتا
الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ	ہے اور اللہ ہر بڑے ناشکرے گنہ گار
كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ، اِنَّ الَّذِيْنَ	کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو لوگ ایمان
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ	اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کے رب کے
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ	پاس ان کا بدلہ ہو گا۔ اور نہ ان پر کوئی
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔	ڈر ہو گا اور نہ وہ کسی غم سے دوچار ہوں گے

(بقرہ : ۲۷۶-۲۷۷)

گزر چکا ہے کہ شرک و بت پرستی کوئی مجرد عقیدہ نہیں، بلکہ زندگی میں اس کا اثر نوع بہ نوع گمراہیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے شرک کے بیان میں اس کی تفصیل کی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ	اللہ ہرگز معاف نہیں کرسکتا کہ اس کے

Marfat.com

بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا
بَعِيْدًا ، اِنْ يَّدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا
وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا
شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ، لَعَنَهُ
اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
مَّفْرُوْضًا ، وَلَاُضِلَّنَّهُمْ
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ
اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ
اللّٰهِ وَمَنْ
يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ
وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَقَدْ
خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ، يَعِدُهُمْ
وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا
يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ
اِلَّا غُرُوْرًا ، اُولٰٓئِكَ
مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ

ساتھ کسی کو ساجھی ٹھہرایا جائے۔ اس
کے علاوہ وہ سب کچھ معاف کر سکتا
ہے جس کے لئے چاہے۔ اور جو کوئی
اللہ کے ساتھ (کسی کو) ساجھی ٹھہرائے
تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اسے
(اللہ کو) چھوڑ کر یہ جو پکارتے ہیں تو
دیویوں کو اور یہ جو پکارتے ہیں تو سرکش
شیطان کو جس پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی
ہے۔ گو کہ وہ (شیطان) کہہ چکا ہے کہ
ضرور میں تیرے بندوں سے ایک
متعین حصہ لیکر رہوں گا۔ اور ضرور میں
انھیں گمراہ کروں گا اور ضرور میں انھیں
آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور میں انھیں
حکم دوں گا تو وہ ضرور (اپنے) چوپایوں
کے کان کاٹیں گے۔ اور میں انھیں
ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بناوٹ
کو بدلیں گے۔ اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر
شیطان کو اپنا دوست بنائے تو اس نے
کھلے طور پر اپنا گھاٹا کیا۔ وہ انھیں (طرح
طرح سے) ڈراتا ہے اور انھیں آرزوں
کے جال میں پھنساتا ہے۔ اور وہ جو
کچھ انھیں ڈراتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکہ
ہے۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے

Marfat.com

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۔ (نساء : ۱۱۶-۱۲۱) | اور وہ اس سے ہٹ کر کوئی دوسری جائے پناہ نہ پاسکیں گے ۔

فرمایا کہ شیطان کے بہکاوے کی ان جملہ صورتوں سے بچ کر ہی آدمی زندگی میں عملِ صالح کا حق ادا کرسکتا ہے ۔ اس کے متصلاً بعد ارشاد ہوا :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۔ (نساء : ۱۲۲)

اور وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو انھیں جلد ہم داخلہ دیں گے ان باغات میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں سدا بھر کے لئے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے ضرور پورا ہونے والا ۔ اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے

دوسرے موقع پر واضح کردیا کہ دنیا میں خدا کو بڑا اور اس کا کہا مان کر زندگی بسر کرنے کے جتنے تقاضے ہیں وہ سب 'عمل صالح' میں شامل ہیں ۔ 'عملِ صالح' کی روش اپنانے کا مطلب ہے کہ آدمی اپنے کو بالکلیہ بندگی رب کے راستے پر ڈال دے ۔ انبیاء سابقین کی پوری جماعت کو خطاب کرکے فرمایا :

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ، وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ ، فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ

ہاں یہ تمہاری امت ہے ایک جماعت ۔ اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی بندگی (عبادت) کرو ۔ لیکن ہوا یہ کہ انھوں نے اپنے معاملہ کو اپنے بیچ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جب کہ سب پلٹ کر ہمارے ہاں آنے والے ہیں ۔ سو جو کوئی نیک عمل کرے دریں حالیکہ وہ ایمان والا ہو تو اس کی محنت کی ناقدری کا ذرا سوال نہیں ۔

Marfat.com

كَاتِبُوْنَ ۔ (انبیاء: ۹۲-۹۴) اور ہم ضرور اسے لکھنے والے ہیں۔

سورۂ رعد میں آخری پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے سمجھ دار انسانوں کے ان اوصاف کا بیان ہے جن کا تعلق پوری زندگی اور اس کے وسیع معاملات سے ہے:

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا	یاد دہانی تو بس سمجھ والے حاصل
الْاَلْبَابِ، اَلَّذِيْنَ	کرتے ہیں۔ وہ جو اللہ سے باندھے
يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ	گئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پیمان
وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ،	کو توڑتے نہیں ہیں۔ اور وہ جو جوڑتے
وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ	ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے حکم
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ	دیا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور وہ اپنے
يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ	رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب
وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ،	کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ	رب کی خوشنودی کے حصول کی خاطر (اپنی
وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ	پوری زندگی میں) استقامت کا ثبوت
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا	دیتے ہیں اور وہ جنھوں نے نماز قائم کی۔
وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ	اور ہم نے جو انھیں روزی دی ہے اس
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ	میں سے خرچ کیا چھپے اور کھلے ہر طرح سے
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى	اور وہ برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں۔
الدَّارِ۔	یہ لوگ ہیں جن کے لئے (دوسرے)

(آیات: ۱۹-۲۲) گھر کا (بہترین) انجام ہے۔

آگے ان لوگوں کے بہتر انجام کی مزید تفصیل کے بعد منکرین دعوت کے اوصاف کا ذکر ہے جن کا تعلق پوری زندگی میں ان کے بدترین کردار اور شر و فساد سے ہے۔ اس کے بعد قرآن ہدایت و ضلالت کے سلسلے میں سنتِ الٰہی کو بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کی مدح و توصیف کرتا ہے اور ان کی زندگی کی مذکورہ جملہ خصوصیات کو 'عمل صالح' سے تعبیر کرتا ہے:

Marfat.com

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ	کہو کہ ہاں اللہ جسے چاہتا ہے راہ سے
یَّشَاءُ وَ یَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ	بھٹکاتا ہے اور اپنی طرف راستہ بتاتا ہے
اَنَابَ، اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اسے جو (اس کی طرف) جھکتا ہے۔ یہی لوگ
وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ	ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ
بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ	کی یاد سے طمانیت حاصل کرتے ہیں سن
اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ،	لو دلوں کی طمانیت تو اللہ کی یاد ہی میں
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	ہے۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل
طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ،	کئے ان کے لئے مبارکبادی اور بہترین
(رعد: ۲۷-۲۹)	جائے قرار ہے۔

دین کے تقاضوں پر عمل اور اس کے احکام و ہدایات کی بے لاگ پیروی کے ساتھ، قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کی طرف لوگوں کو بلانا اور پھر اس کے جملہ تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا بھی 'عمل صالح' کے اندر اسی طرح شامل ہے۔ دنیا میں دعوتِ دین کا فریضہ اپنی تکمیلی صورت میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ یہاں تک کہ پورے گروہِ انبیاء میں آپ کو خاص طور پر 'داعی' کے خطاب سے نوازا گیا:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ	اے نبیؐ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری
شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا،	سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف
وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا	بلانے والا اس کے حکم سے اور ایک
مُّنِیْرًا۔ (احزاب: ۴۵، ۴۶)	روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ اپنی پوری پیغمبرانہ زندگی میں آپ کو جن مسائل اور جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ سب اسی دعوتِ دین کا لازمی اور صریح تقاضا تھیں۔ مکہ میں جس طرح آپؐ کو ستایا اور طائف میں پتھروں سے نوازا گیا۔ آگے مدنی زندگی میں بدر و حنین کے جو معرکے پیش آئے وہ سب اسی دعوت الی اللہ کے مختلف مدارج تھے۔ یہاں تک کہ اسلام کا بول بالا ہوا اور سرزمینِ عرب سے کفر و شرک کا نام و نشان مٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ذمہ داری قرآن نے اس امت

Marfat.com

کی قرار دی ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے روئے زمین پر 'دعوت الی الخیر' کا فریضہ انجام دے گی۔ جب کہ اسی کا دوسرا نام بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران : ۱۰۴)

اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ان لوگوں کی ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور نیکی (معروف) کا حکم دیں اور بدی (منکر) سے منع کریں۔ اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

تم بہترین جماعت ہو جو تمام انسانوں کے لئے نکالی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور (ان سب کا اصل الاصول ہے کہ) تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

خیر کی طرف بلانا، بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کے اندر (جیسا کہ گزر چکا ہے) فرد کی اصلاح سے لے کر پورے معاشرے یہاں تک کہ ریاست کو خدائی احکام و مرضیات کا پابند بنانا سب شامل ہے۔ قرآن 'دعوت الی اللہ' کی اس پوری جدوجہد کو 'عمل صالح' سے تعبیر کرتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (فصلت : ۳۳)

اور اس شخص سے بھلی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ ہاں میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

دوسرے موقع پر قرآن نے اس کے لئے حق اور صبر کی ایک دوسرے کو نصیحت 'تواصی بالحق والصبر' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اسے 'عمل صالح' کا صریح تقاضا بتایا ہے۔ سورۂ عصر (جس کے بارے میں امام شافعیؒ نے بجا طور پر کہا ہے کہ اگر لوگ صرف اسی سورہ پر غور و فکر کا

Marfat.com

حق ادا کر سکیں اور اس کے مطابق اپنے کو ڈھال لیں تو وہ ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہو[1]، کی آیات ہیں:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ	زمانہ گواہ ہے۔ ضرور انسان گھاٹے
لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ	میں ہے۔ سوائے ان کے جو ایمان
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	لائیں اور نیک عمل کریں اور آپس
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا	میں ایک دوسرے کو حق کی تلقین کریں
بِالصَّبْرِ۔	اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی
(آیات: ۱-۳)	تلقین کریں۔

'عمل صالح' سے اس کے تعلق اور ان کے باہمی ربط پر جو گفتگو حضرت فراہیؒ نے کی ہے، کہیں اور شاید اس کی نظیر نہ مل سکے۔ ہم 'عمل صالح' کی اس بحث کو بھی انہی کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

فقد تبین لنا ان	اس سے ہمارے لئے واضح ہوا کہ 'تواصی'
التواصی یتفرع	(ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین) 'عملِ
من عمل الصالحات	صالح' کا ایک حصہ ہے جس طرح کہ 'عملِ
کما ان عمل الصٰلحٰت	صالح' 'ایمان' سے پھوٹ کر نکلا ہے'
یتفرع من الایمان	اس لئے کہ حق جس کی نگاہوں میں کھب
فان من زین	جائے اور وہ اس پر عمل پیرا ہو گا اور
الیہ الحق وعمل	اس کے لئے جیے گا تو اس کے تئیں اس
بہ وصبر لہ	کا علم بڑھتا جائے گا۔ اور اس کے لئے
ازداد بہ علما	اس کی محبت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔
ولہ حبا وعلیہ	اسی طرح اس پر اس کا جوش و غضب

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۴۷، روح المعانی: ۳۰/۲۲۷۔

Marfat.com

غضبا وافرغ جهده
لحمايته فلا يمكنه
ان يرى الحق مخذولا
ولا مضاعا والباطل
عائثا فى عباد الله
فمثله كمثل بطل
شجاع يحرض اخوانه
على ان يحاموا
عن الحقيقة و
ويصبروا على
البأس وهذا
التحريض ليس
الاجزء من حمايته
فكذالك ههنا
التواصى جزء من
العمل الصالح
وذكره الله
تعالى على سبيل
التفصيل والتوضيح
وقد مر ان العمل
الصالح هو حفظ
السلم والتمدن
فيلزمه التواصى

فراواں ہوتا جائے گا اور وہ اس کی حفاظت
وبقار کی خاطر اپنی پوری قوت انڈیل
دے گا۔ پھر یہ اس سے کسی طرح نہ ہو
سکے گا کہ وہ حق کو رسوا اور ضائع ہوتا دیکھے
جب کہ باطل کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے
بندوں کے درمیان دندناتا پھرے۔
تو اس کی مثال اس سرفروش بہادر
کی سی ہوگی جو اپنے بھائیوں کو مہمیز کرے
کہ وہ (اپنی) عزت و ناموس کا دفاع
کریں اور اس کی خاطر لڑائی اور جنگ پر
ثابت قدمی دکھائیں۔ اس کا یہ مہمیز
کرنا اس کے سوا کیا ہے کہ وہ اس مدافعت
کا ایک حصہ ہے۔ پس یہی معاملہ
یہاں 'تواصی' (ایک دوسرے کو حق
وصبر کی تلقین کرنے) کا ہے کہ وہ 'عمل
صالح' کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کا ذکر
(یہاں) اللہ تعالیٰ نے بطور تفصیل و
توضیح کے کیا ہے۔ اور یہ بات گزر چکی
ہے کہ 'عمل صالح' صلح و آشتی 'سلم'
اور تمدن کی حفاظت سے عبارت ہے۔
پس اس کا لازمی تقاضا ہے کہ جو چیز
حق ہے اس کی ایک دوسرے کو تلقین
(تواصی) کی جائے اور اس پر ثابت قدمی

Marfat.com

بما هو الحق و	اختیار کی جائے۔ اور یہ ویسے ہی ہے
الاستقامة علیہ	جیسا کہ فرمایا ہے کہ: تعاونوا علی
وهٰذا مثل ما	البر والتقوٰی، اور تم ایک دوسرے
قال: وتعاونوا	کے ساتھ نیکی (بر) اور تقوے کے کام
على البر والتقوٰی	میں تعاون کرو۔ 'بر' (نیکی) کا مطلب
فالبر هو الحق	یہاں ہے حق، اور 'تقوٰی' کے معنی ہیں
والتقوٰی هی الصبر ای	صبر۔ دوسرے لفظوں میں بھلائی کے
تثبيت النفس على	کام میں اپنے کو ثابت قدم رکھنا،
الخير فی مواقع	خاص طور پر ان جگہوں میں جہاں
الزلة۔ [1]	پھسلنے کے امکانات زیادہ ہوں۔

آگے وہ اس 'تواصی بالحق' کا حق ادا کرنے کے لئے 'خلافت' کے قیام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ جس سے 'عمل صالح' کی تفسیر میں ایک بالکل نئی جہت سامنے آتی ہے۔ امام موصوف کی اس معرکۃ الآراء بحث کے الفاظ ہیں:

فان الایمان جامع	اس لئے کہ 'ایمان' عقائد کا عنوان
العقائد والعمل	ہے اور 'عمل صالح' قوانین وشرائع کا
الصالح جامع الشرائع	عنوان ہے۔ اور 'تواصی' (ایک دوسرے
والتواصی کمال	کو حق وصبر کی تلقین) ایک امتیازی چیز
فضل الله تعالٰی به	ہے جس سے اللہ تعالٰی نے اس امت
هٰذه الامة لا	کو سرفراز فرمایا ہے خاص طور پر (اس
سيما الائمة لما	کے) ائمہ اور سربراہوں کو اس لئے کہ
اوجب عليهم	اس نے ان کے اوپر 'بھلائی' کا حکم دینے

---

[1] تفسیر سورہ العصر / ۱۹۔

Marfat.com

الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والتعاون بالبر وبذلك جمع شملهم وجعلهم اخوانا وجنبهم عن التفرق والشقاق ولم يزل يسمو امر هذه الامة متى قامت على هٰذه القاعدة كما ترى في اوائل الخلافة حتى انشقت عصاهم وقد فصل الله تعالى هٰذه الفريضة في قوله: "يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون" اي مذعنون للاطاعة واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف

اور برائی سے منع کرنے اور نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کو لازمی قرار دیا ہے۔ اور اس طرح اس نے ان کے شیرازے کو جمع کیا اور انھیں بھائی بھائی بنایا اور انھیں تفرق وانتشار اور دشمنی اور پھوٹ سے دور رہنے کی راہ بتائی اور اس امت کا معاملہ برابر بڑھتا اور چڑھتا رہا جب تک کہ وہ اس قاعدہ پر استوار رہی۔ جیسا کہ تم خلافت کے ابتدائی ادوار میں دیکھتے ہو۔ یہاں تک کہ (بعد میں) ان کی مجتمع قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے (امت کے) اس فریضہ کو اپنے اس فرمان میں پوری تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہئے اور تمہیں جو موت آئے تو اسی حال میں کہ تم مسلمان ہو یعنی اطاعت کے لئے سرفگندہ ہو۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو جب کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن

بین قلوبکم فاصبحتم
بنعمتہ اخوانا و
کنتم علی شفا حفرۃ
من النار فانقذکم
منہا، کذلک یبین
اللہ آیاتہ لعلکم
تہتدون، ولتکن
منکم امۃ یدعون
الی الخیر و یامرون
بالمعروف و ینہون
عن المنکر و اولئک
ہم المفلحون، ولا
تکونوا کالذین
تفرقوا واختلفوا
من بعد ما جاءہم
البینات و اولئک
لہم عذاب عظیمۃ
الی قولہ تعالیٰ:
کنتم خیر امۃ
اخرجت للناس
تامرون بالمعروف
وتنہون عن المنکر
وتومنون باللہ ۃ

تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو باہم
ملا دیا تو اس کے احسان سے تم بھائی
بھائی ہو گئے اور تم (دنیا و آخرت دونوں
کے اعتبار سے) آگ کے گڑھے کے
کنارے پر تھے. سو اس نے تم کو اس
سے بچایا، اسی طرح اللہ تمہارے لئے
اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ
تم راہ یاب ہو. اور چاہیئے کہ تم میں سے
ایک جماعت لوگوں کی ہو جو بھلائی کی طرف
بلائیں اور نیکی کا حکم دیں اور بدی سے
منع کریں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب
ہیں. اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو چند
در چند ٹکڑیوں میں بٹ گئے اور اختلاف
وانتشار کا شکار ہو گئے اس کے پیچھے کہ
ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آئیں اور
یہی ہیں کہ ان کے لئے بڑا عذاب ہے
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک کہ: "تم
بہترین امت ہو جو نکالی گئی ہے (دنیا
کے) تمام انسانوں کے لئے. تم بھلائی
کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے
ہو اور (یہ اس لئے کہ تم) اللہ پر ایمان
رکھتے ہو" تو یہ ایک بڑا فرض ہے جو
اس امت پر عائد ہوتا ہے اور اس سلسلے

Marfat.com

فكان هذا فرضا عظيما على هذه الامة وفي ذالك آيات اخر، ولا يخفى ان الله تعالى جعل ذمة الامر والنهي على امراء الامة وائمتهم كما تفهم من قوله "ولتكن منكم امة" ولكنه تعالى جعل التواصي فرضا عاما فدلنا على اصل الامر وهو ان المومنين غير موفين بذمتهم حتى ان يعملوا الصالحات ثم يساعد بعضهم بعضا في اداء الحقوق الواجبة

میں دوسری آیتیں بھی ہیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (بھلائی کا حکم دینے اور (برائی سے) منع کرنے کی ذمہ داری امت کے امراء اوران کے ائمہ پر ڈالی ہے۔ جیساکہ تم اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں "ولتکن منکم امۃ" (اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو) کے الفاظ سے سمجھ سکتے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے 'تواصی' (ایک دوسرے کو حق وصبر کی تلقین) کو ایک عمومی فرض قرار دیا جس سے ہمیں اس معاملہ کا اصل سرا ہاتھ آتا ہے اور وہ یہ کہ اہلِ ایمان جماعت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تاآنکہ وہ بھلائی کے کاموں (عملِ صالحات) کا اہتمام کرے۔ پھر ان پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کے لئے ہر شخص دوسرے کا ہاتھ بٹائے اور اس راہ میں ثابت قدمی واستقلال کے دامن کو مضبوط تھامے رہے خاص طور پر ان مواقع میں جہاں قدم جادۂ حق سے پھسلنے کے امکانات زیادہ ہوں۔ ان حقوق کی بتمام وکمال ادائیگی خلافت اور سیاسی نظام کے قیام کے بعد ہی ممکن

علیہم والاستقامۃ عند ما یزل اقدامہم ولا یستتب ادا ء الحقوق الا بعد اقامۃ الخلافۃ والسیاسۃ ولا یتم التثبت علیہ الا بعد الاذعان لہا[1]

ہے۔ اور اس چیز کے لئے پائیداری اور بقار اسی وقت تک نصیب رہ سکتی ہے جب تک کہ (مسلمان امت کی) گردنیں اس کے لئے پوری طرح جھکی رہیں یہی نہیں بلکہ گردن کے ساتھ لوگوں کے دل بھی اس کے لئے اسی طرح جھکے ہوئے ہوں)

عملِ خیر

عمل صالح ہی کا دوسرا نام 'عملِ خیر' (نیکی اور بھلائی کا کام) ہے، قرآن کے مطالعہ سے اس کا بھی یہی وسیع تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ دنیا کے اندر کسی اجتماعیت کی بھلائی اور بہتری کا تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کے اندر خاص طور پر اپنے کمزور طبقات اور کمزور عناصر کی معاشی کفالت اور خبرگیری کا اہتمام نہ ہو۔ قرآن خلق خدا کی اس بہبودی اور اس کے لئے فکرمندی کو 'عملِ خیر' (بھلائی کا کام) بتاتا ہے:

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ

لوگ (اے نبیؐ) تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ کہو کہ تم جو بھی بھلائی کی چیز خرچ کرو تو وہ ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو گے

---

[1] تفسیر سورۃ العصر/۶، ۷۔ نامور محقق اور عالم دین علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی 'عمل صالح' کے دائرے کو بہت وسیع مانا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: 'عمل صالح' کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کے اندر انسانی اعمال خیر کے تمام جزئیات داخل ہیں۔ سیرۃ النبی ۵/۷۔ طبع یازدہم۔

Marfat.com

فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ۔(بقرہ : ۲۱۵) تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے۔

یہی بات دوسرے موقع پر مزید زور و قوت سے کہی گئی جہاں سماج کے کمزور عناصر کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے مفادات کے تحفظ کی تاکید کے ساتھ خاص طور پر یتیموں اور بے سہاروں کو عدل و انصاف فراہم کرنے کی خاطر مسلمانوں کو اٹھ کھڑے ہونے کی تاکید کی گئی:

وَ یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی	اور وہ تم سے (اے نبیؐ) مسئلہ پوچھتے
النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ	ہیں عورتوں کے سلسلے میں ۔ کہو کہ
یُفۡتِیۡکُمۡ فِیۡہِنَّ وَمَا	اللہ تمہیں مسئلہ بتاتا ہے ان کے
یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ	سلسلے میں ۔ اور وہ بھی یاد رکھو جو تم پر
فِیۡ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیۡ	پڑھا جاتا رہا ہے ان عورتوں کے یتیم
لَا تُؤۡتُوۡنَہُنَّ مَا کُتِبَ	بچوں کے سلسلے میں جنھیں تم وہ (مہر
لَہُنَّ وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ	وغیرہ) نہیں دیتے ہو جو ان کے
تَنۡکِحُوۡہُنَّ وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ	لئے فرض ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز انھیں
مِنَ الۡوِلۡدَانِ	نکاح میں لینے سے کتراتے ہو۔ اور
وَ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا	دبے اور کچلے ہوئے بچوں کے سلسلے
لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ	میں بھی (اللہ کے حکم کو یاد رکھو) اور
وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ	یہ کہ تم یتیموں کے لئے حق و انصاف
خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ	کی خاطر اٹھ کھڑے ہو۔ اور تم بھلائی
کَانَ بِہٖ عَلِیۡمًا ۔	کا جو کام بھی کروگے تو اللہ ضرور اس
(نساء : ۱۲۷)	کا علم رکھنے والا ہے۔

گزر چکا ہے کہ اسلام میں بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا پورے نظام زندگی کی تبدیلی کے مرادف ہے۔ قرآن اصلاحِ امم کے اس انقلابی عمل کو بھی "عمل خیر" میں شامل قرار دیتا ہے۔ حق پرست اہل کتاب کے سلسلے میں فرمایا:

لَیۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَہۡلِ اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں۔ ان میں

Marfat.com

الْکِتَابِ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ	ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو
یَتْلُوْنَ اٰیَاتِ اللّٰہِ	حق پر قائم ہے۔ یہ لوگ اللہ کی آیتوں
اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَ ھُمْ	کی تلاوت کرتے ہیں رات کے وقتوں
یَسْجُدُوْنَ، یُؤْمِنُوْنَ	میں اور یہ سجدوں میں پڑے ہوتے
بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ	ہیں۔ یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور
الْاٰخِرِ وَ یَاْمُرُوْنَ	آخرت کے دن پر اور نیکی کا حکم دیتے
بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ	ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اور
عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُسَارِعُوْنَ	بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے
فِی الْخَیْرَاتِ وَ اُولٰئِکَ	سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں
مِنَ الصّٰلِحِیْنَ،	اور یہی ہیں جو نیکوکاروں میں ہیں اور
وَ مَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ	یہ بھلائی کا جو کام بھی کریں گے تو ان
یُّکْفَرُوْہُ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ	کی اس پر ناقدری نہ ہوگی۔ اور اللہ
بِالْمُتَّقِیْنَ۔	خوب جاننے والا ہے ڈر کر رہنے
(آلِ عمران: ۱۱۳-۱۱۵)	والوں کو۔

آگے قرآن راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کو 'عمل خیر' کا لازمی تقاضا بتاتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا کے دوسرے تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی کا بہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء ہو جائے۔ قیامت تک کے لئے امتِ مسلمہ پر دنیائے انسانیت کے روبرو 'شہادت حق' کی جو ذمہ داری سپرد ہے، کہ اس دین حق کے بالمقابل دنیا کے دوسرے تمام افکار و ادیان بالکل ماند پڑ جائیں اور اس کے راستے میں ان کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہے، جان و مال کی قربانی کے بغیر اس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع کرو،
ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا	سجدے کرو، اپنے رب کی عبادت (بندگی)
رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ	کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم بامراد

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، وَجَاهِدُوا	ہو۔ اور اللہ (کے راستے میں جان و
فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ	مال سے) جہاد کرو جیسا کہ اس جہاد کا
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ	حق۔ اس نے تم کو منتخب کیا ہے اور
عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ	تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں
مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ	رکھی ہے۔ (مضبوط تھام لو) اپنے
إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ	باپ ابراہیم کے طریقے کو۔ جنھوں نے
الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ	تمہارا نام مسلمان (فرماں بردار) رکھا
وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ	اس سے پہلے بھی اور اس (کتاب) میں
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَتَكُونُوا	بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم (دنیا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	کے) تمام انسانوں پر (دین حق کے)
فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ	گواہ ہو۔ سو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو
وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ	اور اللہ کو مضبوط پکڑ لو۔ وہی تمہارا
فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ	کارساز ہے۔ سو کیا ہی بہترین کارساز
(حج : ۷۷-۷۸)	ہے وہ اور کیا ہی بہترین مددگار ہے۔

اقوام عالم پر حق کی گواہی پیش کرنے کے سلسلے میں لفظ 'جہاد' کے استعمال سے امکان تھا کہ معاملہ زبان و قلم اور اس حد تک اس مہم کے مالی تقاضوں کی ادائیگی تک محدود رہے۔ دوسرے موقع پر صراحت کر دی کہ اس فریضے کی ادائیگی میں قتال اور جنگ بھی شامل ہے اور زبان و قلم کا جہاد کافی نہ ہوگا تو دنیا کی طاغوتی قوتوں کا سر کچلنے کے لئے تلوار کی طاقت کو بھی استعمال کرنا پڑے گا۔ یہاں تک کہ خدا اور بندوں کے درمیان سے ان انسان نما شیطانوں کا واسطہ ہٹ جائے۔ اور دنیا و آخرت کی ابدی فلاح کو پا لینے کی راہ میں عام انسان کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ نہ رہے۔ سورۂ مزمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مخصوص صحابہ کرام کے لئے نماز تہجد کے سابقہ کورس میں تخفیف کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ	ضرور تمہارے رب کو پتہ ہے کہ تم رات

Marfat.com

أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

کی دو تہائی، اس کے نصف اور اس کی تہائی کے قریب کھڑے ہوتے ہو۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اس کو پتہ تھا کہ تم اسے نبھا نہ سکو گے تو وہ (اپنی بخشش کے ساتھ) تم پر متوجہ ہوا سو (اب) تم قرآن اتنا پڑھو جو آسانی سے ہو سکے۔ اس کو پتہ تھا کہ ضرور تم میں ہوں گے بیمار لوگ، دوسرے وہ جو زمین میں پھرتے ہوں گے اللہ کے فضل کی تلاش میں لگے ہوئے۔ دوسرے وہ جو اللہ کے راستے میں جنگ کرنے والے ہوں گے۔ سو اب تم اس (قرآن) سے پڑھو وہ جو آسانی سے ہو سکے۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کے لیے بہترین قرضے کی پیشکش کرو۔ اور تم اپنے لیے بھلائی کا جو کام بھی آگے بڑھاؤ گے تو اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے کہ وہ اس سے بھی بھلا اور بڑا ہو گا بدلہ میں۔ اور اللہ سے گناہوں کی معافی چاہو ضرور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

(آیت : ۲۰)

Marfat.com

صالحین

نیک کام 'عمل صالح'، اور 'بھلے کام'، (عمل خیر) کی طرح قرآن کا 'نیکوں' صالحین' کا تصور بھی اسی طرح بہت وسیع ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر خدائی مرضیات میں اپنے کو لگانے والا کوئی دوسرا گروہ اب تک ہوا نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے نہ صرف اپنی پوری زندگی میں دین کے تقاضوں پر عمل کیا، بلکہ دنیا کے اندر حق کا بول بالا کرنے کے لئے جان توڑ کوششیں کیں اور اس مقصد کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دی اور بڑے سے بڑے خطرات کا انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ انھوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں باطل سے پنجہ آزمائی اور حق و باطل کی کشمکش اور معرکہ آرائی میں گزار دیں۔ وہ دنیا میں صرف ایک مقصد کے لئے جئے کہ روئے زمین پر توحید کا علم بلند ہو اور نظام کفر و شرک کا کہیں نام و نشان نہ رہے۔ قرآن ان کی اس پوری جد و جہد کی ترجمانی اسی ایک لفظ 'صالحین' سے کرتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقدس زمرہ میں، حق و باطل کی کشمکش کے پس منظر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے جن کی پوری زندگی حق کے لئے قربانیوں اور طاغوت کے لئے چیلنج سے عبارت ہے۔ قرآن آپ کی اس جد و جہد کے بدلے آخرت میں آپ کو 'صالحین' کا سرخیل قرار دیتا ہے:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَ	اور ہاں ہم نے اس کو منتخب قرار دیا
إِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ	دنیا میں اور آخرت میں وہ ضرور نیکوکاروں
الصَّالِحِينَ۔ (بقرہ : ۱۳۰)	(صالحین) میں ہوگا۔
وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً	اور ہم نے اسے بھلائی دی دنیا میں
وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ	اور وہ ضرور آخرت میں نیکوکاروں
الصَّالِحِينَ۔ (نحل : ۱۲۲)	(صالحین) میں ہوگا۔
وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَ	اور ہم نے اس کو اس کا بدلہ دیا دنیا
إِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ	میں اور آخرت میں وہ ضرور نیکوکاروں

Marfat.com

الصَّالِحِيْنَ۔ (عنکبوت: ۲۷) (صالحین) میں ہوگا۔

خانوادۂ ابراہیمؑ کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی یہی بات فرمائی:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ، وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ، وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔	اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) اسحاقؑ اور یعقوبؑ دیئے۔ ہر ایک کو ہم نے راہ یاب کیا اور نوحؑ جسے ہم نے اس سے پہلے راہ یاب کیا تھا۔ اور اسی (ابراہیمؑ) کے خانوادے سے داؤدؑ وسلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ بھی ہیں۔ اور اسی طرح ہم خوب کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یہی حال زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کا ہے۔ یہ سب نیکو کاروں میں سے ہیں۔ اور اسماعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے دنیا والوں پر بڑا بنایا۔ اسی طرح ہم نے ان کے آبائی سلسلے اور ان کے خانوادوں اور ان کے بھائیوں میں سے (انبیاء اٹھائے) اور انھیں منتخب ٹھہرایا اور ٹھیک راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

(انعام: ۸۴-۸۷)

دوسرے موقع پر بعض اور ناموں کے اضافے کے ساتھ فرمایا:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ	اور یاد کرو ایوبؑ کو جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف لگ

Marfat.com

اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ،	گئی ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے
فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَکَشَفْنَا	والا ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا سن لی
مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ	سو ہم نے چھانٹ دیا جو اس کے ساتھ تکلیف
اٰتَیْنَاہُ اَھْلَہٗ وَمِثْلَھُمْ	لگ گئی تھی۔ اور ہم نے اسے اس کے اہل و
مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ	عیال (پھر سے) دے دیئے اور ان
عِنْدِنَا وَ ذِکْرٰی	کے ساتھ انھیں جیسے مزید۔ اپنی طرف
لِلْعَابِدِیْنَ، وَ	سے بطور مہربانی اور بندگی کرنے والوں
اِسْمَاعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ	(عابدوں) کے لئے یاد دہانی کے لئے
وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ	اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ
الصَّابِرِیْنَ، وَاَدْخَلْنٰھُمْ	سب (اللہ کے راستے پر) جمنے والے
فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّھُمْ	تھے۔ اور ہم نے انھیں (بطور خاص)
مِّنَ الصَّالِحِیْنَ۔	اپنی رحمت میں داخل کیا۔ اور یہ ضرور
(انبیاء: ۸۳-۸۶)	نیکوکاروں (صالحین) میں تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ان کا بے پناہ صبر و برداشت ہے۔ جب 'صابرین' کی فہرست میں ان کا شمار کرنا ضروری ہے تو لازم ہے کہ 'صالحین' کے زمرہ میں بھی انھیں شامل قرار دیا جائے۔[1]

'معروف' کا حکم دینا اور 'منکر' سے منع کرنا، معلوم ہو چکا ہے کہ یہ پوری انسانی زندگی میں خدائی مرضیات کو نافذ کرنے کا عنوان ہے۔ قرآن اس فریضے کی انجام دہی کرنے والوں کو 'صالحین' میں شمار کرتا ہے۔ حق پرست اہلِ کتاب کے سلسلے میں آلِ عمران کی یہ آیت ایک سے زائد بار گزر چکی ہے:

لَیْسُوْا سَوَاءً مِّنْ اَھْلِ	سب اہلِ کتاب برابر نہیں ہیں۔ ان

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: انبیاء: ۷۲، ۷۵، صافات: ۱۰۰، ۱۱۲ وغیرہ۔

Marfat.com

الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاۤءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ، يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰۤئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔ (آیات: ۱۱۳-۱۱۴)

ہیں ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں رات کے وقتوں میں اور یہ سجدوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نیکی (معروف) کا حکم دیتے ہیں اور بدی (منکر) سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی لوگ نیکو کاروں (صالحین) میں ہیں۔

دوسرے موقع پر قرآن راہِ خدا پر جمنے اور اس کے سلسلے میں تمام طرح کی داخلی و خارجی رکاوٹوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والوں کو 'صالحین' قرار دیتا ہے۔ سورۂ عنکبوت کا آغاز ہی 'ایمان' کے اقرار کے بعد اس راستے میں چند در چند آزمائشوں کے اعلان سے ہوتا ہے:

الٓمّٓ، اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ۔ (آیات: ۱-۲)

الٓم، کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ انھیں چھوڑ دیا جائے گا (صرف) یہ کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا۔ جب کہ ہاں ہم آزما چکے ہیں ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ تو اللہ ضرور پرکھ کر رہے گا جو سچائی پر ہیں اور وہ ضرور پرکھ کر رہے گا جھوٹ پر چلنے والوں کو۔

علامہ زمخشریؒ نے اس فتنہ اور آزمائش کی یہ جامع تشریح کی ہے:

والفتنۃ الامتحان بشدائد — 'فتنہ' کے معنیٰ ہیں سخت مصیبتوں اور

التكليف من مفارقة	پریشانیوں کے ذریعہ آزمائش، جیسے کہ
الاوطان ومجاهدة	وطن کی جدائی، دشمنوں کے ساتھ جہاد
الاعداء وسائر الطاعات	نیز طاعت وبندگی کے دوسرے تمام کام
الشاقة وهجر الشهوات	جو انسان پر شاق گزرتے ہیں۔ اسی
والملاذ وبالفقر	طرح مثلاً اپنی خواہشات اور من پسند
والقحط وانواع	چیزوں سے دست برداری، نیز افلاس
المصائب فی	قحط سالی اور جان ومال میں تکلیف
الانفس والاموال	اور مصیبت کی مختلف صورتیں نیز کفار
وبمصابرة	کی ایذا رسانی، ان کی تدبیروں اور چالوں
الکفار علی	اور ان کی ایذا رسانیوں کے بالمقابل
اذاهم وکیدهم	جمنا اور ان کا ڈٹ کر پوری بے جگری کے
وضرارهم [1]	ساتھ مقابلہ کرنا۔

آگے جو لوگ اس سلسلے میں ہر طرح کی داخلی اور خارجی رکاوٹوں کا بے جگری کے ساتھ مقابلہ کریں، قرآن انھیں 'ایمان' اور 'عمل صالح' کی روش پر عمل پیرا بتاتا اور روز جزا، انھیں بہترین اجر کی خوش خبری سناتا ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا	اور جو کوئی مجاہدہ کرے گا تو بس وہ اپنی
يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ	ذات کے لئے مجاہدہ کرے گا، ضرور
اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ،	اللہ بے نیاز ہے دنیا والوں سے۔ اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے
لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	ضرور ہم ان سے ان کی کوتاہیوں کو زائل
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ	کریں گے اور ہم ضرور انھیں بدلہ دیں گے

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/ ۱۰۶۹، ۱۰۷۰۔ کلکتہ۔

Marfat.com

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - (آيات: ۶-۷)   ان بہترین کاموں کا جو یہ کرتے رہے تھے۔

آیت کریمہ میں جس 'مجاہدہ' کا ذکر ہے اس میں نفس وشیطان کے اکساؤں کے خلاف، کمربستہ ہونے کے ساتھ دشمنانِ دین کے ساتھ مقابلہ اور صف آرائی بھی اسی طرح شامل ہے[1] دین کے یہ دشمن کبھی آدمی کے ملک وقوم کے لوگ ہوتے ہیں اور کبھی اس کا خاندان اور اس کے قریب ترین اعزہ، یہاں تک کہ اس کے ماں باپ۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ دین کے ان مخالفین کی پرواہ نہ کرکے ان کے مقابلے میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہیں اور اپنی پوری زندگی خدا کی مرضی سے ہٹ کر قدم اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوں، یہی لوگ 'صالحین' ہیں جنھیں آخرت میں اسی طرح کے نیکو کاروں 'صالحین' کی معیت نصیب ہوگی:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِيْنَ ۔ (عنكبوت: ۸-۹)	اور ہم نے انسان کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھے برتاؤ کی۔ اور اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ساجھی ٹھہرائے اس چیز کو جس کا تجھے کچھ پتہ نہیں تو تو ان کی بات مت مان۔ تم سب کو میری ہی طرف پلٹنا ہے تو ضرور میں تمہیں خبردار کروں گا اس سے جو تم کرتے رہے تھے۔ ہاں وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ہم انھیں نیکو کاروں (صالحین) میں داخل کریں گے۔

جو لوگ اپنی پوری زندگی میں خدا کے راستے پر ڈٹنے اور اس سلسلے میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، قرآن ایسے لوگوں کو 'نفاق' کے

---

[1] مفسر طبریؒ نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے: ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه يقول و من جاهد عدوه من المشركين فانما يجاهد لنفسه الخ، جامع البيان: ۲۰/۸۴۔

Marfat.com

مہلک مرض میں گرفتار رہتا ہے، جس کا اس کے مطلوبہ 'صالحین' کے تصور سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ
فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ
النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ
وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ
رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا
مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ
بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ
الْعٰلَمِيْنَ، وَلَيَعْلَمَنَّ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ۔
(عنکبوت: ۱۰-۱۱)

اور لوگوں میں سے کچھ ہیں جو کہتے تو ہیں
کہ ہم ایمان لائے اللہ پر لیکن جب
انھیں ستایا جاتا ہے اللہ (کے راستے)
میں تو وہ انسانوں کی آزمائش کو اللہ
کے عذاب کی طرح ٹھہرا لیتے ہیں۔ ہاں
اگر تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد
آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہاں ہم تو
تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ کو اچھی طرح
پتہ نہیں ہے اس کا جو لوگوں کے دلوں
میں ہے۔ اور اللہ ضرور پرکھ کر رہے گا
ان کو جو ایمان لائے اور وہ ضرور پرکھ
کر رہے گا نفاق زدوں کو۔

عبادت اور عابدین

اسلامی نظامِ زندگی کے سرنامہ 'عبادت' پر اس سے پہلے تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔ کہ وہ پوری انسانی زندگی میں خدائے واحد کی بلاشرکتِ غیرے اور غیر مشروط پرستش واطاعت کا عنوان ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دین میں جملہ معاملاتِ زندگی کی نسبت سے جو بات جس اہمیت اور جس ترتیب سے کہی گئی ہے، اسے اسی اہمیت اور ترتیب سے ادا کیا جائے اور زندگی کا کوئی قدم خدا تعالیٰ کی مرضی سے ہٹ کر نہ اٹھے۔ خدا کی عبادت کے ساتھ اس کے عبادت گزاروں 'عابدون' کا بھی قرآن نے یہی نقشہ پیش کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں گروہ انبیاء کے سرخیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پوری جمعیتِ انسانی کا امام و مقتدیٰ بنائے جانے کا ذکر بڑے

Marfat.com

پرکیف انداز میں کیا گیا ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ	اور یاد کرو جب کہ ابراہیم کو اس کے
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ	رب نے آزمایا چند باتوں میں سو اس
اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ	نے انھیں پورا کر دکھایا۔ فرمایا کہ ضرور میں
اِمَامًا۔ (بقرہ : ۱۲۴)	تجھے لوگوں کا پیشوا ٹھہرانے والا ہوں۔

آگے اپنے چہیتے صاحب زادے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اپنی پوری زندگی میں حق تعالیٰ کا مطیع فرمان ہونے کی دعا کا ذکر ہے، مزید برآں یہ دردمندانہ عرض داشت کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اس خانوادے سے ایسی امت برپا کرے جو رہتی دنیا تک کے لئے روئے زمین پر حق تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا علم بلند کردے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ	اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو اپنا
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا	فرماں بردار بنا اور ہمارے خانوادے سے
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ	اپنی ایک فرماں بردار امت برپا کر۔ اور
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا	ہم کو ہماری عبادت کی جگہوں کو دکھادے
وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ	اور ہم پر (اپنی بخشش کے ساتھ) رجوع ہو
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔	ضرور تو بڑا رجوع ہونے والا، رحم کرنے
(بقرہ : ۱۲۸)	والا ہے۔

اس میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا بھی شامل تھی جنھوں نے اپنے زمانے میں قیصر وکسریٰ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اعلان کردیا کہ اب قیامت تک کے لئے کسی قیصر یا کسی کسریٰ کے سر اٹھانے کے لئے کوئی موقع نہیں رہے گا[1]:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ	اے ہمارے رب! اور ان کے بیچ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ	انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان پر

---

[1] بخاری جلد ا۔ کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (آیت: ۱۲۹)

تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ ضرور تو بڑے غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

یہاں تک کہ خدا کے حضور سرفگندگی اور اپنی پوری زندگی میں اس کی بے لاگ اطاعت پورے خانوادۂ ابراہیمی کا امتیازی نشان بن گئی:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِىْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ......

یاد کرو جب کہ اس سے (ابراہیمؑ سے) اس کے رب نے کہا کہ مطیع فرمان ہو جاؤ تو اس نے کہا کہ میں نے سر جھکا دیا رب العالمین کے لئے۔ اور اسی بات کی تاکید کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو! ضرور اللہ نے چن دیا ہے تمہارے لئے دین کو سو تمہیں جو موت آئے تو اسی حال میں کہ تم فرماں بردار (مسلم) ہو۔ آیا تم (اے اہل کتاب) موجود تھے جب کہ یعقوبؑ کو موت آئی جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد تم کس چیز کی بندگی (عبادت) کروگے؟ انھوں نے کہا کہ ہم تمہارے معبود اور تمہارے باپ دادوں ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی بندگی (عبادت) کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے مطیع فرمان ہیں.... (اے مسلمانو!)

Marfat.com

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (بقرہ : ۱۳۱ - ۱۳۶)

کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم تک اور جو اتاری گئی ابراہیمؑ اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اس کی اولاد تک اور اس چیز پر جو دی گئی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو ساتھ ہی اس پر جو دی گئی (دوسرے تمام) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان کے بیچ کوئی امتیاز نہیں کرتے۔ اور ہم اس (اللہ) کے مطیع فرمان ہیں۔

معلوم ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے اسلام کی صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر یہودیت و نصرانیت کی الگ پگڈنڈیاں بنالی تھیں۔ جب کہ مسلمانوں کی طرح ان کے جدِامجد سیدنا ابراہیمؑ کو اس سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔

وَقَالُوْا کُوْنُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَھْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰھٖمَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (بقرہ : ۱۳۵)

اور انھوں (اہل کتاب) نے کہا کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ پر ہو جاؤ گے کہو نہیں بلکہ ابراہیمؑ کا طریقہ ہی (برحق) ہے۔ جو یکسو تھا اور جو شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

سیدنا ابراہیمؑ نے اسلام کی جو سیدھی اور سچی شاہراہ دکھائی تھی اس کا مطلب تھا کہ ایمان کی جملہ دفعات اور آخری نبی سمیت اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاکر اپنی پوری زندگی کو حق تعالیٰ کی بندگی و اطاعت میں لگا دیا جائے۔ اور اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اس کی رضا سے سرِمو انحراف نہ ہونے پائے۔ قرآن نے کہا کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اپنے روایتی پندار سے دست بردار ہو کر اگر اس طریقے کو اپنانے کے لئے آمادہ ہوں، جبھی انھیں راہ یابی نصیب ہو سکتی ہے:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ

سو اگر یہ (اہل کتاب) ایمان لائیں جیسے

Marfat.com

بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ	کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ راہ یاب ہیں۔
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ	اور اگر یہ روگردانی کریں تو بس یہ لڑائی
فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ	جھگڑے میں ہیں۔ سوان کی طرف
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔	سے اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اور
(بقرہ: ۱۳۷)	وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔

آگے فرمایا کہ یہی خدا کا رنگ 'صبغۃ اللہ' ہے۔ اور جو لوگ اپنے کو اس رنگ میں پوری طرح رنگ لیں، وہی دراصل خدا کے عبادت گزار و 'عابدون' اور اس کی طاعت و بندگی کا حق ادا کرنے والے ہیں:

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ	اللہ کے رنگ (میں رنگ جاؤ)۔ اور
اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ	اللہ سے اچھا رنگ اور کس کا ہو سکتا
عَابِدُوْنَ۔ (آیت: ۱۳۸)	ہے۔ اور (کہو کہ) ہم اس کے عبادت گزار ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام نہ صرف اپنی پوری زندگی میں خدا کے دین پر عمل بلکہ اپنے اپنے دائرے میں اس کے قیام و نفاذ کے علم بردار ہوتے ہیں۔ جس کے لئے انھیں بسا اوقات نظام باطل سے پنجہ آزمائی اور اکثر و بیشتر ان کی پوری زندگی اس سے کشمکش اور معرکہ آرائی میں بسر ہو جاتی ہے۔ پورے گروہ انبیاء میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس سلسلے میں بھی ایک خاص امتیاز کے حامل ہیں، جن کی پوری زندگی اس راہ میں آزمائشوں اور قربانیوں سے عبارت ہے۔ یہاں تک کہ اس جرم کی پاداش میں انھیں جیتے جی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا گیا سورۂ انبیاء میں قرآن نے ان کی اس ابتلاء کی داستان کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی سلسلے میں آپ کے علاوہ حضرت لوطؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا بھی بیان ہے، اپنی زندگی میں دین حق کے لئے جن کی جدوجہد اور بے مثال استقامت ایک معلوم حقیقت ہے۔ قرآن رشد و ہدایت کے ان اماموں اور صبر و عزیمت کے ان پہاڑوں کو 'عابدین' قرار دیتا ہے:

وَجَعَلْنَاھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ	اور ہم نے انھیں پیشوا ٹھہرایا جو ہمارے حکم
بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ	کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے

Marfat.com

فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ	ان تک وحی کی بھلائی کے کاموں کی
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ	انجام دہی کی اور نماز قائم کرنے کی
وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ۔	اور زکوٰۃ دینے کی۔ اور وہ ہمارے
(انبیاء: ۷۳)	عبادت گزار تھے۔

قرآن نے 'حدود اللہ' کا لفظ جن وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ جس کے اندر انفرادی واجتماعی زندگی کے اہم ترین گوشے شامل ہیں معروف کا حکم دینے اور منکر سے منع کرنے کے دائروں کی وسعت کا حال بھی معلوم ہے۔ قرآن سچے اہل ایمان کے بیان میں ان کا وصف عبادت گزار 'عابدون' بتاتا ہے تو اس کی تفصیل کرتے ہوئے ان کی زندگی کے ان اہم ابواب کا بھی اضافہ کرتا ہے:

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ	(اللہ کی طرف) پلٹنے والے (اس کی)
الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ	عبادت کرنے والے (اس کی) حمد
الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ	بیان کرنے والے، روزے رکھنے والے
الْاٰمِرُوْنَ بِا	رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے
لْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ	بھلائی (معروف) کا حکم دینے والے
عَنِ الْمُنْكَرِ وَ	برائی (منکر) سے منع کرنے والے،
الْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ	اور اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) حدوں کی
اللّٰهِ وَ بَشِّرِ	نگہداشت کرنے والے۔ اور (اے نبیؐ)
الْمُؤْمِنِيْنَ۔	ایسے ایمان والوں کو تم خوش خبری
(توبہ: ۱۱۲)	سنا دو۔

خشوع اور خاشعین

مسلمان کے اندر اللہ کی یاد اور اس کی بزرگ وبرتر ذات کے استحضار سے دل میں جھکاؤ اور نرمی پیدا ہو، دینی زندگی کا یہ وہ نکتہ ہے جسے اس کا اول وآخر کہا جا سکتا ہے۔ کسی

بھی صاحبِ ایمان کے دل میں یہ کیفیت جتنی گہری اور مضبوط ہوگی، اسی نسبت سے وہ دین کے تقاضوں اور اس کے مطالبات پورا کرنے کے لئے آمادہ ہوگا۔ مدینہ کے اندر کچھ مسلمانوں میں اس کیفیت کی کمی دیکھ کر اسے اپنے اندر تازہ اور بیدار کرنے کا حکم ہوا:

اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	کیا وقت نہیں آیا ان لوگوں کے لئے جو
اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ	ایمان لائے ہیں کہ ان کے دلوں میں
اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ	جھکاؤ (خشوع) پیدا ہو اللہ کی یاد دہانی
وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ	اور اس حق کے لئے جو (ان تک) اترا
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ	ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوں
فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ	جنھیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تو
قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ	ان پر مدت دراز ہوگئی تو ان کے دل
فٰسِقُوْنَ۔	سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے بہتیرے
(حدید : ۱۶)	نافرمان ہیں۔

آگے دل کے اس جھکاؤ کا جو نتیجہ اور عملی زندگی میں اس کا جو مظاہرہ مذکور ہوا وہ یہ کہ اہلِ ایمان زیادہ سے زیادہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو بہترین قرض (قرضِ حسن) دینے والے بنیں، جس کا غالب استعمال اللہ کے دین کے لئے جہاد اور اس کی تیاری کے لئے اپنا مال خرچ کرنے سے ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ	ضرور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ
وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا	دینے والی عورتیں اور وہ جنھوں نے اللہ
حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ	کو قرض دیا بہترین قرض (قرضِ حسن)
وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۔	تو یہ انھیں دوچند کر کے واپس کیا جائے گا۔
(حدید : ۱۸)	اور ان کے لئے عزت کا بدلہ ہے۔

سورۂ حدید کا مرکزی موضوع اللہ کے دین کے لئے جان و مال سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو ترغیب دلانا ہے۔ اس سورہ میں بار بار اللہ کے راستے میں خرچ کرنے (انفاق فی سبیل اللہ

Marfat.com

کی جو بات کہی گئی ہے اس کا زیادہ تر رجحان اسی طرف سے ہے۔ اس کے ساتھ ہی خدا کے دین کے لئے 'جنگ' (قتال) کو ایمان کا صریحی تقاضا قرار دے کر، قرآن نے ایمان کا دعوی کرنے والوں سے، ان دو مطالبات کا ذکر اس سورہ میں بڑی تفصیل سے کیا ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ	ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر
وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ	اور خرچ کرو اس چیز میں سے جس کا اللہ
مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ	نے تمہیں مختار بنایا ہے۔ سو جو لوگ
آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ	تم میں سے ایمان لائیں اور (راہ خدا
أَجْرٌ كَبِيرٌ، وَمَا لَكُمْ	میں) خرچ کریں ان کے لئے بڑا بدلہ
لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ	ہے۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے جو اللہ پر
يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا	ایمان نہیں رکھتے ہو جب کہ رسول تم
بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ	کو آواز دے رہا ہے کہ (اس کے راستے
مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ	میں خرچ کر کے) تم اپنے رب پر ایمان کا
مُؤْمِنِينَ، وَمَا لَكُمْ	ثبوت دو۔ اور (اس سے پہلے وہ تم سے
أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ	(اس کا) عہد لے چکا ہے اگر تم ماننے والے
اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ	ہو۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کے
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، لَا	راستے میں خرچ نہ کرو جب کہ اللہ ہی کے
يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ	لئے آسمانوں اور زمین کی وراثت ہے۔
مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ	تم میں سے برابر نہیں ہو سکتے وہ جنھوں
أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً	نے خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور جنگ
مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ	کی۔ ان لوگوں کا درجہ بہت بڑا ہے ان
بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا	سے جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور
وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ	جنگ کی۔ گو کہ اللہ نے ہر ایک سے بہترین
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ	(اجر) کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ خوب

Marfat.com

خَبِيْرٌ۔ (حدید : ۷ - ۱۰) پتہ رکھنے والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

یہ آیتیں صاف بتاتی ہیں کہ باطل سے برسرِ پیکار اور شرک و کفر کی قوتوں سے پنجہ آزمائی کی صورت میں مسلمان معاشرے کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جہاد و قتال کی تیاری کمزور ابنائے معاشرہ کی کفالت اور گھر سے بے گھر ہو جانے والوں کی آبادکاری وغیرہ ان سب کے سلسلے میں انفاق فی سبیل اللہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہی چیز ہے جس کے ذریعہ ان تمام محاذوں پر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جو آگے اسے قرآن اللہ کو 'قرض حسن' دینے سے تعبیر کرتا ہے جسے وہ قیامت کے روز دوگنا، چوگنا کر کے اپنے ایسے مخلص بندوں کو واپس کرے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ	کون ہے جو اللہ کو قرض دے بہترین
قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَہٗ	قرض (قرض حسن) پس وہ اسے دوچند
لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ۔	کرکے لوٹائے اور اس کے لئے عزت
(حدید : ۱۱)	کا بدلہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں 'قرض حسن' کا لفظ خاص طور پر ہماری توجہ کا طالب ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے دوسرے نظائر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا غالب استعمال راہِ خدا میں جنگ کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ	اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ اور
اللّٰہِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ	جان لو کہ اللہ بڑا سننے والا، جاننے والا
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ، مَنْ ذَا	ہے۔ کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے
الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا	بہترین قرض (قرض حسن) پھر وہ اسے
حَسَنًا فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗ	بہت بہت گنا کر کے اسے لوٹائے۔ اور
اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ	اللہ (روزی کو) سکیڑتا اور (اسے)
یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْہِ	پھیلاتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم سب لوگ
تُرْجَعُوْنَ (آیات : ۲۴۴ - ۲۴۵)	لوٹائے جاؤ گے۔

دوسرے موقع پر بنی اسرائیل کو خطاب کر کے رسولوں کی بہمہ وجوہ مدد و اعانت کے عہد کے بعد اللہ کو "قرضِ حسن" دینے کی بات کہی گئی ہے۔ جس کا واضح اشارہ دشمنانِ دین سے جہاد و قتال کی طرف ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ	اور ہاں اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد
بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ بَعَثْنَا	لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں
مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا وَّ	اٹھائے اور اللہ نے کہا کہ ضرور میں تمہارے
قَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ	ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ
الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ	دی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ	اور ان کی پشتیبانی کی اور اللہ کو قرض
وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا	دیا بہترین قرض۔ (اگر تم نے ایسا کیا)
حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ	تو میں ضرور تم سے زائل کروں گا تمہاری
سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ	کوتاہیوں کو اور تم کو داخلہ دوں گا ان
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا	باغات میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی
الْاَنْھٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ	ہوں گی۔ سو جو کوئی تم میں سے اس کے
ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ	بعد انکار کرے تو ضرور وہ ٹھیک راستے
السَّبِیْلِ۔ (مائدہ: ۱۲)	سے بھٹک گیا۔

سورۂ مزمل کی آخری آیت سے بھی یہی حقیقت نمایاں ہوتی ہے جہاں "قرضِ حسن" کا ذکر "قتال فی سبیل اللہ" کے بعد ہے۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں کارِ نبوت کے بوجھ کو اٹھانے کے قابل بنانے کے لئے، رات کے بڑے وقفے میں، نوافل کی ادائیگی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض قرار دی گئی تھی۔ جس میں آپؐ کی اتباع کے شائق بہت سے حضراتِ صحابہؓ بھی آپؐ کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔ کچھ دنوں بعد "قیام لیل" کے اس کورس میں تخفیف ہوئی تو اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ	ضرور تیرے رب کو پتہ ہے کہ تم رات کے

Marfat.com

تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ	دو تہائی، اس کے نصف اور اس کے
اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ	تہائی کے قریب کھڑے ہوتے ہو۔
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ	ساتھ ہی ان لوگوں کی ایک جماعت بھی
وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ	جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور اللہ کو
عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ	رات اور دن کا اندازہ ہے۔ اسے پتہ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا	تھا کہ تم اسے نبھا نہ سکو گے سو وہ (اپنی
تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ؕ	بخشش کے ساتھ) تم پر متوجہ ہوا تو اب اتنا
عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُمْ	ہی قرآن پڑھو جو آسانی سے کر سکو۔ اس
مَّرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ	کو پتہ تھا کہ تم میں کچھ بیمار ہو سکتے ہیں۔
فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ	دوسرے وہ جو زمین میں چلتے پھرتے
مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ	ہیں اللہ کی روزی تلاش کرتے ہوئے۔
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	دوسرے وہ ہوں گے جو اللہ کے راستے
فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَ	میں جنگ کرتے ہوں گے ۔سو اب
أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ	تم اس سے (قرآن سے) اتنا ہی پڑھو
وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا	جتنا تم آسانی سے کر سکو۔ اور نماز قائم
حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا	کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو قرض دو
لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ	بہترین قرض۔ اور بھلائی کی جو چیز تم
تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ	اپنے آگے بڑھاؤ گے اللہ کے ہاں اسے
هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا	اس سے بہت بہتر اور زیادہ بڑی پاؤ گے
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ	بدلہ میں۔ اور اللہ سے اپنے گناہوں
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔	کی معافی چاہو۔ ضرور اللہ بڑا بخشنے والا
(آیت : ۲۰)	رحم کرنے والا ہے

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں دین کے

Marfat.com

تقاضوں پر عمل کے ساتھ روئے زمین پر اس کے غلبہ و نفاذ کی جیسی کوشش کرتے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ جس کی تفصیل سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دنیا کے اندر اللہ کے دین ہی کی خاطر جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں اور اپنی پوری عمر عزیز وہ باطل سے کشمکش اور اس سے پنجہ آزمائی میں گزار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حق غالب ہوتا ہے ورنہ پھر ان کی قوم ہلاک کر دی جاتی اور صفحہ ہستی سے اس کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ قرآن ان حضرات گرامی کی زندگی کی اس پوری جد و جہد کا عنوان 'خشوع' قرار دیتا ہے۔ سورۂ انبیاء میں حضرات لوط، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا اور یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس مجاہدانہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بعد فرمایا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ	ہاں وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر بھلائی
فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا	کے کاموں میں حصہ لینے والے تھے اور
رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا	ہمیں پکارتے تھے امید سے اور ڈر سے
لَنَا خَاشِعِيْنَ۔	اور وہ ہمارے لئے پستی (خشوع) اختیار
(آیت: ۹۰)	کرنے والے تھے۔

دل کے اندر اللہ تعالیٰ کے لئے اس تذلل اور جھکاؤ کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے جس میں بندۂ مومن اپنے کو ہر طرف سے کاٹ کر اللہ کے لئے یکسو کر لیتا ہے۔ لیکن اس باطنی کیفیت کے ساتھ نماز کی ادائیگی زندگی کے دوسرے دائروں میں بھی اپنے محسوس اثرات دکھاتی ہے۔ اور اہل ایمان کے نقشہ حیات کو وہ یکسر تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے اندر جو اوصاف و خصوصیات پیدا ہوتی ہیں، ان میں دوسری چیزوں کے علاوہ ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ وہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ امور و معاملات میں عہد و پیمان کی پابندی اور اپنے ذمہ سپرد امانتوں اور ذمہ داریوں کو نبھانے والے ہوتے ہیں۔ قرآن ان کی زندگی کی اس پوری کایا پلٹ کو نماز کے ذریعہ ان کے اندر پیدا ہو جانے والے اسی 'خشوع و تذلل' کا براہ راست تقاضا قرار دیتا ہے۔ سچے اہل ایمان کے نقشہ زندگی کی یہ تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ	ہاں بامراد ہیں ایمان والے۔ جو اپنی نماز

Marfat.com

هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ،	میں خشوع اختیار کرتے ہیں ۔ (اسی کا نتیجہ
وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ	ہے) جو وہ بے فائدہ چیز سے دور رہتے
مُعْرِضُونَ ، وَالَّذِينَ هُمْ	ہیں ۔ اور یہی ہیں جو زکوٰۃ پر عمل پیرا ہونے
لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُونَ ، وَالَّذِينَ	والے ہیں ۔ اور یہی ہیں جو اپنی شرمگاہوں
هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ،	کی نگرانی کرنے والے ہیں ۔ سوائے اپنی
إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا	بیویوں سے اور ان (باندیوں) سے جو ان
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ	کے ہاتھ کی ملک ہیں تو (اس پر) ان پر
غَيْرُ مَلُومِينَ ، فَمَنِ ابْتَغٰى	کچھ ملامت نہیں ہے ۔ سو جو کوئی اس
وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ	سے آگے کا طلب گار ہو تو یہی لوگ ہیں
الْعَادُونَ ، وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ	جو حد کو پھاندنے والے ہیں ۔ اور وہ جو
وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ، وَالَّذِينَ هُمْ	اپنی امانتوں اور اپنے پیمان کی نگہداشت
عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ،	رکھنے والے ہیں ۔ اور وہ جو اپنی نمازوں
أُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ،	پر کڑی نظر رکھنے والے ہیں ۔ یہی لوگ
الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ	ہیں جو ورثہ پانے والے ہیں یہ (جنت)
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔	فردوس کا ورثہ پائیں گے جس میں یہ ہمیشہ
(مومنون : ۱-۱۱)	ہمیشہ رہیں گے ۔

تقویٰ اور احسان

اسلام کے نقطۂ نظر سے دین داری کے یہ دو مدارج ہیں، جن کے حصول کی ہر مسلمان دل سے تمنا رکھتا تھا اور جن تک رسائی کو بجا طور پر دینی زندگی کا نقطۂ کمال تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اسلام کی ان دو مصطلحات کے سلسلے میں ذہنوں میں جو تصور بیٹھا ہوا ہے وہ ان کی حقیقی تصویر کی بہت دھندلی عکاسی کرتا ہے اور ان کا ابھرا ہوا پہلو نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ تقویٰ کا نام سنتے ہی بالعموم ذہن ایک خاص طرح کی وضع قطع اور جسم ولباس

کی مخصوص ہیئت کی طرف جاتا ہے۔ بات بہت آگے بڑھتی ہے تو اس کے اثر کو حلال وحرام کے معروف دائروں تک وسیع کرلیا جاتا ہے کہ آدمی ان کے سلسلے میں احتیاط و تورع کی روش پر عمل پیرا ہو۔ جیساکہ حدیث شریف میں کہا گیا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یبلغ العبد ان	بندہ اس درجہ کو نہیں پہنچتا کہ وہ متقیوں
یکون من المتقین حتی	میں شامل ہوسکے جب تک کہ وہ اس
یدع ما لا باس به حذرا	چیز سے دامن بچانے کے لیے جس میں کوئی کھٹک ہو
لما به الباس۔ [۱]	اس چیز کو بھی نہ چھوڑ دے جس میں کوئی کھٹک نہ ہو۔

اسی طرح 'احسان' کے سلسلے میں بھی بات عام طور پر اس حدیثِ نبوی سے آگے نہیں بڑھتی کہ

ان تعبد الله کانك	یہ کہ تم اللہ کی بندگی (عبادت) کرو گویا کہ
تراه فان لم	تم اسے دیکھ رہے ہو۔ سو اگر تم اسے
تکن تراه فانه	نہیں دیکھتے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی
یراك۔ [۲]	رہا ہے۔

دین میں طاعت وعبادت کے ان مخصوص دائروں کی اہمیت مسلّم، اس کے نظام میں انھیں مرکزی حیثیت حاصل اور ان کی اولیّت اور اقدمیّت پر کوئی کلام نہیں، لیکن قرآن نے دین کی ان معرکۃ الآرا مصطلحات کے کچھ دوسرے محل بھی متعین کئے ہیں، جن کا حق ادا کرنے اور ان اصطلاحات کا اپنے کو مصداق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دوسرے مختلف دائروں کا بھی اسی طرح لحاظ کیا جائے اور انفرادی زندگی سے آگے ان کے اجتماعی تقاضوں سے بھی اسی طرح عہدہ برآ ہوا جائے۔ قرآن کے نزدیک تقویٰ اور احسان کا ایک اہم ترین دائرہ یہ ہے کہ دین کے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔ اور جب کبھی وہ آمادۂ جنگ ہوں اور اپنی طرف سے اس

---

[۱] ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب الورع والتقویٰ۔

[۲] بخاری جلد ا۔ کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان الخ، مسلم جلد ا۔ کتاب الایمان۔

Marfat.com

کی پہل کریں تو ان کا اسی طرح جواب دیا جائے۔ عرب کے اندر چند مہینوں کی زمانۂ قدیم سے حرمت کی روایت قائم چلی آتی تھی، جن میں وہ عام طور پر جنگ اور قتل و خونریزی سے پرہیز کرتے تھے[1]۔ اسلام نے بھی ابتدا میں اپنے ہاں ان کی اس روایت کو جوں کی توں باقی رکھا۔ ان محترم مہینوں کے اندر دشمنوں کے اوپر ہاتھ اٹھانے کو اسی صورت میں جائز قرار دیا جب کہ ان کی طرف سے اس کی پہل ہو۔ اس معرکے کو سر کرنے کے لئے جان کے ساتھ مال کی قربانی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ ساتھ ہی اس کا حکم بھی ہوا۔ اور اس سے پہلو تہی دنیا و آخرت کی ہلاکت سے تعبیر فرمایا۔ قرآن نے جان و مال کی اس دوہری بازی کو تقویٰ اور احسان کا نام دیا۔ ارشاد ہوا:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ، فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ، وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔	محترم مہینہ محترم مہینے کے بدلے اسی طرح دوسری تمام محترم ٹھہرائی ہوئی چیزوں کا بدلہ برابر سرابر ہے۔ سو جو کوئی تم پر چڑھائی کرے تو تم بھی اس کے خلاف کارروائی کر سکتے ہو اس کے بقدر جتنا وہ کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ایسے ہی ڈرنے والوں (متقیوں) کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور (ہاتھ روک کر) اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور خوب کاری کرو ضرور اللہ ایسے ہی خوب کاروں (محسنوں) کو دوست رکھتا ہے۔
(بقرہ: ۱۹۴-۱۹۵)	

دشمن کے ساتھ یہ معرکہ آرائی کیسی شدید تھی اس کا صحیح اندازہ اس کے پورے پس منظر کو

---

[1] یہ چار مہینے تھے:۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، جن کی حرمت کو اسلام نے بھی ابتدا میں اسی طرح باقی رکھا۔ البتہ انسانی جان کی حرمت کی مطلق اہم اخلاقی اور قانونی تعلیمات کے آجانے کے بعد ان کی اتنی اہمیت نہ رہی

Marfat.com

سامنے رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ، وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ، فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ، وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ۔

(بقرہ : ۱۹۰-۱۹۳)

اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے آمادہ جنگ ہوں۔ البتہ اپنے سے چڑھائی نہ کرو۔ ضرور اللہ ایسے چڑھائی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انھیں جان سے مارو جہاں کہیں پاؤ اور نکالو ان کو وہاں سے جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا اور فتنہ پردازی (جس میں یہ اب تک ملوث رہے) اس قتل و خونریزی سے زیادہ سنگین ہے۔ اور ان سے لڑائی مت چھیڑو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ یہ خود اس میں تم سے لڑائی نہ چھیڑیں سو اگر یہ تم سے لڑائی کریں تو انھیں جان سے مارو۔ کافروں کا بدلہ ایسا ہی چاہئے ہاں اگر یہ باز آجائیں (تو تم بھی ہاتھ روک لو) کہ اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہ جائے اور دین اللہ کے لئے ہوجائے۔ سو اگر یہ باز رہیں تو ہاتھ اٹھانا بس ظالموں پر رہے گا۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے تقویٰ اور احسان کا ذکر انہی معنوں میں کیا ہے۔ غزوۂ احد میں راہِ خدا میں کام آنے والوں کے اللہ کی جناب میں بلند درجات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا

جو اللہ کے راستے میں مارے گئے تم انھیں

Marfat.com

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ	مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ، اپنے رب
اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ،	کے پاس روزی پاتے ہیں۔ شاداں ہیں
فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ	اس انعام پر جس سے اللہ نے انھیں نوازا
فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِا	ہے۔ ساتھ ہی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔
الَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ	(اپنے) ان (قریبی) لوگوں کیلئے جو ان سے
مِنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ	نہیں ملے ہیں اور ان سے پیچھے ہیں اس
وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ، یَسْتَبْشِرُوْنَ	بات کی کہ ان کے لیے بھی کوئی ڈر ہے اور نہ غمگین ہوں گے
بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ	یہ خوشیاں مناتے ہیں اللہ کے انعام اور
لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔	اس کی مہربانی کی اور اس کی کہ اللہ ایمان
(آلِ عمران: ۱۶۹ - ۱۷۱)	والوں کے اجر کو رائیگاں نہیں کرتا۔

معلوم ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ایک معمولی چوک کے نتیجے میں وقتی ہزیمت کا شکار ہو کر کافی بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ان کے چیدہ افراد کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اس جنگ میں کام آگئی تھی اور بقیہ افراد زخموں سے لہولہان اور چور چور تھے۔ ہرچند کہ اس غزوے میں مسلمانوں کی وقتی شکست بعد میں فتح سے تبدیل ہو گئی تھی، لیکن اس سے انھیں جو چرکہ لگا تھا وہ غیر معمولی تھا۔ اور مشرکینِ مکہ کا حال تھا کہ وہ جنگ میں اپنی کامیابی پر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ واپسی میں ان کی طرف سے مختلف ذرائع سے یہ بات سامنے آئی کہ اچھا موقع کھو دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس وقت جو صدمہ پہنچا تھا کچھ اور دباؤ بڑھا کر ان کا کام ہمیشہ کے لئے تمام کر دیا جا سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے وقت کے وقت مسلمانوں کو ان کے تعاقب کا حکم دیا کہ مبادا کفار کے دل میں خیال آئے کہ مسلمانوں کی قوت ٹوٹ گئی اور اب ان کے اندر مقابلے کی ہمت نہیں رہی۔ چنانچہ ان کا پیچھا کیا گیا اور مسلمانوں نے انھیں حمراء الاسد پہ جا لیا۔ یہاں تک کہ آخرکار انھیں اگلے سال مبارزت کا عزم دکھا کر جان چھڑانی پڑی[1] اس موقع پر جن پیکرِ اخلاص مسلمانوں نے احد کا صدمہ اٹھانے

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲۸۔

Marfat.com

کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پکار پر لبیک کہا، آگے ان کی مدح و توصیف کرتے ہوئے قرآن نے انھیں تقویٰ اور احسان کے اوصاف سے متصف گردانا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے تقویٰ اور احسان کا تعلق جس طرح عبادت کے اخلاص اور معاملات میں احتیاط سے ہے، میدانِ جنگ اور دشمنانِ دین سے مبارزت و پنجہ آزمائی سے بھی ان کا اسی طرح اٹوٹ طور پر تعلق ہے:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔

جن لوگوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول کی پکار پر بعد ازاں کہ انھیں سخت چرکہ لگا۔ (ایسا کرکے) جن لوگوں نے احسان کی روش اختیار کی اور تقوے کی راہ اپنائی ان کے لئے بڑا بدلہ ہے۔

(آل عمران: ۱۷۱)

خاندان کی خیر و صلاح پر پورے معاشرے بلکہ ملک و قوم کی فلاح کا انحصار ہے اس مقصد کی خاطر اسلام نے اس کے مرکزی نقطے یعنی بیوی کے ساتھ عدل و انصاف کی بڑی تاکید کی ہے۔ اور ناخوشی اور ناگواری کی صورتوں میں بھی اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نرمی و مسامحت اور کشادہ ظرفی کا رویہ اپنانے کی تلقین کی ہے۔ عورت کے ساتھ ناانتفاقی اور بے انصافی کی ایک غالب امکانی صورت تعددِ ازدواج میں پیش آتی ہے، جب کہ مرد کے حبالۂ عقد میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ اس صورت میں سوائے اس غیر اختیاری میلانِ طبع کے جو قانونی طور پر ایک ہی سطح اور نسبت کے چند افراد میں کسی ایک یا کچھ سے آدمی کو بالکل اضطراری طور پر ہوتا ہے، جس میں کچھ بیوی ہی کا خصوص نہیں بلکہ اپنے دوسرے قریب ترین اعزّہ اور متعلقین یہاں تک کہ اپنی اولاد کے سلسلے میں بھی بعینہٖ یہی صورت پیش آسکتی اور آتی ہے، قرآن نے بیوی کے ساتھ ہر طرح سے مساوی برتاؤ اور یکساں حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ معاشرتی زندگی سے متعلق اس اہم ترین حکمِ شریعت کو بھی قرآن 'تقویٰ اور احسان' کے دائرے میں شامل قرار دیتا ہے:

وَ اِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے

بَعْلِهَا نُشُوزًا اَوْ	زیادتی یا بے رخی کی اندیشہ مند ہو تو ان
اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا	دونوں کے لئے کیا ہی اچھا ہے کہ اپنے
اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا	درمیان صلح صفائی کر لیں۔ اور صلح صفائی
وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَّاُحْضِرَتِ	زیادہ بہتر ہے۔ اور انسان کے جی میں
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ	تنگی موجود پڑی ہے۔ اور اگر تم (ایسا
تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ	کرکے) احسان کا راستہ اپناؤ اور تقوے
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	کی راہ اختیار کرو تو اللہ ضرور پتہ رکھنے
خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا	والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔ اور تم
اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ	عورتوں کے بیچ (بہمہ وجوہ) انصاف
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا	نہیں کر سکتے، گو تم ایسا چاہو تو (ایک کی
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا	طرف) بالکل نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو
كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا	بالکل ادھر ہی چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ	حال کی روش اپناؤ اور تقویٰ کے راستے
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔	پر چلو تو ضرور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے
(النساء: ۱۲۸-۱۲۹)	والا ہے۔

شہادت اور گواہی کی انسانی زندگی میں جو اہمیت ہے اس سے کون نہیں واقف ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے وسیع تر معاملات اس سے متعلق ہوتے اور بندگانِ خدا کے حقوق کی ادائیگی کا بڑی حد تک اس پر انحصار ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے اس کا حکم بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے بیچ
بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ	گواہی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ	آجائے وصیت کے موقع پر دو آدمیوں کی
اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ	ہے جو تم میں سے انصاف والے ہوں۔

Marfat.com

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ	یا (بصورت مجبوری) دو دوسرے
اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ	تمہارے علاوہ میں سے ہوں۔ اگر تم
فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ	زمین میں رختِ سفر باندھے پھر رہے
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ	ہو پس (اچانک) تم کو موت کی مصیبت
تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ	کا سامنا ہو جائے تو تم ان دونوں آدمیوں
الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ	کو روکو گے نماز کے بعد سو وہ (اپنی گواہی
اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ	پر) قسم کھائیں گے اللہ کی (یہ کہتے ہوئے
بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ	کہ) اگر تم کو شک ہے (تو خوب سمجھ لو
ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ	کہ ہم بالکل بے لوث ہیں) ہم اس
شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّا	(ذمہ داری) کے عوض میں کسی قیمت
اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ	کے طلب گار نہیں خواہ وہ (متعلق شخص)
فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى	رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور ہم اللہ کی
اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا	گواہی کو چھپا نہیں سکتے۔ ایسے میں
اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ	تو ہم ضرور گناہ گاروں میں ہوں گے
يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا	پھر اگر پتہ لگے کہ یہ (اپنی گواہی میں کھوٹ
مِنَ الَّذِيْنَ	کر کے) کسی گناہ کے حق دار ہوئے ہیں
اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ	تو دو دوسرے ان کی جگہ پر کھڑے
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ	ہوں گے۔ ان لوگوں میں سے جو
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ	پچھلوں کے مقابلے میں (گواہی کے)
اَحَقُّ مِنْ	زیادہ حق دار قرار پائے ہیں تو یہ اللہ
شَهَادَتِهِمَا	کی قسم کھائیں گے (یہ کہتے ہوئے) کہ
وَمَا اعْتَدَيْنَآ	ضرور ہماری گواہی (دو) پچھلوں کی گواہی
اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ	سے زیادہ مبنی برحق اور برسر انصاف ہے

الظّٰلِمِيْنَ ۔ اور ہم ذرا زیادتی کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں ایسا کرکے تو ہم ضرور ظالموں میں ہوں گے
(مائدہ: ۱۰۶-۱۰۷)

آگے قرآن کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کا متقی بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے گواہی کے اس معاملے میں ٹھیک ٹھیک حق و انصاف کے راستے پر قائم رہنا ضروری ہے شہادت کے مذکورہ طریقے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ تم گواہی کو لاؤ اس کی مطلوبہ صورت میں بصورت دیگر لوگوں کو یہ اندیشہ رہے گا کہ کہیں قسموں کے بعد قسمیں مسترد نہ کردی جائیں۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات سنو۔ اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔
(مائدہ: ۱۰۸)

موجودہ دور کی طرح اسلام نے عدل کو انفرادی و اجتماعی کے خانوں میں نہیں بانٹا ہے کہ عدل اجتماعی (Social justice) تو مطلوب ہو اور عدل انفرادی زیر بحث کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں اور ہے تو کس درجہ میں ہے۔ اسلام علی الاطلاق عدل کا قائل ہے اور کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر زندگی کے تمام دائروں میں اس کی حکمرانی دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں وہ دوست دشمن کی بھی کسی تفریق کا روادار نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام دائروں میں، خاندان، قبیلے اور معاشرے سے لے کر قومی، ملکی یہاں تک کہ بین الاقوامی سطح تک، بے لاگ انداز میں عدل و انصاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہا جائے اور مخالفت اور دشمنی کے بڑے سے بڑے اشتعال کے باوجود قدم اس جادۂ مستقیم سے نہ ہٹنے پائے، یہی چیز تقویٰ ہے اور اس کا حق ادا کرنے کی صورت ہی میں آدمی اپنے کو اللہ کا متقی بندہ کہنے کا مستحق بنا سکتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے

Marfat.com

قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ	کھڑے ہونے والے بن جاؤ حق و
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ	انصاف کی گواہی دیتے ہوئے۔ اور
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا	کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا قصوروار
تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا	نہ بننے دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ (ہر
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	حال میں اور بہمہ وجوہ) عدل وانصاف
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ	سے کام لو۔ یہی تقوے سے زیادہ قریب تر
خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔	ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ضرور
(مائدہ : ۸)	اللہ پتہ رکھنے والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو

دین کے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو آدمی آہنی عزم کا مظاہرہ کرے اور میدانِ جنگ میں پوری بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دے، جو لوگ دین کے اس اجتماعی تقاضے کا حق ادا کرسکیں قرآن کے مطابق یہی لوگ ہیں جنھیں 'متقیوں' کا خطاب زیب دیتا ہے۔ دوسرے موقع پر فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو جنگ کرو
الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ	ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں
وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَّ	اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔ اور
اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ	جان لو کہ اللہ ایسے ہی ڈرنے والوں
الْمُتَّقِيْنَ۔ (توبہ : ۱۲۳)	(متقیوں) کے ساتھ ہے۔

صبر وصدق کے سلسلے میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح ان کا تعلق خاص طور پر میدانِ جہاد سے بھی ہے کہ آدمی دشمن سے مقابلے میں پامردی واستقلال کا انتہائی مظاہرہ کرے اور زبان سے اپنے کو دین کے لئے وقف کرنے کا اس نے جو عہد کیا ہے اسے عملاً سچ کر دکھائے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کا 'متقی بندہ' بننے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر علاوہ اور باتوں کے یہ دو صفتیں بھی پائی جائیں۔ چند روزہ زندگی کے مال واسباب پر ریجھ کر راہِ حق سے منہ موڑنے اور اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کے کردار کے برعکس اوصاف کے حاملین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ	(اے نبیؐ) کہو کہ لوگو کیا تم کو پتہ بتاؤں اس
ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا	(دنیا اور متاعِ دنیا) سے بہت اچھی چیز
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ	کا۔ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	لئے ان کے رب کے پاس باغات
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ	ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ	ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے
وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ	اور ان کے لئے پاک صاف بیویاں
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِا	ہوں گی اور (ان سب سے بڑھ کر)
لْعِبَادِ ، اَلَّذِيْنَ	اللہ کی خوشنودی۔ اور اللہ بندوں کو
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا	دیکھنے والا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اے
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا	ہمارے رب ہم ضرور ایمان لائے
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ	سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور
الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ	ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا (یہی
وَالْقٰنِتِيْنَ	ہیں) صبر اختیار کرنے والے، صدق
وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ	پر عمل پیرا، (اللہ کے لئے) جھکنے والے
الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِا	(راہِ خدا میں) مال خرچ کرنے والے
لْاَسْحَارِ ۔	اور سحر کے وقتوں میں توبہ و استغفار
(آلِ عمران : ۱۵-۱۷)	میں مصروف رہنے والے ۔

واضح رہے کہ اس سے پہلے معرکۂ کارزار ہی کی بات چل رہی ہے ۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں اور کافروں کے دو متضاد کرداروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ	ضرور تمہارے لئے نشانی تھی دو جماعتو
فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ	میں جن کی آپس میں ٹکر ہوئی ۔ ایک
تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	جماعت (اہلِ ایمان کی) اللہ کے

Marfat.com

وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَیْھِمْ رَأْیَ الْعَیْنِ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۔ (آلِ عمران : ۱۳)	راستے میں لڑ رہی تھی اور دوسری (جماعت) کافروں کی (جو شیطان کے لیے جنگ کر رہی تھی) یہ انھیں (اہلِ ایمان کو) دیکھتے تھے اپنا بالکل دوگنا سر کی آنکھوں سے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے مضبوط کرتا ہے۔ ضرور اس کے اندر نشانی ہے آنکھ والوں کے لیے۔

ماحول جنگ کا پیدا ہو جائے اور دشمن شرافت و انسانیت کی تمام حدوں کو توڑتے ہوئے ایک پر ایک اشتعال انگیزی کا سامان کرتا جائے اور فریق مخالف بالکل ہی کمزور اور بے بس نہ ہو بلکہ مقابلے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، ایسے موقع پر ضبط و تحمل کا دامن تھامتے ہوئے لڑائی سے ہاتھ کو روکے رکھنا، یہ وہ نازک صورت ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے روایتی دین داری کبھی کفایت نہیں کر سکتی۔ بڑے بڑے دین داروں کے قدم ایسے موقع پر پھسل جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اس آزمائشی صورتِ حال سے کامیاب نکلنے کے لیے انفرادی کے بجائے اجتماعی تقویٰ درکار ہوتا ہے، جس کے لیے مذہبیت و دین داری کا وسیع تصور اپنانے کی ضرورت ہے۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا تھا۔ جب کہ مشرکینِ مکہ حق و انصاف کی تو کجا، شرافت و انسانیت یہاں تک کہ خود اپنی مسلّمہ روایات کو پامال کرتے ہوئے پیغمبرِ امن کی سربراہی میں مسلمانوں کی غیر مسلح جماعت کو عمرے کی سعادت حاصل کرنے سے روکنے پر تلے ہوئے تھے۔ عرب کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ خانہ کعبہ کا حج و طواف اور وہاں قربانی گزارنے والے کسی غیر مسلح اور پرامن قافلے کو کبھی روکا گیا ہو۔ مسلمان اپنے مرکز مدینہ سے دور ہونے کے باوجود چودہ سو کی تعداد میں تھے اور نیام میں سہی تلواریں ان کے ساتھ تھیں اور اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ البتہ حکمتِ الٰہی مختلف مصالح کے پیشِ نظر کفار کو ابھی کچھ مزید مہلت دینا چاہتی تھی۔ جس کا تقاضا تھا کہ مسلمان جنگ سے ہاتھ روکے رکھیں اور کفار و مشرکین کی طرف سے اس جاہلی حمیت کے مظاہرے کے باوجود وقار و تحمل کا دامن ہاتھ

Marfat.com

سے نہ چھوڑیں۔ قرآن نے کفار کے مقابلے میں اہلِ ایمان جماعت کی اس کیفیت کو تقوے کی روش سے تعبیر فرمایا:

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	یاد کرو جب کہ ان لوگوں نے جنھوں نے
فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ	کفر کیا اپنے دلوں میں حمیت (پچ)
حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَنْزَلَ	جاہلیت کی حمیت (پچ) بسائی، سو اللہ
اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ	نے اپنی سکینت اور اطمینان اتارا اپنے
وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ	رسول پر اور ایمان والوں پر اور انھیں
اَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی	تقوے کی بات کا پابند بنایا اور وہ تھے بھی
وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا	اس کے سب سے زیادہ سزاوار اور
وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔	اہل۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے
(فتح : ۲۶)	والا ہے۔

معروف کا حکم دینے اور منکر سے منع کرنے کی وسعت کا دائرہ معلوم ہے۔ جس کے اندر پورے دین اور پوری شریعت پر عمل ہی نہیں بلکہ بس بھر اس کی اقامت اور نفاذ بھی اسی طرح شامل ہے۔ قرآن کا کہنا ہے کہ جو گروہ اس فریضۂ منصبی کو ادا کرے وہی دراصل خوفِ خدا (تقوٰی) کی راہ پر ہے۔ حق پرست اہلِ کتاب کے سلسلے میں قرآن کی اس آیت کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے:

لَیْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَھْلِ	سب اہلِ کتاب برابر نہیں ہیں۔ ان میں
الْکِتَابِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ	ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو (حق
یَّتْلُوْنَ اٰیَاتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ	پر) قائم ہیں۔ یہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت
وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ، یُؤْمِنُوْنَ	کرتے ہیں رات کے وقتوں میں اور سجدوں
بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	میں پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ایمان رکھتے
وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ	نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع
یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَ	کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں

Marfat.com

اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَمَا — ایک دوسرے پر سبقت دکھاتے ہیں۔
يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ — اور یہی لوگ نیکوکاروں میں ہیں۔ اور
يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ — یہ بھلائی کا جو کام بھی کریں گے اس پر
بِالْمُتَّقِيْنَ۔ — ان کی ناقدری نہ ہوگی۔ اور اللہ خوب جانتا
(آلِ عمران : ۱۱۳ - ۱۱۵) — ہے ایسے متقی لوگوں کو۔

دوسرے موقع پر یہ بات مزید کھل کر کہی گئی ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر وہ جنت کی ابدی کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں تو انھیں بے لاگ انداز میں ایمان اور تقوے کی روش اختیار کرنی ہوگی:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا — اور اگر (یہ) اہل کتاب ایمان لائیں اور
وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ — تقوے کی روش اپنائیں تو ہم ضرور ان
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ — سے ان کی کوتاہیوں کو زائل کریں اور
جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ — ضرور انھیں داخلہ دیں نعمت بھری
(مائدہ : ۶۵) — باغات میں۔

آگے اس کا تقاضا بتایا کہ وہ کسی تحفظ اور تجزیہ و تقسیم کے بغیر توراۃ و انجیل کے احکام پر کاربند ہوں۔ جس کے لازمی نتیجے کے طور پر انھیں آخری خدائی کتاب کی بتمام و کمال پیروی کرنی ضروری ہوگی جو اپنی ان پیش رو کتابوں کا مصداق اور ان کا آخری تکمیلی ایڈیشن ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ — اور اگر یہ لوگ (بہمہ وجوہ) توراۃ و انجیل
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ — کے تقاضے پورے کریں ساتھ ہی اس
اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ — چیز کے جو (اب) ان تک ان کے رب
لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ — کی طرف سے اتاری گئی ہے تو وہ ضرور
تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ — کھائیں اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں
اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَ — تلے سے۔ ان میں ایک جماعت راہِ
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ — اعتدال پر ہے۔ (بقیہ) بہتیرے تو بہت

Marfat.com

مَا یَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ: ۶۶) برا ہے یہ جو یہ کرتے رہے ہیں۔

تقوے ہی کی طرح 'احسان' کو بھی قرآن نے اپنی پوری زندگی میں خدائی مرضیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے مرادف بتایا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے قارون دنیا میں خدا بیزاری اور اللہ سے سرکشی و بغاوت کا نشان ہے۔ جو زندگی کے تمام دائروں میں خدا سے انحراف کی روش پر عمل پیرا تھا۔ اس روش کو چھوڑ کر زندگی کے تمام دائروں میں جب اس سے خدا پرستی اور اس کے احکام و مرضیات کی بے لاگ پیروی کا مطالبہ ہوا تو اس کا عنوان قرآن نے یہی 'احسان' قرار دیا۔ بغاوت و سرکشی کے اس پتلے کو نصیحت کی گئی کہ:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ — اور (اے قارون) اللہ نے تجھے جو دے
الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ — رکھا ہے اس میں آخرت کے طالب بنو
نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ — اور دنیا سے اپنے (حقیر) حصہ کو نہ بھولو۔
أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ — اور احسان کی روش اپناؤ جیسا کہ اللہ نے
إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي — تم پر احسان کی بارش کی ہے۔ اور زمین میں
الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ — فتنہ و فساد کے آرزومند نہ ہو۔ ضرور اللہ
الْمُفْسِدِينَ۔ (قصص: ۷۷) — پسند نہیں کرتا فساد پھیلانے والوں کو۔

گزر چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام اپنی پوری زندگی میں دین پر عمل کے ساتھ دنیا کے اندر بہمہ وجوہ اس کا غلبہ و نفاذ بھی ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ وعظ و تلقین اور تبلیغ و نصیحت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس مقصد کی خاطر اسی طریقۂ کار کو اپنانے کی تلقین کی گئی۔ تلوار اور زور و زبردستی کے اسلام کے دشمنوں اور معاندوں کے گڑھے ہوئے الزامات کے عین برعکس آپ نے مثبت اور پرامن دعوتی جدوجہد کا جو شاندار ریکارڈ قائم کیا وہ انسانی تاریخ کا ایک انتہائی درخشاں باب ہے۔ اس مہم میں آپ اور آپ کے جاں نثاروں کو جو تلوار نیام سے نکالنی پڑی تو بالکل اضطراری جب کہ مخالفین نے افہام و تفہیم کے تمام دروازے بند کر دیئے اور پرلے درجے کے عناد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ اور اس سلسلے میں بھی ان کے ساتھ آخری حد تک رعایت کرنے اور

Marfat.com

تا بحدِ امکان صبر و ضبط کا دامن مضبوط تھامے رہنے کی تلقین کی گئی۔ پیغمبر اسلامؐ کی اس تمام جدّوجہد کو قرآن نے 'دعوت الی اللہ' کا نام دیا۔ اور اس راہ میں انفرادی ربط اور بحث و گفتگو سے لے کر اس میں نزاع و تکرار اور اس سے آگے میدانِ جنگ اور تلوار کے تمام مراحل کا عنوان 'تقویٰ اور احسان' قرار پایا۔ ارشاد ہوا:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ، وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ، وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ۔ (نحل: ۱۲۵ - ۱۲۸)

اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت اور بھلی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث و مباحثہ بھی کرو تو اس طریقے سے جو بہتر سے بہتر ہو۔ ضرور تمہارے رب کو خوب پتہ ہے اس کا جو اس کے راستے سے بھٹکا ہے اور وہ خوب جاننے والا ہے راہ یافتوں کو۔ اور اگر تم (دشمن سے) بدلہ لو تو اسی کے بقدر بدلہ لو جتنی کہ تم پر زیادتی کی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے۔ اور (اے نبیؐ) تم صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا تو اللہ کی مدد ہی سے ہو سکتا ہے اور تم ان کی روش سے افسردہ نہ ہو اور ذرا تنگی میں نہ پڑو ان چالوں سے جو یہ چلتے ہیں۔ ضرور اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو (ایسا کرکے) 'تقوے' کی روش اپنائیں اور ان کے جو (اس طرح سے) 'احسان' کی راہ پر عمل پیرا ہوں۔

Marfat.com

صبر و توکل

صبر و توکل بھی اسلامی نظامِ زندگی کی دو ایسی اصطلاحیں ہیں جن کے بغیر اس کی کوئی تصویر مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ وہ بول ہیں جو پورے اسلامی معاشرے میں زبان زدِ عوام و خواص ہیں اور کسی مسلمان کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا کہ اس کے کان ان سے ناآشنا ہوں لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے بھی ان کے واقعی مفہوم اور ان کے صحیح موقع و محل سے بڑی حد تک ناآشنا ہیں۔ اسلامی فلسفۂ حیات کی نمائندہ دوسری بہت سی اصطلاحات کی طرح 'صبر و توکل' کے سلسلے میں بھی ذہن عام طور پر اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ آدمی اپنی انفرادی زندگی میں ہمت و پامردی کا ثبوت دے اور بے صبری و ناتوانی کا مظاہرہ کر کے حالات کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ جب کہ اسلام کا مرجع اول قرآن ان کی جو تصویر پیش کرتا اور ان کے جو تقاضے بیان کرتا ہے، اس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، جس کے اندر انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی کے امور و مسائل بھی اسی طرح شامل ہیں۔ زندگی کے ان تمام شعبوں میں جب تک آدمی صبر و توکل کے تقاضے پورے نہ کرے، نہیں کہا جا سکتا کہ ان اعلیٰ اوصاف سے اس نے اپنے کو متصف کر لیا اور قرآن ان اعلیٰ قدروں کو اپنانے اور اپنے اندر ان کی آبیاری کرنے کی جو بار بار تلقین کرتا اور ان کی اہمیت و عظمت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس کے تقاضوں کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا گیا۔ اجتماعی زندگی کا نازک ترین لمحہ وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کو کسی مستقبل کے بغیر اللہ کے دین کی راہ میں اپنے گھر بار کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ قوم و وطن کو چھوڑ کر غربت کی زندگی دوسرے لوگ بھی اختیار کرتے ہیں۔ خاص طور پر آج کی دنیا میں تو یہ ایک معمول کی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ لیکن آج اکثر و بیشتر آدمی اپنا گھر بار بہتر مستقبل کی تلاش بلکہ زیادہ تر اس کی ضمانت پر چھوڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وطن کو چھوڑ کر بظاہر غربت کی زندگی اختیار کرنے والوں میں خاصی بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو محض سیر و تفریح کی خاطر یہاں سے وہاں اور اس ملک سے دوسرے ملک گھومتے پھرتے ہیں اور جن کی فارغ البالی اور خوش حالی سے بس بھر اپنا حصہ وصولنے کی خاطر دنیا کا ہر خطہ انھیں خوش آمدید کہنے کو بے قرار اور زندگی کی تمام راحتوں اور

Marfat.com

سہولتوں اور لبا اوقات عیش وطرب اور نشاط وشادمانی کے تمام سامانوں کے ساتھ مضطربانہ ان کے انتظار میں ہوتا ہے۔ شاید یہی وہ لوگ ہوں جن کے بارے میں بزرگ سعدی بہت پہلے کہہ گیا ہے

منعم بکوہ ودشت وبیاباں غریب نیست — ہرجا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

لیکن اسلام میں جس چیز کا نام گھر بار سے دوری "ہجرت" ہے اس کا رنگ اس سے بالکل جداگانہ ہے یہاں آدمی خدا کی راہ میں اپنے ماضی کو ویران کر کے بالکل نامعلوم مستقبل کے اندھیروں میں خود کو ڈالتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ عرصۂ دراز تک ظلم وستم کی چکی میں پسنے کے بعد دین کے اس اجتماعی مطالبہ پر لبیک کہتے ہوئے اپنا گھر بار چھوڑنے پر آمادہ ہوں اور آئندہ زندگی کے خطرات کو پوری خندہ پیشانی کے ساتھ انگیز کر سکیں، یہی لوگ ہیں جو "صبر و توکل" کے راستے پر گامزن ہیں:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى	اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ (کے راستے)
اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا	میں گھر بار چھوڑا اس کے پیچھے کہ ان پر مظالم
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا	کے پہاڑ توڑے گئے ہم انھیں ضرور دنیا
حَسَنَةً وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ	میں بہترین جگہ پر جمائیں گے۔ اور آخرت
اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ،	کا بدلہ زیادہ بڑا ہے۔ اگر یہ لوگ سمجھیں۔
اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى	یہی لوگ ہیں جنھوں نے صبر کی راہ اپنائی
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔	اور یہ اپنے رب پر بھروسہ (توکل) کرنے
(نحل: ۴۱-۴۲)	والے ہیں۔

سورۂ عنکبوت کا آغاز ہی راہ خدا میں آزمائشوں کے لئے تیار رہنے کے مضمون سے ہوا ہے آگے اس سلسلے میں انبیائی تاریخ کے مختلف نمونوں کو پیش کرنے کے بعد اہل ایمان بندوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ انھیں ہر حال میں بندگیٔ رب کی روش پر قائم اور اپنی پوری زندگی خدائی احکام و ہدایات کے تحت بسر کرنی چاہئے اور اس سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی رکاوٹ کو آڑے نہیں آنے دینا چاہئے۔ یہاں تک کہ اگر قوم وقبیلے کے لوگ اس راستے میں دشواریاں کھڑی کریں تو اس بندھن کو بھی اسی طرح بے جھجک کاٹ دینا چاہئے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے۔ اگر اپنے قوم ووطن میں بندگیٔ رب کے تقاضوں پر عمل کے مواقع باقی نہ رہ جائیں تو آدمی کو جہاں کہیں اس کے امکانات

Marfat.com

نظر آئیں وہاں کے لئے رخت سفر باندھ لینا چاہئے۔ فرمایا کہ یہی ایمان اور عمل صالح، کی مطلوبہ روش ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر آدمی صبر و توکل کے تقاضے پورے کر سکتا ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا	اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری
اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ	زمین پھیلی ہوئی ہے سو تم (جہاں رہ کر
فَاعْبُدُوْنِ، کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ	بھی ہو) ہاں بس میری ہی بندگی (عبادت)
الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ،	کرو۔ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	پھر تم ہم ہی تک پلٹائے جاؤ گے۔ اور وہ
الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّھُمْ	لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم
مِّنَ الْجَنَّۃِ غُرَفًا	انھیں ضرور جنت میں بالاخانوں میں
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا	بسائیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی
الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا	ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ، الَّذِیْنَ	کام کرنے والوں کا یہ بدلہ کیا ہی اچھا ہے
صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ	یہی لوگ ہیں جنھوں نے صبر کی راہ اپنائی
(عنکبوت: ۵۶ - ۵۹)	اور یہ اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔

یہ بات کہ اس مقام پر زمین کی کشادگی کا حوالہ دے کر راہِ خدا میں گھر بار چھوڑ دینے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس کی وضاحت سورۂ نساء کی آیتِ ذیل سے ہوتی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ	ضرور وہ لوگ جن کی فرشتے جان نکالیں گے
الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ	(دریں حالیکہ وہ سرزمین کفر میں رہ کر)
قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا	اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے ہوں گے
مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا	وہ ان سے کہیں گے کہ تم کس حال میں
اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً	پڑے رہ گئے وہ کہیں گے ہم زمین میں
فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا فَاُولٰٓئِکَ	دبائے ہوئے تھے۔ وہ کہیں گے کیا اللہ
مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَسَآءَتْ	کی زمین پھیلی ہوئی نہ تھی کہ تم اس میں

Marfat.com

مَصِيْرًا، اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا، فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔

گھر بار چھوڑ کر جا رہتے۔ تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور وہ کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ ہے۔ سوائے ان کچلے ہوئے مردوں، عورتوں اور بچوں کے، جو نہ اپنے لئے کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ انھیں کوئی راہ سجھائی دیتی ہے۔ تو یہ لوگ ہیں کہ پوری امید ہے کہ اللہ ان سے درگزر کرے۔ اور اللہ بڑا درگزر کرنے والا، بخشنے والا ہے۔

(آیات : ۹۷-۹۹)

آگے اس کی مزید ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

اور جو کوئی اللہ کے راستے میں گھر بار چھوڑے اسے زمین میں بڑی سر چھپانے کی جگہ اور کشادگی ملے گی اور جو کوئی اپنے گھر سے نکلے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے پھر وہ موت کی لپیٹ میں آجائے تو ضرور اللہ پر اس کا بدلہ ثابت ہو چکا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

(آیت : ۱۰۰)

لیکن اس سے بھی آگے کا مرحلہ ہے کہ آدمی اس راستے میں اپنی سب سے قیمتی متاع، متاعِ حیات، کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہو اور خدا کے دین کو غالب اور کفرو شرک کی قوتوں کو پسپا کرنے لئے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں اتر آئے۔ قرآن کے مطابق یہی مقام ہے جہاں صحیح معنوں میں مومن کے "صبر" کا امتحان ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہاری

Marfat.com

إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا	کسی (دشمن) جماعت سے مڈبھیڑ ہو
وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ	تو تم ثابت قدمی دکھاؤ اور اللہ کو بہت
تُفْلِحُونَ، وَأَطِيعُوا اللَّهَ	زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیابی سے ہمکنار
وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا	ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں
فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ	برداری کرو اور باہم لڑو جھگڑو نہیں
رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ	کہ پھر تم ہار جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے
مَعَ الصَّابِرِينَ۔	اور صبر کا راستہ اپناؤ۔ ضرور اللہ صبر کرنے
(انفال : ۴۵-۴۶)	والوں کے ساتھ ہے۔

دوسرے موقع پر حضرت طالوت اور ان کے مخلص ساتھیوں کی زبانی قرآن نے اس حقیقت کا اعلان ان لفظوں میں کرایا:

قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ	انھوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب!
عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ	ہمارے اوپر صبر کے دہانے کھول دے
أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى	اور ہمارے قدموں کو جما دے۔ اور
الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔	کافر قوم کے بالمقابل ہمیں فتح ونصرت
(بقرہ : ۲۵۰)	سے ہم کنار کر۔

انہی کی زبانی اس سے پہلے یہ اہم حقیقت بھی واضح کی گئی:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ	کتنی ہی چھوٹی ٹولیاں بڑے جتھوں پر
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ	غالب آگئیں اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ
مَعَ الصَّابِرِينَ (بقرہ : ۲۴۹)	صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے یہ حقیقت بار بار دہرائی ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں اخلاص کے ساتھ دین کا راستہ اپنائیں گے، انھیں دوسری قربانیوں کے ساتھ ایک مرحلے پر متاعِ حیات کی قربانی بھی پیش کرنی پڑے گی۔ اور اس کے بعد ہی انھیں بارگاہِ ربّ العزت سے 'صبر' کا پروانہ مل سکے گا:

Marfat.com

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ	اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کسی قدر
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ	ڈر، بھوک، مال اور جان اور پھلوں
وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ	کی کمی سے۔ اور صبر کرنے والوں کو
الصَّابِرِينَ، الَّذِينَ إِذَا	خوش خبری سنا دو۔ یہی لوگ ہیں کہ جب
أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا	انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے
لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔	ہیں کہ ہاں ہم تو بس اللہ کے لئے ہیں
(بقرہ : ۱۵۵-۱۵۶)	اور ہم ضرور اسی تک پلٹنے والے ہیں۔

جان کی کمی تفسیر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے کہ اس سے مراد راہِ خدا میں مارا جانا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ	اور تم ان کے لئے نہ کہو۔ جو اللہ کے راستے
اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا	میں مارے جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ
تَشْعُرُونَ۔ (بقرہ : ۱۵۴)	وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔

دوسرے موقع پر یہی بات بدیں الفاظ کہی گئی ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَ	ضرور تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں
أَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ	اور جانوں کے سلسلے میں اور تم ضرور
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ	سنو گے ان لوگوں کی طرف سے جنھیں تم
وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى	سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کی طرف
كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا	سے جنھوں نے شرک کی راہ اپنائی ہے
فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ	بہت زیادہ تکلیف کی چیز۔ لیکن اگر تم
الْأُمُورِ۔	صبر کرو اور تقوے کے راستے پر چلو
(آلِ عمران : ۱۸۶)	تو ہاں یہ بڑے عزم کی باتوں سے ہے۔

قرآن کے نقطۂ نظر سے صابر کون لوگ ہیں؟ وہ جو راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد کریں۔ سورۂ محمدؐ میں فرمایا:

Marfat.com

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى	اور ہم ضرور تم کو پرکھیں گے۔ یہاں تک کہ
نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ	ہم پتہ لگالیں تم میں سے (راہِ خدا میں
مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ	جان ومال سے) جہاد کرنے والوں
وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ	اور (اس طرح) صبر اختیار کرنے والوں
	کو۔ اور یہاں تک کہ ہم پتہ لگالیں
(آیت : ۳۱)	تمہارے احوال کا۔

اس موقع پر جہاد جان ومال دونوں کی قربانی کو شامل ہے اس لئے کہ اس کے آگے اور پیچھے قتال وجنگ کا مضمون چل رہا ہے۔ اس سے پہلے کمزور مسلمانوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اور (بہت سے) وہ جو ایمان (کا دعویٰ)
لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَآ	رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ کیوں نہیں کوئی سورہ
اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ	(جنگ کی) اترتی۔ سو جب صاف حکم
ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ	کی سورہ اترتی ہے اور اس میں جنگ
الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ	کا بیان ہوتا ہے تو تم دیکھوگے ان لوگوں
مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ	کو جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری
نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ	ہے کہ وہ تم کو تکیں گے (پتھرائی) نگاہ
الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ	سے جیسے کہ کسی شخص پر موت کی غشی طاری
طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	ہو۔ سو ان کے لئے تباہی ہے۔ فرمانبرداری
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ	اور بھلی بات (یہی بہتر ہے)۔ سو جب
فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ	معاملہ (جنگ) ٹھن جائے پس یہ اللہ
خَيْرًا لَّهُمْ۔	سے اپنے سچے ہونے کا ثبوت دیں تو
(محمد : ۲۰-۲۱)	یہ ان کے لئے بہت بہتر ہو۔

اسی طرح آگے مخلص مسلمانوں کو جوش دلاتے ہوئے کہا گیا:

Marfat.com

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَی السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد : ۳۵)

سو تم کمزوری محسوس نہ کرو اور (دلوگوں کو) صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی سب پر غالب اور فتح مند ہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ ہرگز تم سے تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں بار بار گزر چکا ہے کہ اپنی پوری زندگی میں دین پر عمل کے ساتھ زمین پر اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے وہ اپنا سب کچھ داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی تمام صبح شام اسی فکر میں گزارتے ہیں۔ وہ اسی کی نیند سوتے ہیں اور اسی کی نیند جاگتے ہیں۔ قرآن ان کی اس تمام جد وجہد کا عنوان ' صبر' قرار دیتا ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ (احقاف : ۳۵)

سو (اے نبیؐ) تم صبر کی راہ پر جمے رہو جیسا کہ (تم سے پہلے) صاحب عزیمت رسول صبر کے راستے پر جمے رہے ہیں۔ اور تم ان (کافروں اور مشرکوں) کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔

اسی طرح دوسرے موقع پر فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

اور (اے نبیؐ) تم صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا تو بس اللہ ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے اور تم ان (کافروں اور مشرکوں) پر ذرا غم نہ کھاؤ۔ اور جو یہ تدبیریں کرتے ہیں۔ اس سے ذرا تنگی میں نہ پڑو۔ ضرور اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو (ایسا کر کے اس کا) تقویٰ اختیار کریں اور ان کے جو

Marfat.com

(اس طرح) احسان کی روش پر چلنے والے ہو۔ (نحل : ۱۲۷ - ۱۲۸)

یہی حال اس سلسلے کی دوسری اصطلاح 'توکل' کا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے اس کا تعلق نجی اور انفرادی زندگی سے زیادہ دین کے اجتماعی تقاضوں کی بجاآوری اور اس کے امور و مسائل سے ہے۔ اسلام کی تاریخ میں غزوۂ بدر پہلا موقع ہے جب دین حق نے نظام باطل کو میدانِ جنگ میں للکارا۔ اس نازک موقع پر مسلمان جماعت کو جس رسی کو مضبوط تھامے رہنے کی تلقین کی گئی وہ یہی اللہ پر بھروسہ یعنی 'توکل' تھا۔ حق و باطل کے اس فیصلہ کن معرکے کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ	اور (اے نبیؐ یاد کرو) جب کہ تم اپنے
تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ	اہل وعیال کو چھوڑ کر نکلے اہل ایمان
لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ	کو مختلف جنگی پوزیشنوں پر تعینات
عَلِيْمٌ، اِذْ هَمَّتْ	کرتے ہوئے اور اللہ بڑا سننے والا،
طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ	جاننے والا ہے۔ جب کہ تم میں سے دو
اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ	جماعتوں (بنو سلمہ و بنو حارثہ) نے ارادہ
وَلِيُّهُمَا وَعَلَى	کیا کہ قدم پیچھے ہٹائیں درین حالیکہ اللہ ان
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ	کی مدد کرنے والا تھا۔ اور ایمان والے
الْمُؤْمِنُوْنَ۔	تو بس اللہ ہی پر بھروسہ (توکل)
	کرتے ہیں۔

(آلِ عمران : ۱۲۱ - ۱۲۲)

بات آچکی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر ایک معمولی چوک کے نتیجے میں مسلمانوں کو بڑا سخت صدمہ اٹھانا پڑا تھا۔ دشمنِ اسلام منافقین کے لئے اس صورتِ حال نے زبانِ طعن دراز کرنے کا بڑا موقع فراہم کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی دل شکستگی اور ان کے درمیان افتراق اندازی کی پوری مہم چلا دی۔ مخلص اہلِ ایمان کو ان کی روش سے بچنے کی تلقین کی گئی اور ترغیب دلائی گئی کہ مسلمان کو موت سے ڈرنے کا کوئی جواز نہیں راہ خدا میں مارا گیا تو کیا ہوا۔ آخر منزل تو ہر ایک کی وہی ہے۔ یہ تو خوش نصیبو! ان کا حصہ ہے کہ

Marfat.com

انھیں چارپائیوں پر پیر رگڑ کر جان دینے کے بجائے میدانِ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں
لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کی طرح نہ ہو جنھوں نے کفر کیا اور
وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا	اپنے بھائیوں کے سلسلے میں کہا
ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا	جب وہ زمین میں نکلے یا جنگ کے
غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا	لئے کمربستہ ہوئے کہ اگر یہ ہمارے پاس
وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ	ہوتے تو یہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔
ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ	انجام کار اللہ اسے ان کے دلوں میں
وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ	پچھتاوا بناکر رکھ دیتا ہے۔ ورنہ اللہ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ہی جلاتا اور مارتا ہے اور وہ خوب
بَصِيْرٌ، وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ	دیکھنے والا ہے اسے جو تم کرتے ہو۔
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ	اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کئے
لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ	جاؤ یا اپنی موت مر جاؤ تو اللہ کی طرف
وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا	سے (ملنے والی) بخشش اور رحمت اس
يَجْمَعُوْنَ، وَلَئِنْ مُّتُّمْ	سے بہت بہتر ہے جو دوسرے لوگ
اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ	سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ اور اگر تم
تُحْشَرُوْنَ۔	اپنی موت مرو یا قتل کئے جاؤ تو ضرور
(آلِ عمران: ۱۵۶-۱۵۸)	تم اللہ ہی کی طرف اکٹھا کئے جاؤ گے۔

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مخلص اہلِ ایمان کی قلعہ بندی کو آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ہوتے ہوئے آپؐ کو مذبذب اور نفاق زدہ لوگوں کی کچھ پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مخلصین کو اعتماد میں لے کر آپؐ بڑے سے بڑا اقدام کر سکتے ہیں۔ اللہ پر توکل، کی شاہ کلید کو البتہ مضبوط پکڑے رہنا چاہئے۔ فتح و شکست سب اسی کے

ہاتھ میں ہے۔ اس کی مدد ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ	سو محض اللہ کی مہربانی سے تم ان کے لئے
لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا	اس قدر نرم ہو (جس سے تم پر جان
غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا	نچھاور کی جاتی ہے)۔ ورنہ اگر تم سخت
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ	مزاج، سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے
عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ	گرد سے چھٹ جاتے سو تم ان سے درگزر
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ	کرو اور ان کے لئے (اللہ سے) مغفرت
فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ	کے طلب گار رہو اور ان سے معاملات
عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	میں مشورہ کرو۔ پس (اس کے بعد)
الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ	جب تم (کسی بات کا) پکا ارادہ کر لو تو اللہ
اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ	پر بھروسہ (توکل) کرو (اور آگے بڑھو)
لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ	ضرور اللہ پسند کرتا ہے توکل (بھروسہ)
فَمَنْ ذَا الَّذِيْ	کرنے والوں کو۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرنا
يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ	چاہے تو پھر تمہارے اوپر کوئی غلبہ پانے
بَعْدِهٖ وَعَلَى	والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ	تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری
الْمُؤْمِنُوْنَ۔	مدد کر سکے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ
(آلِ عمران: ۱۵۹-۱۶۰)	بس اللہ ہی پر توکل (بھروسہ) کریں۔

دوسری جگہ اس طرح کے مواقع پر منافقین[1] کے دوہرے کردار کی نشاں دہی کرتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ کے بھروسے (توکل) پر آگے بڑھتے رہنے کی تلقین کی گئی:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۲۹۔

Marfat.com

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔ (النساء : ۸۱)

اور وہ کہتے ہیں کہ فرماں برداری کے سوا دوسری کیا بات ہے لیکن جوں ہی وہ تمہارے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے بالکل برعکس جس کا وہ زبان سے اظہار کرتی ہے سازشوں میں لگ جاتی ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو یہ سازشیں کرتے ہیں۔ سو تم ان سے منہ پھیر لو اور اللہ پر بھروسہ (توکل) کرو۔ اور بھروسے کے لئے اللہ کافی ہے۔

واضح رہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور 'توکل' دشمن سے مقابلہ اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے ہی سے ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کا سلسلۂ بیان جہاد و قتال ہی سے متعلق ہے:

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ

پس چاہئے کہ اللہ کے راستے میں جنگ کریں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کا سودا چاہتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کے راستے میں جنگ کرے پس وہ مارا جائے یا فتح مند ہو تو ہم ضرور اسے جلد بڑا بدلہ دیں گے اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے راستے میں جنگ نہیں کرتے ہو اور ان کچلے ہوئے مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں

Marfat.com

اَھْلُھَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ	نکال لے اس لبتی سے جس کے لوگ
لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا	ظالم اور بے انصاف ہیں۔ اور ہمارے
مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا۔	لیئے اپنے پاس سے کوئی مدد کرنے
(النسار: ۴۷-۷۵)	والا ٹھہرا۔

غرضیکہ صبر ہو یا توکل، قرآن کے نقطۂ نظر سے ان دونوں ہی کا تعلق مومن کی نجی اور انفرادی زندگی سے زیادہ دین کے اجتماعی مطالبات اور اس کے وسیع تر تقاضوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے جو حضرات انبیار علیہم السلام باطل کے خلاف اپنے اعلانِ جنگ اور دینِ حق کو دنیا کے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے حیات پر غالب کرنے کے سلسلے میں ان دو ہتھیاروں کو مضبوط تھامے ہوتے اور ہر ہر قدم پر ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ دشمنانِ دین کی مخالفتوں اور ان کی طرح طرح کی شرارتوں کے جواب میں حضرات انبیارؑ کی بڑی جماعت کی طرف سے قرآن نے ان کا ایک ہی جواب نقل کیا:

قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ	ان سے ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم
اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ	تو بس تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں البتہ
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ	اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا
یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَمَا کَانَ	ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اور
لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ	ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلَی	پاس کوئی دلیل لے کر آئیں سوائے اللہ
اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ	کے حکم کے اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ ایمان
الْمُؤْمِنُوْنَ، وَمَا لَنَآ	والے بھروسہ (توکل) کریں۔ اور
اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ	ہمیں کیا ہو گیا ہے جو ہم اللہ پر بھروسہ
وَقَدْ ھَدٰنَا سُبُلَنَا	(توکل) نہ کریں جب کہ اس نے ہمارے
وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ	لیئے ہمارے راستے صاف دکھا دیئے
اٰذَیْتُمُوْنَا وَعَلَی	اور ہم ضرور تم جو ہمیں تکلیفیں دیتے ہو

Marfat.com

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔ (ابراہیم : ۱۱ - ۱۲)

اس پر صبر کریں گے اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ (توکل) کرنے والے بھروسہ (توکل) کریں۔

اسلامی نظامِ زندگی کی یہ زبان زد معروف اصطلاحات صاف بتاتی ہیں کہ اسلام جس مذہب سے عبارت ہے اور مذہبیت و دین داری کے جس تصور کا علم بردار ہے، اس کا تعلق صرف خدا اور بندے کے معاملے سے نہیں۔ بلکہ دنیاوی زندگی کے اہم ترین معاملات اور اس کے پھیلے ہوئے امور و مسائل سے بھی اس کا رشتہ گہرے طور پر جڑا ہوا ہے۔ وہ صرف عقائد و عبادات کا دین نہیں، بلکہ معیشت، معاشرت، سیاست، تمدن، صلح و جنگ وغیرہ تمام چیزیں اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ وہ ان میں سے ہر ایک سے بحث کرتا اور ان کے سلسلے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ پس وہ انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں۔ بلکہ اس کی پوری زندگی کا دین ہے۔ جس کا اصرار ہے کہ اسے پوری انسانیت کا دین مانا جائے اور پوری دنیا پر تنہا اسی کی حکمرانی ہو۔ دوسرے ادیان و مذاہب اور نظامہائے حیات اگر رہیں تو اس کی محکومی اور تابعیت میں رہیں۔ رہنمائی اور مرجعیت تنہا اس کی تسلیم کی جائے اور دنیا کے غالب نظام کی حیثیت تنہا اسے حاصل ہو۔

قرآن مجید کی مکی سورتوں کے مضامین

اسلامی تصور مذہب کی تشریح وتفصیل میں اب تک ہم کسی تخصیص وتحدید کے بغیر قرآن کی مکی اور مدنی سورتوں سے استدلال کرتے رہے ہیں جس کا صاف مطلب ہے کہ اسلام، نزول قرآن کے اول دن سے مذہب کے وسیع تصور کا علمبردار اور علی الاطلاق جملہ معاملات زندگی میں خدائی مرضیات کے نفاذ کی وکالت کرتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اصول فطرت کی رعایت سے بتدریج ارتقاء اور موقع ومحل کی مناسبت کو تو ضرور ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ دین کی نعمت عظمیٰ کی تکمیل نزولِ قرآن کی تیئیس ۲۳ سالہ مدت کے ساتھ ہوئی۔ تیرہ سال مکہ کے اور دس سالہ مدنی زندگی کے بعد آخری شریعت اپنے نقطۂ کمال کو پہنچی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ادوار میں فرق صرف اجمال اور تفصیل یا دوسرے لفظوں میں متن اور اس کی تشریح کا ہے۔ ورنہ تصور دین مکی زندگی میں بھی ویسا ہی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھا جیسا کہ وہ بعد میں مدینہ میں پوری طرح ابھر کر سامنے آیا۔

آج بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو جن میں اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے بھی شریک ہیں، یہ غلط فہمی لاحق ہے کہ اسلام کا اجتماعی رخ مدنی زندگی کی پیداوار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اسلام کے دستور اساسی۔ قرآن۔ میں اجتماعیات کے باب کا اضافہ اس وقت ہوا جبکہ مسلمانوں کو ریاست کی آزادانہ فضا میسر ہو چکی تھی یہی زمانہ تھا جب اسلام کے ماننے والے زندگی کے اجتماعی امور ومسائل سے آشنا ہوئے۔ اس سے پہلے کے تیرہ سالہ مکی دور میں نبیؐ اور پیروان نبیؐ کی دینی زندگی عقائد وعبادات اور مسلمہ معروفات تک محدود تھی۔ مکہ کے اندر قرآن کے جتنے حصے نازل ہوئے ان کا تعلق صاف طور پر انسان کی پرائیویٹ زندگی اور مذہب کے محدود تصور سے ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ان ممالک اور علاقوں میں جہاں کے حالات اسلامی تاریخ کے مکی دور سے مشابہ ہیں، اسلام کے نام لیواؤں کو مذہب کے اسی

محدود دائرہ کا پابند ہونا چاہیئے۔ دین کے اجتماعی پہلو اور مذہب کے وسیع تصور کی نسبت سے زبان بند رکھی جائے تاآنکہ دست غیب نمودار ہو۔ فضل خداوندی جوش میں آئے اور ریاست وسلطنت کے انعام کا تاج مسلمان امت کے سر پر رکھ دیا جائے۔ اس سے پہلے مذہب کے وسیع اور انقلابی تصور کی بات کرنا بے وقت کا راگ الاپنا اور بسا اوقات اپنے کو قبل از وقت خطرات اور ہلاکتوں کے منہ میں ڈال دینے کے مرادف ہے۔

لیکن یہ محض ایک سفسطہ اور صریح مغالطہ ہے جو کتاب اللہ کو سمجھ کر نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ مدینہ کے اندر قرآن کے صفحات میں دین کا جو اجتماعی رُخ سامنے آیا اور مذہب کے وسیع تصور کی جو نمود ہوئی، اس کی بنیاد مکی زندگی میں پڑ چکی تھی اور قرآن کی مکی سورتوں میں اس کی اساس استوار کر دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے جو امت کے علماء نے صراحت کی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی و مدنی کی کسی تخصیص کے بغیر اپنی پوری زندگی میں جملہ معاملات ومسائل کے سلسلے میں جو فیصلے بھی کیے اور انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ سے لے کر اس کے بڑے سے بڑے مسائل سے آپ جس طرح عہدہ برآ ہوئے ان سب کی بنیادیں، مکی و مدنی کے کسی فرق وامتیاز کے بغیر، قرآن حکیم کے اندر موجود تھیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے:-

کل ما حکم بہ رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جملہ معاملات
صلی اللہ علیہ وسلم فھو مما	زندگی سے متعلق) جو فیصلے بھی کئے وہ سب نتیجہ تھے
فھمہ من القرآن [1]	اس کا جو آپ نے کسی تحدید و تخصیص کے بغیر قرآن سے سمجھا تھا۔

جس کا مطلب ہے کہ قرآن کے منصوصات سے آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں انفرادی واجتماعی زندگی سے متعلق جو احکام وفرامین دئے اور جو فیصلے بھی صادر کئے یہاں تک کہ وسیع اسلامی سلطنت کا کاروبار جس طرح چلایا، ان سب کا ماخذ مکی و مدنی کی کسی تخصیص کے بغیر کتاب اللہ میں موجود تھا۔ قرآن کی مدنی سورتوں میں اسلام کا اجتماعی پہلو اور اس کا وسیع وہمہ گیر تصور پوری طرح نمایاں ہے۔ یہی حقیقت قرآن کی مکی سورتوں کے اندر بھی جلوہ گر ہے۔

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳، طبع جدید۔ نیز: الاتقان: ۲/۱۲۶۔ مطبعۂ ازہر، مصر، طبعۂ ثانیہ ۱۹۲۵ء

Marfat.com

فرق صرف اجمال اور تفصیل اور متن اور اس کی تشریح کا ہے۔ ورنہ ایک ہی تصویر ہے جو مکی اور مدنی ہر دو آیتوں سے ابھرتی ہے۔ ذیل میں ہم اسی نقطۂ نظر سے خاص طور پر مکی سورتوں کا مطالعہ کریں گے اور ان کے اندر زندگی کے وسیع معاملات و مسائل سے متعلق پائی جانے والی تعلیمات کو قدرے تفصیل سے پیش کریں گے جنہیں مذہب کے انقلابی اور ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تصور کے خانہ ہی میں فٹ کیا جا سکتا ہے۔

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف

سورۂ انعام کے مکی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صحیح ترین روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ پوری سورۃ مکہ میں بیک دفعہ نازل ہوئی جبکہ آپؐ سفر میں تھے اور حالت یہ تھی کہ فرشتوں کی عظیم جماعتیں زمین سے آسمان تک پرے پر پرے جماتے ہوئے تھیں[1]۔ مصحف کی موجودہ ترتیب میں اس کے بعد سورۃ اعراف ہے جس کے مکی ہونے میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر ہم صرف انہی دونوں سورتوں کے مضامین پر غور کر لیں تو یہ حقیقت مبرہن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام کا دینداری اور مذہبیت کا تصور مکہ کے اندر بھی ویسا ہی وسیع اور ہمہ گیر تھا جیسا کہ بعد کی مدنی زندگی کے اندر اس کا تکمیلی طور پر ظہور رہا۔ یہاں تک کہ شریعت کے قانونی نظام کی تفصیلات کی تفہیم کا باب بھی اسی زمانہ میں کھل چکا تھا۔ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ دنیا کے ہر نظام فکر و عمل کی طرح شرک و بت پرستی بھی اپنا ایک مستقل نظام رکھتی ہے اور پوری انسانی زندگی پر اپنے محسوس اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس فلسفۂ زندگی نے عرب کے سادہ لوح عوام کو محض بعض رسوم و بدعات اور سماجی خرافات و توہمات کے دام ہی میں گرفتار نہیں کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں یہ لوگ اپنی کھیتیوں اور مویشیوں کا ایک حصہ اپنے معبودان باطل کے لئے خاص کر دیتے تھے۔ بہت سے جانور تھے جن کا کھانا کچھ لوگوں کے لئے تو جائز تھا اور کچھ کے لئے ناجائز، اسی طرح ان کی سواری کو بھی وہ اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ اسی طرح حلال و حرام کے سلسلے میں یہ لوگ اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیوں کے شکار تھے جن کی اصلاح کی گئی، قرآن نے بتایا کہ ان کی

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۲۲/۲۔

حیات اجتماعی کا یہ سانحہ بھی ان کی اسی بت پرستی کا کرشمہ ہے کہ یہ اپنے ہی جگر گوشوں کو پوری بے دردی کے ساتھ لقمۂ اجل بنا ڈالتے ہیں[1] اس کے بعد قرآن نے آخری تکمیلی شریعت کی حلال و حرام کردہ چیزوں کی جو تفصیل بیان کی ہے اس نے حیات اجتماعی کے وسیع ترین دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے چنانچہ ذہنی اور فکری تطہیر کے ساتھ دیوانی اور فوجداری قانون کی اہم ترین دفعات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	(اے نبی لوگوں سے) کہو کہ آؤ میں پڑھ کر بتاؤں
عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا	کہ تم پر تمہارے رب نے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا	یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو ساجھی نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ
أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ	کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اور اپنی اولاد کو جان سے
نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا	نہ مارو افلاس کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ	دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔ اور بے حیائی
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ	کے کاموں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے
إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ	اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا	ہے سوائے حق کے۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو
مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	تلقین کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے
حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ	پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ	یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے (تو اس
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ	کا مال اس کے حوالہ کر دو)۔ اور ناپ اور تول
فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى	کو پورا پورا کرو انصاف کے ساتھ۔ ہم کسی جان
وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ	پر بس اس کی طاقت بھر ہی بوجھ ڈالتے ہیں اور
وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝	جب تم بولو تو ٹھیک بولو خواہ متعلق شخص رشتہ دار
وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا	ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ سے ٹھہرائے ہوئے عہد کو

[1] انعام: ۱۳۶ تا ۱۵۰ - نیز آیات: ۱۱۹ - ۱۲۱ -

Marfat.com

فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

(انعام : ۱۵۱-۱۵۳)

پورا کرو۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (ٹھیک ٹھیک) اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں کو نہ پکڑو جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر جدا جدا ٹولیوں میں کر دیں۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے۔ تاکہ تم (دنیا میں اس سے) ڈر کر رہو۔

سورۂ اسراء جو جمہور مفسرین کے نزدیک پوری کی پوری مکی ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے[1]، اور جیسا کہ روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے مضامین سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ہجرت نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی[2]، اس کے اندر سورۂ انعام کی مذکورہ وسیع معاملات زندگی سے تعلق رکھنے والی آیات کی مزید تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مکہ کے اندر اسلام کا دستور اساسی۔ قرآن۔ لوگوں کے

---

[1] آلوسی: روح المعانی: ۱۵/۲۔ صاحب جلالین نے اس سورہ کو مکی مانتے ہوئے اس کی آیات ۲۶، ۳۲، ۵۷، اور ۷۳ تا ۸۰ کو مدنی قرار دیا ہے۔ تفسیر الجلالین: ۳۶۴/۱۔ جبکہ صاحب روح المعانی نے اس پر بعض اور آیتوں کا اضافہ کیا ہے، روح المعانی، حوالہ سابق۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس سلسلے کی تمام روایتیں جن کی بنیاد پر انھیں مدنی کہا گیا ہے، سند کے اعتبار سے کمزور اور تناقض کا شکار ہیں جیسا کہ خود سیوطی نے 'اسباب النزول' میں آیات ۲۶، ۳، اور ۷۶ کے تحت اس کی صراحت کی ہے۔ لباب النقول فی اسباب النزول علیٰ ہامش الجلالین/۵۱۲، ۵۱۳، ۵۲۰ تا ۵۲۲ طبع جدید۔ حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ۲۶ کے تحت اس کی تفصیل کی ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۳۶/۳۔ سیوطیؒ نے آیت مذکور کے تحت اسی کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں سورۂ اسراء کی آیات زیر بحث میں صرف آیت ۳۲ ہے جسے صاحب جلالین نے، جیسا کہ حوالہ گزرا، مدنی بتایا ہے۔ لیکن اس آیت کا مدنی قرار دینا عجیب ہے۔ اس لئے کہ مکہ کے اندر زنا کی حرمت اس کے علاوہ دوسری متعدد آیات سے ثابت ہے۔ سورۂ انعام کی مذکورہ آیات میں بھی اس کا ذکر آ چکا ہے۔ نیز فرقان: ۶۸۔ مومنون: ۵-۷ اور معارج: ۲۹-۳۱ وغیرہ میں بھی اس کی حرمت کا بیان موجود ہے جنہیں تمام مفسرین مکی سورتیں تسلیم کرتے ہیں۔

[2] ابن کثیر: ۲۲/۳، ۵۸، مصر ۱۹۳۷ء!

Marfat.com

سامنے مذہبیت و دینداری کا جو تصور پیش کر رہا تھا اس کا دائرہ کس قدر پھیلا ہوا تھا۔ اور کس طرح اس کے اندر حیات اجتماعی کے مختلف و متنوع پہلوؤں سے متعلق تعلیمات و ہدایات شامل تھیں۔ سورۂ اسراء کی ان آیات کو بجا طور پر آئندہ مدینہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کا اولین منشور[1] کہا گیا ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ	اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگو! اگر
وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ	تم بندگی (عبادت) کرو تو بس اس کی اور ماں
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ	باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر تمہارے
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا	پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں کے
تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا	دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ	اُف نہ کہو نہ انھیں جھڑکو بلکہ ان سے شریفانہ
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	بات کہو۔ اور ان کے لئے مہر بھرے اطاعت
كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا	کے بازو جھکا دو اور دعا کرو کہ پروردگار
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ	ان پر مہربانی کر جیسا کہ انھوں نے (سراپا مہر
وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا	محبت بن کر) بچپن میں میری پرورش کی..... اور
.... وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ	رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین کو اور مسافر
خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ	کو اور بے لگام فضول خرچی میں نہ پڑو..... اور
وَاِیَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا	اپنی اولاد کو جان سے نہ مارو فاقہ کے ڈر سے
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ	ہم انھیں روزی دیں گے اور تمہیں تو دیتے ہی
فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِیْلًا	ہیں۔ ان کا جان سے مارنا بڑی غلطی ہے۔
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ	اور بدکاری کے پاس نہ بھٹکو یہ کھلی بے حیائی
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ	اور بہت برا راستہ ہے۔ اور اس جان کو قتل
مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا	نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے
فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ	حق کے اور جو کوئی قتل کیا جائے نشانۂ ظلم

[1] تفہیم القرآن: ۲/۵۸۵، دہلی، طبع ہفتم

Marfat.com

مَنْصُوْرًا ○ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ○ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○

(اسراء: ۲۳-۳۸)

ہو کر تو ہم نے اس کے ولی کے لیے (قصاص کا) اختیار رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے ضرور اس کی مدد ہونی ہے۔ اور تم یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہونچ جائے (تو اس کا مال اس کے حوالہ کر دو) اور عہد کو پورا کرو۔ ضرور عہد کی پرسش ہونی ہے۔ اور ناپ کو پورا کرو جب تم ناپو۔ اور ٹھیک تول تولو۔ یہی زیادہ اچھا اور انجام کار کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ اور زبان سے وہ بات نہ نکالو جس کا تمہیں ٹھیک پتہ نہ ہو۔ ضرور کان، آنکھ اور دل ان میں ہر ایک کی بابت پرسش ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ ہرگز (ایسا کر کے) تم زمین میں دراڑ نہ ڈال دو گے اور لمبائی میں پہاڑوں کی برابری پر نہ پہنچ جاؤ گے۔ یہ تمام چیزیں جو (سب کی سب) بری ہیں تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہیں۔

سورۂ فرقان (آیات ۶۳ تا ۷۷) میں بھی اہل ایمان کی مطلوبہ اوصاف و خصوصیات کے بیان میں ہمیں اسلام کے اسی وسیع تصور مذہب کی صدا گونجتی دکھائی دیتی ہے۔[1] جس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

---

[1] سورۂ فرقان جمہور مفسرین کے نزدیک پوری مکی ہے۔ روح المعانی: ۱۸/ ۲۳۰۔ جلالین میں اس کی تین آیات ۶۸، ۶۹، ۷۰، جن میں زنا اور قتل نفس کی حرمت کا مضمون ہے، انھیں مدنی کہا گیا ہے۔ تفسیر الجلالین ۱/ ۴۷۰۔ لیکن اس کے شان نزول میں سیوطی نے صراحت کی ہے کہ اس کا تعلق مکی دور سے ہے۔ لباب النقول فی اسباب النزول (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اصولی ہدایات

عقائد و عبادات اور احکام و معاملات سے متعلق وسیع تعلیمات کے علاوہ ان سورتوں کے اندر ہمیں وہ اصولی ہدایات ملتی ہیں جو انسان کو اپنی پوری زندگی میں اللہ کے لئے یکسو ہو جانے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ ذہنی و فکری یکسوئی کے ساتھ مکمل عملی یکسوئی یہاں تک کہ جملہ معاملات حیات میں صرف اللہ کی مرجعیت قائم ہو جائے اور انفرادی و اجتماعی تمام امور و مسائل میں اس کی علی الاطلاق حاکمیت تسلیم کر لی جائے۔

اللہ کی حاکمیت

اس سلسلے میں ان دو سورتوں کا اہم ترین مطالبہ یہی ہے کہ قرآن کی صورت میں آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر اجتماعیت کے بڑے سے بڑے مسائل تک اللہ اور اس کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر نظر کسی اور طرف اٹھنے نہ پائے۔ قرآن کے آجانے کے بعد زندگی کے تمام معاملات کا فیصلہ اللہ کی ایک ہی بارگاہ سے ہوگا۔ قرآن کے اجمال کی تفصیل اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و عمل سے کریں گے اور کسی بھی انسان کے لئے جو فوز و فلاح کا طالب اور جسے اپنی صحیح حیثیت کا شعور ہو اس دائرے کا لانگنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کتاب کے اندر اصولی طور پر جملہ معاملات زندگی کی تفصیل موجود ہے۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف طور پر اعلان کر دینے کا حکم ہوا۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ	کیا پس میں اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت چاہوں
الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ	جبکہ اس نے تم تک کتاب (قرآن) اتارا ہے جملہ
مُفَصَّلًا وَّالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ	معاملات زندگی سے متعلق تفصیل کے ساتھ) اور
الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ	وہ لوگ جنہیں ہم نے (اس سے پہلے) کتاب

(بقیہ صفحہ گزشتہ) علی ہامش الجلالین ۶/۲۰۶۔ روایات سے ہٹ کر بھی ان آیتوں کا مدنی قرار دینا کچھ وزن دار نہیں۔ اس لئے کہ یہ مضمون جیساکہ تفصیل گزر چکی ہے، دوسری متفق علیہا کی سورتوں اور آیتوں میں مذکور رہے۔

Marfat.com

مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (انعام: ۱۱۴)

دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق کیساتھ اتارا گیا ہے۔ سو تم ہرگز ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

دنیا و آخرت میں انسان کی فلاح کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی میں راستی اور انصاف کے راستے پر لگ جائے۔ اس کا مسلہ اپنے اللہ کے ساتھ سچا ہو اور دنیا کے دوسرے انسانوں کے ساتھ وہ اسی سچائی کے راستے پر عمل کرنے والا ہو۔ کفر و شرک کی روش سے بچ کر وہ اپنے آپ کو ظلم و ناانصافی سے بچالے اور دوسرے تمام بندگان خدا کے ساتھ ظلم و ناانصافی سے دامن کش رہے اور بے لاگ طریقے پر عدل و انصاف کی روش پہ گامزن ہو۔ آگے فرمایا کہ کتاب اللہ ان ہر دو پہلوؤں سے آخری طور پر نقطۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے جس سے آگے کی کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پس ضروری ہے کہ اسے مضبوط پکڑ کر اپنی پوری زندگی میں اس کے اتارنے والے کی بالا دستی تسلیم کر لی جائے نیز یہ کہ اس سے ہٹ کر دین و دنیا کے کسی معاملے میں دوسرے انسانوں کی پیروی نہ اختیار کی جائے۔ جن کا کل اثاثہ حیات اور فکر و نظر کا تمام تر سرمایہ محض ظن و گمان ہے، اسی پر ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ (آیات: ۱۱۵-۱۱۶)

اور تیرے رب کی بات نقطۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے سچائی اور انصاف میں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ اور اگر تم زمین والوں میں اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ تو محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

یہی بات دوسرے موقع پر مزید صراحت سے کہی گئی ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جس دائرے میں بھی تمہارے اندر کوئی اختلاف برپا ہو، چاہیے کہ اس کے فیصلے کے لئے اللہ

کی طرف پلٹا جائے۔ زندگی کے تمام معاملات میں بلاشرکت غیرے صرف اسی کا حکم چلنا چاہیے۔ زندگی کے چھوٹے بڑے ہر مسئلہ میں اس کا فیصلہ آخری اور اس کی مرضی ہر ایک پر مقدم ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ (شوریٰ: ۱۰)

اور (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) جس کسی چیز میں بھی تمہارا باہم اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ یہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔

جملہ معاملاتِ زندگی میں قرآن کی پیروی

اس کے ساتھ ہی ان سورتوں میں دو ٹوک لفظوں میں یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ قرآن کی صورت میں آخری مکمل نظام زندگی کے آجانے کے بعد آدمی کے لئے اپنی پوری زندگی میں اس کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقے کے اپنانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں اب اسی کتاب کو فیصل ماننا ہوگا۔ عقائد و عبادات سے لے کر اخلاق و معاملات معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن، سیاست و حکومت کے تمام میدانوں میں اس کی دکھائی ہوئی روشنی ہی قابل اعتماد اور خدا و رسول کی بارگاہ میں قابل قبول ہوگی۔ اس سے ہٹ کر یا اس سے کٹ کر جس پگڈنڈی کو بھی آدمی پکڑے گا۔ وہ دنیا و آخرت ہر ایک میں اسے تباہی کے کھڈ میں گراتے گی اور اس کے لئے ہمہ جہتی نقصان اور خسارے کی موجب ہوگی۔ سورۂ اعراف کی ابتداء ہی میں فرمایا:

اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ (آیت: ۳)

پیروی کرو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) اس چیز (قرآن) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اور اسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کے پیچھے نہ چلو۔ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

Marfat.com

آخرت سے پہلے دنیا کے اندر بھی اس روش کا انجام کچھ اچھا نہیں۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد ارشاد ہوا:

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا	اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ
فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ	کر دیا سو ان پر ہمارا عذاب آیا رات کے وقت
قَائِلُونَ ○ فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ	یا جبکہ اس کے لوگ قیلولہ میں تھے۔ سو جب
إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ	ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے
قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ○	سوا دوسری نہ رہی کہ وہ چلاتے رہے کہ ہاں
(آیات: ۴-۵)	ہم ضرور ظلم کے راستہ پر چلنے والے تھے۔

دوسرے مواقع پر بھی قرآن دنیا کے تمام انسانوں کو اسی کی تاکید کرتا نظر آتا ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات اور جملہ امور و مسائل میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر اس کے دکھائے ہوئے راستے کی پیروی کی جائے۔ اس طریقے کو چھوڑ کر دوسری دنیا سے پہلے اس دنیا کے اندر بھی آدمی اپنے کو عذاب الٰہی کی گرفت سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا:

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ	اور پیروی کرو (جملہ معاملات زندگی سے
إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ	متعلق) اس بہترین چیز (قرآن) کی جو تم تک
أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً	تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○	اس سے پہلے کہ تم تک عذاب آئے اچانک
(زمر: ۵۵)	اور تم کو کچھ پتہ نہ ہو۔

ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب

ایک بات ان سوتوں میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ آدمی کو اپنی پوری زندگی میں ہر طرح کے گناہوں سے بچ کر رہنا ضروری ہے یہ اسی کا دوسرا رخ ہے۔ دین کیا ہے ؟ دو چیزوں کا مجموعہ، اللہ کے اوامر کی پابندی اور اس کی منہیات سے اجتناب۔ اللہ نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے آدمی اپنی پوری زندگی میں ان پر عمل پیرا ہو اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے زندگی کی آخری سانس تک ان سے

Marfat.com

پوری طرح دامن کش رہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی پسندیدہ طریقۂ زندگی ہے جس کی پیروی کر کے آدمی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے اپنے کو مالامال کر سکتا ہے۔ ان اوامر و نواہی کی تفصیل اس سے پہلے کسی قدر گزر چکی۔ سورۂ انعام میں منہیات کے سلسلے میں یہ اصولی ہدایت مذکور ہوئی:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ	اور چھوڑ دو ظاہری اور باطنی ہر طرح کے
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ	گناہ، ضرور جو لوگ گناہ کی کمائی کرتے ہیں
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ○	انہیں جلد بدلہ ملیگا اس چیز کا جس کا یہ ارتکاب
(انعام: ۱۲۰)	کرتے رہے ہیں۔

یہ آیت کریمہ شریعت کی بیان کردہ جملہ قسم کی برائیوں اور گناہوں کو حاوی ہے۔ اس کی تفسیر میں سلف سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے ہر وہ برائی اور گناہ مراد ہے جو چھپے یا کھلے کیا جائے۔ انہی سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ہر وہ (برا) کام ہے جس کے کرنے کی آدمی دل میں نیت اور ارادہ کرے۔ قتادہ کہتے ہیں اس سے مراد گناہ اور برائی کے کام ہیں خواہ وہ چھپے ہوں یا کھلے، تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ ظاہر الاثم وباطنہ، میں ظاہر اثم (ظاہر گناہ) سے مراد ہے جھنڈے دار (ذوات الرایات) پیشہ والیوں کے ساتھ زنا اور اس کے باطن سے مراد ہے دوست کی ہوئی، ساتھی بنائی ہوئی اور آشنائی والی عورتوں کے ساتھ اس فعل بد کا ارتکاب۔ عکرمہؒ کا کہنا ہے کہ ظاہر اثم (ظاہر گناہ) سے مراد محرمات کے ساتھ نکاح ہے یعنی وہ قریب ترین رشتے جنہیں شریعت نے رشتۂ ازدواج میں لانا حرام ٹھہرایا ہے مفسرین عظام کے ان جملہ اقوال کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ:

والصحيح ان الآية عامة	صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان تمام ہی چیزوں
فی ذلک کلہ وھی کقولہ تعالیٰ	کے سلسلے میں عام ہے۔ اور یہ بالکل وہی
(قل انما حرم ربی الفواحش	بات ہے جو دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے
منھا وما بطن) الآیۃ [1]	اس طرح کہی ہے کہ: (اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے
	رب نے تو بس بدکاری و بے حیائی کی تمام

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۸۔

Marfat.com

باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ کھلی (ظاہری)

ہوں یا چھپی (باطنی) الخ

سورۂ اعراف میں بدی اور بے حیائی کے ان کاموں میں چند دوسری دفعات کا اضافہ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ	(اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے تو بس
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ	بدی و بے حیائی کی تمام باتوں کو حرام ٹھہرایا
وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ	ہے خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور گناہ کو اور
تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ	ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ ساجھی
سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ	ٹھہراؤ اس چیز کو جس کے لیے اس نے کوئی
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝	دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر کہو وہ
(اعراف: ۳۳)	بات جسے تم جانتے نہیں ہو۔

آیت بالا کی طرح اس آیت کریمہ نے بھی کھلے اور چھپے بدی اور بے حیائی کے کاموں میں ہر طرح کی برائیوں اور بداطواریوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس کے بعد اس میں علی الاطلاق گناہ (اثم) کے بعد حق کے بغیر بغاوت وسرکشی 'البغی بغیر الحق' کی دفعہ کا اضافہ ہے۔ جس کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ نے کہا ہے:

البغی لا یستعمل الا فی	'بغی' کا استعمال کسی دوسرے شخص پر دست
الاقدام علی الغیر نفسا	درازی کے لئے ہی ہوتا ہے خواہ یہ دست
او مالا او عرضا وایضا قد	درازی اس کی جان پر ہو یا مال پر یا عزت و
یراد بالبغی الخروج علی	آبرو پر۔ نیز بسا اوقات 'بغی' سے مراد بادشاہ
سلطان الوقت [1]	وقت کے خلاف بغاوت (اور اس کے اقتدار
	کو ختم کرنا) ہوتا ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں کو جو تعلیمات دی گئیں، ان میں ان کے لئے بعد کے مراحل میں پیش آنے والے حکومت وسیاست کے نازک ترین مسائل کی تعلیم و تربیت کا سامان بھی موجود تھا۔

---

[1] مفاتیح الغیب: ۴/ ۲۰۸۔

عدل وقسط کا حکم

اگر سوال کیا جائے کہ زندگی کی وہ اعلیٰ ترین قدر کیا ہے جو دنیائے انسانیت کو امن واطمینان کا گہوارہ بناتی اور جس کی بدولت آدمی دنیا وآخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہوتا ہے، تو اس کا ایک جواب ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں عدل وقسط کی روش پر گامزن ہوجائے اور اس کا کوئی قدم اس جادۂ مستقیم سے ہٹنے نہ پائے۔ آسمانی شریعتوں کی اس شاہ کلید کا حکم بھی ہمیں اسی سورہ میں مل جاتا ہے:

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ○

(اعراف: ۲۹)

(اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے مجھے حق وانصاف (قسط) کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا کہ تم سب ہر نماز کے وقت اپنا رُخ (اللہ کے لیے) سیدھا کرو۔ اور اس کو پکارو اطاعت کو اس کے لیے خاص کرتے ہوئے جیسا کہ اس نے تم کو شروع میں پیدا کیا ویسا ہی تم پلٹو گے۔

عدل وقسط کا یہ حکم اپنے اندر کتنی وسعت اور عموم رکھتا ہے، اس کے لیے ہم صرف ان آیتوں اور ان کا ترجمہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

۱۔ يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ

اور (اے نبیؐ) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ ان کے سلسلے میں تم کو مسئلہ بتاتا ہے۔ ساتھ ہی اسے بھی یاد رکھو جو تم پر کتاب میں ان عورتوں کے یتیم بچوں کے سلسلے میں پڑھا جاتا رہا ہے جنہیں تم وہ (مہر وغیرہ) نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے فرض رکھا گیا ہے۔ نیز

Marfat.com

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ (نساء : ۱۲۷)	تم کتراتے ہو اس سے کہ انہیں اپنے نکاح میں لاؤ، اور کچلے ہوئے بچوں کے سلسلے میں اور یہ کہ تم یتیموں کے لئے حق و انصاف (قسط) دلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو گے تو اللہ کو اس کا خوب پتہ ہے۔
۲۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (نساء : ۱۳۵)	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اٹھ کھڑے ہونے والے بن جاؤ حق و انصاف (قسط) دلانے کو، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بن کر، خواہ یہ (گواہی) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو متعلق شخص جو بھی مالدار یا محتاج ہوا تو اللہ ان میں ہر ایک کا سب میں بڑھ کر خیال رکھنے والا ہے۔ سو تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو جس سے کہ عدل و انصاف سے کترا جاؤ۔ اور اگر تم زبان پھیرو اور (حق سے) منہ موڑو گے تو ضرور اللہ خبر رکھنے والا ہے اس کی جو تم کرتے ہو۔

اسی طرح سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے بنو حق و انصاف (قسط) کی گواہی دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا قصور وار نہ بننے دے کہ تم عدل

Marfat.com

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥
(آیت: ۸)

انصاف سے کام نہ لو۔ (ہر حال میں) عدل
وانصاف سے کام لو یہی خوف خدا سے
زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ ضرور
اللہ پتہ رکھنے والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ
اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ
جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ
عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا
وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ٥
(آیت: ۴۲)

جھوٹ کے لئے ہر وقت کان کھڑا رکھنے والے
نمبری حرام کھانے والے سو (اے نبیؐ) اگر یہ
لوگ تمہارے پاس آئیں تو تم جو چاہو ان
کے درمیان فیصلہ کر دو یا ان سے رخ پھیر لو
اور اگر تم ان سے رخ پھیر لو تو ہرگز یہ تمہارا
کچھ نقصان نہ کر سکیں گے لیکن اگر تم فیصلہ
کرو تو ان کے درمیان حق وانصاف (قسط)
کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ضرور اللہ حق وانصاف
سے کام لینے والوں کو پسند کرتا ہے۔

زندگی میں جاری اس عدل وقسط کا نمایاں ترین مظہر ناپ تول کے پیمانے ہیں کہ ان میں کسی قسم کے کھوٹ اور کمی کو روا نہ رکھا جائے۔ جو لوگ روپئے دو روپئے کے معاملہ میں اس انصاف کو نبھا نہ سکیں۔ اس سے بڑے معاملات میں ان سے اس کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ قرآن زندگی میں عدل و قسط کی کارفرمائی کا حکم دیتے ہوئے خاص اس دائرے کی نشاندہی کو بھی ضروری خیال کرتا ہے سورۂ انعام کی حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ

اور ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف (قسط)
سے۔ ہم ہر جان پر بس اس کی طاقت بھر ہی
بوجھ ڈالتے ہیں۔ اور جب تم بات کہو تو عدل
وانصاف سے کام لو خواہ معاملہ رشتہ داری کا

اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝	کیوں نہ ہو۔ اور اللہ سے ٹھہرائے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔
(آیت: ۱۵۲)	

رسول کی نصرت

بار بار بات سامنے آچکی ہے کہ اللہ کے رسول دنیا میں صرف اس لیے نہیں آتے کہ وہ اپنے طور پر دین کے احکام اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہولیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کی اہم ترین ذمہ داری بلکہ اصل مقصد بعثت یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے اندر اللہ کے دین کی حکمرانی قائم ہو اور تمام انسان اپنے پسندیدہ نظامہائے زندگی سے دستبردار ہوکر الٰہی شریعت کے رنگ میں رنگ جائیں اور اپنے جملہ امور و مسائل میں خدا اور رسول کی مرضی کو آخری مرجع کی حیثیت سے تسلیم کرلیں۔ اس کام کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اکثر و بیشتر مخالفتوں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی دور میں نظام باطل حق کے مقابلہ میں آسانی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عالمگیر دائمی مکمل شریعت لے کر مبعوث ہوئے، دنیا کے اندر نظام باطل کی طرف سے آپؐ کو مخالفتوں اور مزاحمتوں کا مقابلہ بھی اسی نسبت سے کرنا پڑا جس کے لیے ضروری تھا کہ جو لوگ آپؐ پر ایمان لائیں، وہ اللہ کے دین کے لیے دوسری قربانیوں کے ساتھ، آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے نصرت و مدد کے لیے بھی اسی طرح سے تیار ہوں۔ یہاں تک کہ اس راستے میں انہیں اپنی جان کا بھی نذرانہ پیش کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔ سورۂ اعراف میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تکمیلی مشن اور اس کی اہم ترین دفعات کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نبیؐ کی بعثت کے بعد رحمت ایزدی اب انہیں کا مقدر بنے گی جو سود و زیاں کے فریب سے بالکل آزاد ہوکر پوری بے جگری کے ساتھ اس کا ساتھ دیں گے اور آزمائش کے سخت سے سخت ترین موقع پر بھی ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئے گی۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝	سو عنقریب میں اس (رحمت) کو لکھوں گا ان لوگوں کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ	ہیں۔ یہی ہیں جو (آخری) رسول امی نبیؐ کی
النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ	(جملہ معاملات زندگی میں) پیروی کرتے ہیں
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ	جسے وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا
وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ	پاتے ہیں جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور
وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ	برائی سے منع کرتا ہے۔ جو ان کے لیے پاک
لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ	و صاف چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور گندی
عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ	اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اور ان
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ	کے اوپر سے ان کے بوجھ کو اتارتا ہے اور
الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ	جو بیڑیاں ان کے اوپر تھیں (انھیں کاٹتا ہے)
اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ	سو (اب) جو لوگ اس پر ایمان لائیں اس کی
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ	پشتیبانی کریں، اس کی مدد کریں اور اس
اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ	روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتاری
الْمُفْلِحُوْنَ ۝	گئی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنی مراد کو پہنچے
(اعراف: ۱۵۷)	ہیں۔

رسول کی نصرت کا یہ وعدہ کسی خاص جماعت یا کسی خاص دور کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ یہ مطالبہ دنیا کے تمام انسانوں سے ہے اور قیامت تک کے لئے اس کی ضرورت اور اس کا تسلسل اسی طرح قائم ہے۔ چنانچہ اس کے مُعابعد فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ	(اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے (دنیا کے تمام)
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَاِۨ	لوگو میں (قیامت تک کے لئے) اللہ کا رسول
الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	ہوں تم تمام کے تمام تک، وہ جس کے لئے
وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ	کہ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے
وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ	اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی جلاتا
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ	ہے اور وہی مارتا ہے۔ سو تم سب ایمان لاؤ

Marfat.com

بِاللّٰہِ وَکَلِمَاتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝	اللہ پر اور اس کے رسولِ اُمّی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر۔ اور (جملہ معاملاتِ زندگی میں) اس کی پیروی کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔
(اعراف: ۱۵۸)	

قرآن کی دوسری مکی سورتوں کے اندر بھی ہمیں مضامین کی یہی وسعت اور تصورِ دین کی یہی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی دیکھنے کو ملتی ہے۔

عدل وانصاف

معلوم ہے کہ اسلام پوری انسانی زندگی میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر عدل وانصاف کا علمبردار ہے۔ ظلم و ناانصافی کی ہر صورت کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں وہ انصاف کی روش پر قائم رہیں۔ اور ان کا کوئی قدم اس سے ہٹ کر نہ اٹھنے پائے۔ مکہ کے اندر قرآن نے اسلام کے اس حکم کو ایک سے زاید بار دہرایا ہے۔ سورۂ نحل کی آیت کریمہ کو قرآن کی جامع ترین آیت قرار دیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (آیت: ۹۰)	ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل وانصاف کا اور احسان کا اور رشتہ دار کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی و بدکاری اور برائی اور سرکشی سے۔ وہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔ تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔

دوسرے موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتَابٍ وَّاُمِرْتُ	سو اس لئے سو اے نبیؐ، تم (اختلاف کی راہیں نکالنے والوں کو) بلاؤ (سیدھے دین کی طرف) اور (اس پر) جم جاؤ جیساکہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور تم ان کی خواہشات کی پیروی نہ

Marfat.com

لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ۔ (شوریٰ: ۱۵)

کرو اور کہو کہ میں ایمان رکھتا ہوں ہر اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف سے کام لوں۔

ایک اور جگہ مثال کے ذریعہ یہی حقیقت واضح فرمائی ہے:

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿ (نحل: ۷۶)

اور اللہ نے مثال بیان کی دو آدمیوں کی جن میں سے ایک گونگا ہے جس کے بس کا کچھ نہیں جو اپنے آقا پر بالکل بوجھ ہے۔ جہاں کہیں وہ اسے لگائے وہ کچھ بھلا کر کے نہ دے سکے کیا ایسا ایک شخص اور دوسرا وہ برابر ہو سکتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ سیدھے راستے پر قائم ہے۔

ظلم کا مقابلہ

زمین میں عدل و انصاف کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس پر سے ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ عمل میں نہ آئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں وہ زیادتیوں اور ناانصافیوں کے مقابلہ میں مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہو جائیں۔ مکّہ کے اندر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جا چکی تھی اور اسے ایمان اور عمل صالح کا ناگزیر جز قرار دیا گیا۔ اس کو اللہ کے ذکر کے دائمی عمل کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا جس سے قرآن کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ

سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور اللہ کو یاد کریں بہت زیادہ اور وہ مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اس کے پیچھے کہ انھیں

مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (شعراء : ۲۲۷)

ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ضرور جلد پتہ لگ جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کی راہ اپنائی کہ وہ کیسی پلٹیاں کھاتے ہیں۔

دوسرے موقع پر اس کی مزید تفصیل کی گئی اور اسے مسلمانوں کے ناگزیر وصف کی حیثیت سے بیان کیا گیا اور آخر میں صراحت کر دی گئی کہ ظالم کے خلاف سینہ سپر ہونا شریعت کے عین منشا کے مطابق ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (شوریٰ : ۳۹-۴۱)

اور وہ کہ جب انہیں بغاوت و سرکشی کا سامنا ہو تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ برائی کے بقدر ہی ہے۔ سو جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح حال کی روش اپنائے تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے۔ ضرور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو اپنے پر ظلم و ستم کے پیچھے انتقام لیں تو یہ لوگ ہیں کہ ان پر زجر و توبیخ کا کوئی موقع نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ آیت کریمہ والذین اذا اصابھم...... ینتصرون" کے ترجمہ "اور وہ لوگ کہ جب ہووے ان پر چڑھائی، تو وہ بدلہ لیتے ہیں" کے بعد اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی کافروں سے جہاد کرتے ہیں[1]، جس سے اس بدلہ لینے کی وسعت اور اس کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

عہد و امانت اور شہادت کا پاس و لحاظ

عہد و پیمان کا پاس و لحاظ اور پوری زندگی میں امانت و دیانت کی روش اختیار کرنا ایک وسیع عمل ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں انسان خدا اور بندوں کو گواہ بنا کر جو عہد و پیمان باندھے، اس کی پوری پوری حفاظت کرے، اسی طرح وہ جس رتبے اور جس حیثیت کا ہو، اور اس کی نسبت

---

[1] تفسیر موضح القرآن ۸۰۵/۲، تاج کمپنی، لاہور

سے اس کے پاس خدا اور بندگان خدا کی طرف سے جو امانتیں بھی سپرد کی جائیں، وہ ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے والا ہو، زندگی کے اندر یہ بات پیدا ہو جائے تو پورا انسانی معاشرہ امن و اطمینان کا گہوارہ بن جائے۔ خاص طور پر آج کی خیانت و بدعہدی کی ماری ہوئی دنیا کے تو دن لوٹ آئیں۔ مکہ کے اندر اہل ایمان بندوں کو یہ تلقین کی گئی کہ اپنے کو ان اوصاف عالیہ سے آراستہ کریں اور ان کی ایک نمایاں خوبی یہ ہو کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (مومنون: ۸)

اور وہ جو اپنی (ہر طرح کی) امانتوں اور اپنے (تمام طرح کے) عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح کی دوسری چیز 'شہادت اور گواہی' ہے جس سے انتہائی وسیع پیمانے پر بندگان خدا کے حقوق وابستہ ہیں۔ معاشرہ کے اندر کسی بھی انسان کو عدل و انصاف ملنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے پاس شہادت اور گواہی کی امانت ہے وہ اسے ہر قیمت پر ٹھیک ٹھیک ادا کریں، اور اس کے سلسلے میں کسی قسم کی خیانت اور جانب داری اور طرف داری سے دامن کش رہیں۔ ورنہ اگر گواہیاں مشتبہ اور مشکوک ہو جائیں اور ان کے سلسلے میں حق و انصاف کی امان اٹھ جائے، جیسا کہ آج ہمارے زمانہ کا عام چلن ہے، تو عدلیہ کا پورا نظام اپنی جگہ دھرا کا دھرا رہ جائے، قانون کے پلندے اپنی معنویت یکسر کھو بیٹھیں اور پورا سماج مظالم اور ناانصافیوں سے کراہنے لگے۔ مکہ کی زندگی ہی میں مسلمانوں کو اس اعلیٰ وصف سے بھی آراستگی کی ضمانت دے دی گئی تھی۔ دوسرے موقع پر اہل ایمان بندوں کے مذکورہ وصف پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۝ (معارج: ۳۲-۳۳)

اور وہ جو اپنی (ہر طرح کی) امانتوں اور اپنے (ہر طرح کے) عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔

ناپ تول کی درستگی

کسی بھی معاشرے کے عدل و انصاف کی روش پر عمل پیرا ہونے اور ظلم و ناانصافی سے

Marfat.com

پاک ہونے کا اہم ترین پیمانہ ہے کہ اس کے ہاں خرید و فروخت میں ناپ تول کے پیمانے درست ہوں یہ وہ پیمانہ ہے جو ٹھیک ٹھیک بتادیتا ہے کہ سماج کے اندر حق و انصاف کا کیا کچھ چلن ہے، اور اگر اس کے اندر بگاڑ اور فساد ہے تو وہ کس درجہ اور کس نوعیت کا ہے۔ ناپ تول کا عمل افراد کا نجی معاملہ نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کا وہ تھرمامیٹر ہے جو صاف طور پر پتہ دیتا ہے کہ اس سے وابستہ افراد اخلاقی امراض کا کس درجہ شکار ہیں اور فکری اور عملی بیماری یا صحت کے لحاظ سے انہیں کس درجہ پر رکھا جانا چاہیئے۔ یقیناً جو سماج روپئے دو روپئے کی چیزوں میں امانت و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو۔ اس سے زندگی کے دوسرے اہم اور بڑے معاملات میں اس طرح کی کوئی توقع وابستہ نہیں کی جاسکتی۔ معشیت کو آج کی متمدن دنیا میں کسی بھی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے جس کے مضبوط اور صحت مند ہونے کی واحد علامت اس کے بازار کے ناپ تول کی درستگی ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو مکہ کی زندگی ہی میں اجتماعیت کے اس اہم نکتے سے واقف کرادیا تھا۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی تباہی کا مستحق گردانا گیا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ	تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے
إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ	وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا پورا
وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ	لیں۔ اور جب ان کو ناپ یا تول کردیں تو کم
يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ	کردیں۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ یہ اٹھائے
أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ	جائیں گے ایک بڑے دن کے لئے۔ جس دن کہ
يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (مطففین ۱-۶)	لوگ رب العالمین کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

سورۂ رحمٰن کو مصحف کے بعض نسخوں میں مدنی لکھا ہے لیکن صاحب جلالین نے صراحت کی ہے کہ سورۃ مکی ہے[1]

---

[1] تفسیر الجلالین/۷۰۸، طبع جدید۔ البتہ اس کی ایک آیت ۲۹ کو مصنف نے مدنی بتایا ہے۔ لیکن حضرت جابر کی اس روایت سے اس کی تردید ہوجاتی ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے پوری سورۂ رحمٰن شروع سے آخر تک پڑھی، "فقرأ علیہم سورۃ الرحمٰن من اولہا الی آخرہا" جس پر ان کی مسلسل خاموشی پر آپؐ نے جنوں کا حوالہ دیا کہ جب میں نے ان کے سامنے یہ سورۃ پڑھی تو "فبای آلاء ربکما تکذبٰن" کے ہر ٹکڑے پر ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "پروردگار ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، سو تمام تعریف تیرے لئے ہے۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس کے اندر نظامِ کائنات میں قائم میزانِ عدل کا حوالہ دے کر، تول کی ترازو کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھنے کی تاکید کی:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ	اور آسمان کو اس (رحمٰن) نے بلند کیا اور
الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝	اس کے لئے میزان (عدل) ٹھہرائی۔ تاکہ (اسی
وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ	کے مطابق) تم بھی میزان میں سرکشی نہ کرو۔
وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝	اور تول کو ٹھیک ٹھیک رکھو انصاف سے۔ اور
(آیات: ۷-۹)	ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔

اس کے علاوہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کے اس اجتماعی مرض سے دور رہنے کا حکم دیا۔ سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں آپ کی یہ دعوت تفصیل سے مذکور ہے[1]۔ جبکہ یہ دونوں ہی سورتیں مکی ہیں۔

غلاموں کی آزادی

کمزور اور دبے ہوئے طبقات کی حالت کو بہتر بنانے کا آج کے زمانہ میں کیسا کچھ چرچا ہے۔ اسی کے اثر سے غریبی اور فقر و فاقہ کے ازالہ اور بلا لحاظ رنگ و نسل سماج کے طبقات کو آزادی و مساوات کے حقوق کی فراہمی کا نعرہ، دنیا کے ہر خطے اور ہر علاقے سے بلند ہو رہا ہے۔ اور اس کے لئے حکومت و سیاست کے ایوانوں سے جنگی سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں غلاموں سے بڑھ کر انسانیت کا کوئی طبقہ پچھڑا اور دبا ہوا نہیں رہا۔ جس کی گردن کو اس نعمت سے آزاد کرانے کی خاطر زیادہ نہیں ابھی پچاس برس پہلے دنیا کے سب سے بڑے اجتماعی ادارہ 'لیگ آف نیشنز' کی طرف سے 'غلامی کے خاتمہ' کی قراردادوں پر قراردادیں منظور کی گئیں۔ اسلام کے دستورِ اساسی۔ قرآن نے اپنی تاریخ کے مکی دور کے ابتدائی ایام ہی میں اس پسماندہ طبقۂ انسانیت کی آزادی کی تحریک کا آغاز کر دیا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۶۹۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں یک دفعہ نازل ہوئی اور اسی طرح اس کی تلاوت کی جاتی رہی۔

[1] اعراف: ۸۵ شعراء: ۱۸۱-۱۸۳۔

Marfat.com

تھا۔ سورۂ بلد قرآن کی اولین ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے جس کے اندر غلام کی آزادی کے اس حکم کو یتیموں اور مسکینوں کی خبرگیری کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عمل کتنا محبوب ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ (آیات: ۱۱-۱۶)	سو اس نے گھاٹی میں قدم نہ رکھا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے۔ یہ گردن کا چھڑانا (غلام کا آزاد کرنا) ہے۔ اور بھوک کے دن میں کھانا کھلانا، یتیم کو جو رشتہ دار ہے اور مسکین کو جو زمین سے لگا پڑا ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت

مختلف سن و سال کے لوگوں کے مفادات کی حفاظت اور ان کے حقوق کی رعایت و نگہداشت کا جیسا کچھ چرچا اس زمانے میں ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی رہا ہو۔ اسی نسبت سے مختلف عمر کے لوگوں کے لئے الگ الگ سال منائے جاتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کا سال منایا جا چکا۔ ہمارے اس سال (۱۹۸۰ء) کو نوجوانوں کا سال کہا جا رہا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کے معاشرے میں مختلف طبقات پر ظلم و ناانصافی کی جو بے شمار صورتیں رائج تھیں، ان کی ایک بدترین صورت "قتلِ اولاد" تھی جس کے نتیجے میں والدین بسا اوقات فقر و فاقہ کے ڈر سے اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیتے تھے۔ اس سلسلے کی بدترین صورت وہ تھی جس میں معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ عرب سماج میں مختلف حیثیتوں سے عورت جس ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا شکار تھی معصوم بچیاں اس کا اولین نشانہ تھیں۔ لوٹ مار، جاہل عرب قبائل کا معروف ذریعۂ آمدنی تھا۔ زبان آوری، مدح و ہجو اور لسانی مبازرت ان کا امتیازی وطیرہ تھا۔ عورت ان دونوں ہی معاملات میں فطری طور پر مردوں سے پیچھے تھی۔ اس کے علاوہ ان کی جاہلانہ الفت و حمیت کے لئے بڑا بار تھا کہ کوئی ان کا داماد بنے اور انہیں خسر بننے کی ذلت سے دوچار ہونا پڑے۔ ان گوناگوں اسباب سے ان کے لئے بیچاری لڑکی ایک ایسا بوجھ تھی، جس کا اٹھانا کسی طرح انہیں گوارہ نہ تھا۔ اس

صورت حال نے ان کی سخت دلی اور قساوت قلبی کو اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ وہ اپنی ان معصوم لختہائے جگر کو زندہ درگور کرنے میں بھی کچھ تامل نہ کرتے تھے۔ آج کے دور میں اگر بچوں کی خوراک، ان کی عمدہ صحت اور مناسب تعلیم و تربیت، اجتماعیت کا اہم ترین مسئلہ ہے جس کے لئے حکومت کے ادارے براہِ راست حرکت میں آتے، بلکہ اس سے بڑھ کر بین الاقوامی سطح پر یہ چیزیں معرضِ بحث میں لائی جاتیں اور ان کے لئے بین الملی سطح پر کوششیں کی جاتی ہیں، تو پھر بھلا اس محروم اور دوسری کے رحم و کرم پر منحصر طبقۂ انسانیت کے حقِ زیست کی بحالی کو مدنیت و اجتماعیت کے مسائل میں سرِ فہرست کیوں نہ رکھا جائے گا۔ یہ مکہ ہی کی سنگلاخ سرزمین تھی جس میں قرآن نے ظلم و استبداد کی اس بدترین صورت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس نے قتلِ اولاد سے مطلقاً منع کیا ہے۔ لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے خلاف اس نے یہ تہدید کی:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (تکویر: ۸-۹)	اور جب زندہ درگور کی جانے والی سے پوچھا جائے گا۔ کس گناہ پر اسے جان سے مارا گیا

کمزور طبقات کی رعایت

سماج کے غریب، کمزور اور مجبور و معذور (Disabled) عناصر کی فلاح و بہبود کا بھی اس زمانہ میں بڑا چرچا ہے۔ حکومتوں نے اپنے دستوروں میں اس کی واضح ضمانتیں فراہم کی ہیں۔ کسی بھی ملک کی معاشی پالیسی کا یہ اہم ترین حصہ، بلکہ صحیح تر لفظوں میں اسے پورے ملکی نظام کی ریڑھ کی ہڈی تصور کیا جاتا ہے۔ فلاحی ریاست کے مطلوبہ تصور کا یہ ناگزیر حصہ ہے اور بڑی حد تک یہی وہ چیز ہے جسے کسی حکومت کی کامیابی و ناکامی کا سب سے بڑا پیمانہ باور کیا جاتا ہے۔ اسی کے نام پر جمہوری حکومتیں ملکی عوام کو اپنے اعتماد میں لیتی ہیں، آمریت و ملوکیت کی نمائندہ حکومتوں کی پالیسی اور پروگراموں میں بھی اسے سرِ فہرست رکھا جاتا ہے۔ عملی طور پر اس میں کامیابی کس حد تک ہوتی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ، لیکن نظری طور پر زندگی کے اجتماعی امور و مسائل میں اس کی اہمیت و اقدمیت آج کے دور میں مسلم ہے۔ اسلام کی تاریخ میں آج سے چودہ سو سال پہلے، مکہ کے اندر دعوتِ اسلامی کے بالکل ابتدائی مراحل ہیں، کمزور طبقات کی ہمہ جہتی فلاح کو آج کے مقابلہ میں بھی بڑھ چڑھ

Marfat.com

(لیل: ۸-۱۰) کے لئے اس کا راستہ آسان کر دیں گے۔

بہت سے لوگ اپنے مزاج اور طبیعت سے صرف اپنی ذات کے لئے جینے کے عادی نہیں ہوتے۔ کمزور اور غریب انسانوں پر مال خرچ کرنا ان کی عادت ثانیہ ہوتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ صرف اس عمل سے اس حکم خداوندی کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خدا سے صحیح تعلق استوار کر کے، پوری انسانی برادری کو خدا کا کنبہ سمجھتے ہوئے بالکل بے لاگ طریقے پر اس کی رضا اور خوشنودی کی خاطر، کمزور بندگان خدا کے کام آیا جائے۔ یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو آدمی یتیموں مسکینوں کو صرف دے دلا دینے پر ہی اکتفا نہیں کرے گا۔ بلکہ انہیں اپنے برابر کا انسان سمجھ کر معاملہ کرے گا اور ان کے ساتھ عزت و تکریم کا وہ رویہ اپنائے گا جس کی دوسری صورت میں توقع نہیں کی جا سکتی۔ پھر یہ کہ وہ اپنے طور پر ان کی خبر گیری کر دینے ہی سے مطمئن نہیں ہو جائے گا بلکہ ہمہ وقت ان کی حاجت روائی اور فلاح کے لئے فکر مند ہو گا۔ اس کی شبانہ روز زندگی کا معمول ہو گا کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کار خیر کی طرف متوجہ کرے۔ وہ اپنے طور پر ان کی حاجت روائی کا سامان کرے گا ہی ساتھ ہی اس کے لئے ہر طرح سے رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بھی وہ ہر وقت کمر بستہ ہو گا۔ عرب کے بزعم خود غلطمال داروں کو جو خدا و آخرت سے غافل تھے قرآن نے جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ	ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ نہ
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ	غریب کے کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو
الْمِسْكِيْنِ ۙ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ	شوق دلاتے ہو۔ اور تم میراث کو کھا جاتے
اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا	ہو حرام طریقے سے اور مال سے بہت زیادہ
جَمًّا ۙ (فجر: ۱۷-۲۰)	محبت کرتے ہو۔

یہاں تک کہ اس مقصد کی خاطر قرآن نے ایک پوری سورہ وقف کر دی۔ قرآن نے ایسے شخص کو، جس کے دل میں سماج کے یتیموں اور کمزوروں کے لئے درد نہ اٹھے، حقیقت دین سے غافل اور اس کے اہم ترین رکن روز جزاء کا منکر بتایا۔ معلوم ہے کہ عرب کے لوگ، دین براہیمی میں بگاڑ پیدا کر لینے کے باوجود، اس کی دوسری بہت سی چیزوں کی طرح، نماز سے بھی بالکلیہ دستبردار نہیں ہوئے تھے۔ دوسرے موقع پر قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔ (انفال: ۳۵) لیکن روایتی دیندار اور نمازی

Marfat.com

جن کے ہاں ایسے کمزور بندگان خدا کے لئے کام آنے کا کوئی خانہ نہ ہو، قرآن نے انہیں صحیح معنوں میں خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کی طلب کے جذبہ سے یکسر عاری محض ریاکار اور دکھاوے کا نمازی قرار دیا۔ جو صرف اپنے لئے جینے کے عادی ہوتے ہیں۔ معمولی سے معمولی ذریعہ سے بھی دوسرے انسانوں کے کام آنے میں بھی ان کو تکلیف ہوتی ہے اور دل کسی کے دکھ درد کے احساس وشعور سے بھی عاری ہوتے ہیں:

اَرَأَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝	آیا تم نے دیکھا اسے جو روز جزا کا منکر ہے
فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝	یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور غریب
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝	کے کھلانے پر شوق نہیں دلاتا ہے۔ سو تباہی
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ	ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل
هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝	ہیں: یہی ہیں جو محض دکھاوے کے لئے کام
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ	کرتے ہیں۔ اور ضرورت کی چھوٹی چھوٹی
الْمَاعُوْنَ ۝ (ماعون: ۱-۷)	چیزوں سے ہاتھ روکتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا	سو رہا یتیم تو اسے نہ ستاؤ۔ اور رہا مانگنے
السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (ضحیٰ: ۹-۱۰)	والا تو اسے نہ جھڑکو۔

دوزخ کا ایندھن بننے والے کافروں کی زبانی بھی اسی حقیقت کا اعلان ہوا۔ مدثر کا یہ

ؔ نماز میں ریاکاری کے مضمون کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے اس پورے ٹکڑے کو مدنی مان لیا ہے۔ مصحف کے بعض نسخوں میں بھی یہی لکھا ہے اور صاحب جلالین نے بھی ایک روایت اسی کی لکھی ہے۔ تفسیر الجلالین/۸۲۳۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ پوری مکی ہے، روح المعانی: تفسیر جزء عم/ ۲۴۱۔ جبکہ حافظ ابن کثیر ان آیتوں کا مصداق منافقین کو قرار دیتے ہوئے پوری سورہ کو مکی مانتے ہیں، تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۵۵۴، ۵۵۵۔ صاحب تدبر قرآن بھی اس پوری سورہ کو مکی قرار دیتے ہیں۔ تدبر قرآن: ۸/ ۵۸۱-۵۸۶۔ مذکورہ بالا منافقین کا اشکال اس تفسیر سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے جسے ہم نے اوپر اختیار کیا ہے۔ دوسرے مفسرین کے اقوال کی توجیہ یہ کی جا سکتی ہے کہ مدنی دور میں جو منافقین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مضمون سورہ ماعون سے کس قدر مشابہ ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا	کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں
لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ	گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ اور نہ ہم
نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا	غریب کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور کھیل ٹھٹھے
نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝	کرنے والوں کے ساتھ ہم بھی کھیل ٹھٹھوں
وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝	میں لگے رہتے تھے۔ اور ہم قیامت کے دن
(مدثر: ۴۲-۴۶)	کا انکار کرتے تھے۔

سورۂ ذاریات میں اللہ سے ڈر کر رہنے والے بندوں کے اوصاف میں ان کی شب زندہ داری اور سحر خیزی کے بعد، ان کی نمایاں ترین خوبی یہی بیان ہوئی

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ	اور ان کے مالوں میں متعین حصہ ہے مانگنے
وَالْمَحْرُومِ ۝ (آیت: ۱۹)	والے اور نادار کے لیے۔

سورہ دہر کو مصحف کے کچھ نسخوں میں مدنی لکھا ہے۔ صاحب جلالین نے بھی اسے مکّی یا مدنی دونوں لکھ دیا ہے[۱] لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ پوری سورہ مکی ہے[۲] اس کے اندر بھی جنت کا انعام پانے والے نیک بندوں کی خصوصیات میں فرمایا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ	اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی چاہ کے باوجود
مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا	مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ ہم تمہیں محض اللہ کی
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ	رضا کی خاطر کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلے
مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝	اور کسی شکر گزاری کے طالب نہیں ہیں۔
(آیات: ۸-۹)	

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ابھرے ان پر بھی اس کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ ورنہ قرآن کی مکی سورتوں کا دامن اتنا تنگ نہیں ہے۔

[۱] تفسیر الجلالین/ ۷۸۱۔ طبع جدید [۲] روح المعانی: ۲۹/ ۱۵۰۔ حافظ ابن کثیرؒ بھی اس سورہ کو مکی مانتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۵۲۔ صاحب تدبر قرآن بھی اس پوری سورہ کو مکی بتاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اس پوری سورہ یا اس کی کچھ آیتوں کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ تدبر قرآن، ۸/ ۹۹۔ طبع اوّل۔

کراہیت دی گئی۔ معاشی کفالت کے ساتھ، سماجی سطح پر ان کی ہر طرح سے خبر گیری اور ان کے جملہ حقوق کی رعایت و تحفظ کو، اسلام کے ماننے والوں کی دنیا ہی نہیں، آخرت کی فلاح سے براہ راست وابستہ کر دیا گیا۔

عمّ پارے کی سورتیں عام طور پر مکی دور کے بالکل ابتدائی زمانہ کی ہیں۔ ان کے اندر میں یہ مضمون کافی ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کی نسبت سے اصولی طور پر ان میں وہ پوری بات کہہ دی گئی ہے، جس کی بعد میں مدنی سورتوں میں تکمیل ہوئی۔ اس مرحلہ میں قرآن نے دین کی حقیقت ہی یہ بتائی کہ آدمی اللہ سے ڈر کر رہے، غیب کی حقیقتوں پر ایمان لائے اور مستحق بندگان خدا پر اپنا مال خرچ کرے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ	سو جو کوئی (مال) دے اور (اللہ سے) ڈرے
بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ	اور (غیب کی) بھلی باتوں کی تصدیق کرے
لِلْیُسْرٰی ۝	تو ہم آسانی کے انجام کے لئے اس کی راہ آسان
(لیل: ۵-۷)	کر دیں گے۔

آگے متقی بندے کی پہچان ہی یہ بتائی کہ وہ دنیا کی محبت اور طبعی حرص و آز کی آلائش سے اپنے کو پاک و صاف کرنے کے لئے غریبوں، کمزوروں پر اپنا مال خرچ کرے:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۝	اور ضرور جلد اس (دوزخ) سے بچا لیا جائے
الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ۝	گا۔ (اللہ سے) بہت ڈر کر رہنے والا جو اپنا
(آیات: ۱۷-۱۸)	مال خرچ کرتا ہے اپنے لئے پاکی حاصل کرنے
	کو۔

اس کے برعکس بخل کا راستہ اپنانے اور محض اپنے مفادات کا بندہ بن کر جینے والوں کو قرآن نے خدا کا باغی اور غیب کی حقیقتوں کا منکر بتایا اور اسی کے مطابق انہیں برے انجام کی وعید سنائی:

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝	اور رہا وہ جو بخل کرے اور (اللہ سے) بے
وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝	نیازی دکھائے اور (غیب کی) بھلی باتوں
فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝	کو جھٹلائے تو ہم ضرور جلد تنگی کے انجام

Marfat.com

آیت کریمہ میں یتیم کے ساتھ قیدی کا جوڑ بڑا معنی خیز ہے جو اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ جرائم وغیرہ میں ماخوذ جیل کے عام قیدیوں سے آگے بہت جلد کفار و مشرکین میدان جنگ میں شکست کھا کر تمہارے ہاتھ قیدی ہوں گے اور یتیموں اور کمزوروں کی طرح یہ بھی اسی طرح تمہاری ہمدردی کے مستحق ہوں گے۔[1]

دعوت الی اللہ

اسلام اپنی عین فطرت میں تبلیغی اور اشاعتی دین ہے۔ اس لئے کہ یہ اس اللہ کا نازل کردہ ہے جو اس پوری کائنات اور انسان کا خالق ہے۔ پوری انسانیت کی دنیا و آخرت کی فلاح اس سے وابستہ ہے کہ وہ اس مالک الکل کے احکام پر چلے اور اپنے جملہ معاملات زندگی میں اس کی مرضی سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ اس کا صاف تقاضہ ہے کہ اس دین کا تخاطب کسی ایک طبقہ، گروہ اور کسی خاص زمانے کے لوگوں تک محدود نہ رہے بلکہ پوری انسانیت کو اس کا مخاطب قرار دیا جائے۔ اور جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں اس کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے۔ زندگی کی دوئی اور دین و دنیا کی تقسیم اسلام کے لئے قابل قبول نہیں، اس کی تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے، اس صورت میں اسلام کی دعوت اور اس کے راستے پر عمل کا صاف مطلب ہے کہ آدمی دوسرے تمام من پسند ادیان اور نظامہائے زندگی سے دستبردار ہو کر اپنے کو اس دین حنیف کے حوالہ کر دے۔ اور اپنی پوری زندگی اور اس کے جملہ امور و مسائل میں اس کے دکھائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر اس کے لئے کسی دوسری سمت دیکھنے کا خیال بھی دل میں باقی نہ رہ جائے۔ دعوت اسلامی کا یہ انقلابی حکم بھی مکہ کی زندگی ہی میں مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا۔

---

[1] مکی سورت میں غالباً قیدی کے مضمون کے اشکال سے بچنے کے لئے کچھ بزرگوں نے اسیر سے مراد غلام لئے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۵۵ لیکن یہ بات کچھ زیادہ وزن دار نہیں معلوم ہوتی۔ اسیر کے عام اور معروف معنی قیدی ہی کے ہیں۔ قرآن کے نظائر سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ (بقرہ، ۸۵) اور زیادہ تر بزرگوں نے اس کے یہی معنی مراد بھی لئے ہیں۔ الکشاف: ۲/ ۱۵۵۹-۱۵۶۰۔ روح المعانی: ۲۹/ ۱۵۵-۱۵۶ وغیرہ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ	اور اس شخص سے بہتر بات اور کس شخص کی ہو سکتی
دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا	ہے جو (لوگوں کو) بلائے اللہ کی طرف اور
وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○	نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں
وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ	میں سے ہوں۔ اور بھلائی اور برائی برابر نہیں
اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ	ہو سکتیں۔ تم (برائی کو) دفع کرو اس (بھلائی)
فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ	سے جو اس سے بدرجہا بہتر ہو۔ پھر ساتھ ہی
عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○	تم دیکھو گے کہ وہ شخص جس کے اور تمہارے
(فصلت: ۳۳-۳۴)	درمیان دشمنی ہے۔ گویا کہ وہ (تمہارا) گہرا
	دوست اور ساتھی ہے۔

اپنے موروثی دین اور پسندیدہ نظام زندگی سے دستبردار ہونا کچھ آسان نہیں۔ اس لیے اس راستے میں رکاوٹوں اور مخالفتوں کا پیش آنا یقینی ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ آدمی اللہ کا نام لے اور لوگ جوق درجوق اس کے حلقہ بگوش ہوتے چلے جائیں۔ بلکہ اسے لازماً دشمنیوں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو۔ اور وہ پوری پامردی اور استقلال کے ساتھ ان مصائب کو جھیلنے کے لئے آمادہ ہو۔ چنانچہ اس کے معًا بعد ارشاد فرمایا:

	یہ چیز تو بس انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو
وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا	(مشکلات و مصائب پر) صبر کریں اور یہ چیز
وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○	تو بس اسی کے حصہ میں آتی ہے جو بڑے نصیب
(آیت: ۳۵)	والا ہو۔

دوسرے موقع پر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے امام کی حیثیت سے اس کی حکمت عملی اور اس کے صحیح منہاج کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت کے
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	ساتھ اور بھلی نصیحت کے ساتھ۔ اور ان سے
بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ	بحث کرو تو اس طریقہ سے جو بہتر سے بہتر ہو

Marfat.com

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (نحل: ۱۲۵)

ضرور تیرا رب خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہے اور وہ خوب جاننے والا ہے راہ یافتوں کو۔

"سبیل رب" سے مراد پورا اسلام[1] اور پورا دین[2] ہے، اس کی طرف بلانے کا مطلب ہے کہ جو لوگ اس کام میں آئیں کشتیاں جلا کر آئیں۔ اور اس کے لئے پوری طرح یکسو ہوں۔ وہ ہر طرف سے کٹ کر اپنے کو اس سانچے میں ڈھال لیں۔ اور اس رنگ کے سوا ان کے اوپر کوئی دوسرا رنگ باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے اللہ کے راستے کی یہ دعوت بے ضرر اور بے خطر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے مزاحمت اور کشمکش کا پیش آنا یقینی ہے۔ چنانچہ آگے اس کے آداب اور کشمکش کی صورت میں اہل ایمان کے رویہ کی وضاحت فرمائی۔ یہاں جمع کے صیغہ سے خطاب ظاہر کرتا ہے کہ اوپر اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ میں واحد کے صیغہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب امت کے سربراہ کی حیثیت سے ہے۔ ورنہ کہا جائے گا کہ امت کے ایک ایک فرد کی توجہ مبذول کرانے کے لئے تخاطب کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (نحل: ۱۲۶-۱۲۸)

اور اگر تم بدلہ لو تو اسی کے بقدر بدلہ لو جتنی کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور اگر تم صبر سے کام لو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہ بہت بہتر ہے۔ اور تم صبر سے کام لو اور تمہارا صبر کرنا تو اللہ ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے۔ اور تم ان پر آزردہ نہ ہو۔ اور ذرا تنگی میں نہ ہو اس سے جو یہ چالیں کرتے ہیں ضرور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈر کر رہیں۔ اور جو خوب کاری پر عمل پیرا ہوں۔

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۱/۵۶۷۔ [2] تفسیر الجلالین/ ۳۶۳۔ طبع جدید

Marfat.com

جس کا مطلب ہے کہ مکہ کی زندگی ہی میں دعوت اسلامی کے راستے میں مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلہ کی اجازت دے دی گئی تھی۔ جس کے اندر نظام باطل سے مسلح ٹکر کی بھی اسی طرح گنجائش تھی۔ جیساکہ مکہ کے آخری دور میں اس کا آغاز بھی ہو گیا تھا[1] اگرچہ اس کی تکمیل بعد میں مدینہ کے اندر ہوئی۔ جبکہ نظام باطل کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ اور عرب کی سرزمین سے شیطان ہمیشہ کے لیے مایوس ہو گیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسی دعوت الی اللہ کا دوسرا نام "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" ہے یعنی کہ دنیا کے اندر سے ہر طرح کی بدیوں اور برائیوں کو مٹایا جائے اور زندگی کے تمام دائروں میں نیکیوں اور بھلائیوں کے چلن کو عام کیا جائے۔ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یہ کام فرد و معاشرہ کی اصلاح و تربیت سے لے کر اسلامی اصولوں کے مطابق ریاست کی تنظیم تک وسیع ہے۔ مکہ کے اندر حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے پرتو میں عرب کے لوگوں کو یہ حکم بھی سنا دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی "دعوت الی اللہ" کی طرح اسلام کے اس حکم عظیم سے عہدہ برآ ہونے کے لازمی تقاضے، صبر و استقامت، سے بھی انہیں آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس کے بغیر اس راہ میں دو قدم چلنا بھی مشکل اور اس فریضے سے عہدہ برآ ہونا بالکل ناممکن ہے۔ جس کا بہترین ذریعہ "نماز" ہے کہ اس کی بدولت ہی مومن کو وہ باطنی قوت نصیب ہوتی ہے، جو

---

[1] غالباً اسی مضمون کی وجہ سے بعض لوگوں نے سورہ نحل کی ان آخری آیتوں کو مدنی لکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر الجلالین ا/ ۲۴۵ - وغیرہ۔ لیکن جیساکہ گذر چکا ہے یہ پوری سورہ مفسرین کی بڑی جماعت کے نزدیک مکی ہے۔ روح المعانی: ۹/۱۴۰ جس میں لازماً یہ آیتیں بھی شامل ہیں۔ جن روایتوں کی بنیاد پر اس سورہ کی آخری ان تین آیتوں کو مدنی کہا گیا ہے وہ مرسل ہیں اور اس کے بعض راوی مبہم اور مجہول الحال ہیں۔ اس کی متصل روایتیں بھی ضعف سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ اس کے بعض راوی "منکر الحدیث" ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۵۹۲/۲۔ تفسیری روایتوں کے سلسلے میں یوں بھی حضرت امام احمد کا الہامی قول پیش نظر رہنا چاہیئے کہ تین چیزیں جو اکثر و بیشتر بے اصل ہیں ان میں ایک یہ (تفسیری روایات) ہیں۔ فتاوٰی ابن تیمیہ: ۱۳/ ۳۴۶ - طبع جدید۔ جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے رتبے کے آدمی کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن کی روایتوں سے تفسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان سے بھی سو سے زیادہ روایتیں ثابت نہیں۔ الاتقان: ۱۸۹/۲

Marfat.com

دنیا کی بڑی سے بڑی مشکل اور مزاحمت کے مقابلہ میں اسے پہاڑ کی طرح جمنے والا بنا دیتی ہے۔ نماز میں خدا کے حضور سر فگندہ اور اپنے کو اس کے قدموں پر ڈال کر بندہ مومن کے اوپر سکون و طمانیت کا ایسا فیضان ہوتا ہے کہ وہ اس کے دین کے راستے کی بڑی سے بڑی تکلیف کو پوری خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلنا اور موج حوادث سے ہنستے کھیلتے گزر جانا اس کے لئے زندگی کا عام معمول بن جاتا ہے:

یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ	اے بیٹے نماز قائم کرو اور بھلائی کا حکم دو
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ	اور برائی سے منع کرو اور (اس راستہ میں)
وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ	تم کو جو مشکل بھی پیش آئے اس پر صبر کرو۔
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان: ۱۷)	ضرور یہ بڑی اولوالعزمی کا کام ہے۔

مکہ کے اندر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیات بیان کی گئی تھیں اور جس کے حوالہ سے اس وقت کے مخاطبین سے اس معرکۂ حق و باطل میں آپ کی ہر طرح سے مدد اور نصرت کا وعدہ لیا گیا تھا، اس کے اندر بھی اس کی صراحت کر دی گئی تھی:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ	وہ جو پیروی کرتے ہیں (آخری) رسول امی نبی کی
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ	جسے وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا
فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ	پاتے ہیں جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور
وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ... الآیۃ (اعراف: ۱۵۷)	برائی سے منع کرتا ہے۔ الخ۔۔۔

تواصی بالحق

دین کی تبلیغ و اشاعت اور دنیا کے اندر اس کے قیام کی جد و جہد، یہی فریضہ ہے جسے دوسرے دوسرے موقع پر ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین و نصیحت 'تواصی بالحق والصبر' سے تعبیر کیا گیا ہے یہ سورۃ العصر کی آخری آیت ہے جس کے اندر اس سے پہلے دنیا کے دوسرے تمام انسانوں کو گھاٹے خسران کا شکار بتا کر، مستثنیٰ صرف ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو ایمان اور عمل صالح کی روش اپنائیں جس کا اہم ترین جزء ہے کہ ان کی زندگی اس فریضے کی ادائیگی سے خالی نہ ہو۔ ایک دوسرے

کو حق وصبر کی تلقین اور اسے اپنانے اور اختیار کرنے کی ترغیب اور تشویق۔ تفصیل گزر چکی ہے کہ قرآن کے نقطۂ نظر سے 'حق اور صبر' کی اس تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ گھر، خاندان اور محلہ کی سطح سے اس کام کو انجام دینے کے ساتھ نظام وقت کی تبدیلی تک کی بات اس میں شامل ہے امت پر عائد ہونے والا یہ وہ 'فرض کفایہ' ہے جس کا بیڑہ کچھ لوگ اٹھالیں تو پوری امت کی طرف سے اس کی ادائیگی ہو جائے گی۔ بصورت دیگر دنیا میں ذلت ورسوائی سے دوچار ہونے کے ساتھ خدا کے حضور ملت کے ہر فرد کو اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ فرض کفایہ کی یہ حیثیت معلوم ومعروف ہے کہ وہ خاص افراد کی نسبت سے فرض عین بن جاتا ہے۔ جو لوگ اپنے اندر اس کی اہلیت ولیاقت کے نمایاں آثار پائیں، ان کے لئے اس سے پہلوتہی کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ تواصی بالحق کے لئے صبر وثبات لازم ہے اس لئے حق کے ساتھ ہی صبر کی بھی تلقین کا حکم ہوا:

وَالْعَصْرِ ہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ	زمانہ شاہد ہے۔ انسان بڑے گھاٹے ہیں
خُسْرٍ ہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک
الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا	عمل کریں۔ اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین
بِالصَّبْرِ ہ (عصر: ۱-۳)	کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں۔

واضح رہے کہ یہ وہ مکی سورہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب تک آپس میں سنا نہیں لیتے تھے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے[1]

ہجرت، جہاد وقتال

جیسا کہ اشارہ کیا گیا، دعوت واشاعت کے ساتھ ہمہ جہتی غلبہ ونفاذ اسلام کے عین خمیر میں شامل

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۴۷۔ صاحب جلالین نے اس سورہ کو مکی یا مدنی دونوں لکھ دیا ہے۔ تفسیر الجلالین/۸۲۰۔ کچھ دوسرے لوگ بھی اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مکی ہے۔ روح المعانی: تفسیر جزء عم/۲۲۷۔ اس کے مضمون اور محکم انداز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

ہے پس لازم تھا کہ اس سفر شوق میں ہجرت اور جہاد و قتال کے مراحل پیش آئیں۔ سورۂ نحل کے بارے میں معلوم ہو چکا کہ یہ پوری سورہ مکی ہے۔ اس کے اندر راہ خدا میں گھر بار چھوڑ کر نکلنے والوں کو، دنیا و آخرت کے اچھے انجام کی بشارت سنائی گئی۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ	اور وہ جنہوں نے اللہ (کے راستے) میں گھر بار
مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	چھوڑے اس کے پیچھے کہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ	توڑے گئے ضرور ہم انھیں دنیا میں اچھی جگہ
اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ٥	پر جمائیں گے۔ اور آخرت کا بدلہ اس سے بہت
اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى	بڑا ہے۔ اگر لوگ سمجھیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ٥[1]	نے صبر کی راہ اپنائی اور یہ اپنے رب پر بھروسہ
(آیات: ۴۱-۴۲)	کرتے ہیں۔

مکہ کے اندر اللہ کا نام لینے والے معصوم انسانوں پر شرک و کفر کی علمبردار طاقتوں کی طرف سے ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے گئے، وہ انسانی تاریخ میں آپ اپنی مثال ہیں۔ جیسا کہ آیت بالا میں صاف اشارہ ہے مسلمان عرصۂ دراز تک ان مظالم کو سہتے رہے۔ یہاں تک کہ جب معاملہ بالکل ہی برداشت سے باہر ہو گیا تو انہیں مجبور ہو کر اپنے گھر بار کو چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ حالانکہ ہر صحیح الفطرت انسان کی طرح انہیں بھی اپنا وطن بے حد عزیز تھا۔ جب تک ان کے اندر رہنے کا یارا رہا وہ اسے سینے سے لگائے رہے۔ اسے خیرآباد کہنے کا فیصلہ انہوں نے اسی وقت کیا جبکہ جسم و جان کے رشتے کو بحال رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ لیکن ظاہر ہے ظلم و تشدد کے اس سلسلے کو مشیئت زیادہ دنوں انگیز نہیں کر سکتی تھی، چنانچہ ہجرت کے بعد اس کے مقابلے میں اسلام کے نام لیواؤں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت

---

[1] کچھ لوگوں نے اس سورہ کی بعض دوسری آیتوں کی طرح اسے مدنی کہا ہے لیکن علامہ آلوسی نے ان کی رائیوں پر محاکمہ کرنے کے بعد صراحت کی ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ والذی ینبغی أن یعوّل علیه ان السورة مکیة الآیات لیست ہذہ منہا بل ھی مکیة نزلت بین الھجرتین فیمن ذکرہ الجمھور

روح المعانی: ۱۴/۱۴۶۔

Marfat.com

دے دی گئی کہ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے کا موقع نہیں۔ بغاوت و سرکشی اپنی انتہا کو پہنچ چکی۔ اس لئے حسب ضرورت اب تلوار کو نیام سے نکال لینے کی اجازت ہے:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ	پھر تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے
هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا	ہجرت اختیار کی اس کے پیچھے کہ وہ ستائے
ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْا اِنَّ	گئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور ثابت قدم رہے
رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[1]	ضرور تیرا رب اس کے پیچھے بڑا بخشنے والا،
(نحل: ۱۱۰)	رحم کرنے والا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک اس آیت کا مصداق مکہ کے وہ کمزور مسلمان ہیں جو کفار کے مصائب و مظالم کی تاب نہ لا کر بسا اوقات عزیمت کی راہ سے کچھ ڈگمگا گئے۔ اگرچہ بعد میں ہجرت اختیار کر کے انھوں نے کفار کے ساتھ جنگ کر کے اس کمی کی تلافی کی اور رحمت ایزدی کے مستحق قرار پائے۔ اس مقام پر موصوف نے 'جہاد' سے مراد صاف طور پر کفار سے قتال اور جنگ کے لئے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں:

هؤلاء صنف آخر كانوا	یہ ایک دوسری قسم کے لوگ ہیں جو مکہ میں
مستضعفين بمكة مهانين	کچلے ہوئے اور اپنی قوم میں بالکل بے حیثیت
في قومهم فوافقوهم على	تھے چنانچہ ستائے جانے پر وہ انہیں کے ہم زبان
الفتنة ثم امكنهم الخلاص	ہو گئے تھے۔ پھر اللہ نے انہیں ہجرت کے ذریعہ
بالهجرة فتركوا بلادهم	جان چھڑانے کا موقع دیا چنانچہ انھوں نے
واهليهم ابتغاء رضوان الله	خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی بخشش و

---

[1] اس آیت کریمہ کے بارے میں ابن عطیہ کا کہنا ہے کہ: 'یہ آیت مدنی ہے اور اس کے بارے میں کسی اختلاف کا انہیں علم نہیں ہے'، روح المعانی: ۲۴۰/۱۴ لیکن اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں۔ مفسرین کی بڑی جماعت نے، جیسا کہ گزرا، علی الاطلاق اس پوری سورہ کو مکی کہا ہے جس سے اس آیت کا بھی مکی ہونا لازم ہے۔ دوسرے لوگ جنہوں نے اس کے علاوہ دوسری مختلف آیتوں اور ٹکڑوں کو مدنی مانا ہے، ان کے درمیان اس سلسلے میں بڑا اختلاف ہے۔ اور کسی نے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں دی ہے، ملاحظہ ہو: روح المعانی ۸۹/۱۴-۹۰۔

Marfat.com

وغفرانه وانتظموا فی سلك المؤمنین وجاهدوا معهم الكافرین وصبروا فاخبر تعالی انه من بعدها ای تلك الفعلة وهی الاجابة الی الفتنة لغفور لهم رحیم بهم یوم معادهم[1]

مغفرت کی طلب میں اپنی سرزمین اور اپنے اہل وعیال کو خیرباد کہا اور مسلمانوں کے شیرازے میں پرو اٹھے اور ان کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ جنگ کی اور پہاڑ کی طرح جمے رہے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ اس کے پیچھے من بعدہا یعنی اس عمل کے پیچھے اور وہ ہے ستائے جانے پر ان کی ہاں میں ہاں ملا دینا، ان کے لئے بڑا بخشنے والا اور (قیامت میں) ان کی واپسی کے دن ان پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔

آیت کریمہ کی یہی ایک تفسیر علامہ آلوسیؒ نے بھی بیان کی ہے:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا (ثُمَّ جَاهَدُوْا) للكفار (وَصَبَرُوْا) علی مشاق الجهاد[2]

پھر تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ہجرت اختیار کی اس کے پیچھے کہ وہ ستائے گئے (پھر انہوں نے جہاد کیا) جنگ کی یعنی کافروں سے (اور صبر کیا (جمے رہے) یعنی جہاد (جنگ) کی پریشانیوں اور مشقتوں

جس سے پتہ چلتا ہے کہ آگے کی مدنی زندگی میں کفار سے جہاد و قتال کا جو معاملہ بڑے پیمانے پر پیش آنے والا تھا، مکہ کے اندر ہی مسلمانوں کو اصولی طور پر اس سے آگاہ اور اس کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔ جہاد و قتال کا یہ حکم ہمیں قرآن کی دوسری مکی سورتوں میں بھی ملتا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (آیت: ۶)

اور جو کوئی جہاد کرے تو بس اپنے فائدے کے لئے جہاد کرتا ہے۔ اللہ دنیا والوں سے بالکل بے نیاز ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۸۸ [2] روح المعانی: ۱۴/۲۳۹۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں جہاد سے مراد مجاہدۂ نفس کے ساتھ قتال اور جنگ کو بھی لیا گیا ہے۔ صاحب جلالین فرماتے ہیں:

(ومن جاھد) جہاد حرب او نفس (فانما یجاھد لنفسہ) فان منفعۃ جہادہ لہ لا للّٰہ۔ [1]	(اور جو کوئی جہاد کرتا ہے) یعنی جنگ کی صورت میں یا نفس کا جہاد (تو بس اپنے لیے جہاد کرتا ہے) اس لئے کہ اس کے جہاد کا فائدہ اسی کو ملے گا اللہ کو نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح اسی سورہ کی آخری آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (عنکبوت: ۶۹)	اور جو لوگ ہمارے سلسلے میں جہاد کریں گے تو ہم ضرور انہیں اپنے راستے بتا دیں گے۔ اور اللہ ایسے خوب کاروں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی جہاد کی بات کسی قید کے بغیر علی الاطلاق کہی گئی ہے جس کے اندر نفس و شیطان کے خلاف جہاد کرنے کے ساتھ دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد و قتال بھی اسی طرح شامل ہے۔ زمخشری نے اسے اسی عموم پر رکھا ہے۔ آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اطلق المجاھدۃ ولم یقیدھا بمفعول لیتناول کل ما یجب مجاھدتہ من النفس الامارۃ بالسوء والشیطان واعداء الدین الخ [2]	مجاہد کا لفظ مطلق استعمال کیا ہے۔ اسے کسی مفعول کے ساتھ نہیں باندھا ہے۔ تاکہ اس میں مجاہدہ کی تمام صورتیں شامل ہو جائیں جو واجب ہیں۔ یہ جہاد نفس امارہ سے بھی ہو سکتا ہے شیطان سے بھی ہو سکتا ہے اور دین کے دشمنوں سے بھی۔ الخ

آیت کی یہی ایک تفسیر صاحب روح المعانی نے بھی کی ہے:

وقیل المعنی الذین	اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں

---

[1] تفسیر الجلالین/ ۵۲۱ [2] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۰۸۶

Marfat.com

جاھدوا فی الغزو لنھدینھم — نے جنگ میں جہاد کیا ہم انہیں ضرور شہادت
سبل الشھادۃ والمغفرۃ [1] — اور بخشش و مغفرت کے راستے دکھلائیں گے۔

سورۂ حج کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن صاحب جلالین چند آیتوں کے سوا، جن میں یہ آیت نہیں ہے جس سے ہمارا استدلال ہے، اس پوری سورہ کو مکی مانتے ہیں[2] چنانچہ اس کی پہلی آیت کریمہ:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ — اے لوگو اپنے رب سے ڈرو۔ ضرور قیامت
اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (حج: ۱) — کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔

ایہاالناس کا مخاطب وہ اہل مکہ کو قرار دیتے ہیں۔ (یاایہاالناس) ای اہل مکۃ وغیرہم[3] اس سورہ کا خاتمہ بھی اسی جہاد کے مضمون پر ہوتا ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ — اور اللہ (کے راستہ) میں جہاد کرو جیسا کہ
جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ — اس کے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تم کو منتخب
عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ — کیا ہے اور دین کے معاملہ میں تمہارے
مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ — لئے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ یہ تمہارے
سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ — باپ ابراہیم کا طریقہ ہے جس نے تمہارا نام
قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا .... — مسلمان رکھا جو اس سے پہلے (صحیفوں میں)
(حج: ۷۸) — بھی ہے اور اس (کتاب) میں بھی۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی خواہشات نفس وغیرہ سے جہاد کیساتھ قتال اور جنگ کو بھی اسی طرح مراد لیا گیا ہے:۔

(وَجَاهِدُوْا) امر بالغزو — (اور جہاد کرو) کہکر اللہ تعالیٰ نے
وبمجاھدۃ النفس والھویٰ — حکم دیا ہے جنگ کا، نیز نفس اور خواہش
وھو الجھاد الاکبر — کے خلاف جہاد کا اور یہی سب

---

[1] روح المعانی: ۲۱/۱۴/۱۲۔ [2] تفسیر الجلالین/۲/۲۳۴۔ اس صدی کے عظیم مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی بھی چند آیتوں کے سوا اس پوری سورۃ کو مکی مانتے ہیں جس میں یہ آیت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تدبر قرآن: ۴/۱۱/۲۴۳۔ [3] تفسیر الجلالین، حوالہ سابق۔

Marfat.com

سے بڑا جہاد ہے[1]

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسے اسی وسعت پر قائم رکھا ہے

(وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ	(اور اللہ (کے راستہ) میں جہاد کرو جیسا
جِهَادِهِ) اى باموالكم والسنتكم	کہ اس کے جہاد کا حق ہے) یعنی اپنے مالوں
وانفسكم كما قال تعالى	اپنی زبانوں اور اپنی جانوں سے جیسا کہ فرمایا:
(اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ) [2]	(اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)۔

صاحب جلالین کے الفاظ کا عموم بھی جہاد و قتال ہر ایک کو حاوی معلوم ہوتا ہے جس کے لئے موصوف نے خاص طور پر 'اقامت دین' کا لفظ استعمال کیا ہے:

(وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ) لاقامة	(اور اللہ کے راستہ) میں جنگ کرو) یعنی اس
دينه (حَقَّ جِهَادِهِ) باستفراغ	کے دین کے قائم کرنے کے لئے (جیسا کہ
الطاقة فيه [3]	اس کے جہاد کا حق ہے) یعنی اس طور پر کہ اس کام میں اپنی پوری طاقت جھونک دی جائے۔

یہی نہیں بلکہ ایک موقع پر قرآن نے اس کے لئے صاف طور 'قتال اور جنگ' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورۂ مزمل کا مکی ہونا معلوم و معروف ہے۔ اس کا مضمون صاف بتاتا ہے کہ اس کا نزول صاحب وحی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کارِ نبوت کے عین آغاز میں ہوا۔ اس کی ابتداء ہی میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نبوت کا بارِ گراں اٹھانے کے قابل بنانے کے لئے رات کے طویل وقفوں میں نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا ذوق اتباعِ نبوت معلوم ہے چنانچہ بظاہر آپؐ کے لئے خاص اس حکم میں وہ بھی اس نماز میں ساتھ رہنے لگے۔ اور کیفیت یہ تھی کہ دیر تک کھڑے رہنے کے باعث بہت سے لوگوں کے پاؤں میں ورم آجاتا تھا[4] مشقت کی اس تربیت کا سلسلہ پورے

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۲/۹۱۶ [2] تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۳۶۔ [3] تفسیر الجلالین /۴۴۵۔
[4] تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۳۶-۴۳۷۔ نیز ملاحظہ ہو، لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بالخازن: ۷/۱۴۲۔

ایک سال تک جاری رہا۔ آگے اس حکم میں تخفیف کا اعلان ہوا۔ اور بارگاہ رحمت سے اس کا سبب بیان کیا گیا کہ:

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ	اللہ کو معلوم تھا کہ تم میں سے کچھ مریض ہوں
مَّرْضٰى وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ	گے، دوسرے ہوں گے جو زمین میں چل پھر
فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ	رہے ہوں گے اللہ کے فضل کی تلاش ہیں
اللّٰهِ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ	اور دوسرے وہ ہوں گے جو اللہ کے راستہ
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ	میں جنگ کر رہے ہوں گے سواب تم قرآن
مِنْهُ ...... (مزمل: ۲۰)	اتنا ہی پڑھو جتنا کہ آسانی سے کر سکو۔

بہت سے لوگوں نے آیت کے اس مضمون کو دیکھ کر ہی اسے مدنی قرار دے دیا ہے لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے صراحت کی ہے کہ:

وهذه الآية بل السورة	اور یہ آیت بلکہ یہ پوری سورہ مکی ہے۔ اگرچہ
كلها مكية ولم يكن القتال	قتال (جنگ) اس وقت تک مشروع نہیں
شرع بعد فهى من اكبر	ہوئی تھی۔ تو یہ چیز (آپ کی) نبوت کے بڑے
دلائل النبوة لانه من	دلائل سے ہے۔ اس لئے کہ یہ گویا مستقبل
باب الاخبار بالمغيبات	میں پیش آنے والی ان باتوں کے پتہ دینے
المستقبلة [1]	کی قبیل سے ہے جو ہنوز پردہ غیب میں ہوں۔

---

[1] حوالہ سابق/۴۳۹۔ اس سورہ کے ابتدائی حکم اور اس تخفیف کی مدت کا وقفہ کثیر اور مستفیض روایات کی رو سے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال کا ہے۔ صرف ابن جریرؒ کی ایک روایت ہے جس کی رو سے یہ وقفہ دس سال کی طویل مدت پر ممتد ہے۔ تفسیر ابن کثیر، حوالہ سابق۔ نہ معلوم کیوں صاحب تفہیم القرآن نے اسی منفرد روایت کو ترجیح دی ہے۔ تفہیم القرآن: ۶/۱۳۲۔ اور آیت کو مدنی مانا ہے جبکہ صاحب تدبر نے روایات سے تعرض کئے بغیر ہی صرف مضمون کی بنیاد پر آیت کو مدنی قرار دے دیا ہے۔ تدبر قرآن: ۸/۱۸ [2] حالانکہ ان کے عام قاعدہ کی رو سے اس کا مکی ہونا اظہر تھا۔ عقل عام کی رو سے بھی اس آیت کا مکی ہونا اغلب ہے اس لئے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ جب بیماری اور روزی کی تلاش مدینہ کے ساتھ خاص نہیں تو حکم قتال ہی کو اس کے ساتھ خاص کیوں مانا جائے آیت کے اگلے ٹکڑے میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے:
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ (مزمل: ۲۰)
جبکہ نماز کے مدنی زندگی کے ساتھ خاص ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ مکہ میں زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل ہیں ان کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ) اى اقيموا صلاتكم الواجبة عليكم واتوا الزكوٰة المفروضة، وهذا يدل لمن قال بان فرض الزكوٰة نزل بمكة لكن مقادير النصب والمخرج لم يتبين الا بالمدينة۔ والله اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۳۹)
(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) اس کا مطلب ہے کہ تمہارے اوپر جو واجب ہے اسے قائم کرو۔ اور تم پر جو فرض زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو۔ اور یہ ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو اس کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ فرض تو مکہ ہی میں ہو گئی تھی۔ البتہ اس کے نصاب اور اس کی مقدار وغیرہ کی تفصیلات بعد میں مدینہ میں بتلائی گئیں)۔

شورائیت کی تعلیم

مکہ کی سیزدہ ۱۳ سالہ زندگی میں مسلمانوں کو جہاد و قتال کے احکام دیئے جانے کا لازمی تقاضا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) قیام لیل کا یہ پر مشقت کورس اگر دس یا اس سے اوپر مدت کے لیے لاگو رہا ہوتا تو اس کا ذکر بے شمار روایات اور مختلف طریقوں سے ہوتا۔ جبکہ جیسا کہ آپ نے دیکھا، کثیر اور مستفیض روایات اس کے برعکس ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ صاحب موضح القرآن بھی سورہ مزمل کی زیر بحث آخری آیت کریمہ کے وقفہ نزول کو ایک برس ہی مانتے ہیں۔ "رات جاگنے کا حکم ایک برس رہ کر موقوف ہوا۔ اگلی آیت اتری" تفسیر موضح القرآن/ ۹۶۱۔ تاج کمپنی، لاہور۔ دور حاضر کے مفسرین میں سید قطب شہیدؒ بھی راجح ترین قول کی حیثیت سے ابتدار سورہ کے حکم قیام لیل کے بعد اس آخری آیت کے نزول کو ایک سال بعد ہی مانتے ہیں۔ ظلال القرآن: ۸/ ۱۷۷۔ طبع خامس۔

Marfat.com

تھا کہ انہیں اس کے دوسرے لوازمات سے بھی آگاہ کیا جائے۔ باطل کے خلاف جنگ چھیڑ کر دین کے دشمنوں سے ہر طرح سے لڑائی مول لے لینے کے بعد اس کے تقاضوں سے انفرادی طور پر عہدہ برا نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ یہ کام اجتماعیت کی پوری قوت اور اس کے بھرپور تعاون سے ہی ممکن ہو سکتا تھا جس کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں کے اندر 'شورائیت' کا ذوق پیدا ہو۔ اور وہ اپنے دوسرے معاملات کی طرح اہم قومی اور جماعتی مسائل کو بھی 'شوریٰ' کی قوت سے نمٹانے کے قابل بنیں۔ مکہ کی زندگی اسلامی اجتماعیت کے اس رکن رکین سے بھی مسلمانوں کو اچھی طرح باخبر کیا یا گیا تھا۔ اپنے جملہ معاملات زندگی میں باہمی مشاورت کو اہل ایمان کے مطلوبہ نقشہ زندگی کا لازمی جزء قرار دیا گیا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ	اور وہ جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ	ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ...... (شوریٰ: ۳۸)	معاملہ باہم شورائیت کا ہوتا ہے۔

شوریٰ کی اس تعلیم کا مقصد صرف انفرادی معاملات و مسائل کی تربیت نہ تھا۔ صلح و جنگ کے اہم ترین قومی اور اجتماعی معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے:

(وامرهم شورى بينهم)	(اور ان کا معاملہ باہم شورائیت کا ہوتا ہے)
اى لايبرمون امرا حتى يتشاوروا	یعنی کہ وہ کسی معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں
فيه ليساعدوا بآرائهم	کرتے جب تک کہ اس کے سلسلے میں باہم
فى مثل الحروب وماجرى	مشورہ نہ کر لیں۔ تاکہ وہ مثال کے طور پر
مجراها كما قال تبارك وتعالىٰ	جنگ یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کے
(وشاورهم فى الامر) الآية۔	سلسلے میں ایک دوسرے کی رائے سے
ولهذا كان صلى الله عليه	فائدہ اٹھا سکیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
وسلم يشاورهم فى الحروب	(دوسرے موقع پر) فرمایا ہے: اور (اے
ونحوها ليطيب بذلك قلوبهم	نبیؐ) تم ان سے (اپنے اصحابؓ سے) (جنگ

Marfat.com

وھکذا لما حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الوفاۃ حین طعن جعل الامر بعدہ شوریٰ فی ستۃ نفر ھم عثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وسعد وعبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنھم فاجتمع رای الصحابۃ کلھم رضی اللہ عنھم علی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ[1]	کے معاملہ میں مشورہ کرو) الخ۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے جنگوں اور اسی طرح دوسرے تمام معاملات کے سلسلے میں مشورہ کرتے تھے۔ تاکہ ان کے دلوں میں پوری طرح خوشگواری رہے۔ اسی طرح جب حضرت عمرؓ کو نیزہ لگا اور انہیں اپنی وفات قریب آنے لگی تو آپ نے (خلافت کے) معاملہ کو چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کے حوالہ کر دیا۔ یہ حضرات تھے عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں تمام صحابۂ کرام کی رائے اپنے اوپر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانے پر متفق ہو گئی۔ (جس کے بعد وہ خلیفہ مقرر کر لئے گئے)

ہم نہیں سمجھتے کہ ملی زندگی کی ان وسیع وہمہ جہت قرآنی تعلیمات کو دیکھنے کے بعد بھی کسی شخص کا یہ اصرار حق بجانب ہو گا کہ مسلمانوں کو صرف بعض خاص حالات کے اندر ہی اپنی اجتماعیات کا علم بلند اور ان کے غلبہ ونفاذ کی سعی میں ہاتھ دینا چاہیئے۔ حکومت واقتدار کی قوت جہاں انہیں حاصل نہ ہو اپنے تصور مذہب کو وہاں محدود سے محدود تر رکھنا ضروری ہے؟

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱۱۸/۴۔

Marfat.com

اسلام کے مقاصد

وقت آگیا ہے کہ اسلام کے مقاصد پر ایک نظر ڈالی جائے کہ دنیا میں اس دین کا مطلوب و مقصود کیا ہے۔ وہ کیا اغراض و مقاصد ہیں جن کی تکمیل پر ہی صحیح معنوں میں اس کی پیروی کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ پچھلے مباحث میں مختلف پہلوؤں سے اسلام سے متعلق جو تفصیل ہم پیش کر چکے ہیں اس سے بخوبی واضح ہے کہ اسلام عام اور معروف معنوں میں "مذہب" نہیں جس کا دائرہ خدا اور بندوں تک محدود ہو۔ یہ پوری زندگی کا دین ہے اور اس کے جملہ امور و مسائل اس کا موضوع بحث ہیں اور ان سب کے متعلق وہ مکمل اور تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے ماننے والوں کو ان پر عمل پیرا ہونے اور اپنی پوری زندگی کو ان کے سانچے میں ڈھالنے کی تاکید کرتا ہے، بلکہ دنیائے انسانیت کی نسبت سے یہ ایک ہی نسخہ شفا ہے جسے اپنانے کی وہ بلا لحاظ نسل و رنگ اور بلا قید زمان و مکان ہر ایک کو تلقین کرتا ہے۔ اسلام کے نام لیواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے پوری دنیا کو اس نسخہ شفا سے روشناس کرائیں اور جو کج مزاج اور بد طینت، حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد، محض اپنی شیطنیت اور خبث باطنی کے نتیجے میں سرکشی و عناد کا راستہ اختیار کریں، اللہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور اسلام کی صورت میں دنیا کی اصلاح اور اس کے سنوار کے کام کو روکنے کے ساتھ زمین کو ظلم و بے انصافی اور شر و فساد سے بھر دینے ہی پر تلے ہوں۔ انھیں راستے سے ہٹا دیں ورنہ کم از کم انھیں اس حد تک بے دست و پا کر دیں کہ خود شرک و گمرہی اور انکار خدا کی لعنت میں وہ جس طرح چاہیں گرفتار رہیں، لیکن دوسرے بندگان خدا کی نسبت سے ان کے لئے اس کا کوئی موقع نہ رہے۔

مختلف اسباب و عوامل کے تحت "مذہب" کے محدود تصور نے ذہنوں پر جو پہرہ

Marfat.com

بٹھا رکھا ہے، اس کے نتیجے میں اسلام کے مقاصد کے بیان میں بھی اسے عام طور پر انفرادی زندگی کے دائرے میں محصور کر دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دین کا سب سے اعلیٰ وارفع درجہ 'احسان' ہے جس کی حقیقت حدیث جبرئیل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ:

ان تعبد اللہ کانک تراہ	یہ کہ تم اللہ کی بندگی (عبادت) کرو گویا کہ تم
فان لم تکن تراہ	اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اسے نہیں
فانہ یراک [1]	دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

اسلام کے مطلوبہ طرز زندگی کی یہ آخری منزل اور اس کے مقاصد کا یہی مغز اور خلاصہ ہے۔ جس کے اندر خدا کے حضور عبادت کی بجا آوری میں کمال درجہ یکسوئی اور انہماک کا حکم دیا گیا ہے۔ 'عبادت' سے مراد اصطلاحی عبادات میں بھی یہاں خاص طور پر 'نماز' ہے۔ جس کے اندر بندہ حضور کی یہ کیفیت پیدا کر کے مقام 'احسان' پر فائز ہو جاتا ہے۔ اسی سے ملتے جلتے کچھ دوسرے اعمال تھے جن کی خاطر صدر اول سے لے کر آج تک امت کے ایک بڑے طبقے نے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں اور دنیا و آخرت میں امت کی صلاح و فلاح کو اس میں محصور قرار دیا۔ چنانچہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے فن کو جس کا اصطلاحی نام 'تصوف' ہے، اس کا ایک نام یہی 'احسان' دیا گیا۔ یہاں تک کہ آج بہت سے لوگوں کو اصرار ہے کہ حدیث بالا میں دین کے جس مقصود و مطلوب کو (احسان) کے نام سے یاد کیا گیا ہے امت میں مروجہ 'تصوف و سلوک' اسی سے عبارت ہے اور امت میں چودہ سو سال کے عرصہ سے اس عنوان سے جو جدّ و جہد اور کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان سب کا منتہائے مقصود یہی 'احسان' کی زندگی پیدا کرنا تھا جسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں دینی زندگی کا سب سے اونچا اور بلند مرتبہ قرار دیا۔

دین میں عقائد کے بعد اصطلاحی عبادات کا درجہ سب سے بلند ہے اس لئے اس ارشادِ پاک میں دین کے جس سب سے بلند اور اونچے درجے کو 'احسان' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ان عبادات میں یہ کیفیت سب سے زیادہ مطلوب و مقصود ہو گی۔ اصطلاحی عبادات کے سرنامے 'نماز'

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۱۔ کتاب الایمان ص ۲۹۔ مطبعہ عامرہ، مصر

Marfat.com

میں اس کی مقصودیت اور مطلوبیت اور بھی نمایاں ہے۔ جو اس فہرست میں سب پر ممتاز اور خاص اہمیت اور انفرادیت کی حامل ہے۔ لیکن دین کے اس اعلیٰ ترین مقصود و مطلوب کو صرف اسی دائرے میں محصور کر دینا، اس طور پر کہ نگاہیں اس سے آگے کی طرف اٹھ ہی نہ سکیں اور اگر کبھی اٹھیں بھی تو وہ انھیں اتنی معمولی نظر آئیں کہ ان کے لیے چنداں قابل التفات نہ رہ جائیں اسے اسلام کے ساتھ کسی صورت انصاف نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ حدیث رسول کے اندر عبادت کی بات علی الاطلاق کہی گئی ہے اور اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تحدید و تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے حضرت امام شاطبیؒ کا جنہوں نے 'احسان' کو پوری انسانی زندگی اور اس کے امور و مسائل تک وسیع قرار دے کر دین میں مطلوب احسان اور اس کی صحیح پوزیشن کو بحال کر دیا۔ حدیث بالا میں مذکورہ 'عبادت' کی تشریح انہوں نے ان لفظوں میں کی ہے:

وکل تصرف للعبد تحت	بندے کا ہر تصرف اور ہر عمل جو شریعت
قانون الشرع فهو عبادة [1]	کے قانون کے تحت ہو وہ عبادت ہے

جس کا صاف مطلب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس 'احسان' کو دین کی سب سے آخری منزل اور اس کا اعلیٰ ترین مقصود و مطلوب قرار دیا ہے اور جسے حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو ترغیب دی ہے، اس کا تعلق صرف 'نماز' یا مثلاً اصطلاحی عبادات ہی سے نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ہی پوری انسانی زندگی اس کے دائرے میں شامل ہے اور اپنی پوری زندگی میں بندۂ مومن جو حرکت بھی کرتا ہے، اس کے سلسلے میں اس کے اندر کیفیت یہی ہونی چاہیئے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے ورنہ یہ تو ہے ہی کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ احسان کا یہی تصور ہے جو قرآن کے مطلوبہ 'احسان' سے ہم آہنگ ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس کی روشنی میں قرآن کے مطلوبہ احسان کا تعلق انفرادی سے زیادہ زندگی کے اجتماعی معاملات و مسائل ہی سے ہے۔

اسلام کی صورت میں خدا بندوں سے کس چیز کا طالب ہے اور وہ کون سے مقاصد

---

[1] الموافقات فی اصول الشریعہ: ۱/۱۹۴۔

Marfat.com

ہیں جن کی تکمیل سے دنیا و آخرت میں انسان کی فلاح وابستہ ہے، اسلام کے دستور اساسی۔ قرآن۔ پر ایک ہلکی سی نظر ڈال کر بھی اس کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل کا حق اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ادا کیا ہے۔ قرآن پر نظر ڈالنے والے کے لئے اس سے بڑھ کر اجنبی اور نا قابل قبول دوسری چیز نہیں کہ اس کے مطلوبہ طرز زندگی کو "پرائیویٹ زندگی" کے دائرے میں محصور کر دیا جائے۔ جبکہ وہ پوری زندگی کے لئے کتاب ہدایت ہے اور جیسا کہ تفصیل گزر چکی زندگی کے جملہ امور و مسائل کو وہ اپنا موضوع بحث بناتا اور ان کے سلسلے میں احکام و ہدایات فراہم کرتا ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ یہی اسلام کے مقاصد ہیں جو اس کتاب عزیز کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب اللہ نے جس ترتیب اور جس تاکید سے جس بات کا حکم دیا ہے، اسی نسبت سے وہ اسلام کا مقصود و مطلوب ہے۔ اس سے ہٹ کر اسلام کے مقاصد کی جو تفصیل بھی بیان کی جائے گی وہ راہ صواب سے ہٹی اور افراط و تفریط اور بے اعتدالی کا شکار ہوگی۔

دین کے نظام میں عقائد کی وہی اہمیت ہے جو جسم کے لئے روح کی۔ اس لئے اسلام کے ترجمان اول نے اپنے صفحات میں ان کی توضیح و تفصیل کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ قرآن کا کوئی ورق خدا کی عظمت، موت کے بعد زندگی جنت و دوزخ کے مناظر، قرآن کی حقانیت، سلسلہ رسالت کی صداقت وغیرہ اسلام کے بنیادی عقائد کی تفصیل سے خالی نہیں۔ وہ قدم قدم پر اپنے ماننے والوں کو دین کی ان اساسیات کی تلقین اور ان کے ذہن و دماغ میں انہیں جاگزیں کرتا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد معاملہ اصطلاحی عبادات کا ہے جن کی حیثیت اسلامی نظام زندگی میں بعینہ وہ ہے جو نظام جسمانی میں مثال کے طور پر قلب و دماغ کو حاصل ہوتی ہے۔ اگر جسم کے یہ اعضاء رئیسہ توانا اور صحت مند نہ ہوں تو بظاہر ایک چلتا پھرتا انسان بھی حقیقت کے اعتبار سے لاشۂ بے جان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو عقائد کے بعد قرآن ان عبادات پر غیر معمولی زور اور تاکید صرف کرتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کی تلقین سے قرآن کے صفحات بھرے ہیں۔ بقیہ عبادات کی تفصیل کا حق اس کے لانے والے پیغمبر نے اپنے قول و عمل سے ادا کر دیا ہے۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اپنی تمام تر اہمیت اور عظمت کے باوجود اسلام صرف عقائد اور عبادات ہی کے مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح فضائل اخلاق کی وہ تاکید ضرور کرتا اور رذائل سے بچنے کی تلقین کرتا ہے لیکن اس کا دامن اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

اس سے آگے وہ پوری انسانی زندگی کے لئے مکمل تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ جس کے نفاذ اور جس کے انطباق کا حق اس کے لانے والے پیغمبرؐ نے اپنی تئیس سالہ زندگی میں عملاً برت کر دکھایا اسی طرح معشیت و معاشرت، حکومت، سیاست، تمدن، تہذیب، ملکی اور بین الاقوامی امور و مسائل یہ تمام ہی چیزیں اس کا موضوع بحث اور اس کے دائرۂ عمل میں داخل ہیں اور ان سب کے سلسلے میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اس نے جادۂ اعتدال کو لوگوں کے سامنے بالکل کھول کر رکھ دیا ہے۔ دین کی انفرادی اہمیت کے اعمال کی طرح اسلام کا اجتماعیت کا یہ باب بھی اسی طرح اہمیت کا حامل ہے۔ عقائد اور اخلاق و عبادات کی طرح قرآن حکیم نے اپنے صفحات میں انہیں جگہ دے کر اس بات کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ انسان خدا کی راہ پر چلنے کا حق اسی وقت ادا کر سکتا ہے جبکہ اپنی انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی میں بھی وہ اللہ کی عطا کردہ ان احکام و تعلیمات پر اسی طرح کاربند ہو جائے۔ احکام شریعت میں فرق مراتب مسلّم اور ان کی مطلوبیت کے درجات کا تفاوت تسلیم لیکن اس حقیقت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں کہ اسلام اور اس کے دستور اساسی قرآن کا موضوع پوری انسانی زندگی ہے اور جب تک اس کے جملہ امور و معاملات میں خدائی مرضیات کا نفاذ عمل میں نہ آجائے اسلام کے مقاصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

اسلام میں اجتماعیات کے باب کی غیر معمولی اہمیت

اسلام میں اجتماعیات کے باب کی اس غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ان تاکیدی کلمات و ہدایات سے ہوتا ہے جنھیں اس سلسلے کے احکام و قوانین کے بیان میں اس کے دستور اساسی قرآن۔ نے اکثر و بیشتر استعمال کیا ہے۔

نکاح و طلاق

نکاح و طلاق کے مسائل ہمیشہ کی طرح آج بھی 'سماجیات' کا اہم ترین مسئلہ ہیں۔ یہ انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ نہیں، جس کے دائرے میں عام طور پر مذہب کو محصور کیا جاتا ہے۔ اور دیگر ادیان و مذاہب کی طرح 'اسلام' کو بھی اس صف میں گھسیٹے بغیر نہیں رہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ اجتماعی

زندگی کے اہم ترین مسائل ہیں۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی انہیں یہی حیثیت دیتی ہے چنانچہ اس کے اہم ترین ادارے اس کے سلسلے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے اور ملک کی پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں اس سے متعلق امور و مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں تک کہ بسا اوقات ملک کی سب سے بڑی عدالت 'سپریم کورٹ' تک کو اس کے سلسلے میں خصوصی احکام و ہدایات جاری کرنی پڑتی ہیں۔ اسلام کے دستور اساسی، (قرآن)، نے اس سلسلے کے احکام و قوانین کو نسبتہ کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور اس کے تئیں قدم قدم پر سخت تاکیدی ہدایات دی ہیں جس سے اس کی نظر میں اجتماعیات کے اس باب کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سورہ بقرہ میں مطلقہ کے احکام اور طلاق کے صحیح طریقہ اور اس کی ایک دوسری صورت خلع کے مسئلہ کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا	یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں سو تم ان کی
تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ	خلاف ورزی نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی
حُدُودَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	حدوں کی خلاف ورزی کرے تو یہی لوگ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (آیت: ۲۲۹)	ظالم ہیں۔

آگے تیسری طلاق اور حلالہ کی صحیح صورت کے بیان کے بعد فرمایا:

وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا	یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں جنہیں
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔	وہ کھول بیان کرتا ہے ان لوگوں کے
(آیت : ۲۳۰)	لئے جو جاننا چاہیں۔

مزید برآں اسی سلسلے کے دوسرے احکامات بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ	اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو
عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ	اور اس چیز کو جو اس نے تم پر اتاری ہے
مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ	یعنی کتاب اور حکمت جس کے ذریعہ وہ تمہیں
يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ	نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈر کر رہو اور
اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ۔ (بقرہ: ۲۳۱)	جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

Marfat.com

مطلقہ کی دوسری شادی کی بابت حکم کی وضاحت کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ	یہ تمہارے لیئے زیادہ پاکیزہ اور صفائی
اَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ	ستھرائی کا باعث ہے۔ اور اللہ جانتا
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (آیت ۲۳۲)	ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

طلاق کی صورت میں بسا اوقات مسئلہ رضاعت یعنی بچے کو دودھ پلانے کا پیدا ہوتا ہے اس سے متعلق حکم کی وضاحت کے بعد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ	اور اللہ سے ڈر کر رہو اور جان لو کہ
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	اللہ خوب دیکھنے والا ہے اس کو
بَصِيْرٌ۔ (آیت: ۲۳۳)	جو تم کرتے ہو۔

جس عورت کا شوہر انتقال کر جائے، وہ دوبارہ شادی کرنا چاہے تو اسلام میں اس کے خاص آداب ہیں انہیں بیان کرنے کے بعد تاکید کی گئی کہ:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ	اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے وہ سب کچھ جو
مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ	تمہارے دلوں میں ہے۔ سو اس سے
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	بچ کر رہو اور معلوم ہو کہ اللہ بڑا بخشنے والا،
حَلِيْمٌ۔ (آیت: ۲۳۵)	بردباری رکھنے والا ہے۔

اسلام کے نزدیک 'سماجیات' کے اس اہم باب 'طلاق' کی یہ اہمیت ہے کہ اس سے متعلق احکام کی وضاحت کے لیئے ان آیات کے علاوہ قرآن میں ایک مستقل سورہ اسی نام سے نازل کی گئی۔ 'سورۂ طلاق' جس کے اندر اس سے متعلق دوسرے احکام تفصیل سے بیان کیئے گئے۔

طلاق کے صحیح طریقہ اور مطلقہ کے ساتھ مطلوبہ روش کی وضاحت کے بعد فرمایا:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ	اور یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں اور جو
يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ	کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کی خلاف
فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ	ورزی کرے تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا
لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ	تمہیں کیا پتہ شاید اللہ اس کے بعد (ملاپ کی)

Marfat.com

ذٰلِكَ اَمْرًا ۔ (آیت : ۱) کوئی صورت نکال دے۔

آگے اسی سلسلے میں مزید ارشاد ہوا:

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔ (آیت : ۲)

یہ ہے جس کی اللہ نصیحت کرتا ہے اسے جو ایمان رکھے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور جو کوئی اللہ سے ڈر کر رہے تو وہ اس کے لئے خلاصی کی راہ پیدا کرے گا۔

مختلف عمر اور مختلف حال کی عورتوں کی عدّت کے بیان کے بعد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۔

(طلاق : ۴ - ۵)

اور جو کوئی اللہ سے ڈر کر رہے گا وہ اس کے لئے اپنے حکم سے آسانی (کی صورت) پیدا کرے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تم تک اتارا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈر کر رہے تو وہ اس سے اس کی کوتاہیوں کو زائل کرے گا اور اس کے لئے بدلہ بہت بڑا کر کے دے گا۔

دورانِ عدّت شوہروں کو اپنی مطلقہ بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کے تئیں کسی قسم کی ظلم و زیادتی سے مجتنب رہنے کے لئے گزشتہ قوموں کا عبرتناک حال سنا کر ڈرایا گیا کہ اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کہیں اسی انجام سے دنیا میں دوچار نہ ہو جائیں:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ

اور کتنی ہی بستیاں رہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی دکھائی تو ہم نے ان کا حساب لیا بہت ہی سخت اور ان کو انتہائی عبرتناک سزا دی۔ تو انہوں نے اپنے معاملہ کے وبال کو چکھا اور ان کے معاملہ

Marfat.com

أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ، أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۔ (طلاق: ۸-۱۰)

کا انجام گھاٹے کا رہا۔ (مزید براں) اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈر کر رہو اے سمجھ والو جو کہ ایمان لائے ہو۔ ضرور اللہ تم تک یاد دہانی اتار چکا ہے۔

آگے سورہ کے آخر میں آسمان و زمین کی تخلیق کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کے بیان کے بعد یہ فرما کر کہ یہ احکامِ خداوندی کا خاص سلسلہ ہے جو اس وقت اتر رہا ہے، اس پوری سورہ کے مضامین کے متعلق تاکید فرما دی کہ یہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کے نازل کرنے والے کی نظروں میں ان کی اہمیت حد درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ انسانی معاشرت سے تعلق رکھنے والے اجتماعیات کے اس اہم باب کو لوگ ہلکا نہ لیں اور اس کے سلسلے میں ذرا کوتاہی اور تساہلی کا شکار نہ ہوں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اور دنیا کے اندر ہونے والے بڑے بڑے واقعات سے لے کر اس کے معمولی سے معمولی واقعے تک اس کی گہری نظر ہے اللہ کے اس قانون کے احترام میں اگر ذرہ برابر بھی کمی کی گئی تو اس کی نگاہوں میں یہ چیز آئے بغیر نہیں رہے گی۔ اور چونکہ اسے ہر چیز پر بھرپور قدرت حاصل ہے اس لئے اس طرح کے لوگ اس کی پکڑ سے کسی صورت بچ بھی نہیں سکیں گے:

اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔ (طلاق: ۱۲)

اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور زمین میں سے بھی اسی قدر (اللہ کا) حکم ان کے بیچ اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور اس کا علم ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حرمتِ سود

آج کا کوئی سمجھ دار انسانی معشیت (Economy) کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا

Marfat.com

معاملہ قرار نہیں دے سکتا۔ سود (Intrest) دورِ حاضر کی اسی معشیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسلام سود رِبا کو اس کی جملہ صورتوں کے ساتھ حرام قرار دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں، جو اسلام کی اجتماعی تعلیمات کی اہم سورتوں سے ایک ہے، خرید و فروخت بیع کی حلت اور سود رِبا کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ	سو جس کسی کے پاس اس کے رب کی طرف سے
رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ	نصیحت آجائے اور وہ اپنا ہاتھ وہیں کا وہیں
وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ	روک لے تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا
مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ	(ہو چکنے والے معاملات کی کرید نہیں) اور
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ	اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے البتہ جو کوئی پھر
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔	یہ حرکت کرے تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں
(آیت : ۲۷۵)	جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام غیر منصفانہ نظام معشیت کے اس اہم ستون کو ڈھا کر انسانی معشیت کو کس طرح دوسرے متبادل خطوط پر ڈھالنا چاہتا ہے۔ آگے اس ظالمانہ نظام کے سلسلے میں قرآن کے تیور اور سخت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور
اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا	جو سود تمہارا رہ گیا ہے اس سے دستبردار
بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ	ہو جاؤ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ سو اگر
مُّؤْمِنِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا	تم اس پر عملدرآمد نہیں کرتے ہو تو اللہ اور
فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ	اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان
وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ	سن لو۔ اور اگر تم (حکم کی تعمیل کر کے اللہ کی
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ	طرف) پلٹ آؤ تو تم کو تمہارا اصل سرمایہ
لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔	(capital) مل جائے گا۔ تم کسی
(آیات : ۲۷۸-۲۷۹)	پر زیادتی کرو نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے

Marfat.com

اسی سلسلے میں اپنے ماننے والوں کو ایک مزید ہدایت دینے کے بعد کہا گیا:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ	اور اس دن سے ڈرو جس میں کہ تم اللہ کی
فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى	طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا پورا
كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ	بدلہ مل جائے گا جس کی وہ (دنیا میں) کمائی
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ـ	کر چکا ہے۔ اور ان کے ساتھ ذرا کمی نہ کی
(آیت : ۲۸۱)	جائے گی۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے 'سود' کی حرمت کے ساتھ اسے سخت ترین تاکیدی احکامات کے ساتھ جوڑ رکھا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو سود کو نہ کماؤ
لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا	دوگنا چوگنا کر کے اور اللہ سے ڈرو تاکہ
مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ	تم کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اور اس آگ
تُفْلِحُونَ، وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ	(دوزخ) سے بچو جو کافروں کے لئے تیار
لِلْكَافِرِينَ، وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ	کی گئی ہے۔ اور اللہ اور رسول کی (پوری
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (آل عمران: ۱۳۰-۱۳۲)	طرح) پیروی کرو تاکہ تم رحم کے سزاوار ہو۔

اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام تمدنی و اجتماعی کے مسائل کو کس اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو ان کے سلسلے میں کس قدر حساس دیکھنا چاہتا ہے۔

قرض کی لکھائی اور اس پر گواہی

انسان کی اجتماعی زندگی میں باہمی قرضوں (Loan) کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ آج کی اس متمدن دنیا کے سیاق میں زیادہ بہتر طور پر کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے اجتماعی ادارے ہی نہیں حکومتوں کا کاروبار بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا اس کے علاوہ خرید و فروخت کے بہت سے معاملات اسی کی بنیاد پر طے پاتے ہیں۔ اسلام نے اسے یہ اہمیت دی کہ اس کے سلسلے میں قرآن کی سب سے طویل آیت نازل ہوئی۔ قرآن نے کہا کہ قرض کا یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ صرف زبانی اور باہمی

Marfat.com

اعتماد کے بجائے اس کی باقاعدہ لکھا پڑھی اور اس پر گواہیاں ثبت ہونی چاہئیں۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا اہتمام ہر صورت میں ہونا ضروری ہے۔ لکھائی اور گواہی کے احکام کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اجتماعیات کے اس اہم حکم کی بجا آوری کو قرآن کس قدر اہمیت دیتا اور اس پر کما حقہٗ عملدرآمد کو اپنے ماننے والوں کے لئے کس قدر ضروری قرار دیتا ہے:

وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ وَلَا یُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ یُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔

(بقرہ : ۲۸۲)

اور تم گواہ ٹھہرالو جب خرید و فروخت کا کوئی کام کرو اور کسی لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اور اگر تم ایسا کرو تو تمہارے ساتھ (لگی) یہ کھلی نافرمانی ہے۔ اور اللہ سے ڈرکر رہو۔ اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا خوب پتہ ہے۔

وراثت کے احکام

وراثت (Inheritance) کے سلسلے میں کسی سمجھ دار انسان کا ذہن اس طرف نہیں جا سکتا کہ یہ انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے۔ ہمیشہ سے یہ انسان کی اجتماعی زندگی کا اہم ترین مسئلہ رہا ہے۔ بلکہ آج کی مادیت زدہ اور معاشی مقابلہ کی دوڑ کے زمانہ نے اس کی اہمیت کچھ اور ہی بڑھا دی ہے۔ اسلام نے اجتماعیات کے اس مسئلہ کو وہ اہمیت دی کہ اس کی بڑی حد تک تفصیل اس کے دستور اساسی۔ قرآن۔ میں کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے اس کے احکام کے آغاز و اختتام میں وہ تاکیدیں کیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وراثت کے اس قانون کو وہ کتنی غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ اور ادنیٰ درجہ میں اسلامی نظام زندگی کے اس اہم جزء کی کوئی خلاف ورزی اسے کس قدر ناگوار ہو سکتی ہے۔ وراثت میں حصہ پانے والے مرد و عورتوں کو مختلف درجوں میں ملنے والے حصوں کو قرآن نے خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض کردہ قرار دیا:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ — مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو

Marfat.com

الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔
(النساء: ۷)

کے ماں باپ اور رشتہ دار ترکے میں چھوڑیں اسی طرح عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ان کے ماں باپ اور رشتہ دار ترکہ میں چھوڑیں، چاہے یہ کم ہو یا زیادہ یہ ایک متعین حصہ ہے (جو ہر حقدار کو ملنا ہے)

آگے ان حصوں کی تفصیل بیان کر لینے کے بعد ارشاد ہوا:

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ
حَلِيمٌ، تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَن
يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ
جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ
خٰلِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ، وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَ
رَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ
نَارًا خَالِدًا فِيهَا
وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ۔
(النساء: ۱۲-۱۴)

یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے۔ اور اللہ بڑا علم والا اور بردبار ہے۔ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانے تو وہ اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی ٹھہرائی حدوں کو توڑے تو وہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

جان و مال کی حرمت

جان و مال کی حرمت کو بھی کوئی انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ نہیں کہتا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں یہ ریاست (State) کے اہم ترین فرائض سے ہے۔ بلکہ صحیح تر لفظوں میں کسی فلاحی ریاست کی عمدہ کارکردگی کو جانچنے کا یہ سب سے بڑا پیمانہ ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو زندگی کی ان اہم ترین قدروں سے کس قدر مالا مال کرتی ہے۔ ہر وہ حکومت دیوالیہ اور اپنے بقاء کے استحقاق

Marfat.com

کو بالکل کھو بیٹھتی ہے جو اپنے شہریوں کے ان بنیادی حقوق "حرمت جان و مال" کے تحفظ کی ضمانت نہ فراہم کر سکے۔ قرآن اپنے تمام ماننے والوں سے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر انسانیت کے ان بنیادی حقوق کو پامال نہ کرنے کا عہد لیتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔ (نساء : ۲۹)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال کو نہ کھاؤ بیجا طریقہ سے سوائے اس کے کہ کوئی تجارت ہو جس میں اس کی باہمی رضامندی ہو۔ اور ایک دوسرے کی جان نہ مارو۔ ضرور اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی رکھنے والا ہے۔

اس کے فوراً بعد قرآن نے اس کے سلسلے میں ترغیب و ترہیب کا جو مضمون بیان کیا ہے اس نے اس حکم کی اہمیت کو غیر معمولی طور پر بڑھا دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا۔ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا۔ (آیات : ۳۰-۳۱)	اور جو کوئی ایسا کرے سرکشی اور ظلم کی راہ اپناتے ہوئے تو ضرور جلد ہم اسے داخل کریں گے آگ (دوزخ) میں۔ اور اللہ کے لئے یہ چیز بہت آسان ہے۔ اگر تم دامن بچا کر رہو ان بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جا رہا ہے تو ہم تم سے تمہاری کوتاہیوں کو زائل کریں گے اور تم کو داخلہ دیں گے ایک بہت ہی عزت کی جگہ میں۔

مال کی حرمت کو پامال کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کسی کا مال حرام اور ناجائز طریقے سے کھا جائے جس کی اوپر ممانعت کی گئی۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کسی کا مال چرا لے۔ اسلام ایسے بدطینت انسانوں کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ وہ بانس ہی نہ رہ جائے جس سے یہ بانسری بجائی جا سکے۔

Marfat.com

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا	اور چوری کرنے والا مرد ہو یا چوری کرنے
اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا	والی عورت ہو تو تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ	دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے
حَكِيْمٌ۔ (مائدہ: ۳۸)	سزا ہے۔ اور اللہ بڑا غلبے والا حکمت والا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ کی صفت 'عزیز و حکیم' کا حوالہ دیا گیا، جس سے بتانا مقصود ہے کہ اسلام کے اس حکم اجتماعی کے نفاذ اور اس پر عملدرآمد میں کسی قسم کی کوتاہی اور تساہلی کو در آنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ فوجداری قانون اس ذات کا وضع کردہ ہے جو سراپا حکمت اور سراپا غلبہ و قوت ہے۔ اس کے سلسلے میں کوئی مین میخ لگائی جائے، نہ کسی طرف کا دباؤ اور جھکاؤ اس کے نفاذ میں رکاوٹ ثابت ہو۔

جہاں تک جان کی حرمت کا سوال ہے اسلام کے نظام اجتماعی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مرادف گردانتا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ	اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس
اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ	کسی نے کسی جان کو قتل کیا بغیر کسی جان کے
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے عوض
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا،	تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور
وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ	جس کسی نے اس کو زندہ رکھا تو اس نے
جَمِيْعًا۔ (مائدہ: ۳۲)	گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

اسلامی معاشرے میں جو کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے گا، جان کے بدلے اسے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قتل ہونے والے کا یہ حق ہے جو اللہ کا تفویض کردہ ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر قصاص فرض
عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ	کیا گیا ہے مقتولین کے سلسلے میں[1]۔ آزاد

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

Marfat.com

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی — آزاد برابر ہیں۔ اور غلام غلام برابر ہیں اور عورت عورت برابر ہیں ...... (بقرہ: ۱۷۸)

جان کی حرمت کی طرح انسانی اعضاء کی بھی یہی قدر و قیمت ہے۔ تورات کے اس حکم کو اسلام نے اپنے ہاں جوں کا توں تسلیم کر لیا ہے۔ آخر میں اس حکم خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کو قرآن صاف ظالم قرار دیتا ہے۔ جس سے اس کی نظر میں اس فوجداری قانون کی دفعہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

اور ہم نے ان پر (اہل کتاب پر) لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان، دانت کے بدلہ دانت، اسی طرح تمام طرح کے زخموں کا برابر سرابر بدلہ ہے۔ سو جو کوئی (اپنے حق سے) کوئی چیز معاف کر دے تو وہ اس کے لئے (اپنے گناہوں کا) کفارہ ہے۔ اور جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ ظلم کی راہ چلنے والے ہیں۔ (مائدہ: ۴۵)

جبکہ کسی مسلمان کی جان لینے والے کو دنیوی سزا کے علاوہ قرآن جہنم کی ابدی لعنت کا مستحق گردانتا ہے

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ — اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ^1 واضح رہے کہ یہ بعینہ وہی انداز بیان ہے جو عبادات چہارگانہ میں "روزہ" کے لئے قرآن نے اختیار کیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (بقرہ: ۱۸۳) جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نزدیک عبادات کی طرح اجتماعی معاملات بھی ویسی ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ قصاص کا فوجداری قانون بھی مسلمان معاشرہ کے لئے ویسا ہی فرض ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اس کے لئے "روزہ" کی پابندی ضروری ہے جو دین اس طرح عبادات و معاملات کو یکساں نظر سے دیکھتا ہو۔ اس کے لئے دین و دنیا کی تقسیم کا سوال کیونکر قابل غور ہو سکتا ہے۔؟

Marfat.com

جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔ (النساء: ۹۳)

تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہے گا، اور اللہ کا اس پر غضب ٹھہرا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جان و مال کی حرمت کو پامال کرنے کی سب سے بھیانک صورت یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر طاقت کا استعمال کر کے لوٹ مار اور غارت گری کا راستہ اپنایا جائے۔ اسلام کی اصطلاح میں اس کا نام 'محاربت' (ڈاکہ زنی) ہے، جس کی سزا بھی اس نے اسی طرح سخت تجویز کی ہے۔ زمینی قزاقی کے ساتھ فضائی قزاقی سے گھبرائی ہوئی اس دنیا میں توقع نہیں ہے کہ لوگ ایسے بدترین اجتماعی مجرموں سے متعلق قرآن کی تجویز کردہ اس سزا کو لوگ انفرادی زندگی کا معاملہ قرار دیں گے۔ اسلام کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن اس حرکت کو براہِ راست خدا و رسول کے خلاف جنگ سے تعبیر کرتا ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (مائدہ: ۳۳)

جو لوگ (لوٹ مار اور غارت گری کر کے) اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ جنگ ہوں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھریں ان کا بدلہ بس یہی ہے کہ انھیں بری طرح قتل کیا جائے یا انھیں سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں بری طرح کاٹ دیئے جائیں یا انھیں زمین بدر کر دیا جائے۔ یہ ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

Marfat.com

زنا کی سخت سزا

آج کے دور میں دوسرے بہت سے امور و مسائل کی طرح (زنا) کے تصور کے سلسلے میں تو بہت سی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں لیکن بہرحال عام اور معروف صورت میں اسے قابل دخل اندازی عدالت جرم (Congizable offence) تصور کیا جاتا ہے۔ اسے بھی محدود تصور مذہب کے دائرے میں فٹ نہیں کیا جاسکتا جسے بس افراد کے پرائیویٹ معاملہ سے سروکار ہوتا ہے۔ اسلام کا دستور اساسی اس کے سلسلے میں سخت ترین سزا تجویز کرنے کے ساتھ تاکید کرتا ہے کہ یہ اللہ کے اس دین کا ایک انتہائی لازمی اور ناگزیر جزء ہے جس کی بے چون وچرا اور کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر پیروی دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

زنا کا ارتکاب کرنے والی عورت ہو یا زنا کا ارتکاب کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے لگاؤ اور ان کے سلسلے میں تمہیں کسی قسم کی مروت اور نرمی دامن گیر نہ ہو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ اور چاہئے کہ ان کو ملنے والی سزا کو مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور دیکھے۔ (نور : ۲)

جب کہ اس سورہ کا آغاز ہی ان تاکیدی کلمات سے ہوتا ہے:

سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔

یہ سورہ ہے جسے ہم نے (خاص اہتمام سے) اتارا ہے اور (لوگوں کے لئے) اسے مؤکد قرار دیا ہے۔ اور اس میں ہم نے بہت ہی کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں۔ تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔ (نور : ۱)

Marfat.com

اسلام میں زنا کی یہ سزا غیر شادی شدہ جوڑوں کے لئے ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا 'رجم' ہے یعنی کہ انھیں سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ اسی سے ان کی موت واقع ہو جائے۔ اسلام کی اصطلاح میں اس طرح کی سزاؤں کو 'حد' کہا جاتا ہے، جس کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں لائے ہوئے دین کی نظر میں اجتماعیات کے اس دائرے کی کس قدر اہمیت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حد يقام في الارض خير للناس من ان يمطروا اربعين صباحا۔ [1]

ایک حد جس کا روئے زمین پر نفاذ عمل میں آتا ہے لوگوں کے لئے اس سے زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہے کہ ان پر چالیس دن تک بارش ہو۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

حد يعمل به في الارض خير لاهل الارض من ان يمطروا اربعين صباحا۔ [2]

ایک حد جس پر روئے زمین پر عملدرآمد ہوتا ہے زمین والوں کے لئے اس سے بہت زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہے کہ ان پر چالیس دن تک بارش ہو۔

اس کے علاوہ آپؐ کی تاکید ہے:

اقيموا حدود الله في القريب والبعيد

اللہ کی حدود کا نفاذ عمل میں لاؤ چاہے معاملہ اپنے کسی قریبی کا ہو یا دور کے

---

[1] مسند احمد: ۲/۳۶۲، ابن ماجہ: ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود۔

[2] ابن ماجہ: ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود، مسند احمد: ۲/۴۰۲، البتہ اس میں 'اربعین صباحا' چالیس دن کے بجائے 'ثلاثین صباحا' تیس دن کے الفاظ ہیں۔ نیز نسائی عن ابن عمرؓ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔ کتاب الحدود، فصل ثالث۔

Marfat.com

ولا تاخذ کم فی اللہ لومۃ لائم۔ [1]

شخص کا اور اللہ کے معاملہ میں تمہیں کسی ملامت گر کی ملامت دامن گیر نہ ہو۔

اسلام میں اجتماعیات کے باب کی غیر معمولی اہمیت کو نمایاں کرنے والے ان تاکیدی کلمات و ہدایات کے علاوہ اس موقع پر قرآن کے اس اہم اور عمومی حکم کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ انسان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے کسی قید اور کسی شرط کے بغیر جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی ضروری ہے۔ صرف عقائد و عبادات ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ زندگی کی تنظیم اور اپنے نظام اجتماعی کی تشکیل میں بھی کسی تحفظ اور کسی چون وچرا کے بغیر خدا اور رسولؐ کے احکام کی بے لاگ پیروی ہی وہ راستہ ہے جسے اپنا کر آدمی دنیا و آخرت میں اپنی فوز و فلاح کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت کریمہ کسی قید اور کسی شرط کے بغیر دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کی بے لاگ اطاعت کو لازم قرار دیتی ہے:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔

اور جو کوئی (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرے تو وہ ضرور ہمکنار ہوا بڑی کامیابی سے۔ (احزاب: ۷۱)

جب کہ یہی وہ روش ہے جسے اپنا کر اہلِ ایمان دنیا و آخرت میں اپنے کو رحمتِ ایزدی کا مستحق گردان سکتے ہیں:

وَاَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

اور (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور رسول کی پیروی اختیار کرو تاکہ تم (رحمتِ ایزدی) کے سزاوار ہو سکو۔ (آل عمران: ۱۳۲)

زندگی کے تمام معاملات میں خدا اور رسولؐ کا فیصلہ دوسرے تمام فیصلوں پر مقدم ہے۔ حدود و تعزیرات معیشت و معاشرت، سیاست و تمدن وغیرہ جملہ امور میں ایک مسلمان کے لئے خدا اور رسولؐ کے فیصلوں کی پیروی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ مثال کے طور پر وہ عقائد و عبادات اور اخلاق و آداب کے دائرے میں ان کے فیصلوں کا پابند ہے۔ اس سے ہٹ کر زندگی میں جو راستہ بھی اپنایا جائے گا وہ گمراہی کا راستہ اور انجام کار انسان کو کھڈ میں گرانے والا ہوگا:

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود۔

Marfat.com

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (احزاب : ۳۶)

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کے لئے زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ ضرور کھلی گمراہی میں جا پڑا

جب تک اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں آدمی آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ مانے اسے صحیح ایمان ویقین کی ضمانت نہیں مل سکتی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء : ۶۵)

تیرے رب کی قسم لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ (اے نبیؐ) یہ تم کو ثالث نہ مان لیں ان تمام معاملات میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں۔ پھر یہ اپنے جی میں کچھ تنگی نہ پائیں اس سے جو تم فیصلہ کر دو اور پوری طرح سرِ تسلیم خم کر دیں۔

ان آیاتِ کریمہ کے بعض خاص پس منظر بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ یہ کسی تحدید وتخصیص کے بغیر زندگی کے تمام معاملات کو حاوی ہیں۔ اور اس کے جملہ امور و مسائل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی غیر مشروط پیروی کو لازم قرار دیتی ہیں۔ جیسا کہ ان آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ [1]

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۹۰ اور: ۱/۲۵۰۔

Marfat.com

بعض دوسرے اہم اجتماعی مقاصد

اجتماعیات کے ان اہم ابواب کے علاوہ قرآن اپنے ماننے والوں کے لئے بعض دوسرے اہم مقاصد کی تکمیل کو لازم قرار دیتا ہے۔ زندگی میں خدا اور رسولؐ کی صحیح پیروی کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کا سامان کیا جائے۔ اور اس متوازن اور ہم آہنگ لائحہ عمل کو لازم پکڑا جائے جو زندگی کی انفرادی نوعیت کی اعمال کی بجاآوری کے ساتھ دوسرے اجتماعی مقاصد کو بھی کسی صورت نظر انداز نہ ہونے دے۔

حق وانصاف کی علم برداری

اس سلسلے کی اہم ترین چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو پورے روئے زمین پر حق وانصاف کا علم بردار بنا کر پیش کرتا ہے۔ مسلمان امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی تحدید و تخصیص کے بغیر زندگی کے تمام دائروں میں عدل وقسط کی آبیاری کا سامان کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کے اندر نجی اور انفرادی معاملات کے ساتھ زندگی کے اہم ترین معاملات ومسائل بھی اسی طرح شامل ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کا یہ فرمان علی الاطلاق ہے۔ جس کے اندر انفرادی واجتماعی کی کوئی تخصیص نہیں ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو حق وانصاف
قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ	کے لئے اٹھ کھڑے ہونے والے بنو۔
لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ	اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے۔ خواہ یہ
اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ۔	(گواہی) تمہارے اپنے اوپر یا ماں باپ
(النساء : ۱۳۵)	اور رشتہ داروں کے ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

اس آیت کریمہ میں اہلِ ایمان کو صرف حق وانصاف پر عمل پیرا ہونے کی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ انھیں ان اعلیٰ قدروں کا علم بردار بننے کا حکم دیا گیا ہے۔ انھیں زندگی کے جملہ معاملات میں خدا واسطے گواہ بننا چاہئے اور اس سلسلے میں کسی قسم کے انحراف اور جانب داری کو

Marfat.com

راہ نہ دینی چاہئے۔ اس صورت میں کسی شخص کے حق و انصاف کے لئے کھڑا ہونے کا مطلب ہے کہ وہ خدا واسطے اٹھ کھڑا ہو اور جملہ معاملاتِ زندگی میں اس کے بے لاگ حق کے گواہ ہونے کی حیثیت مسلم ہو جائے۔ جس کے نتیجے میں وہ صرف دوستوں ہی نہیں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی اسی طرح حق و انصاف کے تقاضوں کی رعایت کے لئے مجبور ہو جائے۔ سورۂ مائدہ جو قرآن میں عہد و پیمان کی اہم ترین سورہ ہے، میں اہلِ ایمان کو تاکید کی گئی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا — اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے
كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ — اٹھ کھڑے ہونے والے بنو حق و انصاف
شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ — کی گواہی دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا — دشمنی تم کو اس کا قصور وار نہ بننے دے
اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ — کہ تم انصاف نہ کرو۔ عدل و انصاف سے
لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ — کام لو یہی خوفِ خدا سے زیادہ قریب تر
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا — ہے۔ اور اللہ سے ڈر کر رہو۔ ضرور اللہ
تَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ: ۸) — کو پورا پتہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

جب کہ دوسرے موقع پر امتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود ہی یہ قرار دیا کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا — اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی امت بنایا ہے
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ — تاکہ تم لوگوں پر (حق و انصاف) کی گواہی
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (بقرہ: ۱۴۳) — دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

جیسا کہ گزر چکا ہے اسلام کو انسانی زندگی میں حق و انصاف کی یہ آبیاری اس قدر عزیز ہے کہ وہ اسے بعثتِ انبیاء کے اہم مقاصد سے قرار دیتا ہے۔ اور محض وعظ و تلقین پر اکتفا نہ کر کے وہ اس کے لئے قوت کے استعمال کو لازم قرار دیتا ہے۔ رسولوں کے ساتھ مل کر جو لوگ اس راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں سے نبرد آزما ہوں یہی لوگ خدا کے سچے اور وفادار ہیں:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِا — ضرور ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا کھلی ہوئی
لْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا — نشانیاں دے کر اور ان کے ساتھ ہم نے

Marfat.com

مَعَهُمُ الْكِتَابَ	کتاب اور میزان (عدل) اتاری تاکہ لوگ
وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ	حق و انصاف پر قائم رہیں اور (ساتھ ہی)
النَّاسُ بِالْقِسْطِ	ہم نے لوہا اتارا جس کے اندر سخت (جنگی) قوت
وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ	اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فائدے
بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ	کے سامان ہیں (اللہ نے ایسا اس لئے
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ	کیا ہے) تاکہ وہ (لوگوں کو آزمائے) اور
مَنْ يَنْصُرُهُ وَ	دیکھے کہ کون ہیں جو اس کی اور اس کے
رُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ	رسولوں کی غیب میں رہ کر مدد کرتے ہیں۔
قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ (حدید : ۲۵)	ضرور اللہ بڑا قوت والا، غلبہ والا ہے۔

امانتوں کا لحاظ

اسی طرح کی ایک ذمہ داری قرآن اپنے ماننے والوں کی یہ قرار دیتا ہے کہ انھیں زندگی کے تمام معاملات میں امانتوں کا پاس و لحاظ رکھنا چاہئے۔ جس کا اہم ترین مظاہرہ ہے کہ اگر وہ عدالت کی کرسی پر ہوں یا معاملات ان کے اختیار میں ہوں تو وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیں:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ	ضرور اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ (عہد و
تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ	منصب کی) امانتوں (Positions
إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ	of Trust) کو حوالے کرو ان کے
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا	اہل لوگوں کو اور یہ کہ جب تم لوگوں کے درمیان
بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ	فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ
نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ۔	فیصلہ کرو۔ ضرور کیا ہی بہترین بات ہے
(النساء : ۵۸)	جس کی اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔

روایتوں کے اندر اس آیت کریمہ کا ایک خاص پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا

Marfat.com

کہ عام اور معروف قاعدہ ہے اس طرح کی روایتیں آیت کے کسی ایک موقع ومحل کی نشاندہی کرتی ہیں، آیت کا کل مصداق اور اس کا کامل مدلول نہیں ہوتیں۔ شاید یہی وجہ ہے جو امام رازیؒ نے آیت پر گفتگو کرتے ہوئے تمہید ہی میں یہ بات واضح کردی ہے کہ:

امر المؤمنین فی هذه	اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں
الآیه باداء الامانات فی جمیع	کو حکم دیا ہے کہ وہ جملہ معاملاتِ زندگی
الامور سواء کانت تلك الامور	کے سلسلے میں امانتوں کی حوالگی کا اہتمام
من باب المذاهب و	کریں، خواہ یہ معاملات دین و مذہب
الدیانات او من باب	کی باتوں سے تعلق رکھنے والے ہوں یا
الدنیا والمعاملات۔ [1]	دنیا اور اس کے امور و مسائل سے۔

آگے فتح مکہ کے وقت عثمان بن طلحہ متولی کعبہ کو اس کی کنجی حوالے کیے جانے کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اعلم ان نزول هذه الآیة	جاننا چاہیے کہ اس آیت کا نزول اس
عند هذه القصة لا یوجب	واقعے کے وقت اس بات کو مستلزم نہیں
کونها مخصوصة بهذه	ہے کہ یہ چیز اسی واقعہ کے ساتھ خاص
القصه بل یدخل فیه جمیع	ہو۔ بلکہ اس کے اندر ہر نوع اور تمام طرح
انواع الامانة [2]	کی امانتیں شامل ہیں۔

اس آیت پر بحث کرتے ہوئے دوسرے مفسرین کرام نے بھی بعینہٖ یہی بات کہی ہے[3]۔

آیت میں مذکورہ امانت پر امام رازیؒ نے بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اس کا مدلول زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام معاملات کو حاوی ہے۔ ہم یہ پوری بحث انہی کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں:

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳/۲۴۶۔ [2] حوالۂ سابق/۲۴۷۔

[3] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، جامع البیان ۵/۸۶، تفسیر ابن کثیر ۱/۵۱۶ اور تفسیر الجلالین/۱۱۱۔ طبع جدید۔

Marfat.com

واعلم ان معاملة الانسان اما ان تكون مع ربه او مع سائر العباد او مع نفسه ولا بد من رعاية الامانة فی جمیع هذه الاقسام الثلثة (اما رعاية الامانة مع الرب) فهی فی فعل المأمورات وترك المنهيات وهذا بحر لا ساحل له۔ قال ابن مسعودؓ الامانة فی کل شئ لازمة فی الوضوء فی الجنابة والصلوٰة والزکوٰة والصوم وقال ابن عمر رضی الله عنهما ان الله تعالیٰ خلق فرج الانسان وقال هذا امانة خبأتها عندك فاحفظها الا بحقها واعلم ان هذا باب واسع فامانة اللسان ان لایستعمله فی الكذب والغيبة والنميمة والكفر والبدعة والفحش وغيرها وامانة العين الا يستعملها فی النظر الی الحرام

جاننا چاہئے کہ انسان کا معاملہ یا تو اپنے رب سے ہوگا، یا بندگانِ خدا سے ہوگا یا اپنی ذات سے ہوگا۔ اور ضروری ہے کہ ان تینوں ہی دائروں میں امانت کا پاس و لحاظ رکھا جائے۔ (جہاں تک رب کے ساتھ امانت کے پاس و لحاظ رکھنے کا سوال ہے) تو اس کا تعلق جملہ اوامر کی انجام دہی اور نواہی سے اجتناب سے ہے۔ اور یہ وہ سمندر ہے جو ساحل ناآشنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ امانت کا لحاظ کرنا ہر چیز میں ضروری ہے۔ وضو میں، جنابت میں، نماز میں، زکوٰۃ میں، روزہ میں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی شرمگاہ کو پیدا کیا تو فرمایا کہ یہ امانت ہے جسے میں نے تمہارے پاس چھپا کر رکھا ہے تو تم اس کی پوری پوری نگہداشت رکھو۔ ناحق صورت میں اس کی مہر کبھی نہ کھلے۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ ایک بڑا وسیع باب ہے۔ پس زبان کی امانت یہ ہے کہ آدمی اسے جھوٹ، غیبت، چغل خوری، کفر و فسق، بدعت، فحش گوئی و فحش کلامی وغیرہ کسی چیز میں استعمال نہ کرے۔ اسی

والامانة السمع ان لا يستعمله في سماع الملاهي والمناهي وسماع الفحش والاكاذيب وغيرها وكذا القول في جميع الاعضاء (واما القسم الثاني) وهو رعاية الامانة مع سائر الخلق فيدخل فيه رد الودائع ويدخل فيه ترك التطفيف في الكيل والميزان ويدخل فيه ان لا يفشي على الناس عيوبهم ويدخل فيه عدل الامراء مع رعيتهم وعدل العلماء مع العوام بان لا يحملوهم على التعصبات الباطلة بل يرشدونهم الى اعتقادات واعمال تنفعهم في دنياهم

طرح آنکھ کی امانت ہے کہ اسے کسی حرام چیز کے دیکھنے میں استعمال نہ کرے، کان کی امانت یہ ہے کہ اسے لہو ولعب کی چیزوں، ممنوعات، فحش اور بے سروپا باتوں کے سننے میں استعمال نہ کرے۔ یہی بات دوسرے تمام اعضاء کے سلسلے میں بھی صادق آتی ہے۔ (رہا دوسرا دائرہ) یعنی خلق خدا کے ساتھ امانت کا پاس ولحاظ تو اس کے اندر امانت رکھی ہوئی چیزوں کی واپسی شامل ہے۔ اسی طرح اس کے اندر ناپ تول کی کمی کو چھوڑنا شامل ہے۔ نیز اسی میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ لوگوں کے سامنے ان کی عیوب کی پردہ دری نہ کرے۔ حکومت کے ذمہ دار رعایا کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لیں، علماء عوام کے ساتھ عدل وانصاف کی روش پر عمل پیرا ہوں اس طور پر کہ انھیں غلط اور بے جا تعصبات پر آمادہ نہ کریں بلکہ ان کی ان عقائد واعمال کی طرف رہنمائی کریں جو دنیا وآخرت ہر جگہ انھیں فائدہ پہنچانے والے ہوں، یہ سب چیزیں بھی اسی کے اندر شامل ہیں۔ پھر اسی میں شامل ہے کہ یہود کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

Marfat.com

واخراهم ويدخل فيه
نهي اليهود عن كتمان امر
محمد صلى الله عليه وسلم و
نهيهم عن قولهم للكفار ان
ما انتم عليه افضل من دين محمد
صلى الله عليه وسلم ويدخل
فيه امر الرسول عليه الصلوٰة
والسلام برد المفتاح الى عثمان
بن طلحة ويدخل فيه امانة
الزوجة للزوج في حفظ فرجها
وان لا تلحق بالزوج ولدا
يولد من غيره وفي
اخبارها عن انقضاء
عدتها (واما القسم الثالث)
وهو امانة الانسان
مع نفسه فهو ان لا
يختار لنفسه الا ما هو
الانفع والاصلح له
في الدين والدنيا
وان لا يقدم بسبب
الشهوة والغضب على
ما يضره في الاخرة
ولهذا قال عليه

کے) معاملہ کو چھپانے سے منع کیا جائے
نیز انھیں کفار کی بابت یہ کہنے سے منع
کیا جائے کہ تم جس طریقے پر ہو وہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے افضل ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خانۂ کعبہ
کی) کنجی کو عثمان بن طلحہؓ کو واپس کرنے کا
حکم دیا یہ بھی اسی میں شامل ہے۔ بیوی
کے پاس شوہر کی جو امانت ہے کہ وہ اپنی
شرمگاہ کی حفاظت کرے اور شوہر سے کسی ایسے
لڑکے کو منسوب نہ کرے جو کسی اور کے نطفہ
سے ہو۔ اسی طرح (طلاق کی صورت میں)
اپنی عدت کی مدت کے ختم ہو جانے کا ٹھیک
ٹھیک پتہ دے، یہ سب باتیں بھی اسی
کے اندر شامل ہیں۔ (رہا تیسرا دائرہ) اور
وہ ہے انسان کا اپنی ذات کے ساتھ
امانت کی روش پر عمل پیرا ہونا ہو تو اس
کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے
اسی چیز کا انتخاب کرے جو دین و دنیا ہر
ایک کے لحاظ سے اس کے لئے زیادہ
سے زیادہ نفع مند اور مناسب حال ہو۔
اور شہوت اور غصہ سے مغلوب ہو کر کوئی
ایسا اقدام نہ کرے جو اسے آخرت میں
نقصان پہنچانے والا ہو۔ اسی لئے رسول

Marfat.com

الصلوۃ والسلام کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فقولہ "یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰی أَھْلِھَا" یدخل فیہ الکل وقد عظم اللہ امر الامانۃ فی مواضع کثیرۃ من کتابہ فقال "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ" وقال "وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ" وقال "وَلَا تَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ" وقال علیہ الصلوۃ والسلام لا ایمان لمن لا امانۃ لہ وقال میمون بن مھران ثلاثۃ یؤدین الی البر والفاجر الامانۃ

خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں ہر کوئی چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے گلے کی بابت باز پرس ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کا قول کہ "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو، اس کے اندر یہ تمام ہی باتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دوسرے بہت سے مواقع پر امانت کے معاملہ کو بہت بڑھا کر پیش کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ "ضرور ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈری رہیں۔ البتہ انسان نے اسے اٹھالیا" نیز فرمایا "اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد وپیمان کا پاس ولحاظ رکھنے والے ہیں" مزید ارشاد ہوا: (اے لوگو جو ایمان لائے ہو) اپنی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب مت کرو" اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں" میمون بن مہران (صحابیؓ) کا کہنا ہے کہ تین چیزیں ہیں جو نیک اور بد ہر ایک کے حوالے کی جائیں گی

Marfat.com

د العهد و صلة الرحم ۔ [1] امانت، عہد و پیمان اور رشتہ کا حق ۔

امارت و خلافت کا قیام

زندگی میں امانتوں کے لحاظ کے اس وسیع تصور کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کے علم برداروں کے ہاں امارت و خلافت کا نظام قائم ہو۔ اس لیے کہ اس کے بغیر بے لاگ طریقے پر امانتوں کی ادائیگی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ انفرادی دائرے کی امانتوں کی ادائیگی اگر اس کے بغیر ہو بھی جائے تو اجتماعی دائروں کی امانتوں کی ادائیگی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ معاشرے کے اندر ہر آدمی کو اس کا لازمی حق مل جائے یہ چیز ناگزیر طور پر اپنے لیے حکومت و اقتدار کی قوت کا مطالبہ کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جو اگلی آیت میں خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اہلِ ایمان کو اپنے اصحاب امر (اولوالامر) کی اطاعت کا حکم فرمایا جس سے صاف طور پر اس امت کے لیے نصب امامت کا وجوب ثابت ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي	کی اور رسول کی اور اپنے میں سے اصحاب
الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۔ (نساء: ۵۹)	امر کی ۔

بہت سے اربابِ تفسیر نے آیت میں مذکور "اولوالامر" سے مراد اہلِ علم اور علماء و فقہاء لئے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد امراء اور اربابِ اقتدار ہیں۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے اسی تاویل کو راجح قرار دیا ہے:

واولى الاقوال في ذلك	اس سلسلے میں سب سے زیادہ باوزن
بالصواب قول من	اور درست بات انھیں لوگوں کی ہے جو
قال هم الامراء	کہتے ہیں کہ ان سے (اولوالامر سے) مراد
والولاة ۔ [2]	امراء اور ولاۃ (اربابِ اختیار و اقتدار) ہیں۔

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳/ ۲۴۷ ۔ [2] جامع البیان: ۵/ ۸۹ ۔ صاحب جلالین نے (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بے شمار روایات سے ہوتی ہے جن میں آپؐ نے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی اسی طرح امارت وخلافت کے نظام سے خالی شخص کی موت کو "جاہلیت کی موت" قرار دیا ہے۔[۱]

قرآن وسنت کی ان تعلیمات کا تقاضا ہے کہ مسلمان امت کے اندر ہر زمانے اور تمام حالات میں امارت وخلافت کا نظام قائم ہو۔ اور کسی نہ کسی نوعیت کے حکومت وسیاست کے نظام سے وہ کسی حال میں خالی نہ رہے۔ چنانچہ فقہ ہو کہ کلام ہر جگہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ امت کے دنیا و آخرت کے بے شمار مصالح اور مفادات ہیں جن کا تحفظ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اس کے اندر امامت وخلافت کا نظام قائم ہو۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ اسے اسلامی عقائد کی ایک اہم ترین دفعہ قرار دیا گیا ہے۔ عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

والمسلمون لابد لهم من	اور ناگزیر ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک امام
امام يقوم بتنفيذ احكامهم	اور والی ہو جو ان کے لیے احکام کا نفاذ عمل
واقامة حدودهم وسد	میں لائے، ان کے درمیان حدود اللہ کو
ثغورهم واخذ صدقاتهم	قائم کرے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے
وقهر المتغلبة والمتلصصة	اور ان کے لشکروں کی روانگی کا اہتمام کرے۔
وقطاع الطريق واقامة	ان کے صدقات وزکوٰۃ کی وصولیابی کرے۔ اور
الجمع والاعياد وقطع	سرکشوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کرے
المنازعات الواقعة بين	اور جمعوں اور عیدوں کو قائم کرے اور لوگوں کے
العباد وقبول الشهادات	درمیان جو جھگڑے کھڑے ہوں ان کا فیصلہ کرے
القائمة على الحقوق وتزويج	اور گواہیوں کو قبول کرے جن سے کہ (لوگوں کے)
الصغار والصغائر الذين	حقوق ثابت ہوتے ہوں۔ نیز ان کمسن لڑکوں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) بھی اولوالامر کی یہی تفسیر کی ہے۔ تفسیر الجلالین: ۱۱۱ –

[۱] ان روایات کے لیے ملاحظہ کیجیے تفسیر ابن کثیر: ۵۱۷/۱ - ۵۱۸ بحوالہ بخاری ومسلم

Marfat.com

لا اولياء لهم وقسمة الغنائم [1]	اور لڑکیوں کی شادی کرے جن کا کوئی ولی نہ ہو اور اموال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کا انتظام کرے۔

مسلمان اکثریت میں ہوں لیکن کسی وجہ سے ان پر کفار و مشرکین کا غلبہ ہو جائے یا وہ اقلیت میں ہو کر مستقل طور پر اغیار کی محکومی و ماتحتی میں زندگی بسر کر رہے ہوں، جیسا کہ آج دنیا کے بہت سے ملکوں کا معاملہ ہے، تو اس صورت میں بھی محدود مقاصد کے لیے سہی مسلمانوں کے لیے اپنے لیے امام اور والی کا تقرر کرنا لازم ہے جیسا کہ فقہ حنفی کے اہم ترین مرجع 'در مختار' میں صراحت ہے:

ولو فقد وال لغلبة الكفار وجب على المسلمين تعيين وال وامام للجمعة [2]	اور اگر کفار کے غلبہ و تسلط کے باعث کوئی حاکم نہ رہ جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ (اپنے لیے) کوئی حاکم اور جمعہ کے لیے کسی امام کی تقرری عمل میں لائیں۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی کہتے ہیں:

واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا منهم [3]	رہے وہ علاقے جہاں کافر حکمرانوں کا قبضہ ہو تو وہاں مسلمانوں کے لیے (اپنے طور پر) جمعوں اور عیدوں کا قائم کرنا جائز ہوگا اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی قاضی قرار پائیگا۔ ایسے میں ان کے لیے واجب ہوگا کہ وہ اپنے میں سے کسی حاکم کی تلاش کریں۔

مزید فرماتے ہیں:

واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض	البتہ جب کوئی بادشاہ یا خلیفہ (سلطان) یا کوئی دوسرا (ذمہ دار) نہ ہو جس کی طرف سے

---

[1] شرح العقائد النسفیہ/ ۱۱۰ - کتب خانہ رشیدیہ دہلی -

[2] در المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/ ۴۲۷ - مطبعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۲۷ھ

[3] رد المحتار مع الدر المختار، حوالہ سابق

بلاد المسلمین کقرطبة الآن یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا و یکون هو الذی یقضی بینهم وکذا ینصبوا اماما یصلی بهم الجمعة [۱]

مناصب کا تفویض کیا جانا جائز ہو جیسا کہ مسلمانوں کے بعض علاقوں میں اس وقت ہے جیسے کہ قرطبہ تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں جسے وہ اپنا حاکم قرار دے لیں چنانچہ وہ ان کے لیے قاضی مقرر کرے اور یہی (قاضی) ہوگا جو ان کے درمیان تمام معاملات کا فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح ان کے اوپر واجب ہوگا کہ وہ (اپنے لیے) ایک امام مقرر کریں جو انھیں جمعہ کی نماز پڑھائے۔

اور آخر میں اسی رائے کو سب سے زیادہ پسندیدہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

وهٰذا هو الذی تطمئن النفس الیه فلیعتمد [۲]

یہی بات ہے جس پر دل ٹکتا ہے چنانچہ اسی پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

قرآن وسنت کے دوسرے بہت سے نصوص سے بھی علمار امت نے اس امت کے اندر ہر زمانے میں تمام حالات میں امامت وخلافت کے وجوب کو ثابت کیا ہے۔[۳]

علمار امت کی تصریحات درباب شریعت و مقاصد شریعت

دین میں رجوع الی اللہ، ذکر و دعار، توبہ و استغفار، استحضار آخرت، حسن سلوک اور خدمت خلق وغیرہ انفرادی نوعیت کی حامل دفعات کی مسلمہ اہمیت کے اعتراف کے ساتھ اس کے اجتماعی ابواب کی اس جھلک کا صاف تقاضا ہے کہ اسلام کے مطلوب و مقصود کو یکساں طور پر دنیا و آخرت تک حاوی قرار دیا جائے۔ اور اسلام کے مقاصد کے بیان میں کسی افراط وتفریط و بے احتیاطی و بے اعتدالی کو روا نہ رکھتے ہوئے زندگی کے جملہ امور و مسائل اور معاش و معاد کے ہمہ جہتی فوائد و منافع کو اس کے اندر شامل رکھا جائے۔ موجودہ دور میں محدود تصور مذہب کے دھواں دھار پروپیگنڈے کے شور و غوغا میں ہو سکتا ہے آج کانوں کے لئے یہ چیز کچھ اجنبی اور نامانوس ہو ورنہ علمائے امت نے شریعت اسلامی کو ہمیشہ سے اسی وسعت اور عموم کا حامل قرار دیا ہے۔ شریعت کے مطلوب و مقصود کے بیان میں علامہ ابن قیمؒ کے یہ الفاظ سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

---

[۱] حوالۂ مذکور [۲] حوالہ سابق [۳] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہمارے مقالے "مسلمان اقلیتوں کا مطلوبہ کردار اور اتحاد واجتماعیت کی تعلیم اور نصب امامت کا وجوب" کی بحث، مطبوعہ زندگی نو، نئی دہلی جون ۱۹۸۶ء تا جنوری ۱۹۸۷ء

Marfat.com

فان الشریعة مبنھا واساسھا علی الحکم والمصالح فی المعاش والمعاد، وھی عدل کلھا، ورحمة کلھا، ومصالح کلھا، وحکمة کلھا۔ ؎۱

اس لئے کہ شریعت کا اصل الاصول اور اس کی بنیاد ہی حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے جن کا تعلق دنیا و آخرت (معاش و معاد) ہر ایک سے ہے۔ اور اس کے تمام قوانین سراپا عدل، یکسر رحمت، یکسر مصلحت اور یکسر حکمت ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

فالشریعة التی بعث اللہ بھا رسولہ ھی عمود العالم وقطب الفلاح والسعادة فی الدنیا والاٰخرة۔ ؎۲

پس شریعت جسے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے آخری) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اس عالم آب و گل کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور دنیا و آخرت ہر ایک کی نسبت سے انسان کی فلاح و سعادت اور خوش بختی و کامرانی اسی ایک کھونٹے سے بندھی ہوئی ہے۔

علمائے اصول کے سرخیل امام شاطبی غرناطیؒ بھی شریعت کا مقصود علی الاطلاق بندوں کے مصالح کا تحفظ قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ محور ہے جس کے گرد اس کے احکام کا تمام نظام گردش کرتا ہے:

وذلك ان المعلوم من الشریعة انھا شرعت لمصالح العباد، فالتکلیف کلہ اما لدرء مفسدة واما لجلب مصلحة او لھما معاً۔ ؎۳

یہ اس لئے ہے کہ شریعت کی نسبت سے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بندوں کی ہمہ جہتی مصالح کے لئے وضع کی گئی ہے۔ پس اس کا جو کوئی حکم ہے یا تو وہ کسی مصلحت کے حصول کے لئے ہے یا کسی برائی (مفسدہ) کے دفع کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ پھر دونوں ہی باتیں اس کے اندر شامل ہوتی ہیں۔

؎۱ اعلام الموقعین: ۳/۳۔ طبع دار الجیل بیروت ؎۲ حوالہ سابق۔

؎۳ الموافقات فی اصول الشریعة: ۱/ ۱۹۹۔

Marfat.com

دوسرے مقام پر شریعت کے مختلف احکام کے حوالے سے علامہ موصوف نے یہی بات کہی ہے:

ان القاعدة المقررة ان الشرائع انما جيء بها لمصالح العباد۔ فالامر والنهي والتخيير جميعا راجعة الى حظ المكلف ومصالحه، لان الله غني عن الحظوظ ومنزه عن الاغراض۔[1]	جو بات طے ہے وہ یہ کہ شریعت کے تمام احکام بندوں کی ہمہ جہتی مصالح کے لئے آئے ہیں۔ پس اگر کسی بات کا حکم دیا گیا ہے، کسی بات سے منع کیا گیا ہے یا کسی بات کا اختیار دیا گیا ہے تو یہ تمام ہی باتیں انسان (مکلف) کی غرض اور اس کے فائدے اور مصالح کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ احتیاجات و مفادات (حظوظ) سے بے نیاز اور اس کی ہستی اغراض و منافع سے پاک اور منزہ ہے۔

عقائد میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے پاس ان کے لئے دین و دنیا کے جملہ امور کی وضاحت کے لئے آتے ہیں[2] جب کہ عام انسانوں کی عقل اپنے تئیں دنیا و آخرت کے مصالح کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے۔[3]

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جیسا کہ اشارہ کیا گیا شریعت کے ان ہمہ جہتی مقاصد کا صریح تقاضا ہے کہ اسے حکومت و اقتدار کی قوت حاصل ہو۔ اس لئے کہ اس کے بغیر وہ معاشرے میں اپنے مقاصد کی آبیاری اور انھیں روبکار لانے کا سامان نہیں کر سکتی۔ اگر یہ درست ہے کہ آخرت کے ساتھ

---

[1] الموافقات: ۱/۱۴۸ا۔ [2] شرح العقائد النسفیہ / ۹۸۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی (بدون سنہ) [3] حوالۂ سابق / ۹۷۔

Marfat.com

اس دنیا کے واقعی اور حقیقی مفادات کے حصول کی ایک ہی ضمانت ہے کہ زندگی کے تمام دائروں میں آخری اسلامی شریعت کو دانتوں سے پکڑا جائے، جس سے ہٹ کر اور جس سے بے نیاز ہو کر ان مصالح و مقاصد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تو اس کا لازمی اور صریح تقاضا ہے کہ اس شریعت کو حکومت واقتدار کی طاقت حاصل ہو۔ جس کی بدولت وہ انسانی معاشرہ میں اپنے فیصلوں کو روبہ عمل لائے اور اس سلسلے میں اسے کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہ رہے اگر سیاست دنیا میں عدل وانصاف کی حکمرانی کا چلن چاہتی ہے تو اس کے لئے اس دین کو اپنائے بغیر چارہ نہیں۔ جس طرح کہ یہ دین اپنے ہمہ جہت مقاصد کے حصول کے لئے سیاست کے ادارے کا حاجت مند ہے۔

دین و سیاست کے اس باہمی ناگزیر رشتے کو حافظ ابن قیمؒ نے بدیں الفاظ واضح کیا ہے:

ومن له ذوق في	اور جو کوئی بھی شریعت کا ذوق آشنا
الشريعة واطلاع	ہے اور اسے اس کے امتیازات اور خوبیوں
على كمالاتها و	کا پتہ ہے نیز وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا و
انها نهاية مصالح	آخرت (معاش و معاد) ہر ایک کی
العباد في المعاش	نسبت سے بندوں کے ہمہ جہتی مصالح
والمعاد ومجيئها	کی غرض سے آئی ہے اور وہ عدل و
بغاية العدل	انصاف کا نقطۂ کمال لے کر آئی ہے
الذي يفصل	جس کے ذریعہ وہ بے لاگ طریقے پر
بين الخلائق	خلق خدا کے درمیان اپنے فیصلے صادر
وانه لا عدل	کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر عدل و
فوق عدلها	انصاف کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ نہ جو
ولا مصلحة فوق	مصلحتیں اس کے احکام میں مضمر ہیں
ما تضمنه من	اس سے بڑھ کر کوئی مصلحت ہو سکتی ہے
المصالح وعرف	جس شخص کو اس بات کا پتہ ہو گا وہ جان

Marfat.com

ان السياسة العادلة جزء من اجزائها وفرع من فروعها وان من له معرفة بمقاصدها ومواضعها وحسن فهمه فيها لم يحتج معها الى سياسة غيرها البتة ۔ [1]

لے گا کہ عدل وانصاف کی علم بردار سیاست (سیاستِ عادلہ) بھی اسی کا ایک ناگزیر جزء اور اس کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ اسی طرح جس کسی کو اس کے مقاصد سے واقفیت ہو گی اور وہ انھیں ٹھیک ان کی جگہوں پر رکھ کر دیکھ سکے گا اور انھیں ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور ان کی گہرائی تک اترنے کا حق ادا کر سکے گا۔ تو اس کے بعد اسے کسی دوسری سیاست کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اور وہ ہرگز کسی دوسری سمت نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔

جب کہ ان سے پہلے ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ صاف آگاہی دے گئے ہیں کہ دین سیاست سے جدا ہوا نہیں کہ فتنہ و فساد کے دروازے کا کھل جانا یقینی ہے:

فاذا كان المقصود بالسلطان والمال هو التقرب الى الله وانفاق ذلك في سبيله كان ذلك صلاح الدين والدنيا، وان انفرد السلطان عن الدين او الدين عن السلطان

پس جب اقتدار اور مال کا مقصد اللہ کی قربت اور اسے اس کے راستے میں لگانا ہو تو یہ دین و دنیا ہر ایک کی بہتری کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ اقتدار دین سے جدا ہو جائے یا دین کا اقتدار سے رشتہ باقی نہ رہے تو پھر لوگوں کے معاملات خراب ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔ (بلکہ دن بدن

---

[1] الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ / ۴، ۵۔

Marfat.com

فسدت احوال الناس ؎ حالت بد سے بدتر ہوتی جائے گی)۔

دین کا غلبہ و نفاذ

شریعت اسلامی کے ان ہمہ جہت مقاصد کا دوسرا صریحی تقاضا ہے کہ کسی خاص گروہ یا طبقے تک محدود نہ ہو کر اس کا فیض پوری دنیائے انسانیت تک وسیع ہو۔ یہی وجہ ہے جو قرآن میں یہ خدائی اعلان ہمیں ایک سے زائد بار سننے کو ملتا ہے کہ دنیا کے تمام کافروں اور مشرکوں کی مرضی کے علی الرغم اس دین کو جملہ ادیان و مذاہب اور تمام نظامہائے زندگی پر بہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء نصیب ہو کر رہے گا:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔
(التوبہ: ۳۲-۳۳)

اہل کتاب یہود و نصاریٰ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ (کے دین) کی روشنی کو بجھا دیں اپنے منہ کی پھونکوں سے۔ جب کہ اللہ کو اس کے سوا ہر بات سے انکار ہے کہ وہ اپنے (دین کی) روشنی کو پورا کر کے رہے گا۔ خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر غالب کر دے۔ خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

اسلام کے دشمن چاہتے ہیں کہ اللہ کے (دین کی) روشنی کو بجھا دیں اپنے منہ کی

؎ السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ/۱۶۶۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ	پھونکوں سے ۔ حالانکہ اللہ اپنے دین
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔	کی روشنی کو ضرور پورا کر کے رہے گا خواہ
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ	یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اسے جملہ
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔	غالب کر دے۔ خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی
(صف: ۸-۹)	ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اسے جملہ
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِا	پر غالب کر دے ۔اور (یہ چیز ہو کر رہے گی
للّٰهِ شَهِيْدًا (فتح : ۲۸)	اس پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ اس دین کا غلبہ و استیلاء دنیا کے دوسرے تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی اور پورے خطۂ ارضی اور کافر و مسلم تمام طبقات کے لئے ہے:

(لیظہرہ علی الدین	(تاکہ اسے غالب کر دے پوری جنس
کلہ) ای علی جمیع	دین پر) یعنی تمام ادیان و مذاہب اور
اہل الادیان من	نظامہائے زندگی کے پرستاروں پر خواہ
سائر اہل الارض من	ان کا تعلق زمین کے کسی خطہ سے ہو ۔اور
عرب وعجم و مسلمین	وہ کسی نسل اور طبقے سے تعلق رکھنے والے
و مشرکین۔ [1]	ہوں (عرب ہوں کہ عجم، مسلمان ہوں کہ مشرک ہوں)

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲۰۲/۴۔

Marfat.com

جہاد و قتال

جس کے حصول کی بس ایک ہی صورت ہے کہ یہ امت اس دین اور اس کے جملہ تقاضوں پر کما حقہٗ عمل کرنے کے ساتھ پوری دنیا پر اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دے۔ حق کی جویا اور سلیم الفطرت طبائع کے لئے وہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کے ذریعہ اس دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرے۔ اور شر پسند اور کج مزاج لوگوں کو بزور شمشیر راستے سے ہٹا دے تاکہ وہ اپنے طور پر جیسے چاہیں شرک و بت پرستی اور دہریت و الحاد کی آگ میں گرے رہیں لیکن دوسرے بندگان خدا کو انھیں اس کھڈ میں گرانے کا کوئی موقع نہ رہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ (بقرہ: ۱۹۳)	اور دین کے دشمنوں سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ دین سے ہٹانے اور اس کے سبب ظلم کرنے اور ستانے (فتنہ) کا کوئی موقع نہ رہے۔ اور اطاعت (خالص) اللہ کے لئے ہو جائے۔
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (انفال: ۳۹)	اور دین کے دشمنوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ دین سے ہٹانے اور اس کے سبب ظلم کرنے اور ستانے (فتنہ) کا کوئی موقع نہ رہے۔ اور اطاعت پوری کی پوری (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے۔

آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ نے صراحت کی ہے کہ اس حکم کا تعلق صرف دورِ اول کے مسلمانوں اور جزیرہ عرب سے ہی نہیں ہے۔ بعد کے ادوار اور زمانوں کے لئے بھی اس کا اطلاق اسی طرح عام ہے۔ مسلمان اُمت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقصائے عالم سے کفر و شرک کا خاتمہ عمل میں لائے۔ ورنہ کم از کم اس جد و جہد میں لگی رہے تاآنکہ بعد کے مراحل میں بحکم ایزدی اس کا سامان ہو سکے[1]

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین صلاۃ وسلاما دائما کثیرا الیٰ یوم الدین۔ آمین

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳۸۱/۴۔

Marfat.com

مآخذ و مصادر

(عربی)

۱ـــــ قرآن حکیم

۲ـــــ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری م: ۳۱۰ھ جامع البیان فی تفسیر القرآن، مطبعہ میمنہ، مصر، مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ۔

۳ـــــ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری م: ۵۳۸ھ الکشاف عن حقائق التنزیل، مطبعہ لیسی کلکتہ ۱۲۷۶ھ

۴ـــــ محمد الرازی فخر الدین م: ۶۰۶ھ مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر، مطبعہ ازہریہ، مصر ۱۳۰۸ھ

۵ـــــ عبداللہ بن عمر البیضاوی م: ۶۸۵ھ انوار التنزیل و اسرار التاویل المعروف بالبیضاوی، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند،

۶ـــــ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بالخازن م ۷۴۱ھ: لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بالخازن، مطبعہ التقدیم العلمیۃ، مصر

۷ـــــ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری: متوفی آخر نویں صدی ہجری (صحیح سن وفات نامعلوم) غرائب القرآن و رغائب الفرقان علی ہامش ابن جریر، مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ

۸ـــــ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی م: ۷۷۴ھ تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء۔

۹ـــــ جلال الدین محمد بن احمد المحلی م: ۸۶۴ھ اور جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی م: ۹۱۱ھ: تفسیر الجلالین دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، طبعہ اولیٰ

۱۰ـــــ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی م: ۹۱۱ھ الدر المنثور فی التفسیر الماثور،

Marfat.com

المکتبۃ الاسلامیۃ، طہران

۱۱۔۔۔ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی م: ۱۲۷۰ھ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔ (مصر) ۱۳۵۳ھ

۱۲۔۔۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی م: ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳۔۔۔ سید محمد رشید رضا م ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء تفسیر المنار، مطبعہ المنار، مصر، طبع اولی ۱۳۴۶ھ

۱۴۔۔۔ سید قطب م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء فی ظلال القرآن، طبع خامس ۱۹۶۷ء

۱۵۔۔۔ عبدالحمید فراہی م: ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء تفسیر سورۃ العصر۔ فیض عام علی گڑھ ۱۳۲۶ھ

۱۶۔۔۔ ابوالقاسم حسین بن محمد الراغب الاصفہانی م: ۵۰۲ھ المفردات فی غریب القرآن، مطبعہ میمنیہ، مصر

۱۷۔۔۔ عبدالحمید فراہی م: ۱۳۴۹ھ مفردات القرآن، دائرہ حمیدیہ، مطبعہ الاصلاح سرائے میر الہند ۱۳۵۸ھ

۱۸۔۔۔ السیوطی م: ۹۱۱ھ لباب النقول فی اسباب النزول علی ہامش الجلالین۔ طبع مذکور

۱۹۔۔۔ عبدالحمید الفراہی م: ۱۳۴۹ھ حواشی الفراہی علی القرآن المجید۔ غیر مطبوع

۲۰۔۔۔ 〃 〃 الاتقان فی علوم القرآن، طبع ازہریہ، مصر ۱۹۲۵ء، طبع ثانیہ

۲۱۔۔۔ محمد بن اسماعیل البخاری م: ۲۵۶ھ صحیح البخاری، اصح المطابع دہلی ۱۹۳۸ء

۲۲۔۔۔ ابوالحسین مسلم بن الحجاج النیشاپوری م: ۲۶۱ھ، صحیح المسلم، اصح المطابع دہلی

۲۳۔۔۔ سلیمان بن اشعث ابوداؤد السجستانی م: ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد۔ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۵ھ

۲۴۔۔۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م: ۲۷۹ھ جامع الترمذی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

۲۵۔۔۔ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن بحر النسائی م: ۳۰۳ھ سنن نسائی۔ مطبع مجتبائی۔ دہلی

۲۶۔۔۔ ابوعبداللہ بن ماجہ القزوینی م: ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ۔ اصح المطابع۔ لکھنؤ

۲۷۔۔۔ ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی م: ۲۵۵ھ سنن دارمی علی ہامش المنتقی لابن تیمیہ الحرانی۔ دہلی

۲۸۔۔۔ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل م: ۲۴۱ھ مسند احمد بن حنبل وبہامشہ منتخب کنز العمال

Marfat.com

فی سنن الاقوال والافعال، المطبعۃ المیمنیہ، مصر ۱۳۱۳ھ

۲۹۔۔۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی م بعد ۷۳۷ھ کے بعد (صحیح تاریخ وفات نامعلوم)
مشکوٰۃ المصابیح۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی مطبوعہ اصح المطابع

۳۰۔۔۔ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی م ۶۷۶ھ ریاض الصالحین، مطبوعہ بابی حلبی،
مصر، ۱۹۳۸ء

۳۱۔۔۔ شہاب الدین محمد بن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ فتح الباری، مطبعہ خیریہ، مصر ۱۳۱۹ھ طبعہ اولی

۳۲۔۔۔ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی م ۶۷۶ھ شرح مسلم مع صحیح المسلم۔ اصح المطابع۔ دہلی

۳۳۔۔۔ عبدالرحمٰن مبارکپوری م ۱۳۵۳ھ تحفۃ الاحوذی مع جامع الترمذی۔ جید برقی پریس۔ دہلی

۳۴۔۔۔ محمد بن علی ابن محمد الشوکانی م ۱۲۵۵ھ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ
۱۳۴۴ھ طبع دوم

۳۵۔۔۔ مجد الدین ابوالسعادات المعروف بابن الاثیر م ۶۰۶ھ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر
وبہامشہ الدرا لنثیر للسیوطی، مطبعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۱۱ھ۔ تصحیح عبدالعزیز بن اسماعیل الطحطاوی

۳۶۔۔۔ محمد ناصر الدین الالبانی : سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، المکتب الاسلامی (بیروت)

۳۷۔۔۔ 〃 〃 سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، 〃

۳۸۔۔۔ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۲ھ کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث
علی السنۃ الناس، دار احیاء التراث الوبی، بیروت۔ طبعہ ثانیہ ۱۳۵۱ھ

۳۹۔۔۔ شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث الدہلوی م ۱۱۷۴/۷۶ھ حجۃ اللہ البالغہ۔
کتب خانہ رشیدیہ۔ دہلی

۴۰۔۔۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ م ۷۲۸ھ مجموع فتاویٰ الشیخ الاسلام ابن تیمیہ ترتیب
عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد الریاسۃ العامۃ لشؤون الحرمین الشریفین، السعودیۃ

۴۱۔۔۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ م ۷۲۸ھ اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم تحقیق و
تعلیق: دکتور، ناصر بن عبدالکریم العقل۔ طبعہ اولی ۱۴۰۴ھ۔ وقف للہ من الامیر
سلطان بن عبدالعزیز۔

Marfat.com

۴۲ــــ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ م: ۷۵۱ھ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ مراجعت و تعلیق : طٰہٰ عبد الرزاق سعد۔ دار الجیل۔ بیروت

۴۳ــــ ابن القیم الجوزیہ م: ۷۵۱ھ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، مطبعۃ الآداب مصر ۱۳۱۷ھ

۴۴ــــ 〃 〃 الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، (بدون سنۃ)

۴۵ــــ تقی الدین ابن تیمیہ م: ۷۲۸ھ السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دار الکتاب العربی۔ مصر، طبعۃ ثالثۃ ۱۹۵۵ء

۴۶ــــ عبد الوہاب خلاف : علم اصول الفقہ، دار القلم، کویت ۱۹۸۳ء

۴۷ــــ ابو اسحاق الشاطبی م: ۷۹۰ھ ابراہیم بن موسیٰ اللخمی م: ۷۹۰ھ الموافقات فی اصول الشریعۃ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر

۴۸ــــ شیخ الاسلام بن تیمیہ م: ۷۲۸ھ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح مطابع المجد التجاریۃ

۴۹ــــ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مرتبہ: احمد شنتاوی اور ابراہیم زکی خورشید، مطبعۃ الاعتماد، مصر۔

۵۰ــــ محمد فواد عبد الباقی : مفتاح کنوز السنۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۳ھ

۵۱ــــ المعلم عبد الحمید الفراہی م: ۱۳۴۹ھ التکمیل فی اصول التاویل، الدائرۃ الحمیدیۃ ومکتبۃ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ ۱۳۸۸ھ

۵۲ــــ محمد علاء الدین الحصکفی م ۱۰۸۸ھ: الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار، مطبعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۲۶ھ

۵۳ــــ محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی م ۱۲۵۲ھ: رد المحتار مع الدر المختار، محولہ بالا

۵۴ــــ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی م: ۷۶۲ھ نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ، المجلس العلمی، وابیل، سورت (الہند) طبعہ ثانیہ ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء

۵۵ــــ سعد الدین التفتازانی م: ۷۹۲ھ شرح العقائد النسفیۃ، کتب خانہ رشیدیہ دہلی (بدون سنۃ)

Marfat.com

اُردو

۵۶ـــ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی م ۱۲۳۰ھ : تفسیر موضح القرآن: تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور

۵۷ـــ سید ابوالاعلیٰ م: ۱۹۷۹ء : تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۵۸ـــ مولانا امین احسن اصلاحی : تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن لاہور، اور فاران فاؤنڈیشن لاہور

۵۹ـــ حمید الدین فراہی م: ۱۹۳۰ء تفسیر سورۃ ذاریات، ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی دائرۃ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، طبع اوّل

۶۰ـــ سید سلیمان ندوی م ۱۹۵۳ء : سیرۃ النبیؐ۔ دار المصنفین، اعظم گڑھ

۶۱ـــ سید ابوالاعلیٰ مودودی م: ۱۹۷۹ء : الجہاد فی الاسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۶۲ـــ محمد سلیمان سلمان منصور پوری م: ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء : رحمۃ اللعالمین مکتبہ رحمت، دیوبند

۶۳ـــ اے۔ ایچ۔ جانس ایم۔ اے : یورپ سولہویں صدی میں، ترجمہ مولوی رحیم الدین صاحب ایم۔اے۔ دار الطبع جامعہ عثمانیہ، سرکار عالی حیدرآباد۔ دکن

۶۴ـــ الور تھیپچر : تاریخ یورپ حصہ اوّل۔ ترجمہ مولوی عبدالماجد بی۔اے، نواب صدر یار جنگ بہادر اور قاضی تلمذ حسین، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، سرکار عالی حیدرآباد، دکن

۶۵ـــ ڈاکٹر جیمس ہاروی رابن سن : تاریخ مغربِ یورپ۔ مترجمہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا مکتبہ جامعہ اسلامیہ۔ دہلی

۶۶ـــ منوسمرتی : ترجمہ لالہ سوامی دیال صاحب، مطبع نول کشور۔ کانپور طبع دوم

۶۷ـــ کتاب مقدس : عہدنامہ قدیم وجدید۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور ۱۹۴۳ء

۶۸ـــ عبدالوحید خاں : عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۶۹ـــ صدرالدین اصلاحی : اسلام ایک نظر میں "

۷۰ـــ سید جلال الدین عمری : معروف ومنکر "

۷۱ـــ سلطان احمد اصلاحی : اسلام کا تصور مساوات "

۷۲ — محمد ابو زہرہ م: ۱۹۷۴ء: انسانی معاشرہ اسلام کے سائے میں۔ ترجمہ: سلطان احمد اصلاحی
مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

۷۳ — مولانا محمد عبدالشکور فاروقی م: ۱۳۸۱ھ: علم الفقہ (کامل)، مکتبہ فاروقیہ، دریائی ٹولہ لکھنؤ

۷۴ — مولانا عبدالماجد دریابادی م: ۱۹۷۷ء: مکتوبات سلیمانی، صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۷۵ — مولانا سید احمد عروج قادری م: ۱۴۰۶ھ: تصوف کی تین اہم کتابیں، ہندوستان پبلیکیشنز نئی دہلی
۱۹۸۳ء اشاعت اول

۷۶ — سلطان احمد اصلاحی: اسلام کا نظریۂ جنس (زیر طبع)

فارسی

۷۷ — سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش م ۴۶۵/۴۶۹ھ: کشف المحجوب، مطبع پنجابی لاہور،
حسب فرمائش الٰہی بخش کتب فروش (بدون سنہ)

انگریزی

۷۸ — Dr. D.R. Bhandari : History of European Political Philosophy, Bangalore Publishing Co. 1948.

۷۹ — Carl Stephenson : Mediaeval History, Europe from the second to the sixteenth century third Rev. edition 1951.

Harpers and brothers : Publishers New york (U.S.A.)

۸۰ — G.R. Scott : The History of Torture Throughout The Ages, London, T. Werner Laurie Ltd. 194.

۸۱ — E.S.P. Haynes : Religious Persecutions; a Study in Political Psychology. London, Walls & Co. 1906.

J.B. Bury : A History of Freedom of Thought, London, Oxford, University Press, 1957. —۸۲

C.T. Gorham : Religion as a Bar To Progress London, Walls & Co. 1930. —۸۳

A.G. Afanasyer : Marxit Philosophy - A popular Outline,
Progress Publishers, Moscore 1980. —۸۴

Bluntschli : The theory of the State
Oxford, London, third Edition. —۸۵

J.S. Schapiro, Liberalism - Its Meaning andHistory D. Van -nost rand Com Praiceton Ets. —۸۶

Robert H. Thoules : An Inroduction to The Psychology of Religion
Camb. University Press, 1961 —۸۷

(اخبارات ورسائل)

۸۸— سہ ماہی تحقیقات اسلامی ، علی گڑھ

۸۹— ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی

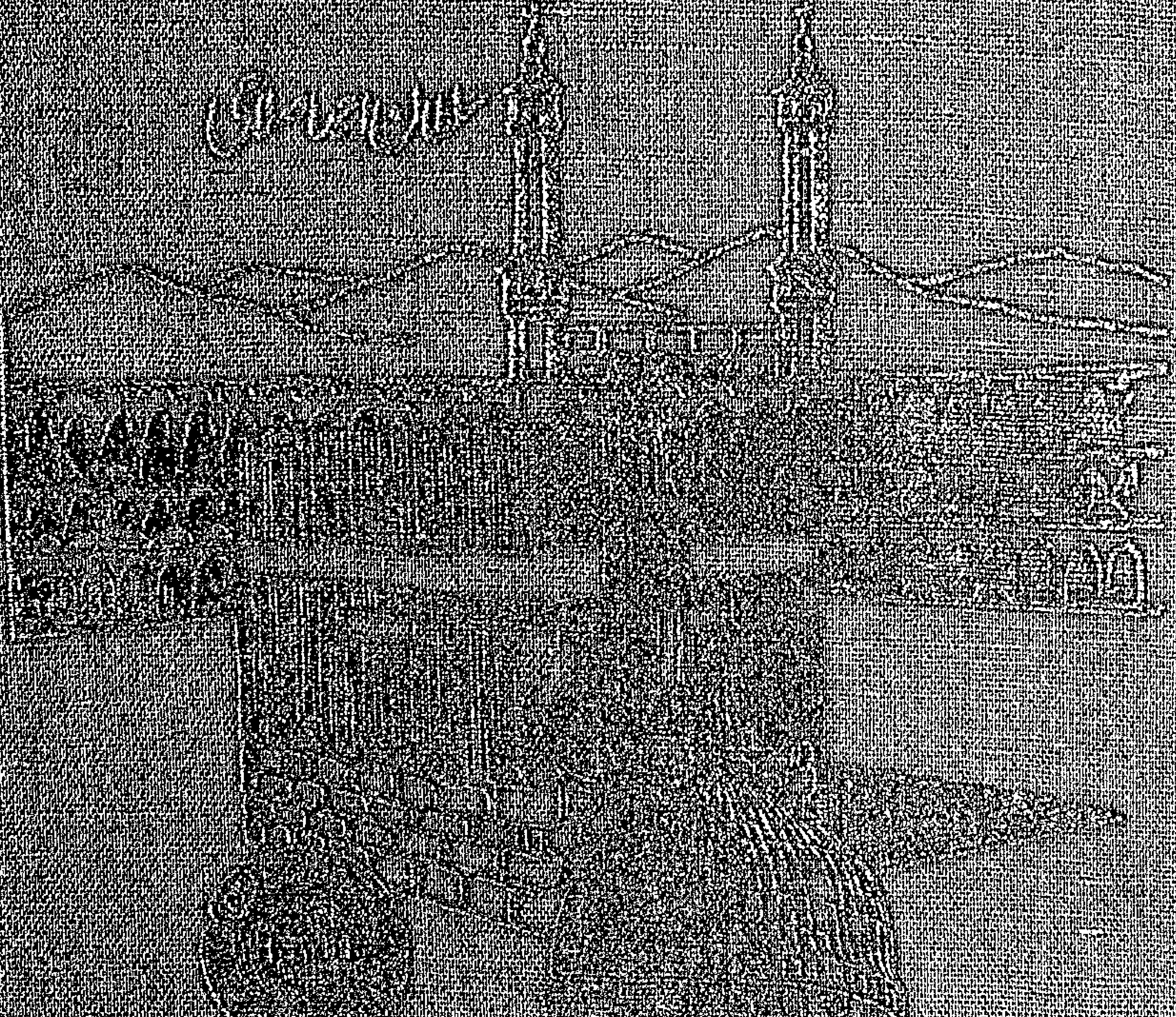

Marfat.com